ولو ردوه الى الرسول والى اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه (الآية)

جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے نصف صدی کے فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ حقانیہ

جلد چہارم

افادات

شیخ الحدیث مولانا عبد الحق و دیگر مفتیان کرام

جامعہ دار العلوم حقانیہ

نگرانی واہتمام

مولانا سمیع الحق مہتمم و استاذ حدیث

جامعہ دار العلوم حقانیہ

ترتیب مفتی مختار اللہ حقانی

شائع کردہ جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ پاکستان

(جملہ حقوق واشاعت وطباعت بحق ادارہ محفوظ ہیں)

نام کتاب .... فتاویٰ حقانیہ (جلد چہارم)

افادات .... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ ودیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی واہتمام .... شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب .... مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصص فی الفقہ والافتاء

ضخامت .... ۶۱۴ صفحات

تاریخ طبع ہفتم ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

طابع .... مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
Mob:0300-4572899

ناشر .... جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

فہرست مضامین جلد چہارم

کتاب الزکوٰۃ

باب صدقۃ الفطر

کتاب الحج

کتاب النکاح

باب آداب النکاح وشرائط

باب المہر

کتاب
الزکوٰۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے

لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ○

اُن کو اُن کے کاموں کا صلہ خدا کے ہاں ملیگا اور قیامت کے دِن اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وُہ غمناک ہونگے۔

سُورۃ البقرۃ : آیۃ ۲۷۷

باب صدقة الفطر

(صدقۃ الفطر کے احکام و مسائل کا بیان)

صدقۃ الفطر میں غناء کا نصاب

سوال:۔ اگر ایک آدمی کے پاس کئی قسم کے حیوانات ہوں لیکن ان میں سے ایک صنف بھی نصاب کو نہیں پہنچتی ہو اور تجارت کے لیے بھی نہ ہوں تو کیا ایسے آدمی پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قربانی اور صدقۂ فطر کے وجوب کے لیے بنیادی طور پر غنا کی موجودگی کافی ہے اگر ان اموال میں نمو نہ ہو، اموال کا نامی ہونا زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر ایک آدمی کے پاس ضرورت سے زائد ایک بھینس ہو اور اس کی قیمت مقدارِ نصاب کے برابر ہو تو اُس پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے جبکہ زکوٰۃ واجب نہیں ہے تاہم اس میں اُس کی ضرورت کی رعایت کی جائے گی، زمیندار کو کھیتی باڑی کیلئے دو بیلوں کی ضرورت ہوتی ہے تو تیسرا بیل بلا ضرورت شمار ہوگا۔

لما قال فی الهندیة: و ببقرة واحدة غنی و بثلاثة ثیران اذا ساوی احدهما مائتی درهم صاحبِ نصاب۔ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۲۹۳ کتاب الاضحیة الباب الاول فی تفسیرها)[1]

زکوٰۃ اور صدقۂ فطر کے وجوب کا نصاب

سوال:۔ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے نصاب اور صدقۂ فطر کے نصاب میں کیا فرق ہے؟

الجواب:۔ دونوں کا نصاب ایک ہے یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی ملکیت ہونے پر زکوٰۃ اور صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، تاہم زکوٰۃ کے لیے حولانِ حول یا سال بھر ہونا ضروری ہے جبکہ صدقۂ فطر کے لیے اس کی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامة اکمل الدین البابرتیؒ: ولا یشترط فیه النموای لا یشترط ان

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: و ببقرة واحدة غنی بثلاثة ثیران اذا تساوی احدهما مائتی درهم صاحبِ نصاب۔
(خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۱۰ الفصل الثانی فی نصاب الاضحیة)

يكون النصاب بمالٍ نام لانها وجبت با لقدرة الممكنة والنمو انما يشترط فيما يكون وجوبه بالقدرة الميسرة كالزكوٰة على ما عرف فى الاصول۔

(العناية على هامش فتح القدير ج ۲ ص ۲۱۹ باب صدقة الفطر) ؎۱

صدقۂ فطر کی مقدار

سوال:۔ صدقۂ فطر کی مقدار کیا ہے، اور قیمت کی ادائیگی میں بصورتِ تفاوت کون سی قیمت معتبر ہوگی؟

الجواب:۔ فقہ حنفی کی رُو سے نصف صاع یعنی ایک سو چالیس ۱۴۰ تولہ گندم صدقۂ فطر کی مقدار ہے، البتہ جَو یا کھجور سے ایک صاع یعنی دو سو اسی ۲۸۰ تولہ ادا کیا جائے گا۔ و فی الهندية: وهى نصف صاع من بر او صاع من شعير او تمر۔ (ج ۱ ص ۱۹۱ باب صدقة الفطر)

اس میں انگریزی کلو اور علاقائی سیر متفاوت ہے اس لیے تولہ کی مقدار سے علاقائی سیر کا تعین آسان ہے۔ ادائیگی میں فقیر کے مفاد کو مدِ نظر رکھا جائے، اگر قیمت میں فائدہ ہو تو مروجہ قیمت ادا کی جائے۔

قال علاء الدين الحصكفى رحمه الله: ويقوّم فى البلد الذى المال فيه۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۶ باب زكوٰة الغنم)

صدقۃ الفطر میں شرعی صاع معتبر ہوگا یا مروجہ صاع؟

سوال:۔ صدقۃ الفطر میں شرعی صاع معتبر ہوگا یا مروجہ صاع؟ اور اگر لوگ مروجہ صاع کے مطابق صدقۃ الفطر ادا کریں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

؎۱ قال حسن بن عمار بن علیؒ: مالك النصاب اعلم ان النصب ثلاثة نصاب يشترط فيه النماء وتتعلق به الزكوٰة وسائر الاحكام المتعلقة بالمال النامى ونصاب تجب به احكام اربعة حرمة الصدقة وجوب الاضحية وصدقة الفطر ونفقة الاقارب ولا يشترط فيه النمو بالتجارة ولا حولان الحول ونصاب تثبت به حرمة السوال وهو ما اذا كان عنده قوت يومه۔ الخ

(مراقى الفلاح ص ۳۹۴ باب صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج ۱ ص ۱۹۱ كتاب الزكوٰة الباب السابع فصل مايوضع فى بيت المال)

؎۲ قال الشيخ ابن الهمامؒ: (ويقومها) اى المالك فى البلد الذى فيه المال۔ الخ

(فتح القدير ج ۲ ص ۱۶۷ فصل فى العروض)

وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج ۱ ص ۱۸۰ الفصل الثانى فى العروض۔

الجواب:۔ صدقۃ الفطر ادا کرنے میں اصل اعتبار صاعِ شرعی کو ہے تاہم اگر مروجہ صاع کی مقدار مجہول ہو تو پھر اس کا اعتبار نہیں اور اگر مروجہ صاع شرعی صاع سے زائد ہو تو پھر زیادہ ادائیگی میں کوئی حرج نہیں، البتہ جب مروجہ صاع کم ہو تو جب تک شرعی صاع کے مطابق ادائیگی نہ ہو تو ذمہ داری فارغ نہیں ہوگی۔

لما قال فی الهندیة :۔ ثم یعتبر نصف صاع من بر او صاع من غیره بالوزن فیما روی ابو یوسفؒ عن ابی حنیفةؒ لان اختلاف العلماء فی الصاع بانه کم رطلاً وهو اجماع منهم بانه معتبر بالوزن وقیل هذه العبارة والصاع ثمانیة ارطال بالبغدادی والرطل البغدادی عشرون استاراً۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۹۲ کتاب الزکوٰة۔ الباب الثامن فی صدقة الفطر) [1]

حکومت کے جرمانہ کی ادائیگی میں صدقۂ فطر سے تعاون کرنا

سوال:۔ اگر کسی قیدی پر حکومت کے جرمانہ کی ادائیگی لازم ہو تو اس کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر اور زکوٰۃ کا مصرف ایک ہے لہٰذا مذکورہ شخص کے ذمہ جب حکومت کا جرمانہ واجب الادا ہو تو مدیون ہونے کی وجہ سے اس کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے۔

قال العلامة ابن نجیم رحمه الله :۔ وصدقة الفطر کالزکوٰة فی المصارف۔ الخ

(البحر الرائق ج ۲ ص۲۵۶ باب صدقة الفطر) [2]

اُجرت میں صدقہ فطر دینا جائز نہیں

سوال:۔ اگر ائمہ مساجد کو امامت کی اجرت میں صدقۂ فطر دیا جائے تو کیا اس سے صدقۂ فطر ادا ہوگا یا نہیں؟ اور خود امام کے لیے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] قال الامام برهان الدین المرغینانیؒ : ثم یعتبر نصف صاع من بر وزناً فیما یروی عن ابی حنیفةؒ وعن محمدؒ انه یعتبر کیلاً والدقیق اولیٰ من البر والدراهم اولیٰ من الدقیق۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج ۲ ص۲۲۹ باب صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۵۴ باب صدقة الفطر۔

[2] وفی الهندیة : ومصرف هذه الصدقة ما هو مصرف الزکوٰة۔ (الفتاوی الهندیه ج ۱ ص۱۹۴ باب صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۸۶ باب صدقة الفطر۔

الجواب:۔ صدقۂ فطر کی ادائیگی میں یہ ضروری ہے کہ کسی خدمت کے عوض نہ ہو، صدقاتِ واجبہ کی خصوصیت یہی ہے کہ اس میں تملیک بلاعوض شرط ہے۔ امامت یا اذان پر بذاتِ خود اُجرت لینے میں اگرچہ کوئی حرج نہیں لیکن صدقۂ فطر امامت کی اُجرت میں دینا ناجائز ہے، تاہم اگر دیا گیا تو اجرت کی ادائیگی تو ہو جائے گی صدقۂ فطر کا ذمہ باقی رہے گا۔ البتہ اگر ایک امام غریب ہو اور اس کے لیے امامت کی اُجرت (تنخواہ یا فیس) مقرر کی گئی ہو تو پھر اضافی تعاون کی صورت میں غریب امام کو صدقۂ فطر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وصدقة الفطر کالزکوٰة فی المصارف الا فی الدفع الی الذمی۔ (الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۳۶۹ باب صدقة الفطر)[۱]

صدقۂ فطر میں تجزی مضر نہیں

سوال:۔ کیا ایک صدقۂ فطر ایک آدمی کو دینا لازمی ہے یا متعدد فقراء پر تقسیم کیا جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر میں تجزی اور تقسیم مضر نہیں، اس لیے ایک صدقۂ فطر متعدد فقراء پر تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح ایک ہی شخص کو متعدد صدقاتِ فطر دیئے جا سکتے ہیں۔

قال شیخ الاسلام محمد بن عبد اللہ التمرتاشی الحنفیؒ: وجاز دفع کل شخص فطرته الی مسکین علی المذهب کما جاز دفع صدقة جماعة الی مسکین واحد بلا خلاف۔ (تنویر الابصار متن الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶۷ باب صدقة الفطر)[۲]

---

[۱] قال ابن نجیم رحمه اللہ:۔ وصدقة الفطر کالزکوٰة فی المصارف۔ الخ
(البحر الرائق ج۲ ص۲۵۶ باب صدقة الفطر)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۹۴ باب صدقة الفطر۔

[۲] قال العلامة ابوبکر الکاسانی رحمه اللہ:۔ ویجوز ان یعطی ما یجب فی صدقة الفطر عن انسان واحد جماعة مساکین ویعطی ما یجب عن جماعة مسکیناً واحد۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۷۵ فصل واما رکنها)
وَمِثْلُهٗ فی فتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیة ج۱ ص۲۳۱ باب صدقة الفطر۔

بیوی کا فطرانہ کس کے ذمّہ واجب ہے

سوال:۔ کیا بیوی کا فطرانہ شوہر کے ذمّے واجب ہے یا وہ خود ادا کرے گی، جبکہ اس کا مہر یا مال نصاب کو نہیں پہنچتا ہو؟

الجواب:۔ جب عورت مالکِ نصاب ہو تو صدقۂ فطر کی ادائیگی کی وہ خود ذمہ دار ہوگی شوہر کے ذمّے بیوی کا فطرانہ ادا کرنا لازم نہیں تاہم اگر شوہر نے بیوی کی طرف سے فطرانہ دیدیا تو ادا ہو جائے گا۔ اور اگر وہ نصاب کا مالک نہ ہو تو سرے سے اس پر فطرانہ واجب ہی نہیں۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ:۔ ولا یؤدی عن زوجته ولا عن اولاده الکبار وان کانوا فی عیاله ولو ادی عنهم او عن زوجته اجزاهم استحسانًا۔ (الهدایہ ج ۱ ص۱۹۱ باب صدقة الفطر) ؎۱

کیا قرض معاف کر دینے سے صدقہ فطر ادا ہوگا؟

سوال:۔ ایک شخص کے ذمّے کچھ قرض ہے، اگر قرض دہندہ وہ قرض اس غریب آدمی کو صدقہ فطر کی جگہ معاف کردے تو کیا اس شخص کا صدقہ فطر ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ فطرانہ صدقاتِ واجبہ میں سے ہے جس میں تملیک شرط ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں چونکہ تملیک نہیں ہوئی بلکہ بغیر وصولی کے معاف کیا جاتا ہے اسلئے صدقۂ فطر ادا نہیں ہوگا۔ تاہم اگر اس طرح کرنا ہی ہو تو پہلے غریب مقروض کو فطرانہ ادا کرے اور اس کے بعد اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ ویشترط ان یکون الصرف تملیکًا۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف) ؎۲

؎۱ وفی الهندیة:۔ ولا یؤدی عن زوجته ولا عن اولاده الکبار وان کانوا فی عیاله ولو ادی عنهم او عن زوجته اجزاهم استحسانًا۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۹۳ الباب الثامن فی صدقة الفطر)

ومثلهٗ فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص۱۶۳ باب صدقة الفطر۔

؎۲ وفی الهندیة: فهی تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه لله تعالیٰ هذا فی الشرع۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰة-الباب الاول فی تفسیره۔

صدقہ فطر اور قربانی میں احتیاط

سوال:۔ ایک شخص صاحب جائداد ہے لیکن اس کی آمدنی (قوتِ لا یموت) کا جو ذریعہ ہے اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی نقد مال نہیں، تو کیا اس شخص پر صدقہ فطر یا قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں مفتیٰ بہ رائے یہ ہے کہ اس شخص پر قربانی یا فطرانہ واجب نہیں البتہ احتیاط یہی ہے کہ حتی الامکان فطرانہ یا قربانی ادا کرے۔ اور اگر جائیداد کی آمدنی اسکی حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو تو اس صورت میں بالاتفاق فطرانہ اور قربانی واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ:۔ سئل محمدؒ عمن له ارض یزرعها او حانوت یستغلها او دار غلتها ثلاثة الاف لا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکوٰة وان کانت قیمتها تبلغ الوفا وعلیه الفتوٰی وعندهما۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۴۸ باب المصرف) [۱]

رمضان کے دوران صدقہ فطر ادا کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص صدقہ فطر رمضان المبارک میں ادا کرے تو کیا اس سے اُس شخص کا ذمہ فارغ ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صدقہ فطر کا وجوب عید الفطر کے دن طلوعِ فجر سے پہلے نہ ہوگا لیکن اگر کوئی شخص عید سے قبل ہی فطرانہ ادا کرنا چاہے وہ رمضان کے کسی بھی دن میں ادا کرے تو اس کا فطرانہ ادا ہو جائے گا، اگرچہ مستحب عید کے دن عید گاہ میں جانے سے قبل ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ:۔ والمستحب ان یخرج الفطرة یوم الفطر قبل الخروج الی المصلی...... فان قدمها یوم الفطر جاز لانه ادی بعد تقرر السبب فاشبه التعجیل فی الزکوٰة۔ (الهدایة ج۱ ص۱۹۳ باب صدقة الفطر) [۲]

---

[۱] وفی الهندیة:۔ وکذا لو کان له حوانیت او دار غلة تساوی ثلاثة آلاف درهم وغلتها لا تکفی لقوته وقوت عیاله یجوز صرف الزکوٰة الیه فی قول محمدؒ ولو کان له ضیعة تساوی ثلاثة آلاف الخ۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۸۹ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۰ باب المصرف۔

[۲] لما فی الهندیة:۔ والمستحب للناس ان یخرجوا الفطرة بعد طلوع الفجر یوم الفطر قبل الخروج الی المصلی۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۹۲ باب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۶۵ باب صدقة الفطر۔

کیا فطرانہ میں غلہ کی قیمت دینا جائز ہے

سوال:۔ آجکل لوگ فطرانہ میں گندم وغیرہ کی قیمت دیدیتے ہیں، تو کیا فطرانہ میں غلہ کی قیمت دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ اور فطرانہ کا حکم ایک جیسا ہے جس طرح عشر میں پیداوار کی قیمت ادا کرنا جائز ہے اسی طرح فطرانہ میں بھی غلہ کی قیمت دینا درست ہے بلکہ بہتر ہے، بخلاف قربانی کے وہاں جانور ذبح کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ دفع القیمۃ ای الدراھم افضل من دفع العین علی المذھب المفتیٰ بہ جوھرۃ وبحر عن الظھیریۃ وھذا فی السعۃ اما فی الشدۃ فدفع العین افضل کما لا یخفی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶۶ باب صدقۃ الفطر) [۱]

علاقائی سطح پر گندم کی قیمت میں تفاوت کی صورت میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا

سوال:۔ اگر پنجاب میں گندم کی قیمت کم ہوا ور سرحد میں زیادہ ہو تو کیا ہم پنجاب میں گندم کی قیمت کا اعتبار کرکے فطرانہ دیں تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب:۔ اصل یہ ہے کہ فطرانہ میں گندم یا وہ چیز دی جائے جس کا اعتبار شریعت نے کیا ہے، اور اگر اس کے بدلے میں قیمت دینا چاہیں تو اپنے شہر کی قیمت کا اعتبار کرکے دی جائے، دوسرے علاقے یا شہر کی قیمت کا اعتبار کرنا درست نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ ویقوم فی البلد الذی المال فیہ ولو فی مفازۃ ففی اقرب الامصار الیہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۶ باب زکوٰۃ الغنم) [۲]

---

[۱] وفی الھندیۃ: والدقیق اولیٰ من البر والدراھم اولیٰ من الدقیق لدفع الحاجۃ وما سواہ من الحبوب لا یجوز الا بالقیمۃ وذکر فی الفتاویٰ ان اداء القیمۃ افضل من غیر منصوص علیہ وعلیہ الفتویٰ۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۹۲ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر)
وَمِثْلُہٗ فی الجوھرۃ النیرۃ ج۱ ص۱۶۴ باب صدقۃ الفطر۔

[۲] وفی الھندیۃ:۔ ویقومھا المالک فی البلد الذی فیہ المال حتی لو بعث عبداً للتجارۃ الی بلد آخر محال الحول تعتبر قیمتہ فی ذٰلک البلد ولو کان فی مفازۃ تعتبر قیمتہ فی اقرب الامصار الی ذٰلک الموضع۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۸۰ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذھب والفضۃ والعروض)
وَمِثْلُہٗ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۶ ص۳۰۸ مسائل صدقۃ الفطر۔

نصف صاع سے کم آٹا صدقہ فطر میں دینے کا حکم

سوال:۔ اگر گندم کی بجائے آٹا نصف صاع سے کم اس لیے دیا جائے کہ گندم کے صاف کرنے اور اس کی پسائی پر کچھ رقم بھی خرچ ہوتی ہے، تو کیا اس طرح فطرانہ ادا ہو جائے گا؟

الجواب:۔ فقہی ذخائر کی صریح عبارات نے گندم اور آٹے کو برابر شمار کیا ہے کہ فطرانہ میں نصف صاع گندم یا آٹا یا ستو دینا واجب ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں فطرانہ پوری طرح ادا نہیں ہوا، نصف سے جتنا کم آٹا دیا ہوا ہے اُتنا آٹا اور دینا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ نصف صاع من بر او دقیقه او سویقه او زبیب

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۴ باب صدقة الفطر) [۱]

غیر منصوص اشیاء میں فطرانہ کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقہ میں چاول کی فصل زیادہ ہوتی ہے، اگر ہم صدقہ فطر میں چاول دینا چاہیں تو کس مقدار سے ادا کریں، نصف صاع کے اعتبار سے یا پورے صاع کے اعتبار سے؟

الجواب:۔ فقہاء احناف نے غیر منصوص اشیاء سے فطرانہ ادا کرنے کے بارے میں تصریح کی ہے کہ اگر کوئی غیر منصوص اشیاء سے فطرانہ ادا کرنا چاہتا ہو تو منصوص اشیاء کی قیمت کا اعتبار کرکے اُس قیمت کے برابر جتنا چاول یا دیگر غیر منصوص اشیاء بنتے ہوں دیئے جائیں تو اس طرح فطرانہ ادا ہو جائے گا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ نصف صاع فاعل یجب من بر او دقیقه او سویقه او زبیب ..... او صاع تمر او شعیر ولو ردیًا وما لم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۴ باب صدقة الفطر) [۲]

---

[۱] وفی الهندیة:۔ وهی نصف من بر او صاع من شعیر او تمر و دقیق الحنطة والشعیر وسویقهما مثلهما والخبز لایجوز الا باعتبار القیمة وهو الاصح۔ الخ (الفتاوی الهندیه ج ۱ ص ۱۹۱ الباب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج ۱ ص ۱۹۲ باب صدقة الفطر۔

[۲] وفی الهندیة:۔ ثم الدقیق اولی من البر والدراهم اولی من الدقیق لدفع الحاجة وماسواه من الحبوب لایجوز الا بالقیمة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۹۲ الباب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص ۱۶۵ باب صدقة الفطر۔

میوہ جات میں گندم کی قیمت کا اعتبار ہوگا

سوال:۔ اگر کوئی علاقہ ایسا ہو جہاں گندم وغیرہ منصوص اشیاء کی پیداوار نہ ہو بلکہ وہاں دیگر میوہ جات کے باغات ہوں تو وہاں کے رہنے والے فطرانہ میں گندم کی قیمت کا اعتبار اپنے علاقہ کی قیمت کے مطابق کریں یا جہاں گندم پیدا ہوتی ہو وہاں کی قیمت کا اعتبار کریں؟

الجواب:۔ جہاں گندم وغیرہ منصوص اشیاء پیدا نہ ہوتی ہوں تو فطرانہ میں اپنے علاقہ کی پیداوار کو گندم وغیرہ کی قیمت کے برابر ادا کیا جائے جبکہ گندم کی قیمت کا اعتبار اپنے علاقے یا شہر کا ہوگا، جہاں گندم پیدا ہوتی ہو وہاں کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ:۔ نصف صاع يجب من بر او دقيقه او سويقه او زبيب او صاع تمر او شعير ولو رديًا ولم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶۴ باب صدقة الفطر)

وقال ایضاً: ويقوم فی البلد الذی المال فيه۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار جلد ۲ ص۲۸۶ باب زكوٰة الغنم) [1]

کم سنی میں بچی کے نکاح کی وجہ سے اس کے صدقۂ فطر کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ بہت کم سنی میں ماں باپ بچی کا نکاح کر دیتے ہیں، تو شرعاً ایسی بچی کا صدقۂ فطر ماں باپ پر واجب ہے یا سسرال والوں پر؟

الجواب:۔ جس لڑکی کا نکاح کم سنی میں ہوا ہو تو اس کے صدقۂ فطر کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ خود صاحبِ مال ہو تو صدقۂ فطر اُسی کے مال سے دیا جائے گا اور صاحبِ مال نہ ہو تو اگر رخصتی نہ ہوئی ہو تو باپ کے ذمے ورنہ کسی پر بھی واجب نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله: زوج ابنته الصغيرة من رجل وسلمها اليه ثم جاء يوم الفطر لا يجب عَلَى الْاَبِ

---

[1] وفی الهندية: ثم الدقيق اولى من البر والدراهم اولى من الدقيق لدفع الحاجة وماسواه من الحبوب لايجوز الا بالقيمة۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۹۲ الباب الثامن فی صدقة الفطر)
وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۶۵ باب صدقة الفطر۔

صدقۃ الفطر۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۲ ص۴۲۶ الفصل الثالث عشر فی صدقۃ الفطر) لـہ

حقیقی بھائی کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے

سوال:۔ کیا اپنے حقیقی بھائی کو صدقۂ فطر اور نماز و روزے کا فدیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بہن بھائی چونکہ اصول و فروع میں داخل نہیں ہیں اس لئے ان کو جملہ صدقات دینا جائز ہیں چاہے زکوٰۃ ہو یا صدقۂ فطر وغیرہ، اسی طرح نماز روزے کا فدیہ دینا بھی جائز ہے۔

وفی الھندیۃ: والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذر والصرف اولاً الی الاخوۃ والاخوات ثم الی اولادھم ثم الی الاعمام والعمات الخ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۱۹۰ باب المصارف) ۲ـہ

صدقۂ فطر دوسرے شہر کو منتقل کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ زکوٰۃ تو ایک شہر سے دوسرے شہر کو منتقل کرنا مکروہ ہے تو کیا صدقۂ فطر کا بھی یہی حکم ہے؟

الجواب:۔ جس طرح زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے اسی طرح صدقۂ فطر کا انتقال بھی کراہت سے خالی نہیں، البتہ اگر ایک شہر کے لوگ زیادہ حاجتمند نہ ہوں تو پھر اس کے انتقال میں کوئی کراہت نہیں۔

وفی الھندیۃ: ویکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد الا ان ینقلھا الانسان الی قرابتہ او الی قوم ھم احوج الیھا من اھل بلدہٖ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۱۹۰ باب المصارف) ۳ـہ

لـہ لما فی الھندیۃ: زوج ابنتہ الصغیرۃ من رجل وسلمھا الیہ ثم جاء یوم الفطر لا تجب علی الاب صدقۃ الفطر۔
(الفتاویٰ الھندیہ ج ۱ ص۱۹۲ باب صدقۃ الفطر)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص۸۰ باب صدقۃ الفطر۔

۲ـہ قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: قید باصلہ وفرعہ لان من سواھم من القرابۃ یجوز الدفع لھم وھو اولیٰ لما فیہ من الصلۃ مع الصدقۃ کالاخوۃ والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۴۲ باب المصارف)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص۸۰ باب صدقۃ الفطر۔

۳ـہ قال العلامۃ ابو البرکات النسفیؒ: وکرہ نقلھا الی بلد آخر لغیر قریب واحوج۔
(کنز الدقائق علیٰ ھامش البحر الرائق ج ۲ ص۲۵۰ باب المصارف)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص۷۶ باب صدقۃ الفطر۔

نابالغ بچے کا فطرانہ اس کے والد پر واجب

سوال:۔ اگر ایک نابالغ بچہ نصاب کا مالک ہو یا نہ ہو مگر باپ نے اس کا صدقۂ فطر ادا نہ کیا ہو تو کیا یہ بچہ بلوغ کے بعد اپنا صدقۂ فطر ادا کرے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر واجب ہے چاہے بالغ ہو یا نابالغ، اور اگر نابالغ بچے کا باپ مالدار ہو تو اُس پر اپنے نابالغ بچے کا فطرانہ دینا واجب ہے۔ اب اگر بچہ خود مالدار ہو مگر اس کے سرپرست نے فطرانہ اس کی طرف سے ادا نہ کیا تو بعد البلوغ بچے پر اپنا فطرانہ ادا کرنا واجب ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: علیٰ کل حرٍ مسلم ولو صغیرًا ومجنونًا حتّٰی لو لم یخرجھما ولیھما وجب الاداء بعد البلوغ۔ (الدر المختار علیٰ ھامش الطحطاوی ج ۱ ص۴۳۳ باب صدقۃ الفطر)[۱]

قیدیوں کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے

سوال:۔ اگر جیل میں قیدیوں کو صدقۂ فطر دیا جائے تو کیا اِس سے صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر کے لیے بھی زکوٰۃ کی طرح فقیر و غریب شخص کو تملیک کرانا لازمی ہے لہٰذا اگر جیل میں قیدی غریب اور فقیر ہوں تو ان کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے۔

لما قال العلامۃ ابو البرکات النسفیؒ: ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعۃ من المملک من کل وجہ۔

(کنز الدقائق علیٰ ھامش البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)[۲]

---

[۱] لما قال الشیخ اشرف علی شاہ التھانوی رحمۃ اللہ:۔ ہاں اس صبی کو بعد بلوغ صدقۂ فطر ادا کرنا ہوگا، اور اگر صبی مالکِ نصاب نہ ہو گو باپ صاحبِ نصاب تھا اور اُس نے ادا نہ کیا تو صبی پر بعد البلوغ واجب ہوگا۔

(امداد الفتاویٰ ج ۲ ص۲۸ باب صدقۃ الفطر)

[۲] قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفیؒ: ھی تملیک خرج الاباحۃ فلو اطعم یتیمًا ناویا الزکوٰۃ لا یجزیہ..... جزء مال .... عینہ الشارع وھو ربع عشر نصاب حولی.....من مسلم فقیر ولو معتوھا غیر ھاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعۃ عن المملک من کل وجہ فلا یدفع لاصلہ وفرعہ للہ تعالیٰ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۵۶ تا ۲۵۸ کتاب الزکوٰۃ)

پچاس روپے کے نصاب پر قربانی فطرانہ کی تحقیق

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ فتاویٰ رشیدیہ ص۴۳۱ میں لکھا ہے کہ جس کے پاس پچاس روپیہ نقد ہو اس پر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے، کیا یہ نصاب صحیح ہے؟

الجواب: فتاویٰ رشیدیہ میں پچاس روپے کے نصاب سے مراد اس زمانے کے سونے کے روپے ہیں جن کی قیمت نصاب کے برابر تھی۔ آجکل کاغذی نوٹوں کا یہ نصاب نہیں ہے بلکہ چاندی یا سونے کے نصاب کے حساب سے جو پیسے بنتے ہوں اتنے ہی میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لیے کہ موجودہ دور کے کاغذی نوٹ عروضِ تجارت کے حکم میں ہیں۔

وفی الهندیة :الزکوٰۃ واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت اذا بلغت قیمتها نصاباً من الورق والذهب کذا فی الهدایة ۔(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۲۹ الفصل الثانی فی العروض)[۱]

زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے نصاب میں مال نامی اور غیر نامی کا فرق

سوال:۔ ایک شخص نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ جس آدمی پر زکوٰۃ واجب نہ ہو اس پر صدقہ فطر بھی واجب نہیں، تو کیا یہ بات صحیح ہے یا دونوں کے نصاب میں کچھ فرق ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ، صدقہ اور قربانی کا نصاب اگرچہ ایک ہی ہے یعنی جس شخص کے پاس ۵۲½ تولہ چاندی یا ۷½ تولہ سونا یا دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر موجودہ کرنسی یا دوسرا سامان جو حوائجِ اصلیہ اور قرض سے زائد موجود ہو تو اس پر زکوٰۃ، صدقہ فطر اور قربانی تینوں واجب ہیں، البتہ زکوٰۃ کے نصاب کے ساتھ نمو اور سال کا گذرنا ضروری ہے جبکہ صدقہ فطر اور قربانی کے نصاب کے ساتھ یہ دونوں شرطیں ضروری نہیں، لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ جس کے ذمے زکوٰۃ دینا لازم نہ ہو وہ صدقہ فطر بھی

---

[۱] قال العلامة ابن نجیمؒ: وفی عروض تجارة بلغت نصاب ورق اوذهب معطوف علی قوله اول الباب فی مأتی درهم ۔(البحر الرائق ج ۲ ص۲۲۸ باب زکوٰۃ المال)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار ج ۲ ص۳۳ باب زکوٰۃ المال۔

ادا نہ کرے بلکہ نفس نصاب ہونے کی صورت میں صدقہ فطر واجب ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وسببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی .... نام ....
فارغ عن دين له مطالب الخ. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص۶ کتاب الزکوٰۃ)

وقال الحصکفیؒ: علیٰ کل حر مسلم..... ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلیه کدینه وحوائج عیاله وان لم ينم كما مر... وانما لم يشترط النمو لان وجوبها بقدرة ممكنة. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص۳۶۴ کتاب الزکوٰۃ، باب صدقة الفطر)[۱]

کیا صدقۂ فطر کے وصول کے لیے عامل مقرر کرنا ضروری ہے

سوال:۔ کیا زکوٰۃ کی طرح صدقۃ الفطر کے وصول کے لیے بھی حاکم وقت عامل مقرر کر کے وصول کرے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے اگرچہ حاکمِ وقت کو اختیار ہے کہ وہ عامل مقرر کر کے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے مگر صدقۃ الفطر کا حکم اس سے الگ ہے اس کی وصولی کے لیے حکومتِ وقت عامل مقرر نہیں کر سکتی۔

لما قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ:۔ ولا یبعث الامام علیٰ صدقة الفطر ساعیًا لان النبی صلی الله علیه وسلم لم یبعث ... الخ (البدائع والصنائع ج ۲ ص۷۵ فصل صدقة الفطر فی آخر الزکوٰۃ)[۲]

صدقہ فطر میں اسی ملک کی کرنسی کا اعتبار ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک آدمی انگلینڈ میں رہتا ہے اور وہ صدقۂ فطر پاکستان میں ادا کرنا چاہتا ہے، تو کیا وہ اس رقم کو پونڈ کی شکل میں یا پاکستانی کرنسی کی شکل میں ادا کرے گا؟ شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ آدمی جہاں بھی ہو صدقۂ فطر وہاں کی کرنسی کے حساب سے ادا کیا جائے گا۔

---

[۱] قال العلامۃ برهان الدین المرغینانی رحمه الله: ولا یشترط فیه النمو ویتعلق بهذا النصاب حرمان الصدقة ووجوب الاضحیة والفطر۔

(الهدایة ج ۱ ص۱۹۰ باب صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۱۹۱ الباب الثامن فی صدقة الفطر۔

[۲] لما قال ابن نجیمؒ: ولا یبعث الامام علیٰ صدقة الفطر ساعیًا لان النبی صلی الله علیه وسلم لم یبعث۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۵۶ باب صدقة الفطر)

اگر کوئی شخص انگلینڈ میں رہتا ہے تو وہ پاؤنڈ کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کرے گا اور اگر پاکستان میں رہتا ہو تو پاکستانی روپیہ کے حساب سے ادا کرے گا۔

بھائی کی طرف سے ادا کردہ صدقۂ فطر کی رقم لینے کا حکم

سوال :- میرا بھائی سعودی عرب میں ہے اور اس کے بیوی بچے پاکستان میں ہیں، عید الفطر پر اسکے پیسے لیٹ ہو گئے تو میں نے اپنی جیب سے اسکے بال بچوں کا صدقۂ فطر ادا کر دیا، اب اسکے پیسے پہنچ گئے ہیں اور اُس نے صدقۂ فطر ادا کرنے کا کہا بھی ہے، تو کیا میں اُن پیسوں سے اپنے وہ پیسے لے سکتا ہوں یا نہیں جو میں نے بھائی کی طرف سے صدقہ کیے تھے ؟

الجواب :- چونکہ صدقہ فطر آپ کے بھائی پر واجب تھا جو آپ نے اسکی طرف سے ادا کیا تو یہ پیسے اُسکے ذمہ قرض ہو گئے، اب چونکہ اُسکے پیسے پہنچ گئے ہیں اس لیے آپ اُن پیسوں سے اپنا حق وصول کر سکتے ہیں۔

لما قال المفتی عبد الرحیمؒ : (الجواب) صدقہ کی رقم موصول ہونے سے پہلے اپنی رقم میں سے بھائی صدقہ کر دے اور آنے والی رقم خود رکھ لے تو اس کی گنجائش ہے۔ (فتاوی رحیمیۃ ج ۸ ص ۲۲۵ احکام صدقہ فطر)

زمیندار کیلئے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم

سوال :- جناب مفتی صاحب! ایک شخص کی بہت زیادہ زمین ہے لیکن اس کے پاس کوئی نقدی وغیرہ نہیں اور نہ ہی اس زمین سے کوئی خاص آمدنی حاصل ہوتی ہے، تو کیا اس شخص پر صدقۂ ادا کرنا لازمی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اگر یہ زمین اس کے اہل وعیال کے جملہ نان ونفقہ اور دیگر اخراجات سے زائد ہو اور اس کی قیمت نصاب تک پہنچتی ہو تو اس شخص پر صدقہ فطر ادا کرنا لازمی ہے اور اگر زمین کی جملہ آمدنی سے بمشکل اس کی گذر بسر ہوتی ہو اور اس کے پاس کوئی نقدی وغیرہ بھی نہ ہو تو پھر اس کے ذمہ صدقۃ الفطر لازم نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ : تجب علیٰ کل مسلم لو صغیراً مجنوناً ------ ذی نصاب فاضل عن حاجتہ الاصلیۃ کدینہ وحوائج عیالہ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۸ تا ۳۶۰ باب صدقۃ الفطر)

باب مصارف الزکوٰۃ

(زکوٰۃ کے مصارف کے بیان میں)

مال دار کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص کی جائیداد غیر منقولہ کی قیمت لگاکر حساب لگایا جائے تو قیمت کے اعتبار سے یہ شخص غنی شمار ہو سکتا ہے لیکن اس جائیداد سے حاصل ہونے والی آمدنی اتنی نہیں کہ جس سے اس کی گزر اوقات ہو، کیا ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں غیر منقولہ جائیداد کی قیمت کو اعتبار نہیں بلکہ غنا میں بنیادی طور پر اس کے گزر اوقات کو دیکھا جاتا ہے، اس لیے جب کسی شخص کی جائیداد کی قیمت تو زیادہ ہو لیکن آمدنی کے اعتبار سے اس کے معاش کیلئے یہ ناکافی ہو اور نہ اس کے پاس نقد رقم ہی ہو تو ایسا شخص مصرفِ زکوٰۃ ہے اور اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

لما قال فی الهندیة : وکذا لوکان عندهٗ من المصاحف وهو یحتاج إلیه و إن کان ...... وکذا لوکان لهٗ حوانیت اودار غلة تساوی ثلٰثة آلاف درهم وغلتها لاتکفی لقوته وقوت عیاله یجوز صرف الزکوٰة إلیه فی قول محمدؒ ولوکان لهٗ ضیعةٌ تساوی ثلٰثة آلاف ولاتخرج ما یکفی لهٗ ولعیاله إختلفوا فیه قال محمد بن مقاتل یجوز له أخذ الزکوٰة۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۹ کتاب الزکوٰة۔الباب السابع فی المصارف)[1]

صاحب جائیداد کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ ایک آدمی کے پاس تقریباً ۲۵ کنال زمین ہے اور اس کی قیمت نصابِ زکوٰۃ یعنی ۵۲½ تولہ چاندی سے زیادہ ہے، اور اس کے پاس رہنے کے لیے اپنا مکان بھی ہے، تو کیا یہ شخص دوسروں سے

---

[1] قال طاهر بن عبدالرشید البخاریؒ : ولوکان له ضیعة تساوی ثلٰثة آلاف درهم ولا یخرج منها ما یکفی له ولعیاله إختلفوا فیه قال محمد بن مقاتل یجوز له أخذ الزکوٰة ۔

(خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۲۴۲ ۔الفصل الثامن فی اداء الزکوٰة)

ومثلهٗ فی البزازیة علی هامش الهندیة ج ۴ ص۸۵ الباب الثانی فی المصرف)

زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں زمین کی قیمت کا اعتبار نہیں اور نہ قیمت سببِ غنا ہے بلکہ زمین کی آمدنی اگر جملہ اخراجات کے لیے کافی ہو تو یہ شخص صاحبِ جائیداد ہے اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں اور اگر زمین کی آمدنی ضرورت کے لیے کافی نہ ہو تو پھر اس شخص کے لیے زکوٰۃ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

ولو كان له ضيعة قيمتها آلاف ولا يحصل منه ما يكفي لهٗ ولعياله اختلف فيه قال ابن مقاتل يجوز صرف الزكوٰة اليه۔ (بزازیہ علی هامش الهنديہ ج ۴ ص۸۵ الثاني في المصرف) [۱]

گائے یا بیل کے مالک کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک آدمی کے پاس ایک گائے ہو اور اس کی قیمت مقدارِ نصاب کو پہنچتی ہو تو اس شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی صرف ایک گائے کا مالک ہونے سے وہ آدمی غنی شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ غنا کے لیے حوائجِ اصلیہ سے ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی کی مروجہ قیمت کے مالیت کا مالک بننا ضروری ہے، اگر کسی شخص کی ضروریات سے زائد ایک گائے یا بیل ہو اور اس کی قیمت ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی تک پہنچتی ہو تو اس سے یہ شخص غنی متصور ہوگا اور اس کیلئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

قال في الهندية: وببقرة واحدة غني وبثلاثة ثيران إذا ساوى أحدها مائتي درهم صاحب نصاب۔ (الفتاوىٰ الهندية ج ۵ ص۲۹۳ كتاب الاضحية۔ الباب الأول في تفسيرها۔ الخ) [۲]

---

[۱] قال طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: وكذا لو كان له ضيعة تساوي ثلاثة آلاف درهم ولا يخرج منها ما يكفي له ولعياله إختلفوا فيه قال محمد بن مقاتل يجوز لهٗ أخذ الزكوٰة۔

(خلاصة الفتاوىٰ ج ۱ ص۲۴۲ الفصل الثامن في أداء الزكوٰة)

وَمِثْلُهٗ في الهندية ج ۱ ص۱۸۹ الباب الثالث في زكوٰة الذهب والفضة والعروض۔

[۲] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: وببقرة واحدة غني وبثلاثة ثيرانٍ غني إذا تساوى أحدها مائتي درهم صاحبِ نصاب۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج ۴ ص۳۱۰ الفصل الثاني في نصاب الاضحية)

غنی آدمی کا زکوٰۃ قبض کر کے پھر فقیروں کو دینے کا حکم

سوال :- ایک صاحب نصاب آدمی زکوٰۃ کی رقم اپنے قبضے میں لے کر خود تو استعمال نہیں کرتا ہے بلکہ فقیروں اور مستحقین کو دیدیتا ہے تو اس شخص کے لیے زکوٰۃ کے مال کا اپنے قبضہ میں لینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب :- مذکورہ شخص کے لیے دوسروں سے زکوٰۃ لینا جائز نہیں کیونکہ یہ غنی ہے اور غنی آدمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اور اس صورت میں یہ آدمی نہ اصیل ہے اور نہ وکیل، اور مالِ زکوٰۃ کو اپنے قبضہ میں لے کر دوسروں کو بطور صدقہ دیتا ہے لہٰذا اس طریقے سے مالِ زکوٰۃ اپنے قبضہ میں لے کر محتاجوں اور فقیروں کو دینا مناسب نہیں، تاہم توکیلاً قبضہ کر کے فقیروں میں تقسیم کرنا مرخص ہے۔

لما فی الھندیۃ : وکذا لو کان عندہ من المصاحف وھو یحتاج إلیہ وإن کان لا یحتاج الیہ وھو یساوی مائتی درھم لا یجوز صرف الزکوٰۃ إلیہ ولا یجوز لہ أخذھا۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۸۹ کتاب الزکوٰۃ۔الباب السابع فی المصارف)[1]

اصول وفروع زکوٰۃ کا مصرف نہیں

سوال :- اگر کسی شخص کے والدین علیحدہ علیحدہ رہتے ہوں، آمد وخرچ کا نظام ایک دوسرے سے الگ ہو، کیا ایسی صورت میں کسی ایک کے غریب ہونے کی صورت میں اس کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اصول وفروع اور میاں بیوی کا رشتہ ایسا قوی رشتہ ہے جو املاک کے الگ ہونے کے باوجود بھی الگ نہیں ہوتا، اس لیے علیحدہ علیحدہ کاروبار کے ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ :- ولا یدفع المزکی زکوٰۃ مالہ إلی ابیہ وجدہ وإن علا ولا إلی ولدہ وولد ولدہ وإن

---

[1] قال الامام برھان الدین المرغینانی ؒ : ولا تدفع الی غنیٍّ لقولہ علیہ السلام ولا تحل الصدقۃ لغنیٍّ۔ (الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۲۰۸ باب ما یجوز دفع الزکوٰۃ ومالا یجوز) ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۴ کتاب الزکوٰۃ باب المصرف۔

سفل ۔الخ (الھدایۃ ج ۱ ص ۲۰۶ باب المصارف) ۱؎

رشتہ دار کو زکوٰۃ دینے میں صلہ رحمی کی رعایت ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کے رشتہ دار محتاج ہونے کے باوجود دیندار نہ ہوں تو کیا کسی اجنبی فقیر (جو دیندار ہو) کو زکوٰۃ دینی چاہیئے یا اس قریبی رشتہ دار کو؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ میں ملنے والی رقم بے دینی کے کاموں میں خرچ کرتا ہو تو ایسے شخص کو خواہ وہ رشتہ دار ہو یا اجنبی ہو زکوٰۃ دینا تعاون علی المعصیت کے مترادف ہے، البتہ اگر بے دینی کے کاموں میں خرچ نہ کرتا ہو ذاتی ضروریات میں صرف کرتا ہو تو پھر رشتہ دار کی رعایت اولیٰ ہے، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے علاوہ اس میں صلہ رحمی کی رعایت بھی ہے۔ البتہ اگر کسی اجنبی کو زکوٰۃ دی گئی ہو تو ذمہ فارغ متصوّر ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ: وقید بالولاد لجوازہ لبقیۃ الاقارب کالاخوۃ والاعمام والاخوال الفُقراء بل ھم اولیٰ لانہ صلۃ وصدقۃ وفی الظھیریۃ ویبدأ فی الصدقات بالاقارب ثمّ الموالی ثمّ الجیران۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۴۶ باب المصرف) ۲؎

بہن بھائی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال:۔ اگر بہن بھائی غریب ہوں تو کیا ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے نادار بہن و بھائی کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میاں بیوی اور اصول وفروع کے علاوہ باقی تمام رشتہ داروں کو

۱؎ قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ ولا الیٰ من بینھما ولاد..... ای اصلہ وان علا کابویہ واجدادہ وجدّاتہ من قبلھما وفرعہ وان سفل۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۴۳ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف۔

۲؎ قال زین الدین ابن نجیمؒ: وقید باصلہ وفرعہ لان من سواھم من القرابۃ یجوز الوقع لھم وھو اولیٰ لما فیہ من الصلۃ مع الصدقۃ کالاخوۃ والاخوات والاعمام والعمّات والاخوال والخالات الفقراء ولھذا قال فی الفتاوی الظھیریۃ ویبدأ فی الصدقات بالاقرب ثمّ الموالی ثمّ الجیران۔ الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۹۰ باب المصرف۔

زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ وہ صاحبِ نصاب نہ ہوں۔ اور بہن و بھائی اس زمرہ میں آکر ان کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

قال ابن عابدینؒ : وقید بالولاد لجوازه لبقیة الاقارب کالاخوة والاعمام والاخوال الفقراء بل هم اولیٰ لانه صلة وصدقة ۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۴۶ باب المصرف) [۱]

کسی غریب کو ہبہ یا قرض کے نام سے زکوٰۃ دینا

سوال :- بعض لوگ زکوٰۃ نہیں لیتے حالانکہ وہ کافی غریب ہوتے ہیں تو اگر اُن کو ہبہ یا قرض کے نام پر زکوٰۃ دی جائے اور اس میں نیتِ زکوٰۃ کی ہو تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب :- دو اوقات میں کسی ایک وقت کے اندر زکوٰۃ کی نیت ضروری ہے، ایک[۱] زکوٰۃ کی رقم کو الگ کرتے وقت اور دوسرے[۲] زکوٰۃ دیتے وقت۔ ان اوقات میں جس وقت بھی زکوٰۃ کی نیت کرے اور کسی غریب و مستحق کو جس طرح بھی دے دی جائے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جب کسی مستحق کو ہبہ یا قرض کے نام پر زکوٰۃ دے دی گئی اور نیت زکوٰۃ کی ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، البتہ اگر یہ غریب اُس رقم کو واپس کر دے تو اُس سے لے کر کسی دوسرے مستحق کو دیدی جائے۔

لما فی الهندیة :- ومن اعطی مسکینا دراهم سمّاها هبة او قرضا ونوی الزکوٰة فانها تجزیه وهو الاصح ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰة۔ الباب الاوّل) [۲]

جس شخص کی آمدنی میں بچت نہ ہو تو وہ زکوٰۃ کا حقدار ہے

سوال :- ایک شخص کی آمدنی تو معقول ہے لیکن گھریلو اخراجات اتنے زیادہ ہیں کہ بمشکل اس کا گذارہ ہوتا ہے بلکہ عموماً یہ شخص

---

[۱] قال زین الدین ابن نجیمؒ : وقید باصله وفرعه لان من سواهم من القرابة یجوز الدفع لهم وهو اولیٰ لما فیه من الصلة مع الصدقة کالاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء ۔ الخ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۹۰ باب المصرف ۔

[۲] لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ :- من اعطی مسکینا دراهم وسماها هبة او قرضا ونوی الزکوٰة فانها تجزیه ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ کتاب الزکوٰة)

سال بھر مقروض رہتا ہے، کیا ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ واضح رہے کہ گھریلو اخراجات کو اس وقت اعتبار دیا جاتا ہے جب شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے انسان کی ضرورت کا تکفل ہو، غیر شرعی اور تبذیر و اسراف کے اخراجات کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہٰذا اگر ایک شخص کے گھریلو اخراجات اس کی آمدنی سے بمشکل پورے ہوتے ہوں، نصاب کی مقدار سے بچت ہو کر اس کی ضروریات سے زائد رقم اس کے پاس نہ ہو تو یہ شخص زکوٰۃ کا مصرف (حقدار) ہے اور اس کو زکوٰۃ دینا از روئے شرع جائز ہے۔

قال ابن عابدینؒ: وذکر فی الفتاوی فیمن لہ حوانیت ودور للغلۃ لکن غلتہا لاتکفیہ وعیالہ انہ فقیر ویحل لہ اخذ الصدقۃ عند محمد (رحمہ اللہ)

(ردالمحتار ج ۲ ص ۳۴۸ باب المصرف قبل مطلب فی جھاز المرأۃ) لہ

صاحبِ نصاب شخص کے بچوں کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ کسی مالدار شخص کے بچوں کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ بچوں کی کفالت اور خرچ وغیرہ باپ کے ذمہ ہو؟

الجواب:۔ بلوغ کے بعد اولاد اور والدین میں ملکیت کے اعتبار سے اجنبیت محسوس ہونے کی وجہ سے کوئی ملکیتی اتحاد نہیں رہتا، اس لیے باپ کی مالداری سے بچے کی حالت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے مالدار آدمی کے غریب بالغ بچے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ لیکن قبل البلوغ بچے کی تمام ضروریات کی ذمہ داری والد پر عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ غناء میں والد کے تابع رہ کر والد کے غنی ہوتے کے وقت اس کے نابالغ بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا الی ولد غنی اذا کان صغیرا لانہ یعد غنیا بمال ابیہ بخلاف ما اذا کان کبیرا فقیرا لانہ لایعد غنیا بیسار ابیہ وان کانت نفقتہ علیہ (الھدایۃ ج ۱ ص ۱۸۸ باب المصرف) ۲ہ

لہ قال العلامۃ فخر الدین قاضیخانؒ: وکذا لو کان لہ حوانیت ودار غلۃ تساوی ثلثۃ آلاف درھم وغلتھا لا تکفی لقوتہ وقوت عیالہ یجوز صرف الزکوٰۃ فی قول محمدؒ (فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۱۲۷ فصل فیمن یوضع فیہ الزکوٰۃ)

ومثلہ فی فتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۹ باب المصرف۔

۲ہ قال علاؤالدین الحصکفیؒ: ولا الی طفلہ ای الغنی فیصرف الی البالغ ولو ذکرا صحیحا۔ قال ابن عابدینؒ: وقولہ (و) لا الی طفلہ ای الغنی فیصرف الی البالغ ولو ذکرا صحیحا (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۹، ۳۵۰ باب المصرف)

ومثلہ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۹ باب المصرف۔

مہاجرین کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ کیا مہاجرین کو محض ہجرت کی وجہ سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ کیا اگر کسی مہاجر کے پاس اپنے ملک میں نصاب کی مقدار کے برابر مال ہو لیکن ہجرت کرنے کے بعد غربت کی زندگی گزار رہا ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ میں بنیادی چیز فقراء کی مشکلات کو آسان کرنا ہوتا ہے، محض اس وجہ سے کہ فلاں مہاجر ہے اس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا یجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملک نصاباً من ای مال کان۔ (الھدایہ باب المصرف ص۱۸۹)[1]

البتہ جو شخص اپنے ملک میں صاحبِ نصاب تھا لیکن ہجرت کر کے کسی اور جگہ جانے کے بعد جب یہ شخص صاحبِ نصاب نہ رہے تو اپنے ملک میں مالدار ہونے کی وجہ سے ہجرت کی جگہ صاحبِ نصاب نہیں بن سکتا ہے، لہٰذا ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ لقولہ تعالیٰ: لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ۔ (الآیۃ)

کسی غیر مسلم کو زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ دینے کا حکم

سوال:۔ کسی غیر مسلم کو اس کی غربت کی وجہ سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی صحتِ ادائیگی کے لیے مصرف کا مسلمان ہونا شرط ہے، اس لیے زکوٰۃ اور دیگر صدقاتِ واجبہ کسی غیر مسلم کو نہیں دیئے جا سکتے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الی ذمی لقولہ علیہ السلام لمعاذؓ خذھا من اغنیائھم وردھا فی فقرائھم ویدفع الیہ ماسوی ذالک من الصدقۃ (الھدایہ ج۱ ص۲۰۵ باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ومالا یجوز)[2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: ولا الی غنی یملک قدر نصاب فارغ عن حاجتہ من ای مال کان۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۷ باب المصرف)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف۔

[2] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: (و) لا تدفع الی (ذمی) لحدیثِ معاذؓ (وجاز) دفع (غیرھا و غیر العشر) والخراج (الیہ) ای الذمی ولو واجباً کنذر وکفارۃ وفطرۃ خلافا للثانی۔ الخ
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵۱ باب المصرف)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۸ باب المصرف۔

نابالغ کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ نابالغ کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے مصرف میں یہ ضروری نہیں کہ جس کو زکوٰۃ دی جائے وہ بالغ ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ قبض کرنے والا عاقل ہو، رقم لینے اور اس کو خرچ کرنے کے بارے میں فہم رکھتا ہو۔ مراہق بچہ عموماً اس درجہ کا عقل ضرور رکھتا ہے، اس لیے مراہق عاقل بچے یا بچی کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم ایسا نابالغ بچہ غربت و مالداری میں والد تابع ہوتا ہے، اس لیے اگر اس کا والد صاحبِ نصاب ہو تو پھر اس کے نابالغ بچے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: ودفع الزکوٰۃ الیٰ صبیان آقاربه برسم عید اوالیٰ مبشر او مهدی الباکورۃ جاز۔ وقال ابن عابدینؒ فی تشریح۔ قوله (الیٰ صبیان آقاربه) ای العقلاء والا فلا یصح الّا بدفع الیٰ ولی الصغیر۔ (الدر المختار والیٰ صدرہ ردالمختار ج ۲ ص ۳۵۶ باب المصرف)[۱]

علمِ دین کا طالب زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے

سوال:۔ دینی مدارس کے طلباء کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ ان میں اکثر طلباء محتاج ہوتے ہیں اور اہلِ خیر کی توجہات کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں؟

الجواب:۔ دینی مدارس کے طلباء شب و روز علمِ دین کے حصول میں مصروف رہتے ہیں اور دنیوی کاموں کی طرف بہت کم توجہ دے پاتے ہیں، اس لیے زکوٰۃ اور دیگر صدقات کے یہ لوگ زیادہ مستحق ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کی نسبت ان کو زکوٰۃ دینا زیادہ بہتر ہے، تاہم کسی مالدار طالبِ علم کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل۔ وفی ردالمختار ای من الجاهل الفقیر قهستانی۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردالمختار ج ۲ ص ۳۵۴ باب المصرف)[۲]

---

[۱] وفی الهندیة: ولو قبض الصغیر وهو مراهق جاز وکذا لوکان یعقل القبض بان کان لا یرمی به ولا یخدع عنه ولو دفع الیٰ الفقیر معتوہ جاز۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۹۰ باب المصرف)
ومثله فی فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۱۲۸ فصل فیمن یوضع فیه الزکوٰۃ۔

[۲] وفی الهندیة: التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصدق علی الجاهل۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۷ الباب السابع فی المصارف)
ومثله فی الطحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص ۳۹۴ باب المصرف۔

کسی دینی مدرسہ کے مالدار اُستاذ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

سوال: اگر کسی شخص نے اسلامی مدرسہ میں درس و تدریس کے لیے اپنے آپ کو فارغ کیا ہو اور مالی اعتبار سے اس کی حالت مستحکم ہو یعنی مالکِ نصاب ہو تو کیا ایسے شخص کو علوم دینیہ کا مدرس ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ زکوٰۃ کی تملیک میں قبض کرنے والے کا فقیر ہونا شرط ہے اس لیے عامل کے علاوہ زکوٰۃ کے مصرف کی دوسری قسموں میں کسی فقیر کے علاوہ غنی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ تدریس کرنا کوئی ایسا عمل نہیں جو اس کو زکوٰۃ کا مصرف بنا دے، اس لیے صاحبِ نصاب مدرس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال ابن عابدینؒ: هٰذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة فی الغنی ولم یعتمده احد۔ قلت وهو كذلك والاوجه تقییده بالفقیر۔۔۔۔قال للاتفاق علی ان الاصناف كلهم سوی العامل یعطون بشرط الفقر۔ (رد المحتار ج۲ ص ۳۴۰، ۳۴۳ باب المصرف)[۱]

سادات زکوٰۃ کا مصرف نہیں

سوال: سادات کے لیے مالِ غنیمت میں خمس الخمس باقی نہ رہنے کی وجہ سے کیا ان کو زکوٰۃ یا دیگر صدقاتِ واجبہ دیئے جا سکتے ہیں یا نہیں، خاص کر جب سادات فقراء ہوں؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خاندان کی طرف منسوب سادات حضرات بذاتِ خود ہر وقت تعظیم و احترام کے قابل ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان کو عظمت و عزت کی نگاہ سے دیکھنا ایمانی جذبہ کا تقاضا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زکوٰۃ نہ دینے کا حکم ان کی عظمت و احترام کی وجہ سے دیا تھا اس لیے ان کا حکم مرورِ زمانہ یا خمس الخمس نہ رہنے کی وجہ سے متاثر نہیں ہوتا تاہم اربابِ استطاعت کے لیے ضروری ہے کہ نفلی صدقات اور عطیات سے ان کے ساتھ تعاون کریں تاکہ ان کی حالت بہتر رہے، اور صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ، صدقۂ فطر وغیرہ) نہ دیا کریں، اگرچہ امام طحاویؒ سے جواز کا قول مروی ہے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا تدفع الی بنی ھاشمی۔ لقوله علیه السلام: یا بنی هاشم

---

[۱] قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا یجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملك نصابا من ای مال كان۔ الخ (الهدایة ج۱ ص۲۰۶ باب المصرف)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف۔

ان اللہ تعالیٰ حرم علیکم غسالۃ الناس واوساخھم۔الخ (الھدایۃ ج۱ ص۲۰۶ باب المصرف) [1]

کسی مستحق کو مقدارِ نصاب زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال:۔ اگر کسی فقیر اور مستحق کو اتنی زکوٰۃ دی جائے جو اس کے غنا کا سبب بن سکے اور وہ اس سے صاحبِ نصاب بن جائے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ دینے میں بنیادی فلسفہ فقراء کی حالت بہتر بنانا ہے، اس لیے ان کو اتنا مال دینا مناسب ہے جس سے ان کی غربت دور ہوسکے، لہٰذا اگر کوئی شخص مقروض ہو تو اس کو قرضہ کی ادائیگی کے لیے جملہ رقم دینا جائز ہے اگرچہ یہ رقم نصاب سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو لیکن بلاوجہ کسی شخص کو نصاب کی مقدار کی زکوٰۃ دینا مکروہ ہے تاہم زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: وکرہ اعطاء فقیر نصابا او اکثر الا اذا کان المدفوع الیہ مدیون اوکان صاحب عیال بحیث لوفرقہ علیھم لایخص کل اولایفضل بعد دَینہ نصابًا فلایکرہ الخ۔ (الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۲ ص۳۵۳ باب المصرف) [2]

عصری علوم حاصل کرنے والے طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال:۔ ایک طالب علم کالج یا یونیورسٹی میں پڑھتا ہو اور تعلیمی اخراجات اس کی استطاعت سے بالا ہوں، تو کیا اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

الجواب:۔ عصری علوم کی تعلیم حاصل کرنا کوئی ناجائز نہیں اور نہ اس میں مصروفیت کی وجہ سے انسان کی اہلیت متاثر ہوتی ہے، اس لیے ایسا طالب علم جب مسلمان اور بالغ ہو اور صاحبِ نصاب نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس کا والد مالدار ہو کیونکہ بالغ بیٹا والد کی مالداری سے مالدار نہیں بنتا ہے، تاہم غیر شرعی اخراجات میں تعاون کرنا تعاون علی المعصیت

---

[1] وفی الھندیۃ: ولایدفع الیٰ بنی ھاشم وھم آل علیؓ وآل عباسؓ وآل جعفرؓ وآل عقیلؓ وآل الحرثؓ بن عبدالمطلب، الخ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۲ ص۲۴۶ باب المصرف۔

[2] قال زین الدین ابن نجیمؒ: (قولہ وکرہ الاغناء) ای کرہ ان یدفع الیٰ فقیر مایصیربہ غنیًا۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۴۹ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۸ باب المصرف۔

کے مترادف ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا الی طفله بخلاف ولده الکبیر وابیه۔ الخ۔ وفی ردّ المحتار: ولا الی طفله ای الغنی فیصرف الی البالغ ولو ذکرًا صحیحًا۔

(الدر المختار علیٰ صدر ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۴۹، ۳۵۰ باب المصرف) لہ

مالدار طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

اگر کوئی طالب علم مالدار ہو تو کیا اُسے زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

الجواب:- اگر کسی طالب علم کے پاس اپنے گھر میں مال موجود ہو اور وُہ نصاب کے برابر ہو۔ مگر سفر کی حالت میں اس کے پاس مال نصاب سے کم ہو تو ایسے طالب علم کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ کیوں کہ ملکیت ید کا اعتبار ہے۔

قال ابن عابدینؒ: وابن السبیل اذا کان له فی وطنه مال بمنزلة الفقیر۔ (رد المحتار، باب المصرف ص ۳۴۳)

البتہ اگر طالب علم کے پاس موجود مال اتنا ہو کہ نصاب تک پہنچتا ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، کیونکہ تملیکِ فقیر زکوٰۃ دینے میں شرط ہے، البتہ عامل زکوٰۃ اس شرط سے مستثنیٰ ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وهذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة فی الغنی ولم یعتمده احد قلت وهو کذلك والاوجه تقییده بالفقیر۔۔۔۔ ثم قال الاتفاق علیٰ ان الاصناف کلهم سوی العامل یعطون بشرط الفقر۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۴۰ باب المصرف) ؎۲

لہ قال زین الدین ابن نجیم الحنفیؒ: (قوله وعبده وطفله) ای لایجوز دفع الزکوٰة ومالحق بها لعبد الغنی وولده الصغیر لان الملك فی العبد یقع لمولاه وهو لیس بمصرف۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۶ باب المصرف)

ومثله فی الهندیة ج ۲ ص ۱۸۹ باب المصرف۔

؎۲ قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولایجوز دفع الزکوٰة الی من یملك نصابًا من ای مال کان لان الغنی الشرعی مقدر به۔ (الهدایة ج ۱ ص ۱۸۹ باب المصرف)

وایضًا: وابن السبیل من کان له مال فی وطنه وهو فی مکان لاشئ له فیه۔

(الهدایة ج ۱ ص ۱۸۷ باب المصرف)

مدارس عربیہ کو سفراء کے ذریعہ زکوٰۃ دینا

سوال:۔ مدارسِ عربیہ کے لیے کوئی مستقل ذرائع آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ و دیگر صدقاتِ واجبہ کی رقوم سفراء کی وساطت سے جمع کی جاتی ہیں، کیا مدارس کے سفراء کو زکوٰۃ دیدینے سے انسان کی ذمہ داری فارغ ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ و دیگر صدقاتِ واجبہ کی صحتِ ادائیگی کے لیے فقراء اور مساکین کی تملیک شرط ہے، اس لیے جن مدارس میں طلباء کو کھانا دیا جاتا ہے تو تملیکاً کھلانے سے زکوٰۃ کی رقوم کی ادائیگی درست ہے، البتہ جن مدارس میں مطبخ کا انتظام نہ ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے طلباء کا اصالتاً یا وکالتاً قبض ضروری ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ علماء اور طلباء کو خود صدقات وغیرہ دیئے جائیں۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: یصرف المزکی الی کلھم او الی بعضھم الخ تملیکاً لا اباحۃ۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردّ المختار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف)[1]

میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

سوال:۔ کیا خاوند اپنی مسکین بیوی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی خاوند کو بیوی زکوٰۃ دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میاں بیوی ایک دوسرے کی زکوٰۃ کے لیے مصرف نہیں اس لیے ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ:۔ ولا الی امرأتہ للاشتراک فی المنافع عادۃ ولا تدفع المرأۃ الی زوجھا عند ابی حنیفۃؒ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۸۸ باب المصارف)[2]

قریبی مدرسہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے مدرسہ میں زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص زکوٰۃ ہمیشہ اپنے قریبی دینی مدرسہ کو

---

[1] وقال زین الدین ابن نجیم الحنفیؒ: ھی تملیک المال من فقیر مسلم الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال علاؤالدین الحصکفیؒ: ولا الی من بینھما ولاد ولو مملوکاً لفقیر او بینھما زوجیۃ ولو مبانۃ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المختار ج۲ ص۳۴۶ باب المصرف)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف۔

چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کے مدرسہ کو زکوٰۃ دیتا ہے، کیا عند الشرع ایسا کرنا جائز ہے، اور کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اپنے شہر سے دوسرے شہر کی طرف زکوٰۃ منتقل کرنا عند الشرع مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر عزیز و اقارب کسی دوسرے شہر میں رہتے ہوں یا اپنے شہر سے دوسرے شہر والے زیادہ حاجتمند ہوں یا وہاں ایسا مدرسہ ہو جو اس قریبی مدرسہ سے زیادہ امانت دار اور حاجتمند ہو تو اس صورت میں کوئی کراہت نہیں اور ایسا کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ اولیٰ ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: (و) کرہ (نقلھا الا الی قرابۃ) بل فی الظھیریۃ لاتقبل صدقۃ الرجل وقرابتہ محاویج حتی یبدأ بھم فیسد حاجتھم (او احوج) او اصلح او اورع او انفع للمسلمین۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۳-۳۵۴ باب المصرف) لہ

کسی سیاسی تنظیم یا انجمن کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ ایک تنظیم مذہبی اور سیاسی ہو جو کہ ملک میں نفاذ اسلام کے لیے کوشش کرتی ہو، تو کیا ایسی تنظیم کو زکوٰۃ اور عشر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ و عشر کی ادائیگی میں مسلمان فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے، لہٰذا کوئی تنظیم یا انجمن اگرچہ مذہبی ہی کیوں نہ ہو ان شرائط کی وجہ سے زکوٰۃ و عشر اور صدقاتِ واجبہ کی مستحق نہیں لہٰذا ایسی کسی تنظیم کو زکوٰۃ و عشر اور صدقاتِ واجبہ دینا جائز نہیں۔

قال ابن نجیمؒ:۔ ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعۃ عن الملک من کل وجہ للہ تعالیٰ الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ) ۲ہ

لہ وفی الھندیۃ: ویکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد الا ان ینقلھا الانسان الی قرابۃ او الی قوم ھم احوج الیھا من اھل بلدہ ولو نقل الی غیرھم اجزأ وان کان مکروھا۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۹۰ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۰ باب المصرف۔

۲ہ قال شیخ الاسلام محمد بن عبد اللہ التمرتاشی الحنفیؒ: ھی تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر۔ الخ (تنویر الابصار متن الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۶-۲۵۷ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ۔

زکوٰۃ کی نیت سے غریب کو کھانا کھلانا

سوال:۔ اگر کسی غریب اور مستحق زکوٰۃ کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا جائے اور اس کھانے میں نیت زکوٰۃ کی کر لی جائے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں اہم شرط تملیک کی ہے کہ کسی غریب یا یتیم کو اس کا مالک کر دیا جائے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں غریب کو کھانا کھلانے میں تملیک نہیں بلکہ اباحت ہے اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، تاہم اگر وہ کھانا کسی غریب کو بطورِ تملیک دیا جائے تو وہ درست ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ :۔ فلو اطعم یتیمًا ناویًا الزکوٰة لا یجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم لانهٗ بالدفع الیه بنیّة الزکوٰة یملکه فیصیر آکلا من ملکه بخلاف ما اذا اطعمه معهٗ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۲۵۷ کتاب الزکوٰة) [1]

وکیل کا زکوٰۃ کی رقم کو خود استعمال کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص کو زکوٰۃ کے پیسے کسی مدرسہ یا غریب شخص کے لیے دیئے جائیں لیکن یہ شخص وہ خود اپنے اوپر خرچ کرے جبکہ یہ شخص (وکیل) خود بھی مستحق ہے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب:۔ اگر مزکی (زکوٰۃ دینے والے) نے اس آدمی کو کسی خاص شخص یا مدرسہ کو زکوٰۃ پہنچانے کا وکیل بنا کر زکوٰۃ کے پیسے دیئے ہوں اور اس صورت میں وکیل نے وہ رقم اپنے اوپر خرچ کر لی تو زکوٰۃ ادا نہ ہو گی اور یہ وکیل ضامن ہو گا۔ البتہ اگر مزکی کی طرف سے مطلق اختیار دیا گیا ہو کہ جہاں چاہے اس کو خرچ کرے تو اگر یہ شخص خود مستحق زکوٰۃ ہو اور اس نے وہ رقم بطورِ زکوٰۃ اپنے لیے قبض کر لی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : وللوکیل ان یدفع لولده الفقیر وزوجته لا لنفسه الا اذا قال ربها ضعها حیث شئت۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۹ کتاب الزکوٰة) [2]

---

[1] قال العلامه ابن نجیمؒ : واما الاطعام ان دفع الطعام الیه بیدهٖ یجوز ـــ ایضًا : لهٰذه العلة وان کان لم یدفع الیه ویأکل الیتیم لم یجز لانعدام الرکن هو التملیک۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰة)

[2] قال الشیخ وهبة الزحیلی : للوکیل أن یدفع الزکوٰة لولد الفقیر او زوجته الفقیرة اذا لم یأمرهٗ بالدفع الیٰ شخص معین ولا یجوز له أن یأخذ الزکوٰة لنفسه الا اذا قال له الموکل ضعها حیث شئت (الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۸۹۱ کتاب الزکوٰة۔ ثانیا التوکیل فی اداء الزکوٰة۔

وکیل کا اپنے اقرباء کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر کسی شخص کو تقسیمِ زکوٰۃ کی ذمہ داری سونپی گئی ہو تو کیا یہ شخص اپنے اصول اور فروع کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وکیل ذاتی طور پر مالک کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ نہیں لے سکتا ہے لیکن اس کے اصول و فروع جب مصرفِ زکوٰۃ ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال الشیخ الامام حافظ الدینؒ: الوکیل باداء الزکوٰۃ اذا صرفہ الی ولدہ الکبیر او الصغیر او امرأتہ وھم محاویج جاز ولا یمسک لنفسہ شیئاً۔

(بزازیۃ علیٰ ھامش الہندیۃ ج۴ ص۸۶ کتاب الزکاۃ۔ الثانی فی المصرف)[1]

غنی مجاہد کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ وہ لوگ جو جہاد میں شریک ہوں، اگرچہ مالی اعتبار سے ان کی حیثیت مستحکم ہو لیکن پھر بھی محض اس مقدس کام کی وجہ سے ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا شخص اگر وطن میں مال رکھتا ہو لیکن میدانِ جہاد میں جاتے وقت اُس کے پاس مال نہ ہو تو پھر جہاد کے لیے نکلنے والے اس شخص کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم غنی کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

لما قال الکاسانیؒ: واما استثناء الغازی فمحمول علیٰ حال حدوث الحاجۃ وسماہ غنیاً علی اعتبار ما کان قبل حدوث الحاجۃ وھو ان یکون غنیاً ثم حدث بہ الحاجۃ ...... ثم یعزم علی الخروج فی سفر غزوٍ فیحتاج الی آلات سفر وسلاح یستعملہ فی غزو ومرکب یغزو علیہ ...... فیجوز ان یعطی من الصدقات ما یستعین بہ فی حاجتہ التی تحدث لہ فی سفرہ وھو فی مقامہ غنی بما یملکہ لانہ غیر محتاج فی حال اقامتہ فیحتاج فی حال سفرہ فیحمل

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (ولا الی طفلہ) ای الغنی فیصرف الی البالغ ولو ذکراً صحیحاً..... فافاد ان المراد بالطفل غیر البالغ ذکراً او انثیٰ فی عیال ابیہ او لا علی الاصح لما انہ یعد غنیاً بغناہ بخلاف ولدہ الکبیر فانہ لا یعد غنیاً بغنا ابیہ ولا الاب بغنا ابنہ ...... ولا الطفل بغنی امہ۔

(رد المحتار ج۲ ص۳۴۹/۳۵۰ باب المصرف، مطلب فی الحوائج الاصلیۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۸۹ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف۔

قوله لاتحل الصدقة لغنیٍّ الاّ لغازٍ فی سبیل اللہ علیٰ من کان غنیاً فی حال مقامہ فیعطی بعض ما یحتاج الیہ لسفرہ لما احدث السفر لہٗ من الحاجۃ الاّ انہ یعطی حین یعطی وھو غنیّ۔ (البدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۶ فصل الذی یرجع الی المودی) [1]

داماد کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ کیا کوئی آدمی اپنے غریب اور مفلس داماد کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کا مال ایسے اُس رشتہ دار کو دینا جائز نہیں جو اصول یا فروع میں داخل ہو، داماد چونکہ بذاتِ خود ان دونوں میں کسی میں بھی داخل نہیں اس لیے اگر وہ غریب ہو تو دیگر رشتہ داروں کی طرح اس کو بھی زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔

لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: قید باصلہ وفرعہ لان من سواھم من القرابۃ یجوز الدفع لھم وھو اولیٰ لما فیہ من الصلۃ مع الصدقۃ کالاخوۃ والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ ولہٰذا قال فی الفتاویٰ الظھیریۃ ویبدأ فی الصدقات بالاقارب۔ (البحرالرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف) [2]

بہو (بیٹے کی بیوی) کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر باپ بیٹا دونوں ایک ہی جگہ رہتے ہوں، کھانا پینا آپس میں اکٹھا ہو تو ایسی حالت میں بہو کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ بہو کو زکوٰۃ دینے سے فوائد اس کے گھر میں محصور رہ جاتے ہیں۔

الجواب:۔ اصول اور فروع کے علاوہ دیگر سب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔ زوجۃ الابن یعنی بہو اصول اور فروع میں نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کا

---

[1] لما قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ما نسب للواقعات) وفی المبسوط لایجوز دفع الزکوٰۃ الیٰ من یملک نصاباً الاّ الیٰ طالب العلم والغازی ومنقطع الحج لقولہ علیہ السلام یجوز دفع الزکوٰۃ لطالب العلم وان کان لہٗ نفقۃ اربعین سنۃ۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۳۴۳ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف)

[2] وفی الھندیۃ: والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذر الصرف اولاً الی الاخوۃ والاخوات ثم الیٰ اولادھم ثم الی الجیران۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۱۹۰ باب المصارف)
وَمِثْلُہٗ فی ردّالمحتار ج ۲ ص ۳۴۶ بابُ المصرف۔

مصرف ہے اس لیے اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس کے فوائد گھر میں ہی رہیں بشرطیکہ ہو مستحقِ زکوٰۃ ہو۔

لما قال ابن نجیمؒ: وقید باصلہ وفرعہ لان من سواھم من القرابۃ یجوز الدفع لھم وھو اولی لما فیہ من الصلۃ مع الصدقۃ کالاخوۃ والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ ولھذا قال فی الفتاوی الظھیریۃ ویبدأ فی الصدقات بالاقارب ثم الموالی ثم الجیران وذکر فی موضع آخر معزیًا الی ابی حفص الکبیر لا تقبل صدقۃ الرجل وقرابتہ محاویج فیسد حاجتھم۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف) [۱]

امام مسجد کو عُشر و زکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر ایک امام مسجد اپنے مقتدیوں سے جبراً زکوٰۃ وصول کرتا ہو یعنی مقتدیوں پر لازم ہو کہ وہ زکوٰۃ وعشر امام کو دے گا، تو کیا اس سے زکوٰۃ وعشر ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اُجرت میں زکوٰۃ دینا خواہ جبراً ہو یا رضاءً ہو جائز نہیں، ایسی حالت میں قوم کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ تاہم اگر امام غریب ہو تو بطورِ صلہ اس کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما فی الھندیۃ:۔ ولو نوی الزکوٰۃ بما یدفع المعلم الی الخلیفۃ ولم یستأجرہ ان کان الخلیفۃ بحالٍ لو لم یدفعہ یعلم الصبیان۔ ایضاً اجزاہ والا فلا وکذا ما یدفعہ الی الخدم من الرجال والنساء فی الاعیاد وغیرھا بنیۃ الزکوٰۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف) [۲]

مالدار امام کو صدقۂ فطر دینا

سوال:۔ اگر امام کی مالداری اس کے اقرار سے ثابت ہو تو اس کے باوجود اس کو صدقۂ فطر دینے کا کیا حکم ہے جبکہ امام امامت

---

[۱] قال فی الھندیۃ: یکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد۔۔۔۔ والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذور الصرف اولاً الی الاخوۃ والاخوات ثم الی اولادھم ثم الی الاعمام والعمات ثم الی اولادھم ثم الی الاخوال والخالات ثم الی اولادھم۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُہٗ فی الرد المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۳۵۳ باب المصرف۔

[۲] قال ابن نجیمؒ: وفی الملتقط من الاجارۃ المعلم اذا اعطی خلیفتہ شیئًا ناویا الزکوٰۃ فان کان بحیث یعمل لہ لو لم یعطہ یصح عنھا والا فلا۔ (الاشباہ والنظائر ج۲ ص۶۲)

کی اُجرت لینے کے حق میں ہو؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر غرباء، فقراء اور مساکین کو بطورِ تملیک دیا جا سکتا ہے، امام جب مالدار ہو تو اس کو صدقۂ فطر دینے سے ذمہ داری فارغ نہیں ہوتی، قوم کو چاہیئے کہ امام کی خدمت متبادل طریقے سے کرے، نیز امامت کی اجرت میں صدقۂ فطر دینا جائز نہیں خواہ امام غریب ہی کیوں نہ ہو، تاہم اگر ایک امام غریب ہو تو اُجرت کی نیّت کیے بغیر محض ایک عالمِ دین کی ضروریات کے تکفل کی نیت سے دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال فی الهندیة: ومصرف هذه الصدقة ما هو مصرف الزکوٰة۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۹۴ کتاب الزکوٰة۔ الباب الثامن فی صدقة الفطر) [۱]

زکوٰۃ میں دینی کتابیں دینا

سوال:۔ اگر کسی نے زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر طلباء میں تقسیم کیں، تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ کتابیں بھی دیگر اجناس کی طرح قابلِ تملیک و تملک ہیں، اس لیے زکوٰۃ میں کتابیں دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے تاہم اس میں طلباء کو تملیکاً دینا ضروری ہے صرف عاریۃً دینا یا مدرسہ کے کتب خانہ میں بطورِ وقف رکھنے سے تملیک کے فقدان کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: یصرف المزکی الی کلهم او الی بعضهم الخ تملیکاً لا اباحة۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف) [۲]

عیاشی کی وجہ سے مقروض کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ ایک شخص عیاشی کی وجہ سے مقروض ہو گیا تو کیا اس کو مدیون کے زمرہ میں شمار کر کے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مقروض کے قرض میں یہ ضروری نہیں کہ اُس کا دین کسی نیکی کی وجہ سے ہو،

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: وصدقة الفطر کالزکوٰة فی المصارف۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۵۶ باب المصارف)
ومِثلُهٗ فی رد المحتار ج۲ ص۳۶۹ باب المصرف۔

[۲] قال زین الدین ابن نجیمؒ:۔ هی تملیك المال من فقیر مسلم الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰة)
ومِثلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۶۰ کتاب الزکوٰة۔

تاہم اگر مقروض کے قرض کی ادائیگی سے اس کے فسق و فجور میں اضافہ ہو سکتا ہو اور بے دینی کے راہیں کھل سکتی ہوں تو ایسی حالت میں کسی نیک آدمی کو زکوٰۃ دینا اولیٰ ہے۔

لما قال فی الھندیۃ: التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصدق علی الجاھل۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۸۷ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف) [1]

مقروض پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: اگر کسی شخص کے پاس اتنا مال موجود ہو جو مقدارِ نصاب کو پہنچتا ہے لیکن یہ شخص مقروض بھی ہے، اگر قرضہ اس مال سے نکالا جائے تو نصاب پورا نہیں رہتا، کیا اس مال پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کسی شخص کے پاس اتنا مال ہو جو مقدار نصاب کو پہنچتا ہو لیکن مقروض ہونے کی وجہ سے اگر قرضہ اس سے نکالا جائے تو باقی مال سے مال نصاب پورا نہیں ہوتا اس لیے اس شخص پر زکوٰۃ لازم نہیں، البتہ قرضہ نکالنے کے بعد اتنا مال بچے جو مقدارِ نصاب کو پہنچے تو حولانِ حول سے اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: وان کان مالہ اکثر من دینہ زکی الفاضل اذا بلغ نصاباً۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۶۸ کتاب الزکوٰۃ) [2]

زکوٰۃ دیتے وقت ظاہری حالت پر اکتفاء کرنا

سوال: اگر ایک شخص کی ظاہری حالت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اُسے فقیر و محتاج سمجھ کر زکوٰۃ دی جائے جبکہ اس کی اصل حالت سے ناواقفیت ہو تو کیا ایسی حالت میں زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اس میں دارومدار زکوٰۃ دینے والے کے غلبۂ ظن پر ہے، اگر زکوٰۃ دیتے وقت

---

[1] قال الحصکفیؒ: اواحوج او اصلح او اورع او انفع للمسلمین..... اولیٰ طالب العلم وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۲ ص۳۵۳، ۳۵۴ باب المصرف)
وَمِثْلُہٗ فی الطحطاوی ص۳۹۴ باب المصرف۔

[2] قال علاؤالدین الحصکفیؒ: فلا زکوٰۃ علیٰ مکاتب ومدیون للعبد بقدر دینہ فیزکی الزائد ان بلغ نصاباً۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۲ ص۲۶۳ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۱۱۸ کتاب الزکوٰۃ۔

اس کا غالب گمان یہ ہو کہ یہ شخص مصرفِ زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ دی جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اگرچہ بعد میں اس شخص کا غنا ثابت ہو جائے۔

لما قال فی الھندیۃ : اذا شك وتحری فوقع فی اکبر رأیه انه محل الصدقة فدفع الیه او سأل منه فدفع او رآه فی صف الفقراء فدفع فان ظهر انه محل الصدقة جاز بالاجماع وکذا ان لم یظهر حاله عنده واما اذا ظهر انه غنی او هاشمی...... فانه یجوز وتسقط عنه الزکوٰۃ فی قول ابی حنیفةؒ ومحمدؒ الخ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۹، ۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف)[1]

کاروبار کی جگہ ہی مستحقین میں زکوٰۃ تقسیم ہوگی

سوال:۔ فقہاء کرام نے جہاں یہ لکھا ہے کہ زکوٰۃ کا مال اپنے گاؤں کے فقراء کو چھوڑ کر دوسری جگہ فقراء کے لیے لے جانا مکروہ ہے، تو اس سے کون سا گاؤں مراد ہے؟ اگر ایک شخص وطنِ اصلی کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کو وطنِ اقامت بنا کر تجارت کرے تو اس کی زکوٰۃ کی رقم کیلئے اس کا وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت اپنا گاؤں شمار ہوگا؟

الجواب:۔ اس سے وہ مقام مراد ہے جہاں پہ کاروبار کیا جاتا ہو خواہ وطنِ اصلی ہو یا وطنِ اقامت، ممکن ہے کہ ایک انسان اپنی جائے پیدائش (وطنِ اصلی) کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ مصروفِ عمل ہو تو اس کو چاہیئے کہ کاروبار کی جگہ میں فقراء پر زکوٰۃ تقسیم کرے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: والمعتبر فی الزکوٰۃ فقراء مکان المال الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۵ باب المصرف)[2]

زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتاب چھپوانا

سوال:۔ ایک شخص نے دینی کتاب چھپوانے کا ارادہ

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: قال ابوحنیفةؒ ومحمدؒ اذا دفع الزکوٰۃ الی رجل یظنه فقیراً ثم بان انه غنی او هاشمی او کافر او دفع فی ظلمة فبان انه ابوه او ابنه فلا اعادة علیه..... وهذا اذا تحری فدفع وفی اکبر رأیه انه مصرف اما اذا شك ولم یتحر او تحری فدفع وفی اکبر رأیه انه لیس بمصرف لا یجزیه الا اذا علم انه فقیر هو الصحیح۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج ۲ ص ۲۱۴، ۲۱۵ باب من یجوز دفع الصدقة الیه۔ الخ)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۷ باب المصارف۔

[2] قال زین الدین ابن نجیمؒ: والمعتبر فی الزکوٰۃ مکان المال فی الروایات کلها۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۰ باب المصرف)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۹۰ الباب السابع فی المصارف)

ارادہ کیا لیکن وہ مفلس ہے تو اگر لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے کتاب چھپوائے اور پھر مستحقینِ زکوٰۃ پر تقسیم کرے، تو کیا یہ جائز ہے یا نہ؟

الجواب:۔ اگر یہ شخص خود مصرفِ زکوٰۃ ہو اور زکوٰۃ دہندگان کی اجازت سے طباعت کے بعد یہ کتاب مستحقین میں تقسیم کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اور جہاں تملیک ممکن نہ ہو وہاں زکوٰۃ کا حکم لگانا درست نہیں۔

لما قال الحصکفیؒ: ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة فلا یصرف الی بناء نحو المسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۴۴ باب المصرف)[1]

مدارس اور خانقاہوں میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا

سوال:۔ مدارس کے مہتمم یا کسی خانقاہ کے رئیس کے پاس زکوٰۃ جمع ہو کر مطبخ وغیرہ پر خرچ ہوتی ہے، ایسی حالت میں مطبخ سے کھاتے والوں میں یہ فرق نہیں ہوتا ہے کہ یہ کسی مالدار نے کھایا یا غریب نے، تو کیا اس سے زکوٰۃ کی رقم ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی رقم کی صحتِ ادائیگی کے لیے کسی فقیر اور مسکین کو مالک بنانا ضروری ہے، مدارسِ دینیہ میں عموماً غریب اور نادار طلباء ہوتے ہیں جن کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، لیکن خانقاہوں کے لنگر سے کھاتے والوں میں صرف مساکین نہیں ہوتے بلکہ مالدار لوگ بھی شامل ہوتے ہیں، ویسے بھی کھانا کھلانے میں جب تک باقاعدہ تملیک نہ ہو تو صرف اباحت کے طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی صحتِ زکوٰۃ کے لیے کافی نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ فقراء زکوٰۃ قبض کر کے پھر اگر چاہیں تو مطبخ یا لنگر میں خرچ کریں، لیکن اس میں بھی فقیر سے جبراً رقم واپس لینا حیلہ تملیک میں ہزل کی نشاندہی کرتا ہے، بہرحال کسی حیلہ تملیک کے بغیر زکوٰۃ کی رقم لنگر میں خرچ کرنا نقصان سے خالی نہیں۔

قال فی الهندیة: منها الفقیر وهو من له ادنیٰ شیٔ وهو مادون النصاب او قدر نصاب

---

[1] قال فی الهندیة: اما تفسیرہ فهی تملیک المال من فقیر مسلم۔ الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول)

وفیه ایضاً: ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطر والسقایات...... وکل ما لا تملیک فیه۔ الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف)

ومثلهٗ فی فتح القدیر ج ۲ ص۲۰۷/۲۰۸ باب المصرف۔

غیر نامٍ وھو مستغرق فی الحاجة فلا یخرجه عن الفقر ملك نصاب کثیرة غیر نامیة اذا کانت مستغرقة بالحاجة ۔ (الفتاوٰی الھندیة ج ۱ ص۱۸۷ کتاب الزکوٰۃ ۔ الباب السابع فی المصارف)[1]

دینی مدارس یا رفاہی اداروں کے مال پر زکوٰۃ

سوال:۔ بعض دینی مدارس اور رفاہی اداروں کی کافی آمدنی ہوتی ہے، کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے شخصی ملکیت کا ہونا ضروری ہے اس لیے مدارس یا کسی رفاہی ادارے کی آمدنی پر حولانِ حول کے باوجود زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

لما قال ابن عابدینؒ: (قوله ملك نصاب) فلا زکوٰۃ فی سوائم الوقف والخیل والمسبلة لعدم الملك ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ)[2]

کسی سیاسی جماعت کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ دورِ حاضر میں بعض سیاسی جماعتیں اپنے لیے زکوٰۃ اور چرم قربانی جمع کرتی ہیں، کیا ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟ اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ میں تملیک بلاعوض شرط ہے، چونکہ سیاسی جماعتوں میں یہ بیرچیز مفقود ہوتی ہے اس لیے اموالِ زکوٰۃ کو سیاسی مقاصد، مقدمات، الیکشن یا دیگر کاموں میں استعمال کرنا جائز نہیں اور نہ اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی بلکہ اس کے بجائے دینی مدارس زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ھی تملیك خرج الاباحة فلو اطعم یتیمًا ناویا الزکوٰۃ لا یجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم ...... جزء ما له اخرج المنفعة فلو اسکن فقیرًا دارہ سنة ناویًا

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: ای مصرف الزکوٰۃ والعُشر ھو فقیر وھو من له ادنٰی شئ ای دون نصاب او قدر نصابٍ غیر نامٍ مستغرق فی الحاجة ۔ (الدر المختار علٰی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۳۹ باب المصرف)
وَمِثْلُهٗ فی المراقی الفلاح ص۳۹۲ باب المصرف ۔

[2] قال العلامة کاسانیؒ: واما الشرائط التی ترجع الی المال فمنها الملك فلا تجب الزکوٰۃ فی سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم المِلك وھٰذا لان فی الزکوٰۃ والتملیك فی غیر الملك لا یتصوّر ۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص۹ فصل الشرائط التی ترجع الی المال)
وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۱ ص۲۵۲ کتاب الزکوٰۃ ۔

لایجزیہ عینہ الشارع ...... من مسلم فقیر ولو عتوھا۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۷، ۲۵۸ کتاب الزکوٰۃ) [1]

ٹیکس کی ادائیگی سے زکوٰۃ اور عشر کا وجوب متاثر نہیں ہوتا

سوال:۔ حکومت کاروباری اور صنعتی اداروں سے بھاری ٹیکس وصول کرتی ہے اور ان ٹیکسوں کو رفاہِ عامہ کے کاموں میں بھی خرچ کرتی ہے، کیا اس طرح ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ کی ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ مختلف قسم کے ٹیکس حکومت کا ذریعۂ آمدنی ہوتے ہیں جن میں عبادت کا عنصر مفقود ہوتا ہے اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت ٹیکس ہر شہری سے وصول کرتی ہے خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، جبکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے۔

لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: الزکوٰۃ واجبۃ علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصاباً ملکاً تاماً وحال علیہ الحول۔ (الھدایہ ج ۱ ص ۱۸۵ کتاب الزکوٰۃ) [2]

موقوفہ زمین کے مقدمہ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا

سوال:۔ ہمارے گاؤں کے قبرستان کی زمین پر ایک آدمی نے ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے، کیا ہم اس کے مقدمے میں اپنی زکوٰۃ کی رقم خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک بلاعوض شرط ہے، چونکہ اس مقدمہ میں یہ شرط مفقود ہے اس لیے قبرستان کے مقدمے یا دیگر رفاہِ عامہ کے کاموں میں زکوٰۃ کے روپے لگانا صحیح نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

---

[1] لما قال العلامۃ ابوالبرکات النسفیؒ: ھی تملیك المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی۔
(کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)

[2] لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وشرط افتراضھا عقل وبلوغ واسلام وحریۃ والعلم بہ ولو حکماً ککونہ فی دارنا فلا زکوٰۃ ۔ قال ابن عابدینؒ: قولہ واسلام فلا زکوٰۃ علی کافر لعدم خطابہ بالفروع۔
(رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۸/۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ)
ومثلہٗ فی شرح الوقایۃ ج ۱ ص ۲۶۹ کتاب الزکوٰۃ۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحۃ کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینہ۔

(الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف) [1]

زکوٰۃ کی رقم سے مشترکہ مفاد کے لیے سامان خریدنا

سوال:۔ اگر محلہ کے لوگ خوشی اور غم کے لیے کچھ برتن، ٹینٹ یا کرسیاں وغیرہ اجتماعی طور پر خریدنے کا ارادہ کریں تو کیا اس کام کے لیے زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ میں تملیک بلا عوض شرط ہے مشترکہ مفاد کے لیے جو اشیاء خریدی جاتی ہیں اُن میں چونکہ کسی شخص کی ملکیت نہیں ہوتی اس لیے ایسے مواقع میں زکوٰۃ کی رقم کا استعمال جائز نہیں۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحۃ کما مر لا یصرف الی بناء نحو المسجد ولا الی کفن میت...... لعدم التملیک وھو الرکن۔

(الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف) [2]

کیا سُنی العقیدہ شخص کسی شیعہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہے

سوال:۔ اگر قرب وجوار میں شیعہ آبادی کی اکثریت ہو اور سُنی العقیدہ شخص اگر اپنی زکوٰۃ شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والوں میں تقسیم کرے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے مصرف کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے، جبکہ غالی قسم کے شیعہ اپنے عقائدِ باطلہ کی وجہ سے اسلام سے خارج ہیں اس لیے وہ لوگ سُنی العقیدہ شخص کی زکوٰۃ کا مصرف نہیں اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی، تاہم زکوٰۃ کے علاوہ صدقات نافلہ غیر مسلم کو دینے میں

---

[1] لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: تحت قولہ ولا الی ذمی وغیرھا وبناء مسجد وتکفین میت وقضاء دینہ وشراء قن یعتق...... وعدم الجواز لانعدام التملیک الذی ھو الرکن فی الاربعۃ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصارف)

[2] قال فی الھندیۃ: ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطر والتعایات واصلاح الطرقات...... وکل مالا تملیک فیہ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف)

ومِثْلُہٗ فی الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۲۰۷ باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ۔ الخ

کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامۃ التمرتاشیؒ: وھی تملیک جزء مالٍ عینہ الشارع من مسلمٍ فقیرٍ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص ۲۵۶/۲۵۷ کتاب الزکوٰۃ) ؎۱

قسطوں پر کوئی چیز فروخت کرنا اور اس پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے ایک گاڑی نقد ایک لاکھ روپیہ پر خریدی اور پھر اس کو ایک لاکھ پچیس ہزار (۱۲۵۰۰۰) روپے قسطوں پر اس طرح فروخت کیا کہ ہر سال پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) روپے بطور قسط خریدارِ ثانی اُسے ادا کرے گا، اس طرح زکوٰۃ مجموعی رقم پر آئے گی یا صرف اقساط پر ہوگی؟

الجواب:۔ اگر کسی نے کوئی چیز تجارت کی نیت سے خریدی ہو اور پھر اس کو قسطوں میں منافع پر فروخت کیا ہو تو ان میں زکوٰۃ ہر قسط وصول کرنے کے بعد واجب ہوگی، جب بھی کم از کم چالیس روپے بطور قسط وصول ہوں تو اس میں چالیسواں حصّہ زکوٰۃ دینا لازم ہوگا، اگر چالیسویں حصّہ سے کم ہو تو اگر اس کے پاس پہلے سے کوئی نصاب موجود ہے تو قسط سے حاصل ہونے والا مال اس کے ساتھ ملا کر کُل مال سے زکوٰۃ ادا کرنا لازمی ہے ورنہ چالیس دراہم کے پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ دینا لازمی ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: فتجب زکوٰتھا اذا تم نصابًا وحال الحول لکن لا فورًا بل عند قبض اربعین درھمًا من الدین القوی کقرض و بدل مالِ تجارۃ فکلما قبض اربعین درھمًا یلزمہ درھم۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۳۰۵ باب زکوٰۃ المال) ؎۲

حیلۂ زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ مدارس اور مساجد میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کے لیے عمومًا یہ حیلہ کیا جاتا ہے کہ ایک شخص حیلہ رقم زکوٰۃ قبض کر کے تعمیر یا دوسرے امور

؎۱ قال فی الھندیۃ: واما الحربی المستامن فلا یجوز دفع الزکوٰۃ والصدقۃ الواجبۃ الیہ بالاجماع ویجوز صرف التطوع الیہ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصارف۔

؎۲ وفی الھندیۃ: وقوی وھو ما یجب بدلًا عن سلع التجارۃ اذا قبض اربعین زکی لما مضی۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۰۷ کتاب الزکوٰۃ۔

میں خرچ کرتا ہے۔ بسااوقات قبض کرنے والا متولی مسجد یا مہتمم مدرسہ خود زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہوتا ہے، اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی سے ذمہ فارغ ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت کے لیے تملیک شرط ہے لیکن تملیک میں یہ ضروری ہے کہ قبض کرنے والا خود صاحبِ نصاب نہ ہو۔ اگر مہتمم یا ناظمِ مدرسہ بذاتِ خود صاحبِ نصاب نہ ہو تو ان سے قبض جائز ہے اور پھر اس کو مدرسہ یا مسجد میں خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ اس حیلہ کو اپنانے کی بجائے زکوٰۃ کی رقم طلباء میں تقسیم کی جائے تاکہ بہتر طریقہ سے ادائیگی ہو سکے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج ۲ ص۳۴۵ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

زکوٰۃ دینے کی بجائے قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر دائن مدیون کی مفلسی اور حالتِ زار کو دیکھ کر اپنا دَین وقرضہ اس کو زکوٰۃ میں معاف کر دے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسقاط میں تملیک نہ ہونے کی وجہ سے اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور اگر اس کو زکوٰۃ کی رقم دے دے اور پھر اپنے قرضہ میں وصول کرے تو اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

وفی الهندیة: ولو وهب دَینه من فقیر ونوی زکوٰة دین آخر له علی رجل آخر او نوی زکوٰة عین له لم یجز کذا فی الکافی۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول فی تفسیرها۔ الخ) [۲]

---

[۱] قال زین الدین ابن نجیمؒ: والحیلة فی الجواز فی هٰذه الاربعة ان یتصدق بمقدار زکوٰته علی فقیر ثم یامرہ بعد ذٰلك بالصرف الی هٰذه الوجوه فیکون لصاحب المال ثواب الزکوٰة وللفقیر ثواب القرب۔ (البحرالرائق ج ۲ ص۲۴۳ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الاشباه والنظائر ج ۲ ص۲۲۴ کتاب الزکوٰۃ۔

[۲] قال فخرالدین الشهیر بقاضی خانؒ: وان کان المدیون فقیرًا فوهب الدَّین ینوی به زکوٰة مال عین عند الواهب لایسقط عنه زکوٰة ذٰلك المال وکذا لو نوی به زکوٰة دَین آخر علی غیره۔

(الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص۲۶۳/۲۶۴ فصل فی هبة الدَّین من المدیون)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۲۴۴ جنس فی هبة الدَّین۔

زکوٰۃ کی رقم چوری ہو جائے یا کوئی جبراً چھین لے تو زکوٰۃ کے ادا ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ

سوال:۔ اگر کسی نے زکوٰۃ کی رقم الگ کرکے اس غرض سے اپنے پاس رکھی کہ جب کوئی مسکین مل جائے تو اس کو دے دوں گا، پھر کسی چور نے اس سے یہ رقم چرالی یا کسی نے اس سے جبراً چھین لی تو کیا اس سے ذمہ داری فارغ ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں ادا کرنے والے کی نیت ضروری ہے، بصورتِ جبر جب نیت نہ ہو تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ قال زین الدین ابن نجیمؒ: لوامتنع من ادائہا فالساعی لایاخذ منہ کرھا ولواخذ لایقع عن الزکوٰۃ لکونہا بلا اختیار۔ (البحرالرائق ج ۲ ص ۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ)

نیت کا ہونا زکوٰۃ دینے کے وقت ضروری نہیں بلکہ اگر کہیں پوری زکوٰۃ منہا کرتے وقت نیت کی ہو تو کافی ہے تاہم اس سے ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی جب تک فقراء قبض نہ کریں، چوری کے وقت چونکہ فقراء کی تملیک مفقود ہے اس لیے ایسی صورت میں مالک پر دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، البتہ اموالِ ظاہرہ میں جبراً زکوٰۃ کی وصولی درست ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: وشرط صحۃ ادائہا نیۃ مقارنۃ لہ ای للاداء ولوحکماً اولعزل ماوجب کلہ او بعضہ ولایخرج عن العہدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء۔

(الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج ۲ ص ۲۶۸ کتاب الزکوٰۃ)[1]

منی آرڈر کے ذریعے زکوٰۃ بھیجنا کیسا ہے؟ جبکہ وہی رقم نہیں پہنچتی جو زکوٰۃ ادا کرنے والے نے دی ہو

سوال:۔ ایک آدمی کسی دوسرے کے ذریعے زکوٰۃ دیتا ہے تو کیا اس شخص کی دی ہوئی رقم بعینہٖ دینا ضروری ہے یا تبدیل کی جاسکتی ہے؟ نیز بذریعہ منی آرڈر زکوٰۃ کی جو رقم کسی مستحق کو بھیجی جاتی ہے تو بعینہٖ وہی رقم اس تک نہیں پہنچتی بلکہ تبدیل ہو جاتی ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی دوسرے آدمی کو زکوٰۃ کی رقم دے کر مستحقین زکوٰۃ کو دینی جائز ہے اور

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: انہ لایخرج بعزل ماوجب عن العہدۃ بل لابدمن الاداء الی الفقیر۔ (البحرالرائق ج ۲ ص ۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الطحطاوی حاشیۃ الدرالمختار ج ۱ ص ۳۹۰ کتاب الزکوٰۃ۔

تبدیلیٔ رقم اگر مزکی کی اجازت سے ہوئی ہو تو یہ آدمی ضامن نہ ہوگا۔ اور بذریعہ منی آرڈر زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن منی آرڈر بھیجتے وقت نیت کرنا لازمی ہے۔ لما فی الشامی لایخرج المزکی عن العھدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء۔

لما قال علاؤالدین الحصکفیؒ: تملیک الدین ممن لیس علیہ الدّین باطل الّا فی ثلٰث حوالۃ او وصیۃ واذا سلّطہ ای سلط المملک غیر المدیون علیٰ قبضہ ای الدّین فیصح حینئذٍ ومنہ مالو وھبت من ابنھا ماعلیٰ ابیہ فالمعتمد الصحۃ للتسلیط۔

(الدرالمختار جلد ۲ ص۵۲۱) [1]

کسی دوسری جگہ رہنے والے رشتہ دار کو زکوٰۃ بھیجنا

سوال:۔ ایک شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم اپنے کسی رشتہ دار کے لیے دوسری جگہ بھیجنا چاہتا ہے جبکہ وہ خود جس جگہ مقیم ہے وہاں بھی غریب لوگ ہیں، تو کیا قرب وجوار کے غرباء کو چھوڑ کر دُور رہنے والے رشتہ دار کو زکوٰۃ بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ویسے تو عموماً ایک جگہ سے دوسری جگہ زکوٰۃ منتقل کرنا مکروہ ہے لیکن اگر زکوٰۃ دینے والے کے محتاج رشتہ کسی دوسری جگہ رہتے ہوں تو رشتہ داری کی بناء پر زکوٰۃ منتقل کرنا مرخص ہے، بلکہ زکوٰۃ پہلے رشتہ داروں میں تقسیم کرنا افضل ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: (تحت قولہ بل فی الظھیریۃ لاتقبل) عن ابی ھریرۃ (رضی اللہ عنہ) مرفوعاً الی النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم انہٗ قال یا اُمّۃ محمد والذی بعثنی بالحق لا یقبل اللہ صدقۃ من رجلٍ ولَہٗ قرابۃ یحتاجون الی صلتہ و یصرفھا الی غیرھم والذی نفسی بیدہٖ لا ینظر اللہ الیہ یومَ القیٰمۃ والمراد بعدم القبول عدم الاصابۃ علیھا وان سقط بھا الفرض لان المقصود منھا سد خلۃ المحتاج وفی القریب جمع بین الصلۃ والصدقۃ

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: کما اذا وکل رجلاً بدفع زکوٰۃ مالہ ونوی المالک عند الدفع الی الوکیل بلانیۃ یجزیہ لان المعتبر نیۃ الآمر لانہ المودی حقیقۃً۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ۔

والافضل اخوته واخواته الخ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۳/۳۵۴ باب المصرف) [1]

زکوٰۃ کی رقم سے تقسیم کنندہ کو مزدوری دینا

سوال:۔ موجودہ دور میں حکومتِ وقت بینکوں میں عوام کی جمع شدہ رقوم سے کچھ کٹوتی کرتی ہے پھر وہ رقم لوگوں کو دی جاتی ہے اور اس کام کے لیے حکومت نے کچھ آدمی مقرر کیے ہوئے ہیں جن کو اس رقم کی تقسیم اور دیگر معاملات کے عوض ماہانہ کچھ رقم بطور تنخواہ والاؤنس کے ملتی ہے۔ کیا ایسے لوگوں کے لیے یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ حکومت کے بیان کے مطابق یہ زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے اور ان تقسیم کاروں میں اکثریت مصرفِ زکوٰۃ بھی نہیں ہوتی؟

الجواب:۔ ایسی رقوم پر حکومت کی تمام کٹوتی زکوٰۃ پر نہیں ہوتی بلکہ اس میں سود کا بھی کچھ حصہ شامل ہوتا ہے تاہم اگر زکوٰۃ بھی ہو تو عامل کو زکوٰۃ کی رقم سے مزدوری دینا جائز ہے اگرچہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو؟

لما فی الهندية: ومنها العامل وهو من نصبه الامام لاستيفاء الصدقات والعشور ويعطيه مايكفيه واعوانه بالوسط مدة ذهابهم وايابهم مادام المال باقياً الا اذا استغرقت كفايته الزكوٰة فلا يزاد على النصف۔ (الفتاوى الهندية جلد ۱ ص ۱۸۸ كتاب الزكوٰة۔ الباب السابع فی المصارف) [2]

---
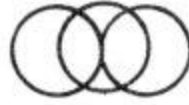
[1] قال ابن نجيم رحمه الله: ويبدأ فی الصدقات بالاقارب ثم الموالی ثم الجيران وذكر فی موضع آخر معزياً الى ابی حفص الكبير لا تقبل صدقة الرجل وقرابته محاويج فيسد حاجتهم۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف)

وَمِثْلُهُ فی نور الايضاح ص ۱۶ كتاب الزكوٰة۔ باب المصارف۔

[2] قال العلامة الحصكفی رحمه الله:۔ وعامل يعم الساعی والعاشر فيعطی ولو غنياً لا هاشمياً لانه فرغ نفسه لهذا العمل فيحتاج الى الكفاية والغنی لا يمنع من تناولها۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۹/۳۴۰ باب المصرف)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۱ باب المصارف

مدارس کے مہتمم زکوٰۃ کو اپنی صوابدید کے مطابق یا حیلہ تملیک کے بعد خرچ کریں

سوال:۔ مدارس کے مہتممین کو جب زکوٰۃ کی رقم مدارس کے لیے دی جائے تو کیا وہ اسے اپنی صوابدید کے مطابق مدارس کے جملہ امور میں خرچ کرسکتے ہیں یا کہ حیلہ تملیک کے بعد خرچ کریں؟

الجواب:۔ مدارس کے اہلِ اہتمام اگرچہ عاملین کی طرح ہیں مگر جس طرح عاملین مالِ زکوٰۃ کو اپنی صوابدید کے مطابق غیر شرعی مصارف میں خرچ نہیں کرسکتے تو اسی طرح مہتممین بھی مالِ زکوٰۃ کو نادار طلباء پر تملیکاً کے علاوہ ان کے دیگر امور میں خرچ نہیں کرسکتے بلکہ مدرسہ کے متعلق امور میں خرچ کرنے کے لیے حیلہ شرعی ضروری ہے۔

لما قال ابوبکر الکاسانیؒ: مایوضع فی بیت المال من الاموال فاربعة انواع الاول زکوٰة السوائم والعشور وما اخذه العشار من تجار المسلمین اذا مروا علیهم ومحله ما ذکرنا من المصارف ای الفقراء والمساکین۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۶۸ فصل واما بیان مایوضع… الخ) [1]

مدارسِ دینیہ کے مہتممین کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ لوگ مدارسِ دینیہ کے مہتممین کو زکوٰۃ دیتے دیتے ہیں حالانکہ وہ خود مالدار ہوتے ہیں، تو کیا ان مہتممین کو زکوٰۃ دینے سے مزکّی کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا یہ کہ جب تک مہتمم کسی مصرف میں خرچ نہ کرے اس وقت تک زکوٰۃ کی ادائیگی موقوف ہوگی؟

الجواب:۔ موجودہ دور میں مدارس کے مہتممین کی حیثیت عاملینِ زکوٰۃ کی سی ہے، جب کوئی شخص ان کو زکوٰۃ ادا کرے تو اس کی زکوٰۃ اسی وقت سے ادا ہوجائے گی البتہ مہتممین کے لیے لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ کو اپنے ذاتی مصارف میں خرچ نہ کریں بلکہ طلباء علوم دینیہ پر خرچ کریں اور غیر ضروری مصارف سے احتیاط لازمی ہے۔

لما قال العلامة ابن همامؒ:۔ فهذه جهات الزکوٰة فللمالك ان یدفع الی کل واحد

---

[1] وفی الهندیة، مایوضع فی بیت المال اربعة انواع الاول زکوٰة السوائم والعشور وما اخذه العاشر من تجار المسلمین الذین یمرون علیه ومحله ما ذکرنا من المصارف۔

(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۹۰ کتاب الزکوٰة۔

ومِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج۲ ص۶۳ کتاب الزکوٰة۔

منہم ولہ ان یقتصر علی صنف واحدٍ۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۰۵ کتاب الزکوٰۃ) [1]

مالدار کے لیے زکوٰۃ کا لینا صحیح نہیں

سوال:۔ بعض علاقوں میں بعض مولوی صاحبان بڑے مالدار ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ لوگوں سے زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر وغیرہ لیتے ہیں، تو کیا ان علماء کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے؟ اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب:۔ زکوٰۃ صرف فقراء و مساکین کا حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر مقرر کیا ہے، اس لیے مالدار چاہے وہ مولوی ہو یا غیر مولوی اُسے زکوٰۃ لینا صحیح نہیں، ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

لما قال الشیخ عبد الحی اللکھنویؒ: علماء اغنیاء را زکوٰۃ گرفتن بالاتفاق حرام است۔
(مجموعۃ الفتاوٰی ج ۲ ص ۲۸۷ باب تصرف الزکوٰۃ) [2]

کیا اموال ظاہرہ سے حکومت زکوٰۃ وصول کرے گی؟

سوال:۔ کیا آدمی اپنے اموال ظاہرہ سے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے یا کہ حکومت کے ذمے زکوٰۃ کی وصولی واجب ہے؟

الجواب:۔ اموال دو قسم کے ہیں (۱) اموال ظاہرہ (۲) اموالِ باطنہ۔ فقہ حنفی کی رُو سے اموالِ ظاہرہ سے حکومت زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے اور اموالِ باطنہ سے مالک خود زکوٰۃ ادا کرے گا۔ ابتداء سے یہی صورت چلی آ رہی تھی لیکن بعد میں حضرت عثمانؓ نے اموالِ ظاہرہ سے بھی زکوٰۃ ادا کرنا

---

[1] وذکر الامام ابوبکر الجصاص الرازیؒ: عن علیؓ وابن عباس رضی اللہ عنہما قالا اذا اعطی الرجل الصدقۃ صِنفًا واحدًا من الاصناف الثمانیۃ اجزأہ وروی مثل ذلک عن عمر بن الخطاب وحذیفۃ وعن سعید بن جبیر وابراہیم وعمر بن عبد العزیز وابی العالیۃ ولا یروی عن الصحابۃ خلافہ فصار اجماعًا من السلف لایسع احد خلافہ لظھورہٖ واستِفاضتِہٖ فیھم الخ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۳۹)

[2] لما قال العلامۃ ابو البرکات النسفیؒ: ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولا مولاہ۔ (کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)
ومثلہ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۶ تا ۲۵۸ کتاب الزکوٰۃ۔

صاحب مال کے سپرد فرمایا لہٰذا اموال ظاہرہ و باطنہ سے صاحب مال خود زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے۔

لما قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: قال عامۃ مشائخنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طالب زکوٰتہ والوبکر وعمر طالباً وعثمان طالب زماناً ولما کثرت اموال الناس ورأی ان فی تتبعھا حرجاً علی الامۃ وفی تفتیشھا ضرراً بارباب الاموال فوّض الاداء الیٰ اربابہا۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۳۵ کتاب الزکوٰۃ، فصل بیان من لہ المطالبۃ)

نشہ کرنے والوں کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ آجکل اکثر ہیروئنی اور چرسی قسم کے لوگ زکوٰۃ و خیرات مانگتے ہیں اگر ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دی جائے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

الجواب:۔ زکوٰۃ ہر فقیر و مسکین کو دینے سے ادا ہو جاتی ہے چاہے وہ اس مالِ زکوٰۃ کو معاصی پر خرچ کرے تاہم زکوٰۃ دینے والے کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ کسی عاصی و گناہ کے عادی شخص سے معصیت کے کاموں میں تعاون نہ کرے، لہٰذا بنا بر ایں ہیروئنچی، چرسی، افیمی وغیرہ کو ان امور کے ارتکاب کیلئے زکوٰۃ دینا مناسب نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ ھی تملیک خرج الاباحۃ فلو اطعم یتیماً ناویاً الزکوٰۃ لا یجزئہ الا اذا دفع الیہ المطعوم ...... جزء مال خرج المنفعۃ فلو اسکن فقیراً دارہ سنۃ ناویاً لا یجزیہ عینہ الشارع .... من مسلم فقیر غیر ھاشمی ولا مولاہ۔

(الدر المختار علیٰ ھامش الطحطاوی ج۱ ص۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ) لہ

دینی مدارس میں زکوٰۃ کی تصریح ضروری

سوال:۔ کسی دینی مدرسہ میں زکوٰۃ دیتے وقت صرف نیت کافی ہوتی ہے یا رسید لکھتے وقت مالِ زکوٰۃ کی تصریح ضروری ہے؟

الجواب:۔ مدارسِ دینیہ میں زکوٰۃ دیتے وقت زکوٰۃ کی تصریح کرنا ضروری ہے تاکہ

لہ قال الامام ابوالبرکات النسفیؒ:۔ ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعۃ عن المملک من کل وجہ للہ تعالیٰ۔

(کنز الدقائق علیٰ ھامش البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۵ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل شرائط الفریضۃ۔

مدرسے والے اس کو زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کرسکیں، صرف نیت کافی نہ ہوگی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولا یخرج عن العہدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء۔ وقال ابن عابدینؒ: فلو ضاعت لا تسقط عنه الزکوٰۃ۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۲ ص۱۲ قبیل افتراضہا عمری) [۱]

خرد برد کرنے والے کو زکوٰۃ کا وکیل بنانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی مدرسے کا مہتمم زکوٰۃ وصدقات جمع کرکے خرد برد کرتا ہو، طلباء کے نام پر زکوٰۃ وصدقات کی رقم خود کھا جاتا ہو (اور مدرسے میں طالب علموں کا نام ونشان نہیں) حالانکہ یہ زکوٰۃ مدرسے کے طالبعلموں کے لیے مہتمم کو وکیل بناکر دی جاتی ہے، تو کیا اس طرح کے مہتمم مدرسہ کو مدرسہ کے لیے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: جہاں خرد برد کا غلبہ ظن ہو وہاں زکوٰۃ وغیرہ دینا مناسب نہیں اور اگر دی جاچکی ہو اور یہ خدشہ ہو کہ صحیح جگہ پر خرچ نہ کی جائے گی تو دوبارہ ادا کرنا چاہیے تاکہ ادائیگی یقینی ہوجائے۔

قال الحصکفیؒ: دفع بتحرٍّ لمن یظنه مصرفًا .... لا یعید لانه اتی بما فی وسعه حتی لو دفع بلا تحرٍّ لم یجز ان اخطأ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۸ باب المصرف) [۲]

---

[۱] وفی الهندیة: واذا وضعها ولم یخطر بباله انه مصرف ام لا فهو علی الجواز الا اذا تبیّن انه غیر مصرف .... او غلب علی ظنه انه لیس بمصرف فهو علی الفساد۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۹۰ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ۔

[۲] قال المرغینانیؒ: قال ابو حنیفةؒ ومحمدؒ اذا دفع الزکوٰۃ الی رجل یظنه فقیرا ثم بان انه غنی او هاشمی او کافر .... فلا اعادة علیه۔ وقال ابو یوسفؒ علیه الاعادة .... والظاهر هو الاوّل وهذا اذا تحری ودفع وفی اکبر رأیه انه مصرف اما اذا شك ولم یتحر او تحری فدفع وفی اکبر رأیه انه لیس بمصرف لا یجزیه الا اذا علم انه فقیر هو الصحیح۔

(الهدایة ج۱ ص۱۸۹ باب من یجوز دفع الصدقات الیه ومن لا یجوز)

وَمِثْلُهٗ فی نور الایضاح ص۱۶۰ باب المصرف۔

فقیر عالم دین کو زکوٰۃ دینا افضل ہے

سوال:۔ ہمارا ایک مستقل با تنخواہ امام مسجد ہے لیکن وہ فقیر بھی ہے، تو کیا ہم اس غریب امام کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یا کسی اور فقیر کو دینا ضروری ہے؟

الجواب:۔ اگر امام مسجد کی مستقل تنخواہ ہو لیکن غربت کی وجہ سے زکوٰۃ کا حقدار ہو تو کسی جاہل کو زکوٰۃ دینے کی بجائے اس غریب عالم دین کو دینا بہتر ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل۔ قال ابن عابدینؒ عن القهستانی قوله افضل ای من الجاهل الفقیر۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۶۹ کتاب الزکوٰۃ۔ باب المصرف)[1]

مقدارِ نصاب زکوٰۃ میں دینا مکروہ ہے

سوال:۔ میرے ایک دوست کو حج کرنے کا بے پناہ شوق ہے لیکن استطاعت نہیں رکھتا، کیا میں از روئے شرع اُسے زکوٰۃ کی رقم دے کر حج کرا سکتا ہوں؟

الجواب:۔ اگر آپ کے دوست کی ملکیت میں وہ مال جو اس کی حوائج اصلیہ سے زائد ہو اگر ۵۲/۱/۲ تولہ چاندی کی مروجہ قیمت کے برابر ہو تو وہ زکوٰۃ کا حقدار نہیں اس لیے اُسے زکوٰۃ کے پیسے دینا جائز نہیں، اور اگر فقیر ہو تو مصرفِ زکوٰۃ ہونے کی وجہ سے اسے زکوٰۃ کی اتنی رقم جو مقدارِ نصاب تک پہنچتی ہو دینا مکروہ ہے لیکن پھر بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر آپ اپنے دوست کو مقدارِ نصاب سے زیادہ مال زکوٰۃ میں دے دیا اور وہ قبض کرنے کے بعد اس سے حج کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی لیکن اتنی زیادہ مقدار میں زکوٰۃ دینا بھی کراہت سے خالی نہیں۔

لما فی الهندیة: ویکره ان یدفع الی رجل مائتی درهم فصاعداً وان دفعه جاز۔

(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۸۸ الباب السابع فی المصارف)[2]

---

[1] وفی الهندیة: التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصدق علی الجاهل کذا فی الزاهدی۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۸۷ الباب السابع فی المصارف) ۔۔ ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۵۰ قبیل باب صدقة الفطر۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: وکره اعطاء فقیر نصابا او اکثر الا اذا کان المدفوع الیه مدیونا او کان صاحب عیال۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۷۴ باب المصرف)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۹ باب المصرف۔

گھریلو ملازم کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال: میرے پاس دو ہزار روپے ماہوار پر ایک گھریلو ملازم ہے، کیا میں اسے زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟

الجواب: فقیر ملازم کو زکوٰۃ اور صدقہ دونوں دینا درست ہے اور ملازم کے لیے لینا بھی جائز ہے تاہم تنخواہ میں زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

لما فی الهندیة: ویجوز دفعها الیٰ من یملك اقل من النصاب وان کان صحیحًا مکتسبا کذا فی الزاهدی۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۸۹ الباب السابع فی المصارف) [۱]

حکومت کی طرف سے مدارسِ دینیہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے کے بارے میں کہ حکومت بینکوں کی رقم سے دینی مدارس کو کچھ رقم بطور زکوٰۃ دیتی ہے، تو کیا یہ رقم زکوٰۃ شمار ہوگی یا سود یا کوئی تیسری جنس، اور طلباء کو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ بظاہر زکوٰۃ کی رقم ہے، لہٰذا طلبہ جو مصرفِ زکوٰۃ ہوں ان کے لیے اس رقم سے کھانا لا بأس بہ ہے، اگرچہ اس میں سودی رقم کے اختلاط کا وہم بھی موجود ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: لو اخرج زکوٰة المال الحلال من مال حرام ذکر فی الوهبانیة انه یجزی عند البعض.......ولو نوی فی المال الخبیث الذی وجبت صدقة ان یقع عن الزکوٰة وقع عنها۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۲۸ مطلب فی التصدق من المال الحرام) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: یجوز دفع الزکوٰة الیٰ من یملك ما دون النصاب او قدر نصاب غیر تام وهو مستغرق فی الحاجة۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۲۴۰ باب المصرف)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص۶۴ باب المصرف۔

[۲] قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: والعبرة لنیة الدافع لا لعلم المدفوع الیه وبعد اسطر فلا یأخذه لامن لا یجوز له اخذ الصدقة۔

(فتاوی البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج ۴ ص۸۶،۸۸ الباب الثانی فی المصرف)

وَمِثْلُهٗ فی قاضی خان علیٰ هامش الهندیة ج ۳ ص۴۰۰ کتاب الحظر والاباحة وما یکره اکله وما لا۔

سید اور کسی بزرگ کی اولاد میں باعتبار مصرفِ زکوٰۃ فرق ہے

سوال:- ہمارے علاقے میں "سید" اور "میاں" کی یکساں قدر کی جاتی ہے، "سید" تو آلِ نبی ہیں اور "میاں" لوگ کسی بزرگ اور ولی اللہ کی اولاد ہوتے ہیں، تو کیا میاں لوگ مصرفِ زکوٰۃ ہیں یا میاں اور سید برابر ہیں؟

الجواب:- سید اور میاں میں فرق واضح ہے، اس لیے کہ اگر میاں صاحبان کسی غیر سید بزرگ کی اولاد ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور سید کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

لما فی الهندیة: ولا یدفع الی بنی هاشم وهم آلِ علیؓ وآلِ عباسؓ وآلِ جعفرؓ وآلِ عقیلؓ وآلِ الحرث بن عبد المطلبؓ کذا فی الهدایة۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۸۹ الباب السابع فی المصارف) [۱]

عباسی خاندان مصرفِ زکوٰۃ نہیں

سوال:- جناب مفتی صاحب! میرا تعلق عباسی خاندان سے ہے، کیا میں عباسی خاندان کے مساکین و یتامیٰ کو زکوٰۃ دے سکتا ہوں، یا کوئی ایسا شخص جو عباسی نہ ہو وہ عباسی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- عباسی فقیر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ آلِ عباس آلِ ہاشم سے ہیں اور آلِ ہاشم مصرفِ زکوٰۃ نہیں، خواہ زکوٰۃ دینے والا عباسی ہو یا کوئی دوسرا۔

لما فی الهندیة: ولا یدفع الی بنی هاشم وهم آلِ علیؓ وآلِ عباسؓ وآلِ جعفرؓ

---

[۱] قال العلامة ابن نجیمؒ: قوله وبنی هاشم وموالیهم ای لایجوز الدفع لهم لحدیث البخاری نحن اهل بیت لا تحل لنا الصدقة ولحدیث ابی داؤد مولی القوم من انفسهم وانا لاتحل لنا الصدقة اطلق فی بنی هاشم فشمل فان کان ناصرًا للنبی صلی الله علیه وسلم ومن لم یکن ناصرًا له منهم کولد ابی لهب فیدخل من اسلم منهم فی حرمة الصدقة لکونه هاشمیًا...... (روا ما ابولهب وابناه) وروی حدیثا لا قرابة بینی و بین ابی لهب ونص فی البدائع علی ان الکرخی قید بنی هاشم بالخمسة الخ

(البحرالرائق ج ۲ ص۲۴۶ باب المصرف)

ومثله فی الدرالمختار علی هامش ردالمحتار ج ۲ ص۲ باب المصرف۔

وآلِ عقیلؓ وآل الحارث بن عبد المطلب کذا فی الهدایة۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ الباب السابع فی المصارف) [1]

فقیر دائن کو زکوٰۃ لینا جائز ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید فی الحال مسکین ہے لیکن اس کا عمرو پر اتنا قرضہ ہے کہ اگر وہ وصول ہو جائے تو زید صاحبِ نصاب بن جاتا ہے لیکن عمرو بھی مسکین ہے اور قرضہ ادا کرنے سے قاصر ہے، تو کیا زید کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس صورت میں زید کا حکم ابن السبیل جیسا ہے کہ اگرچہ وہ صاحب نصاب ہے لیکن اس کے ہاتھ میں وہ مال موجود نہیں لہٰذا ایسے مقروض کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے اور اس کو زکوٰۃ دینے سے فریضہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

لما فی الهندیة: وان کان الدَّین غیر مؤجل فان کان من علیه الدین معسراً یجوز لهٗ اخذ الزکوٰۃ فی اصح الاقاویل لانه بمنزلة ابن السبیل۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ الباب السابع فی المصارف ومنها الغارم) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: و الخمسة المذکورون من بنی هاشم لان العباس والحارث عمان للنبی صلی الله علیه وسلم وجعفر وعقیل اُخوان لعلیّ رضی الله عنه بن ابی طالب وهو ابن عم النبی صلی الله علیه وسلم۔
(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۶ باب المصرف)
ومثلهٗ فی الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۷ باب المصرف۔

[2] قال العلّامة ابن عابدینؒ: قوله من له مال لا معه ای سواءٌ کان هو فی غیر وطنه او فی وطنه وله دیون لا یقدر علیٰ اخذها کما فی النهر......... قال والحق به کل من هو غائب عن ماله وان کان فی بلدہ لان الحاجة هی المعتبرة وقد وجدت لانه فقیر یداً وان کان غنیاً ظاهراً۔
(رد المحتار علیٰ هامش الدر المختار ج ۲ ص ۶۷ باب المصرف)
وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی الخانیة ج ۲ ص ۲۶۶ باب المصرف۔

قرضہ کو زکوٰۃ میں مجرا کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک شخص متعدد اہلِ نصاب کا مقروض ہے، کیا اہلِ نصاب حضرات اگر اپنا قرضہ زکوٰۃ میں مجرا کریں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی دو صورتیں ہیں: (۱) قرض خواہ اپنی طرف سے واجب الادا رقم اس کو زکوٰۃ میں دے کر قرضے میں وصول کرے۔ (۲) مقروض کسی اور سے قرض لے کر قرض خواہ کو دیدے اور قرض خواہ اپنے قرض میں وصول کر کے مقروض کو زکوٰۃ میں واپس کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: واداء الدّین عن العین وعن دین سیقبض لایجوز وحیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوٰتہ ثمّ یأخذھا عن دینہ ولوامتنع المدیون مدید مواخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ فان مانعہ دفعہ للقاضی۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۱۳ قبیل افتراضھا عمری)[۱]

زکوٰۃ کی رقم سے دینی مدرسہ کے لیے قرآن مجید خریدنا

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں ایک دینی مدرسہ ہے جبکہ گاؤں کے اکثر لوگ غریب ہیں اور مدرسے کو اپنی مدد آپ کے تحت چلا رہے ہیں، تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے اس مدرسے کے لیے قرآن مجید اور دینی کتب خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک شرط ہے بدون تملیک کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، تاہم اگر تملیک کے بعد وہ آدمی جسے زکوٰۃ دی گئی ہے اپنی طرف سے مدرسے کیلئے قرآن مجید اور دینی کتب خرید کر وقف کر دے تو جائز ہے۔

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ: ویستفاد منہ ان رجوع المتبرع بقضاء الدین عند التصادق علی الدائن محمول علیٰ ما اذا کان بغیر امر المدیون اما اذا کان بامرہ فھو تملیک منہ فلا رجوع عند التصادق بانہ لا دین علی الدائن وانما یرجع علی المدیون وھو بعمومہ..... والحیلۃ فی الجواز فی ھٰذہ الاربعۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰتہ علیٰ فقیر ثمّ یأمرہ بعد ذٰلک بالصرف الیٰ ھٰذہ الوجوہ الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

قال العلامة الحصکفیؒ : الحیلة ان یتصدق علی الفقیر ثم یأمره ان یفعل هٰذه الاشیأ وهل له ان یخالف امره لم اره والظاهر نعم۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۶۳ باب المصرف)

قال العلامة الحصکفیؒ : وحیلة التکفین بها التصدق علیٰ فقیر ثمّ هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد۔ (الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۲ ص۱۲ قبیل افتراضها عُمری) [1]

سیّد فقیر کیلئے زکوٰۃ کی رقم سے کفن خریدنا

سوال :۔ اگر کوئی سید فقیر اور محتاج فوت ہو جائے اور اس کے پاس کفن وغیرہ کیلئے کچھ نہ ہو، تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے سید فقیر کے لیے کفن خریدنا جائز ہے، اور اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب :۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کا مال کسی نادار اور فقیر کو تملیکاً دینا ضروری ہے تکفینِ میّت میں چونکہ تملیک کی شرط مفقود ہے لہٰذا میّت کیلئے چاہے سید ہو یا غیر سید، زکوٰۃ کے مال سے کفن خریدنا جائز نہیں، تاہم اگر مالِ زکوٰۃ کسی فقیر کے قبضے میں دے دیا جائے اور وہ اپنی طرف سے میت کے لیے کفن خرید کر اس کو پہنا دے تو زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور فقیر کو بھی صدقے کا ثواب ملے گا۔

قال الحصکفیؒ : وحیلة التکفین بها التصدّق علیٰ فقیر ثمّ هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد وتمامه فی حیل الاشباه۔ (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار ج۲ ص۱۲ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم رحمه الله : والحیلة فی الجواز فی هٰذه الاربعة ان یتصدق بمقدار زکوٰته علیٰ فقیر ثمّ یأمره بعد ذٰلك بالصرف الیٰ هٰذه الوجوه فیکون لصاحب المال ثواب الزکوٰۃ وللفقیر ثواب هٰذه القرب۔ کذا فی المحیط۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

[2] قال العلامة ابن نجیمؒ : والحیلة فی الجواز فی هٰذه الاربعة ان یتصدق بمقدار زکوٰته علیٰ فقیر ثمّ یأمره بعد ذٰلك بالصرف الیٰ هٰذه الوجوه فیکون لصاحب المال ثواب الزکوٰۃ وللفقیر ثواب هٰذه القرب، کذا فی المحیط۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کا فقہی جائزہ اور ترامیم وتجاویز

سابق صدر پاکستان اور بری فوج کے سربراہ جناب جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے اپنے دور حکومت میں جب زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کے اجراء کا فیصلہ کیا اور رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے اسے مشتہر کیا تو مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے جید اور مقتدر علماء کرام نے اس آرڈیننس کا جائزہ لیا اور چند خامیوں کو دور کرنے اور اسے عملی طور پر مؤثر بنانے کے لئے حکومت کو اپنی طرف سے ترامیم وتجاویز پیش کیں۔ اس بورڈ میں جو علماء شامل تھے اُن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

(۲) فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی دارالافتاء ناظم آباد کراچی۔

(۳) مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسنؒ دارالافتاء بنوری ٹاؤن کراچی

(۴) شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نائب رئیس دارالعلوم کراچی

(۵) حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رئیس دارالعلوم کراچی

(۶) حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر مہتمم جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی

(۷) شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمودؒ دارالعلوم کراچی

(۸) حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دارالافتاء دارالعلوم کراچی

ان تجاویز وترامیم کو فقہی مباحث سے مناسبت کی بناء پر فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (از مرتب)

صدر پاکستان کی طرف سے جاری کردہ زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کا

فقہی جائزہ اور ترامیم و تجاویز

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد!

حال ہی میں حکومتِ پاکستان نے سرکاری سطح پر زکوٰۃ اور عُشر کی وصولی اور تقسیم کے لیے ایک آرڈی ننس نافذ کیا ہے جس کے ذریعے مسلمانوں پر واجب الادا زکوٰۃ کا ایک حصہ حکومت وصول کر کے اس کی تقسیم کا انتظام کرے گی۔

زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا انتظام اسلامی حکومت کی ایک اہم ذمہ داری ہے اور اگر حکومت یہ انتظام ٹھیک ٹھیک شرعی احکام کے مطابق قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے تو یہ نفاذِ شریعت کی طرف ایک نہایت مثبت قدم ہوگا اور انشاء اللہ اس ملک کے مسلمان اس کی دنیوی اور اُخروی برکات سے بہرہ ور ہوسکیں گے، لیکن اس نظام کو سرکاری سطح پر جاری کرتے وقت حکومت کو یہ بات پوری طرح ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ اسلامی معیشت کے قیام کے لیے جتنا ضروری اور اہم ہے اتنا ہی نازک اور توجہ طلب بھی ہے۔ زکوٰۃ دوسرے محاصل یا ٹیکسوں کی طرح کوئی ٹیکس نہیں ہے بلکہ یہ وہ عظیم الشان عبادت ہے جو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن قرار دی گئی ہے[1] لہٰذا اس میں عبادت اور اطاعتِ خداوندی کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

---

[1] عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بُنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص۱۲ کتاب الایمان۔ الفصل الاول)

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قدموا الزکوٰۃ علیہ اقتداءً بکتاب اللہ۔۔۔ ولانھا افضل العبادات بعد الصلوٰۃ قہستانی۔ (رد المحتار علی ہامش الدر المختار ج ۲ ص۲ کتاب الزکاۃ)

حکومت زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا انتظام اپنے ذمے لے کر ایک ایسی گرانبار اور نازک ذمہ داری اپنے سر لے رہی ہے جو اس کے دینی جذبے، اس کے خلاص اور اس کے حسن انتظام کے لیے ایک زبردست آزمائش اور امتحان کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں حکومت کو ایک طرف تو اس بات کا پورا لحاظ رکھنا ہوگا کہ کسی مسلمان کے ساتھ زکوٰۃ کی وصولی میں کوئی ناانصافی نہ ہونے پائے اور جتنی رقم اس کے ذمے شرعاً واجب الادا ہے اس سے ایک پائی بھی زائد وصول نہ ہو کیونکہ حدیث پاک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: المعتدی فی الصدقۃ کمانعھا [۱] یعنی زکوٰۃ وصول کرنے میں زیادتی کرنے والا ایسا ہی گنہگار ہے جیسے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا۔

اور دوسری طرف اس بات پر کڑی نظر رکھنی ہوگی کہ زکوٰۃ سے حاصل ہونے والی یہ مقدس رقوم ٹھیک شریعت کے مطابق اس کے صحیح مستحقین تک پہنچیں اور اس میں کوئی خیانت، خورد برد، بدعنوانی یا شرعی احکام سے تجاوز نہ ہونے پائے، زکوٰۃ کے تقدس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے مصارف کا تعین انبیاء علیہم السلام پر بھی نہیں چھوڑا بلکہ اسے بذاتِ خود قرآن کریم میں متعین فرما دیا ہے [۲] چنانچہ جب تک زکوٰۃ کو ان مصارف پر صحیح طور سے خرچ کرنے کا اطمینان بخش انتظام نہ ہو جائے زکوٰۃ کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا، لہٰذا اگر حکومت زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم دونوں کا نظام صحیح طور سے مقرر کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو یہ اس کا ایک عظیم کارنامہ ہوگا جس کی برکات انشاء اللہ کھلی آنکھوں محسوس ہوں گی۔

اگر خدانخواستہ زکوٰۃ کی ان مقدس رقوم کو مستحقین تک پہنچانے کا انتظام صحیح نہ ہو سکا تو کروڑوں مسلمانوں کی عبادت خراب ہونے کا وبال بھی دنیا و آخرت میں بڑا سنگین ہو سکتا ہے، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکومت کو اس کڑی آزمائش میں پورا

---

[۱] عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المعتدی فی الصدقۃ کمانعھا، رواہ ابوداؤد والترمذی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۵۹ باب ما یجب فیہ الزکوٰۃ۔ الفصل الثانی)

[۲] قال اللہ تعالیٰ: انما الصدقات للفقراء والمساکین العاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرّقاب والغٰرمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل۔ (سورۃ التوبۃ آیت ۶۰)

اترنے کی توفیق کامل عطا فرمائے اور اس نازک مرحلے کو اس کے لیے آسان فرمائے۔ آمین

اس مقصد کے حصول کے لیے پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ زکوٰۃ وعشر کا جو قانون نافذ کیا گیا ہے وہ شرعی اعتبار سے درست ہو اور اس میں شرعی لحاظ سے کوئی سقم باقی نہ رہے اور دوسرا قدم یہ ہونا چاہیے کہ اس قانون کے مطابق عمل درست ہو، جہاں تک قانون کا تعلق ہے مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے اجلاس میں حالیہ زکوٰۃ وعشر آرڈی ننس پر غور کیا گیا اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ لینے کے بعد مندرجہ ذیل تبصرہ اتفاق رائے کے ساتھ منظور کیا گیا۔

(۱) نصاب زکوٰۃ اس آرڈیننس کی سب سے زیادہ سنگین غلطی یہ ہے کہ اس میں ہر اس شخص پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم کر دی گئی ہے جس کے بینک اکاؤنٹ میں زکوٰۃ منہا کرنے کے دن ایک ہزار روپے سے زائد رقم جمع ہو، اور بینکوں کے علاوہ دوسرے مالیاتی اداروں میں یہ ایک ہزار روپے کی قید بھی نہیں ہے بلکہ ان اثاثوں کے حامل افراد کو ان کے اثاثوں کی مالیت کا لحاظ کئے بغیر لازمی طور پر زکوٰۃ کا مستوجب قرار دے دیا گیا ہے، یہ شرعی لحاظ سے انتہائی سنگین غلطی ہے اور عملاً اس قانون سے بہت سے لوگوں کے ساتھ یہ زیادتی ہو سکتی ہے کہ ان پر شرعاً زکوٰۃ واجب نہ ہونے کے باوجود ان سے زکوٰۃ وصول کر لی جائے، حالانکہ شریعت کی رو سے زکوٰۃ صرف اس شخص پر فرض ہے جو نصاب[1] یعنی ۱/۲ ۵۲ تولہ چاندی یا اتنی مالیت کی نقدی، سونے یا مالِ تجارت کا مالک ہو یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ ۱/۲ ۵۲ تولہ چاندی کی قیمت کے برابر اس کی ملکیت میں ہو، البتہ اگر کسی شخص کے پاس سونے کے سوا کوئی اور چیز موجود نہ ہو تو اس کا نصاب ۱/۲ ۷ تولہ سونا ہے[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قولہ نصاب هو ما نصبه الشارع علامة على وجوب الزكوٰة من المقادير۔ (رد المحتار على هامش الدر المختار ج ۲ ص ۵ کتاب الزکوٰۃ)

[2] قال العلامة الحصكفيؒ: نصاب الذهب عشرون مثقالاً والفضة مائتا درهم كل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل ...... في عرض تجارة قيمته نصاب۔
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۱ باب زکوٰۃ المال)

پھر اگرچہ شرعاً زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر رقم پر علیحدہ سال پورا ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ سارے سال کم از کم بقدر نصاب مالیت کا مالک رہا ہو،[1] آرڈیننس میں زکوٰۃ کی ان بنیادی شرائط کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔

لہٰذا اگر نظامِ زکوٰۃ کو واقعۃً شرعی اصولوں کے مطابق قائم کرنا ہے تو آرڈیننس میں ایسی ترمیم ناگزیر ہے جس کی رُو سے زکوٰۃ صرف انہی افراد سے وصول کی جا سکے جن کے ذمے شرعاً زکوٰۃ فرض ہے[2] اور اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ دفعہ ۲، ذیل:۲۳ میں "صاحبِ نصاب" کی جو تعریف لکھی گئی ہے یعنی:

"صاحبِ نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کے ذمے اس آرڈیننس کی رُو سے زکوٰۃ واجب الادا ہو۔"

اسے تبدیل کر کے "صاحبِ نصاب" کی تعریف اس طرح کی جائے:۔

"صاحبِ نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ، سونا یا سامانِ تجارت ہو یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ مل کر ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو۔"[3]

---

[1] قال العلامة ابن عابدین رح، قوله لحولانه علیه ای لان حولان الحول علی النصاب شرط لکونه سببًا وھذا اعلته للنسبة وسمی الحول حولاً لان الاموال تتحول فیه اولانه یتحول من فصل الی فصل من فصوله الاربع ۔ (ردّ المحتار علی هامش الدر المختار ج ۲ ص۵ مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلّة)

[2] عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس فیما دون خمسة اوسق من التمر صدقة ولیس فیما دون خمس اواق من الصدق صدقة ولیس فیما دون خمس الخ ۔ (مشکوٰة المصابیح ج ۱ ص ۱۵۸ باب ما یجب فیه الزکوٰة)

[3] قال العلامة الحصکفی رحمه الله، نصاب الذهب عشرون مثقالاً والفضة مائتا درهم کل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقیل ..... فی عرض تجارة قیمة نصاب۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۱ باب زکوٰة المال)

پھر ہر سال تاریخ زکوٰۃ سے پہلے ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی کی جو قیمت ہو اس کا اعلان کر کے اس قیمت کو وصولئ زکوٰۃ کا معیار مقرر کیا جائے یعنی صرف ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے جن کی اتنی مالیت کی رقوم بینکوں یا دیگر مالیاتی اداروں میں جمع ہوں۔

(۲) سال گذرنے کا مسئلہ | زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مقدار نصاب پر پورا سال گذر چکا ہو۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ جب کوئی شخص ایک مرتبہ صاحب نصاب بن جائے اور سارا سال صاحب نصاب رہے تو سال کے اختتام پر جتنی بھی رقم اس کی ملکیت میں ہوگی اُس ساری رقم پر شرعاً زکوٰۃ واجب الادا ہوتی ہے خواہ اس رقم کا کچھ حصہ ایک دن پہلے ہی اس کی ملکیت میں آیا ہو، لہٰذا ہر ہر رقم پر تو سال گذرنا ضروری نہیں ہے لیکن مقدارِ نصاب کا پورے سال ملکیت میں رہنا ضروری ہے[۲]

موجودہ آرڈیننس کے تحت ایسی صورتیں عملاً ممکن ہیں کہ جس تاریخ میں کسی شخص کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وضع کی جائے اس سے صرف چند روز پہلے ہی وہ صاحب نصاب بنا ہو تو ایسی صورت میں اس سال ایسے شخص سے جبراً زکوٰۃ وضع کرنا شرعاً درست نہیں ہے[۳] لہٰذا آرڈیننس میں ایسی گنجائش موجود ہونی چاہیئے کہ اگر کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ اسے مقدارِ نصاب کا مالک بنے ہوئے سال پورا نہیں ہوا تو اس کی زکوٰۃ وضع نہ کی جائے[۴]

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفیؒ: مقوماً باحدھما ان استویا فلو احدھما اروج تعین التقویم به ولو بلغ باحدھما نصاباً دون الآخر تعین ما یبلغ به الخ

(الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۴ باب زکوٰۃ المال)

[۲] قال العلامۃ الحصکفیؒ: والمستفاد ولو بھبۃ او ارث وسط الحول یضم الی نصاب من جنسه فیزکیه بحول الاصل۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۵ باب زکوٰۃ الغنم)

[۳] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: فمن انکر تمام الحول ای علیٰ ما فی یدہ وعلیٰ ما فی بیته فلو کان فی بیته مال آخر قد حال علیه الحول وما مر به لم یحل علیه الحول واتحد الجنس فان العاشر لا یلتفت الیه لوجوب الضم فی متحد الجنس الا لما تع بحد۔

(رد المحتار علیٰ ھامش الدر المختار ج ۲ ص ۴۳ باب العاشر)

[۴] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وسببه ای سبب افتراضھا ملک نصاب حولی۔

(الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۴ مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلۃ)

(۳) قرضوں کا مسئلہ

آرڈیننس میں قرضہ جات کو قابلِ زکوٰۃ مالیت سے منہا کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی، اس سلسلے میں فقہائے امت کے مذاہب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر طرح کے قرضے منہا کرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے[۱] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرضے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ سے مانع ہیں اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ سے نہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ جدید یہ ہے کہ کسی بھی طرح کا قرض زکوٰۃ سے منہا نہیں ہوگا۔[۲] ملاحظہ ہو (المجموع شرح المہذب ج ۵ ص ۳۱۳، ۳۱۴)

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو زکوٰۃ آرڈیننس کے جس مسودے کو رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے مشتہر کیا گیا تھا اس میں بھی قرضوں کی منہائی کی گنجائش موجود تھی اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" نے اس وقت بھی یہی رائے پیش کی تھی۔ (ملاحظہ ہو ماہنامہ "بینات" ص ۸ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ)

لہٰذا مجلس کی رائے میں نصاب، حولانِ حول اور قرضوں کے بارے میں مذکورہ بالا تجاویز کو مدنظر رکھتے ہوئے آرڈیننس کی دفعہ ۳ مجوزہ ترمیم کے بعد اس طرح ہونی چاہیئے:۔

"آرڈیننس کے دوسرے احکام کے تابع ہر مسلمان صاحب نصاب شخص سے شیڈول ۱ میں دی ہوئی تفصیل کے مطابق ہر سال زکوٰۃ کے اختتام پر لازماً زکوٰۃ وصول کی جائے گی، شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ "تاریخ زکوٰۃ کے دن اس کی قابلِ زکوٰۃ جملہ مملوکات کو نصاب کی مقدار تک پہنچے ہوئے پورا سال نہیں گذرا" اس کے مذکورہ اثاثوں سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔ مزید شرط یہ ہے کہ "جو شخص یہ ثابت کر دے کہ وہ مقروض ہے اور

---

[۱] قال العلامة الحصکفی رح: فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵ کتاب الزکوٰۃ)

[۲] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رح: ومن کان علیه دین یحیط بماله فلا زکوٰۃ علیه۔ وقال الشافعی رح یجب لتحقق السبب وهو ملك نصاب تام۔
(الهدایة ج ۱ ص ۱۶۸ کتاب الزکوٰۃ)

اس نے قرضہ کسی پیداواری غرض سے نہیں لیا، تو اس کے قرضے کی رقم کو قابلِ زکوٰۃ رقم سے منہا کیا جائے گا۔"

(۴) اموالِ ظاہرہ و باطنہ بینک اکاؤنٹس اور دوسرے مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ منہا کرنے پر ایک علمی اشکال یہ ہے کہ فقہاءِ کرام کی تصریح کے مطابق حکومت کو اموالِ ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہوتا ہے اموالِ باطنہ سے نہیں[1]

عام طور پر فقہاء نے مفت چراگاہوں میں چرنے والے مویشیوں، کھیتوں اور باغات کی پیداوار اور اس مالِ تجارت کو جو شہر سے باہر لے جایا جا رہا ہو اموالِ ظاہرہ میں شمار کیا ہے اور نقدی، زیورات وغیرہ باقی تمام قابلِ زکوٰۃ اموال کو اموالِ باطنہ قرار دیا ہے، بینک اکاؤنٹس چونکہ بصورتِ نقد ہوتے ہیں اس لیے علمی طور پر یہ سوال قابلِ غور ہے کہ حکومت ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟ تو اس مسئلہ پر غور کرنے کے بعد مجلس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ موجودہ دور میں بینک اکاؤنٹس کو اموالِ ظاہرہ میں شمار کیا جا سکتا ہے[2]

اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہدِ مبارک میں اموالِ ظاہرہ و باطنہ کی کوئی تفریق نہیں تھی بلکہ دونوں قسم

---

[1] قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ: ان مال الزکوٰۃ نوعان ظاهر وهو المواشی والمال الذی یمر به التاجر علی العاشر وباطن وهو الذهب والفضة واموال التجارة فی مواضعها اما الظاهر فللامام ونوابه وهم المصدقون من السعاة والعشار ولایة الاخذ الخ قال بخلاف الاموال الباطنة۔
(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳۱ باب العاشر)

[2] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: لیاخذ الصدقات..... من التجار المارین باموالهم الظاهرة والباطنة علیه۔ قال ابن عابدینؒ ومراده هُنا بالباطنة ما عدا المواشی بقرینة قوله المارین باموالهم۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۴۲ مطلب ما ورد فی ذم العشار)

کے اموال سے زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کی جاتی تھی، لیکن حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب قابلِ زکوٰۃ اموال کی کثرت ہوگئی اور آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ اگر عاملینِ زکوٰۃ لوگوں کے گھروں اور دوکانوں میں پہنچکر ان کی املاک کی چھان بین کریں گے تو اِس سے لوگوں کو تکلیف ہوگی اور اس سے ان کے مکانات، دوکانوں، گوداموں اور محفوظ شخصی مقامات کی نجی حیثیت مجروح ہوگی، تو آپؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ صرف اُن اموال کی زکوٰۃ حکومت کی سطح پر وصول کی جائے جن کی زکوٰۃ وصول کرنے میں یہ مضرت لاحق نہ ہو اور جس کا حساب کرنے کے لیے گھروں اور دوکانوں کی تلاشی نہ لینی پڑے۔ ایسے اموال اُس زمانے میں صرف دو قسم کے تھے یعنی "مویشی اور زرعی پیداوار"۔ چنانچہ صرف ان کی زکوٰۃ آپؓ نے سرکاری سطح پر وصول کرنے کا اعلان فرمادیا اور باقی اموال کو باطنہ قرار دے کر ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی خود مالکان کی ذمہ داری قرار دے دی۔

بعد میں جب حضرت عمر و بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا دور آیا تو انہوں نے شہروں کے باہر ایسی چوکیاں مقرر فرمادیں کہ جب کوئی شخص مالِ تجارت لے کر وہاں سے گذرے تو اس سے وہیں زکوٰۃ وصول کرلی جائے، اس مقام پر شہر سے باہر جانے والے مالِ تجارت کو بھی اموالِ ظاہرہ میں شمار کرلیا گیا، کیونکہ حکومت کو اس کی زکوٰۃ وصول کرنے اور اس کا حساب کرنے کے لیے مالکان کے گھروں، دوکانوں اور نجی مقامات کی تلاشی کی ضرورت نہیں تھی۔

مذکورہ بالا صورتِ حال کی وضاحت کے لیے حضرات فقہاء کرام کی تصریحات مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ظاهر قوله تعالىٰ "خذ من اموالهم صدقة" (الآية) توجب اخذ الزكوٰة مطلقاً للامام، وعلىٰ هٰذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتان بعده فلمّا ولى عثمان رضى الله عنه وظهر تغيّر الناس كره ان يفتش السعاة على الناس مستور اموالهم ففوّض الدفع الى الملاك نيابة عنه ولم يختلف الصحابة فى ذٰلك عليه وهٰذا لايسقط طلب بها۔ (فتح القدير ج ۱ ص۴۸۷ كتاب الزكوٰة)

(۲) اور امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

وقوله تعالىٰ: "خذ من اموالهم صدقة" (الآية) يدل على ان اخذ الصدقات

الی الامام وانہ متی اداھا من وجبت علیہ الی المساکین لم یجزہ لان حق الامام قائم فی اخذھا فلا سبیل الی اسقاطہ وقد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوجہ العمال علی صدقات المواشی ویأمرھم بان یاخذوا علی المیاہ فی مواضعھا۔

آگے تحریر فرماتے ہیں :۔

اما زکوٰۃ الاموال فقد کانت تحمل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان ثم خطب عثمان فقال ھذا شھر زکوٰتکم فمن کان علیہ دین فلیؤدہ ثم لیزک بقیۃ مالہ فجعل لھم اداءھا الی المساکین وسقط من اجل ذٰلک حق الامام فی اخذھا لانہ عقد عقدہ امام من ائمۃ العدل فھو نافذ علی الامۃ لقولہ علیہ السلام علیھم اولھم ولم یبلغنا انہ بعث سعاۃ علی زکوٰۃ الاموال کما بعثھم علی صدقات المواشی والثمار فی ذٰلک لان سائر الاموال غیر ظاھرۃ للامام وانما تکون مخبوۃ فی الدور والحوانیت والمواضع الحریزۃ ولم یکن جائزاً للسعاۃ دخول احرازھم ولم یجز ان یکلفوھم احضارھا...... ولما ظھرت ھٰذہ الاموال عند التصرف بھا فی البلدان اشبھت المواشی فنصب علیھا عمال یاخذون منھا ماوجب من الزکوٰۃ ولذٰلک کتب عمر بن عبد العزیز الی عمالہ ان یاخذوا مما مر بہ المسلم من التجارات عن کل عشرین دیناراً نصف دینار۔

(احکام القرآن ج ۳ ص۱۵۵ مطبوعہ استنبول ۱۳۳۵ھ)

(۳) اور فقہ حنفی کی معروف کتاب "الاختیار" میں ہے :۔

لان الاخذ کان للامام وعثمان رضی اللہ عنہ فوضہ الی الملاک وذٰلک لا یسقط حق طلب الامام حتی علم ان اھل بلدۃ لا یؤدون زکاتھم طالبھم بھا ولو مر بھا علی الساعی کان لہ اخذھا۔ (الاختیار ج ۱ ص۱۰۰ کتاب الزکوٰۃ)

(۴) اور علامہ برہان الدین المرغینانی تحریر فرماتے ہیں :۔

ومن مر علی عاشر بمائۃ درھم واخبرہ ان لہ فی منزلہ مائۃ اخری وقد حال علیھا الحول لم یزک التی مر بھا لقلتہ۔ وما فی بیتہ لم یدخل تحت حمایتہ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۱۸۱ باب من یمر علی العاشر)

فقہاء کرام کی مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ نقد روپیہ اور سامانِ تجارت

اُس وقت تک اموالِ باطنہ رہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر مالکان کے زیرِ حفاظت ہو، ایسے اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے میں چونکہ ان نجی مقامات میں دخل اندازی کرنی پڑتی ہے اسلئے انہیں حکومت کی وصولیابی سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، لیکن جب یہی اموال مالکان ان نجی مقامات سے نکال کر باہر لے آئیں اور وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں تو وہ اموالِ ظاہرہ کے حکم میں آجاتے ہیں [1] اور حکومت کو ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار حاصل ہوجاتا ہے، گویا کسی مال کے اموالِ ظاہرہ میں شمار ہونے کے لیے دو بنیادی امور ضروری ہیں:۔

ایک یہ کہ وہ ایسے نجی مقامات پر رکھے ہوئے نہ ہوں جہاں سے ان کا حساب کرنے کے لیے نجی مقامات کی تفتیش کرنی پڑے۔ کما فی العبارۃ الاولیٰ والثانیۃ۔

اور دوسرے یہ کہ وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں۔ کما فی العبارۃ الرابعۃ۔

اگر اس معیار پر موجودہ بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیا جائے تو ان میں یہ دونوں باتیں پوری طرح موجود ہیں۔ ایک طرف تو یہ وہ اموال ہیں جنہیں ان کے مالکان نے اپنی حرز و حفاظت سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کر دیا ہے اور ان کے حسابات میں نجی مقامات کی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے، دوسری یہ حکومت کے زیرِ حمایت ہی نہیں بلکہ زیرِ ضمانت آچکے ہیں، بالخصوص جب بینک سرکاری ملکیت میں ہوں اور ان کو جو سرکاری تحفظ حاصل ہے وہ عاشر پر گذرنے والے اموال کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، اس لیے مجلس کی رائے یہ ہے کہ بینک اکاؤنٹس اور دوسرے مالیاتی اداروں میں رکھے ہوئے اموال، اموالِ ظاہرہ کے حکم میں ہیں اور حکومت ان سے زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے۔

اور اگر بالفرض انہیں یا ان میں سے بعض کو اموالِ باطنہ ہی قرار دیا جائے تب بھی

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: نصبہ الامام علی الطریق ..... لیاخذ الصدقات .... من التجار ...... المارین باموالہم الظاہرۃ والباطنۃ علیہ ۔ قال ابن عابدینؒ: ومرادہ ھنا بالباطنۃ ماعدا المواشی بقرینۃ قولہ المارین باموالہم والا فکل مامر بہ علی العاشر فھو من نوع ظاہر وسماھا باطنۃ باعتبار ما کان قبل المرور۔
(الدر المختار مع ردّ المحتار ج ۲ ص۴۲ مطلب ما ورد فی ذم العشار)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۳ الباب الرابع فیمن یمر علی العاشر۔

فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جس علاقے کے لوگ از خود زکوٰۃ ادا نہ کریں تو وہاں حکومت اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کا بھی مطالبہ کر سکتی ہے، جیسا کہ "فتح القدیر" اور "الاختیار" کی عبارتوں سے اس کی تصریح گذر چکی ہے، اور یہی مسئلہ "بدائع الصنائع جلد ۲ ص۷" میں بھی موجود ہے۔

(۵) زکوٰۃ کی نیت کا مسئلہ بینک اکاؤنٹس اور دیگر مالیاتی اداروں سے جبراً زکوٰۃ وضع کرنے کے بارے میں ایک دوسرا علمی اشکال یہ ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور دوسری عبادتوں کی طرح اس کی ادائیگی میں بھی نیت ضروری ہے لیکن جب مذکورہ اداروں سے جبراً زکوٰۃ وضع کی جائے گی تو اس میں مالکان کی طرف سے شاید نیت نہ ہو سکے؟

لیکن فقہاء کرام کی تصریحات میں اس اشکال کا حل موجود ہے اور وہ یہ کہ حکومت کو جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے ان میں حکومت کا وصول کر لینا بذاتِ خود نیت کے قائم مقام ہو جاتا ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:۔

وفی مختصر الکرخیؒ اذا اخذها الامام کرها فوضعها موضعها اجزاء لان له ولایة اخذ الصدقات فقام اخذه مقام دفع المالك وفی القنیة فیه اشکال لان النیة فیه شرط ولم توجد منه اھ قلت: قول الکرخیؒ فقام اخذه الخ یصلح للجواب تامل۔ (رد المحتار حاشیہ الدر المختار ج ۲ ص۲۷ مطلب فیما لو صادر السلطان)

(۶) بینک اکاؤنٹس کے قرض ہونے کی حیثیت بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر تیسرا شبہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بینکوں میں جو رقوم جمع کرائی جاتی ہیں وہ فقہی اعتبار سے قرض کے حکم میں ہیں اور مقروض کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ قرض خواہ کی رقم سے زکوٰۃ وضع کرلے۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض بن جانے کے بعد تو یہ اموال مضمون ہونے کی بناء پر اور زیادہ سرکاری تحفظ میں آگئے ہیں اس لیے قرض ہونے سے حکومت کے وصولی زکوٰۃ کے حق پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا، یہ بلا شک و شبہ دَینِ قوی ہے جس پر بالاتفاق زکوٰۃ فرض ہے اور بینکوں کے سرکاری ملکیت ہونے کی وجہ سے یہ رقوم حکومت کے صرف علم ہی میں نہیں بلکہ اس کے قبضے اور ضمانت میں آجاتی ہیں، اسلئے اگر حکومت ولایتِ عامہ کی بناء پر ان سے زکوٰۃ وضع کرے تو اس کو کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

(۷) محتاط طریقہ لیکن مجلس یہ سمجھتی ہے کہ بینک اکاؤنٹس اور دیگر مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا محتاط طریقہ یہ ہوگا کہ جب کوئی شخص ان اداروں میں اپنی رقم رکھوانے کے لیے آئے تو وہ ایک فارم پُر کرے جس میں اس کی طرف سے متعلقہ ادارے کو یہ اختیار دیا گیا ہو کہ وہ تاریخ زکوٰۃ آنے پر اس کی رقم سے زکوٰۃ منہا کرکے زکوٰۃ فنڈ کو دے دے۔ اس طرح یہ ادارے مالکان کی طرف سے باقاعدہ وکیل باداء الزکوٰۃ بن جائیں گے اور پھر اس میں نہ اموالِ باطنہ کی بنیاد پر کوئی اشکال باقی رہے گا نہ نیت کی بنیاد پر اور نہ اکاؤنٹس کے قرض ہونے کی بنیاد پر۔

(۸) سُودی اکاؤنٹس اور زکوٰۃ بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر ایک اور خلجان بعض ذہنوں میں یہ رہتا ہے کہ یہ تو سُودی اکاؤنٹس ہیں اور سود اور زکوٰۃ دونوں کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک اسلامی حکومت میں سودی کاروبار کا وجود اس کے ماتھے پر کلنک کا شرمناک ٹیکہ ہے اور بالخصوص زکوٰۃ کا نظام جاری کرنے کے بعد اس حرام و ناپاک ذریعۂ آمدنی کو باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے لہٰذا یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ بعجلتِ ممکنہ مسلمانوں کو سودی نظام کی اس لعنت سے نجات دلائے۔ لیکن جہاں تک زکوٰۃ کی ادائیگی کا تعلق ہے فقہی اعتبار سے اگر کسی شخص کی آمدنی حرام و حلال سے مخلوط ہو اور وہ مجموعے پر سے زکوٰۃ نکال دے تو اس میں کوئی قباحت نہیں[1] فرق صرف اتنا ہے کہ حلال آمدنی کا ڈھائی فیصد شرعاً زکوٰۃ ہوگا اور حرام آمدنی کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ نہیں ہوگا بلکہ وہ صدقہ سمجھا جائے گا، جو حرام آمدنی سے جان چھڑانے کی غرض سے کیا جاتا ہے، اصل شرعی حکم یہ ہے کہ سود لینا حرام ہے، لیکن اگر کوئی شخص سود وصول کرے تو وہ سارے کا سارا

---

[1] قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: اما اذا اخذ من انسان مائة ومن اخر مائة وخلطها ثم تصدق لا يكفر لانه ليس بحرام بعينه. قال ابن عابدين بان المراد ليس هو نفس الحرام لانه ملكه بالخلط۔

{ الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۲۸، ۲۹
مطلب في التصدق من المال الحرام }

واجب التصدق ہے [1] اب اگر حکومت نے اس میں سے ڈھائی فیصد زکوٰۃ فنڈ میں دیدیا ہے (جبکہ زکوٰۃ فنڈ میں صدقاتِ نافلہ اور عطیات بھی شامل ہیں) تو مالکان پر شرعاً واجب ہے کہ باقیماندہ سود بھی چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے صدقہ کریں نہ یہ کہ اس کی بنیاد پر اصل مال کی زکوٰۃ بھی ادا نہ کریں۔

مثال کے طور پر ایک شخص کے ایک ہزار روپے بنک میں جمع ہیں اور اس پر سو روپے سود کا اضافہ ہو گیا ہے تو حکومت پورے گیارہ سو روپے پر ڈھائی فیصد کے حساب سے ساڑھے ستائیس روپے وصول کرے گی، ان ساڑھے ستائیس روپوں میں سے پچیس روپے تو اس شخص کے اصل یعنی ایک ہزار روپے کی زکوٰۃ ہے اور ڈھائی روپے زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ سود کی جو رقم پوری کی پوری صدقہ ہونی چاہیئے تھی اس کا ایک حصہ ہے، اگر یہ بھی زکوٰۃ فنڈ میں چلا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ اس کا مصرف بھی فقراء ہی ہیں۔

(۹) نابالغ کی زکوٰۃ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وجوبِ زکوٰۃ کے لیے صاحبِ نصاب کا عاقل و بالغ ہونا شرط ہے [2] جبکہ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک نابالغ اور فاتر العقل کے مال پر بھی زکوٰۃ لازم ہے۔ آرڈیننس میں چونکہ بالغ اور نابالغ کے اکاؤنٹس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا، اس لیے اس میں غالباً شافعی مسلک اختیار کیا گیا ہے اور لوگوں کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر اگر ضرورت ہو تو اس کی گنجائش ہے لیکن پھر بھی حکومت کے لیے اس میں بڑی احتیاط کرنا لازم ہے۔

---

[1] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: انما یکفر اذا تصدق بالحرام القطعی - قال ابن عابدینؒ: ای مع رجاء الثواب الناشی عن استحلالہ۔ وقال الحصکفی رحمہ اللہ فلا زکوٰۃ کما لو کان الکل خبیثاً۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۲۸ مطلب فی تصدق من المال الحرام)

[2] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وشرط افتراضھا عقل وبلوغ واسلام وحریۃ۔ قال ابن عابدینؒ فلا تجب علی مجنون وصبی لانھا عبادۃ محضۃ ولیسا مخاطبین بھا۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۴ مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلۃ)

(۱۰) ترکے کا مال البتہ بینک اکاؤنٹس میں بعض اموال ایسے ہو سکتے ہیں جو کسی مرحوم شخص کا ترکہ ہوں، چونکہ مرحوم کے انتقال کے ساتھ ساتھ ان اموال پر ورثاء کا حق ثابت ہو جاتا ہے اور ورثاء میں سے ہر ایک کا صاحب نصاب ہونا ضروری نہیں اس لیے اس مال سے بھی زکوٰۃ وصول کرنا درست نہیں ہوگا۔[1] لہٰذا آرڈیننس میں یہ استثناء بھی ہونا چاہیئے کہ جو شخص زکوٰۃ وضع کرنے کے دن انتقال پا چکا ہو اس کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وضع نہیں کی جائے گی۔

(۱۱) کمپنیاں اور شیئرز آرڈی ننس میں کمپنیوں کو بھی صاحب نصاب قرار دیا گیا ہے اور کمپنیوں کے حصص کو بھی شیڈول ۱ میں درج کرکے ان سے زکوٰۃ وضع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر کمپنی کے بینک اکاؤنٹس سے بحیثیت فرد قانونی الگ زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور اس کمپنی کے حصہ داروں سے ان کے حصص پر الگ زکوٰۃ وصول ہوگی، اگر واقعہ یہی ہے تو یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ایک ہی مال سے سال میں دو مرتبہ زکوٰۃ وصول ہونے کا احتمال ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ لہٰذا اگر کمپنیوں سے زکوٰۃ وصول کی جارہی ہے تو حصہ داروں الگ زکوٰۃ وصول نہ کی جائے، اور اگر حصہ داروں سے وصول کی جارہی ہے تو کمپنیوں سے وصول نہ کی جائے، ان دونوں صورتوں میں سے مجلس کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ حصص پر وصول کی جائے۔

(۱۲) عُشر بصورتِ نقد آرڈی ننس میں عُشر کا بھی ایک حصہ لازماً وصول کرنے سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، مثلاً بارانی زمینوں کی پیداوار کا پانچ فیصد، ہر قسم کی زمینوں میں کاشتکار کا حصہ وغیرہ۔ لیکن ساتھ ہی یہ تصریح بھی کر دی گئی ہے کہ ان پر شرعاً عُشر واجب ہے جسے مالکان اپنے طور پر ادا کریں گے۔ اس حکم میں شرعاً کوئی خرابی نہیں، البتہ آرڈی ننس کی دفعہ ۵ ذیل ۵ میں صراحت کی گئی ہے کہ عُشر بصورتِ نقد وصول کیا جائے گا، صرف گندم اور دھان کے بارے میں یہ

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: ولذا لا یؤخذ العُشر من الوصی اذا قال ھذا مال الیتیم۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۷ قبیل باب الرکاز)

استثناء رکھا گیا ہے کہ اگر صوبائی کونسل چاہے تو اسے بصورتِ جنس وصول کرے۔
مجلس کی رائے میں یہ حصہ بھی لائقِ ترمیم ہے کیونکہ شرعاً عشر کو بصورتِ نقد ادا کرنا لازم نہیں بلکہ شریعت نے اس میں مالکِ پیداوار کی سہولت کو ملحوظ رکھا ہے[۱] لہٰذا یہ پابندی ختم کرکے اس معاملے کو مالکِ پیداوار کی صوابدید پر چھوڑنا چاہیئے۔

(۱۳) چوتھائی پیداوار کا عشر سے استثناء

آرڈی ننس میں زرعی پیداوار کے چوتھائی حصہ کو اخراجات کی مد میں عشر سے مستثنیٰ کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اگرچہ بعض ائمہ کے اقوال اس قسم کے منقول ہیں کہ چوتھائی پیداوار تک اخراجات کی مد سے مستثنیٰ ہو سکتی ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۴ باب خرص التمر) لیکن حنفیہ اور اکثر فقہاء کے مسلک میں یہ چھوٹ نہیں ہے[۲] لہٰذا اگر حکومت یہ چوتھائی حصہ لازمی وصولی سے مستثنیٰ کرنا چاہتی ہے تو ساتھ ہی یہ اعلان بھی کرنا چاہیئے کہ اس حصہ کا عُشر مالکان خود ادا کر دیں[۳]

(۱۴) تاریخ زکوٰۃ

موجودہ آرڈیننس کے مطابق ہر سال زکوٰۃ یکم رمضان المبارک سے شروع ہو کر شعبان کے آخری دن پر ختم ہو گا، اور یہ بات اطمینان بخش ہے کہ شریعت کے مطابق زکوٰۃ کی تقسیم کے لیے ہجری سال کو اختیار کیا گیا ہے[۴] لیکن

---

[۱] قال العلامة المرغینانیؒ: ویجوز دفع القیم فی الزکوٰۃ عندنا وکذا فی الکفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر...... ولنا ان الامر بالاداء الی الفقیر ایصال للرزق الموعود الیه الخ۔ (الهدایة ج ۱ ص ۱۷۲ فصل فی الخیل)

[۲] قال العلامة المرغینانیؒ: وکل شیئ اخرجته الارض مما فیه العُشر لا یحتسب فیه اجر العمال ونفقة البقر لان النبی علیه السلام حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة فلا معنیٰ لرفعها۔ (الهدایة ج ۱ ص ۱۸۵ باب زکوٰۃ الزروع والثمار)

[۳] قال العلامة المرغینانیؒ: فی قلیل ما اخرجته الارض وکثیره العُشر سواء سقی سیحًا الخ۔ (الهدایة ج ۱ ص ۱۸۳ باب زکوٰۃ الزروع والثمار)

[۴] قال العلامة الحصکفیؒ: وحولها ای الزکوٰۃ قمری بحر عن القنیة لا شمسی۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المختار ج ۲ ص ۳ قبیل باب زکوٰۃ المال)

مختلف اثاثوں کی قیمت لگانے کے لیے پہلے شیڈول میں مختلف تاریخیں مقرر کی گئی ہیں، یہ صورتحال شرعاً درست نہیں ہے شرعی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شخص صاحب نصاب بن جائے تو اس کی ہر رقم کے لیے الگ سال شمار نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے تمام اثاثوں کے لیے زکوٰۃ کے وجوب کی ایک ہی تاریخ ہوتی ہے[1] لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ تمام اثاثوں میں قیمت لگانے کی تاریخ (VALUTION DATE) ایک ہی رکھی جائے۔ البتہ اس قیمت کی بنیاد پر زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخیں (DEDUCKTION DATE) مختلف اثاثوں کے لحاظ سے مختلف ہوسکتی ہیں۔

(۱۵) قیمتی پتھروں اور مچھلیوں کی زکوٰۃ | آرڈیننس کے شیڈول ۲ میں اشیاء کی فہرست دی گئی ہے جن پر حکومت لازماً زکوٰۃ وصول نہیں کرے گی بلکہ مالکان پر بطور خود ان کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اس فہرست میں قیمتی پتھروں اور مچھلیوں پر بھی زکوٰۃ عائد کی گئی ہے، حالانکہ ان دونوں اشیاء پر اُس وقت زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب تک تجارت کی نیت سے انہیں خریدا نہ گیا ہو[2] لہٰذا ان دونوں اشیاء کو اس شیڈول سے خارج کرنا چاہئے کیونکہ بہ نیت تجارت خریداری کی صورت میں یہ "اموالِ تجارت" میں شامل ہوجائیں گے جن کا ذکر شیڈول ۲ میں موجود ہے۔

(۱۶) مصارفِ زکوٰۃ | مصارفِ زکوٰۃ کے بیان میں آرڈیننس میں براہ راست فقراء کو زکوٰۃ پہنچانے کے ساتھ مختلف اداروں کے توسط سے فقراء کی

---

[1] قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ:- ومن کان له نصاب فاستفاد فی اثناء الحول من جنسه ضمه الیه وزکّاه به.... لنا ان المجانسة هی العلّة فی الاولاد والارباح لان عندها یتعسر التمییز فیعسر اعتبار الحول لکل مستفاد وما شرط الحول الّا للتیسیر۔ (الهدایة ج ۲ ص ۱۷۵ فصل فی الخیل)

[2] وفی الهندیة: ولا شئ فیما یستخرج من البحر کالعنبر واللؤلؤ والسمك کذا فی فتاوٰی قاضی خان - (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۵ قبیل الباب السادس فی زکوٰة الزرع والثمار)

وقال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: لا زکوٰة فی اللآلی والجواهر وان ساوت الفاً اتفاقاً الّا ان تکون للتجارة - (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۵ قبیل باب السائمة)

امداد کا بھی ذکر ہے، اس میں یہ وضاحت ہونی چاہیئے کہ ہر صورۃ میں زکوٰۃ کی ادائیگی مستحق زکوٰۃ کو باقاعدہ مالک بنا کر کی جائے گی۔[1]

خلاصۂ تجاویز برائے حکومت

(۱) صاحبِ نصاب کی موجودہ تعریف کی جگہ حسب ذیل تعریف لکھی جائے:۔

"صاحبِ نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ، سونا یا سامانِ تجارت ہو، یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو"

پھر ہر سال تاریخ زکوٰۃ سے پہلے ساڑھے باون تولہ چاندی کی جو قیمت ہو اس کا اعلان کیا جائے اور اس قیمت کو وصولی زکوٰۃ کا معیار مقرر کیا جائے، یعنی صرف ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے جن کی اتنی مالیت کی رقوم بینکوں یا دیگر مالیاتی اداروں میں جمع ہوں۔

(۲) آرڈیننس کی دفعہ ۳ میں ترمیم کر کے اُس کو اِس طرح بنایا جائے:۔

"آرڈی ننس کے دوسرے احکام کے تابع ہر مسلمان صاحبِ نصاب شخص سے شیڈول ۱ میں دی ہوئی تفصیل کے مطابق ہر سال زکوٰۃ کے اختتام پر لازماً زکوٰۃ وصول کی جائے گی"

شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ تاریخ زکوٰۃ کے دن اس کی جملہ مملوکات کو نصاب کی مقدار تک پہنچے ہوئے پورا سال نہیں گذرا، تو اس کے مذکورہ اثاثوں سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔

مزید شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ وہ مقروض ہے اور اس نے قرضہ کسی پیداواری غرض سے نہیں لیا تو اس کے قرضے کی رقم کو قابلِ زکوٰۃ رقم سے منہا

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: الزکوٰۃ شرعاً تملیک خرج الاباحة فلو اطعم یتیماً ناویاً الزکوٰۃ لایجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ۔

کیا جائے گا۔

مزید شرط یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں باضابطہ ڈیتھ سرٹیفکیٹ کے ذریعے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخ میں انتقال پا چکا تھا تو اس کے اکاؤنٹ سے بھی زکوٰۃ وضع نہیں کی جائے گی۔

(۳) بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں میں رقم رکھوانے والوں سے ایک وکالت نامہ تحریر کرایا جائے جس میں وہ متعلقہ مالی ادارے کو یہ اختیار دیں کہ تاریخ زکوٰۃ آنے پر وہ ادارہ ان کی طرف سے زکوٰۃ وضع کر کے زکوٰۃ فنڈ میں جمع کرا دے۔

(۴) کمپنیوں اور ان کے حصص پر الگ الگ زکوٰۃ وصول نہ کی جائے بلکہ اگر کمپنیوں سے وصول کی جا رہی ہے تو حصص پر وصول نہ ہو، اور اگر حصص پر وصول کی جا رہی ہو تو کمپنیوں پر وصول نہ ہو، ان دونوں صورتوں میں سے بہتر یہ ہے کہ حصص پر وصول کی جائے۔

(۵) عُشر کے بصورت نقد وصول کرنے کی پابندی ختم کی جائے بلکہ یہ امر مالکِ پیداوار پر چھوڑا جائے کہ وہ چاہے تو بصورتِ جنس ادا کرے اور چاہے تو بصورتِ نقد ادا کرے۔

(۶) ہر زرعی پیداوار میں سے چوتھائی حصہ جو کہ حکومت بطور منہائی اخراجات چھوڑ رہی ہے اس کے بارے میں یہ اعلان کیا جائے کہ اس حصہ کا عُشر مالکان خود ادا کریں۔

(۷) شیڈول ۱ کے تحت تمام اثاثوں کے لیے قیمت مقرر کرنے کی تاریخ (VALUATION DATE) ایک ہی مقرر کی جائے اور مختلف اثاثوں کے لیے مختلف تاریخیں نہ رکھی جائیں البتہ زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخیں مختلف اثاثوں کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں بشرطیکہ اثاثوں کے اسباب مختلف ہوں۔

(۸) قیمتی پتھروں اور مچھلیوں کو شیڈول ۲ سے خارج کیا جائے۔

(۹) شیڈول ۲ میں مویشیوں کی زکوٰۃ کی شرح بیان کرتے ہوئے پانچ سے پچیس اونٹ تک کی شرح بہت مجمل ہے جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پانچ سے پچیس اونٹوں تک ایک اونٹ واجب ہے۔ اس کی اصلاح کر کے واضح پر یہ لکھنا چاہیئے کہ پانچ سے پچیس اونٹوں تک ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری واجب ہوگی۔

(۱۰) مصارفِ زکوٰۃ میں یہ وضاحت کی جائے کہ ہر صورت میں مستحقِ زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا

مالک وقابض بتایا جائے گا، اور ادارے یہ رقمیں تعمیرات اور اساتذہ کی تنخواہوں میں صرف نہیں کر سکیں گے۔

ـــــ یہ چند تجاویز ہیں جو آرڈیننس کے فوری مطالعے سے سامنے آئیں۔ ـــــ

ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرًا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

(۱) بندہ عبد الحق مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور) ۴/۹/۱۴۰۰ھ

(۲) رشید احمد عفا اللہ عنہ، دار الافتاء دار العلوم کراچی۔ ۲۱/۸/۱۴۰۰ھ

(۳) محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ دار الافتاء دار العلوم کراچی ۲۱/۸/۱۴۰۰ھ

(۴) احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ خادم " " " " " " " "

(۵) (مفتی) ولی حسن دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی ۲۱/۸/۱۴۰۰ھ

(۶) عبد الرزاق اسکندر " " " " " " " "

(۷) بندہ سبحان محمود، دار العلوم کراچی ۱۴

(۸) بندہ عبد الرؤف سکھروی، دار الافتاء " "

اسلامی قوانین کے نفاذ میں شیعہ سُنّی تفریق تباہ کن ہے

وفاقی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۷ اور ۹ فروری ۱۹۸۳ء میں نظام عشر اور قاضی عدالتوں کے مسودوں پر مولانا سمیع الحق صاحب نے دس منٹ کے محدود وقت میں مختصر خطاب کے دوران دو اہم امور پر توجہ دلائی، مولانا کے اس خطاب کو قانون عشر و خراج کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے وفاقی مجلس شوریٰ کی رپورٹنگ سے من وعن نقل کر کے افادہ عام کیلئے قناوی میں شامل کیا جارہا ہے (مرتب)

جناب چیئرمین: مولانا سمیع الحق صاحب!

مولانا سمیع الحق: نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب چیئرمین صاحب: عُشر کے بارے میں ہمارے دوستوں نے نہایت فاضلانہ گفتگو کی ہے اور اس کے شرعی حیثیت سے جو نکات تھے وہ ہمارے علماء کرام نے بالتفصیل واضح کئے ہیں۔ اس محدود وقت میں مختصراً تین نکات کے بارے میں کچھ عرض کروں گا جن کی طرف بعض حضرات نے اشارہ بھی کیا ہے۔

عُشر کے ساتھ خراج بھی ہے: پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ اراضی کے متعلق، زمینوں کے متعلق اسلام کا جو نظامِ محاصل ہے وہ دو چیزوں سے عبارت ہے، عُشر[۱] اور خراج[۲]۔ تو ہم اس سمت میں جب قدم اٹھا رہے ہیں اور یہ ایک نہایت قابلِ تحسین قدم ہے، انشاء اللہ اس راستے میں جو خامیاں اور رکاوٹیں ہیں وہ آہستہ آہستہ ختم ہوجائیں گی، لیکن ہم نے نظامِ عشر کے ساتھ ساتھ خراج کے نظام کو بالکل یکسر نظرانداز کر دیا ہے، خراج معنی یہ ہے کہ جو اراضی غیر مسلموں کی ہیں اُن پر بھی عُشر کی طرح ایک خاص شرح سے ٹیکس لگایا جائے، عشر تو عبادات میں شامل ہے اور غیر مسلموں سے حاصل ہونے والے محاصل کو ہم عشر نہیں کہہ سکتے، لیکن اسلام کی نظر میں ایک اسلامی مملکت کے تمام شہری حقوق کے لحاظ سے بھی برابر ہوتے ہیں اور زاویوں کے لحاظ سے بھی۔ زمین جب اسلامی مملکت کی کسی مسلمان کے پاس ہے یا

دیئے جائیں گے اور اس کے محاصل بھی متعین ہیں اور جہاں جہاں اس کو خرچ کیا جائے گا وہ مصارف بھی متعین ہیں۔ لہٰذا موجودہ طریقہ تو بے حد خطرناک ہے کہ جس کی سارے عالم اسلام میں کوئی مثال نہیں ملتی، احوالِ شخصیہ کا معاملہ الگ ہے ۔ پرسنل لاز میں ہم فقہی اختلافات کی گنجائش اور رعایت رکھیں گے لیکن جہاں مسئلہ آئے گا احوالِ عامہ اور پبلک لاز کا تو اس معاملے میں تفریق کسی جگہ بھی اختیار نہیں کی جائے گی۔ اس کے ایک خطرناک پہلو کا میں نے بجٹ کے موقع پر بھی ذکر کیا تھا۔ ہم سُنی حضرات، یا شیعہ حضرات کے لیے اس طرح اپنے مسلک بدلنے کا راستہ نکالیں، مالی مفادات کی وجہ سے ایک شخص فارم میں یہ لکھے کہ میں فلاں مسلک سے تعلق رکھتا ہوں اور جہاں اُسے نقصان ہے وہ لکھے گا کہ میں فلاں مسلک سے تعلق رکھتا ہوں، اور جناب صدر صاحب نے خود ایک میٹنگ میں وعدہ کیا کہ غلط ڈیکلریشن پر سخت سزا مقرر کی جائے گی۔ مگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں ایسا ہوا کہ ہزاروں لوگوں نے غلط ڈیکلریشن دیدیئے اور سُنی نے اپنے آپ کو شیعہ لکھ دیا، تو کیا کسی ایک ڈیکلریشن کو بھی شریعت کورٹ میں چیلنج کیا گیا ہے؟ نقصان اس کا سُنیوں کو ہے جو بدقسمتی یا خوش قسمتی سے اکثریت میں ہیں لیکن وہ گھاٹے میں جا رہے ہیں، سُنی محض مالی مفادات کی خاطر ایسا کر رہے ہیں کیونکہ یہ لوگوں کی کمزوری ہے ۔ تو کوئی لکھ دیتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں۔ زکوٰۃ کے مسئلے میں بھی ایسا ہی ہوا، یہی فارم کل ہمارے خلاف دلیل بنیں گے کہ شیعوں کی اتنی بڑی تعداد ہے۔ تو تم شیعہ کو سُنی اور سُنی کو شیعہ بننے کا راستہ کیوں کھولتے ہو؟ اس کو اسلامی اصطلاح میں الحاد اور زندقہ کہا جاتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ اگر حکومت نے اسلامی نظام نافذ کرنا ہے تو خدا را ان کے اصول کے مطابق، ان کے مسلک کے مطابق، ان کی رائے کے مطابق بھی کوئی طریق کار وضع کیا جائے، ان کو کھلا نہیں چھوڑ دینا چاہیئے ۔ کمال تو یہ ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ اور مصارفِ عُشر کی تقسیم میں تو آپ نے کوئی تمیز متعین نہیں کی کہ اس میں شیعہ یا سُنّی کا امتیاز کس طرح کیا جائے گا؟ لیکن لیتے تو آپ ایک خاص طبقہ (اہلسنت) سے ہیں اور تقسیم کرنے میں فراخ دلی اختیار کرتے ہیں، لینے والا خواہ شیعہ ہو یا سُنّی وہ لے سکتا ہے۔

مراعات کے لیے حکومتِ عادلہ ضروری نہیں تو ذمہ داریوں کے لیے کیوں؟

ہمارے شیعہ دوست کہتے ہیں کہ جب حکومتِ عادلہ ہو گی تب یہ چیزیں ہم پر لازم ہونگی حکومتِ عادلہ کی یہ نرالی منطق ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ اگر دنیاوی عہدوں کیلئے، مناصب کے لیے، مراعات کے لیے حکومتِ عادلہ

کسی کافر کے پاس ہے تو اسلام یہ نہیں کہتا کہ غیر مسلم کی زمین اسی طرح چھوڑ دو اور صرف مسلمانوں پر ٹیکس لگا دو یا عشر لگا دو۔ تو جو اراضی غیر مسلم حضرات اور شہریوں کے پاس ہے اس پر بھی خراج لگایا جائے اگر ہمیں اسلامی اصطلاحات سے شرم آتی ہے اور ہم احساس کہتری میں ضرورت سے زیادہ مبتلا رہتے ہیں تو ہم خراج کی بجائے اس کا نام کوئی اور بھی رکھ سکتے ہیں، لیکن خدا کی ساری زمین برابر ہے، یہ جن لوگوں کی ملکیت ہے ان میں کسی کو مستثنیٰ قرار دینا اور کسی کو پابند بنانا اس کی اسلامی تاریخ میں کہیں بھی مثال نہیں ملتی۔

پبلک لاء میں تفریق تباہ کن ہے

اس کے علاوہ ایک دوسری بات بھی بڑے درد اور افسوس سے کہتا ہوں، اسے کوئی غلط معنی نہ پہنایا جائے جناب وزیر خزانہ صاحب نے کل بڑے مدلل جواب دیئے لیکن اس مسئلے کو انہوں نے ہلکا سمجھا اور گول مول کے انداز میں اسے چھوڑ دیا۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم ایک مسلم مملکت کے مسلمان شہری ہیں تو ہمیں مکمل فکری یکجہتی اور یگانگت کی ضرورت ہے، ہماری حمزہ کمیٹی کی رپورٹ میں بھی اس جانب مناسب انداز سے توجہ دلائی گئی ہے کہ عشر کے معاملے میں یا کسی بھی اسلامی قانون کے بارے میں دو طریقے اختیار کرنا اور فقہی مسائل کو راستے کی رکاوٹ سمجھ کر کچھ لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیدینا، یہ چیز آگے چل کر ملک کے لیے بڑی خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔ خدا کی قسم میں یہ کسی تعصب کی وجہ سے نہیں کہتا ہوں بلکہ شیعہ حضرات کی خیر خواہی میں کہتا ہوں جنہوں نے خود مجھ سے بات کی ہے، یہاں میرے بھائی نصرت علی شاہ صاحب اور کئی دوسرے حضرات بھی ہیں جنہوں نے اس وقت بھی اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا کہ چند سیاسی طالع آزماؤں کی وجہ سے (اور وہ ہر فرقہ میں ہوتے ہیں) ملک کی گاڑی کو ایسی پٹڑی پر ڈالا جا رہا ہے جس کا انجام بالآخر انتشار وافتراق ہوگا، یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ حدود آرڈی ننس کے مسئلہ میں ایسے ہی ہوا اور پھر زکوٰۃ کے مسئلہ میں بھی یہی کچھ ہوا۔ اگر کسی فرقہ کو ہمارے فقہی مسلک سے اختلاف ہے تو ہم بڑی فراخدلی سے اس کا خیر مقدم کریں گے، لیکن ان کے ہاں بھی ایک نظام ہے، کچھ قوانین ہیں، کچھ احکام ہیں جبکہ شریعتِ اسلامیہ نے کسی بھی فرقے کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا۔

مثلاً ہمارے شیعہ حضرات کی فقہ میں بھی چار چیزوں پر عشر ہے، گیہوں، کھجور، کشمش اور جو ہیں، ان کی فقہ میں بھی ان چار چیزوں پر عشر ہے، اور جن چیزوں پر وہ عُشر کے قائل نہیں ہیں اُن کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ان کا خمس دینا چاہیئے، ان کا عقیدہ ہے کہ سو من میں سے بیس من

ہے تو حکومت کی طرف سے جو ذمہ داریاں رعایا پر عائد ہوتی ہیں تو اس کے لیے وہ حکومت کیوں حکومتِ عادلہ نہیں سمجھی جاتی؟ تو میں کہتا ہوں کہ اس طرح بدقسمتی سے ایک چیز عوام کے دلوں میں پیدا ہو رہی ہے، ہم تو یہی کہتے ہیں کہ شیعہ اور سنی ہمیشہ بھائیوں کی طرح رہیں اور ملک پہ آواز نہ اٹھے اور لوگ یہ نہ کہیں کہ آج اس معاملہ میں شیعہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں تو آخر کار سنیوں کی طرف سے بھی یہ آواز اٹھے گی کہ بھائی جب یہ الگ ہو رہے ہیں تو ہمیں بھی الگ کر دو اور انہیں بھی الگ کر دو۔ خدا نہ کرے خدا نہ کرے اگر ایسا ہو گیا تو یہ ملک و قوم کیلئے نہایت خطرناک ہو گا۔

کل جناب وزیر خزانہ نے کہا کہ یہ مسئلہ علماء کی افہام و تفہیم کا ہے۔ کمال یہ ہے کہ کیا علماء میں افہام و تفہیم سے ایسے احکامات لاگو ہو سکتے ہیں جو حکومت لاگو نہیں کر سکتی، علماء کیسے بیٹھ کر کیسے افہام و تفہیم کریں؟ علماء تو آپ کو کہتے ہیں کہ بھائی عشر نافذ ہی نہ کرو، آپ کے جو علماء ہیں ان کی اکثریت آپ کے خلاف ہے۔ میں آپ کو یہ حقیقت بتاؤں کہ علماء کہتے ہیں کہ عشر نافذ ہی مت کرو، زکوٰۃ مت نافذ کرو، لیکن اس مسئلے میں تو آپ علماء کو نہیں دیکھتے اور اس مسئلہ میں آپ علماء کو کہتے ہیں کہ آپس میں افہام و تفہیم پیدا کریں جو علماء کے بس کی بات نہیں۔ باہمی مفاہمت پیدا کرنا یکجہتی کو قائم کرنا ان قوانین میں، یہ حکومت کا اولین فرض ہے اور انشاء اللہ دونوں طبقوں میں معتدل، سنجیدہ اور مخلص حضرات موجود ہیں وہ اس چیز کو گوارا نہیں کریں گے۔ تو انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ آپ کیلئے یہ راستہ آسان بنا دے گا ورنہ کہاں کہاں آپ یہ دو عملی اور تفریق کا سلسلہ جاری رکھیں گے؟

عشر اور نصف العشر

تیسری میری گذارش یہ تھی کہ اخراجات کے سلسلے میں مسئلہ کو خواہ مخواہ الجھا دیا گیا ہے، شریعت نے خود کھیتی باڑی پر اٹھنے والے مصارف پر رعایت رکھی ہے بارانی زمینوں پر زیادہ اخراجات نہیں اٹھتے اسلئے اس پر عشر یعنی دسواں حصہ اور نہری یا چاہی زمینوں پر نصف العشر یعنی بیسواں حصہ، یعنی عشر کی اس کو رعایت دیدی گئی ہے۔ تو یہ ایک عجیب صورت حال ہے کہ اخراجات کو منہا کرنے کی کو منہا کرنے کی پوری اسلامی تاریخ میں مثال نہیں ملتی کہ عشر نافذ کیا گیا ہو تو اس میں اخراجات کو منہا کیا گیا ہو، پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کی رعایت رکھی ہے، تو اس مسئلے کو اتنا نہ الجھایا جاتا اور عشر اور نصف العشر پر چھوڑ دیا جاتا۔

تو جناب والا میری بنیادی بات وہ ہے جو درمیان میں میں نے کہہ دی کہ فقہی اختلافات کا یہ سلسلہ نہ ایران میں ہے نہ عراق میں، نہ مصر میں اور نہ شام میں ہے، خدا کے لیے اس سلسلے کو روکا جائے اور اس کی اب بھی تلافی کی جائے۔ شکریہ!

زکوٰۃ ـــــ اور متجددین
قصرِ اسلام میں شگاف کی سعی

زکوٰۃ ایک عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ نے صاحبِ نصاب مسلمانوں پر فرض کی ہے بلکہ اس کو اسلامی عمارت کا ایک اہم ستون قرار دیا ہے۔ عصرِ حاضر میں بعض "روشن خیال" اور "متجددین" مثلاً ڈاکٹر فضل الرحمٰن سابق ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان، وغیرہ نے حکمرانوں کے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے علماءِ اسلام، مدارسِ دینیہ اور دین کا درد رکھنے والوں کے نام ناکام مہم شروع کی تھی۔ اس ضمن میں زکوٰۃ کو عبادت سے نکال کر ٹیکس قرار دینے کے لیے تحریری طور پر آغاز کر دیا گیا۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی نے اس باطل نظریئے اور متجددین کی تحریرات کا تعاقب کرتے ہوئے "قصرِ اسلام میں شگاف کی سعی" کے عنوان سے ایک جاندار مضمون لکھا جو ماہنامہ الحق میں شائع بھی ہوا، جسے اب "فتاویٰ حقانیہ" میں افادۂ عام کے لیے شامل کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

وہ ملک جو ایک طویل اور پیہم جدوجہد اور ان مٹ قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا جس کی خاطر لاکھوں مسلمانوں کو آگ اور خون کے طوفانوں سے گزرنا پڑا۔ ہزاروں عصمتوں کے چراغ بجھے اور لاکھوں مظلوم زندگیاں اغیار کے ہاتھوں لٹ گئیں۔ غرض مسلمان زندگی کی ہر متاع اور عمر بھر کی پونجی اس کی راہ میں لٹا کر بھی مسرور و شاداں تھے کہ ؎

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

اب اگر کوئی بدبخت اور ناعاقبت اندیش اٹھے اور اس کی بنیادوں کو ہی ڈائنامیٹ کرے، اس کی دیواروں میں شگاف ڈالے تو کیا اس کے ایسے غدارانہ حرکات کو لمحہ بھر برداشت

کیا جائے گا۔ کیا ایسا شخص قومی غدار کہلانے کا مستحق نہ ہوگا جو اس مضبوط حصار میں نقب لگا کر قومی قتل کا مجرم بنے؟

ملت حنیفیہ کی حفاظت کیلئے حضورؐ اور صحابہؓ کی قربانیاں

امت مسلمہ کا وہ مضبوط اور آہنی حصار جس کے استحکام پر نہ صرف ہماری بلکہ رہتی دنیا تک بسنے والی انسانیت کا مدار ہے اور جسے ہم اسلام اور ملت حنیفیہ کے پیارے نام سے تعبیر کرتے ہیں، کی خشت اوّل معمار اوّل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں رکھی گئی اور تکمیل نوامیس فطرت کے سب سے بڑے علمبردار اور کامل و اکمل ہستی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہوئی۔ آپ نے دن کا سکھ اور رات کا چین اس راہ میں قربان کر دیا۔ اس گھر کی تکمیل میں وہ مصیبتیں جھیلیں جو مخلوق میں سے کسی نے اس سے پہلے نہ سہیں۔ اوذیت فی اللہ ما لم یوذ احد او کما قال ان کے معصوم اور پاکیزہ دل کی ہر دھڑکن، اور ہر آرزو اس حصار کے استحکام اور مضبوطی سے وابستہ رہی کہ اب قیامت تک آنے والی مخلوق کی حقیقی فلاح و بقا اس "خدائی قلعہ" کی مضبوطی سے وابستہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس صحابہ سمیت اپنی زندگی، مال و جان، عزت و آبرو، گھر بار، ملک و وطن، غرض سب کچھ اسی اسلام کی حفاظت و اشاعت اور مدافعت میں قربان کر دیا اور جس وقت وہ ذات قدسی صفات اس عالم خاکی سے روپوش ہوئی تو دین کا یہ "قصر" ایک حسین و جمیل کامل و مکمل مرقع کی شکل میں دنیا کے سامنے موجود تھا۔ اس میں ذرہ بھر خامی نہ تھی جس کی تکمیل و تعبیر کے لئے کسی دوسرے معمار کی ضرورت پڑے

ارکانِ خمسہ

ہر عمارت ستونوں، چھتوں اور در و دیوار سے عبارت اور اپنی مضبوط اور راسخ بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کی عظیم الشان عمارت بھی ان بنیادوں اور ستونوں پر قائم ہے جسے ہم ارکان خمسہ (شہادتین، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) کے نام سے جانتے اور

پہچانتے ہیں اور جسے حضور اقدس ؐ نے دعائم الاسلام (اسلام کے ستون) سے تعبیر کیا۔ (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری جلد ا صفحہ ۱۲۸ بحوالہ مصنف عبدالرزاق) اگر ان بنیادی ستونوں میں سے ایک کو ہٹا دیا جائے یا ذرا ٹیڑھا کر دیا جائے تو پوری عمارت دھڑام سے گر جائے گی جو بالآخر اس کے تمام مکینوں کی تباہی اور ہلاکت پر منتج ہو گی۔ اگر کوئی خود یا ختہ شخص اس عمارت کی بنیادوں پر ضرب لگاتا اور اسے اپنی جگہ سے ہلاتا ہے تو عاقبت اندیشی یہی ہے کہ اس عمارت کے تمام باشندے اٹھ کر ان ہاتھوں کو توڑ دیں جو پوری ملت کے نقصان اور تباہی کا سبب بن رہے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ تمام ہاتھ بھی شل کر دیئے جو پس پردہ اس "مل جوڑ" کی پشت پناہی کر رہے ہوں۔ یہ ایک بڑی اور سچی حقیقت ہے جو اسلام اور دین محمدی کی اہمیت، اس کی عظمت اور نزاکت کے بارہ میں خود حضور اقدس ؐ نے ایک سیدھی سادھی مثال سے ذہن نشین کرادی اور بار بار فرمایا جسے بے شمار صحابہ نے مختلف طرق سے نقل کیا۔

بنی الاسلام علی خمس	اسلام کا یہ عظیم الشان کارخانہ پانچ
شهادة ان لا اله الا الله وان محمداً	ستونوں پر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ
رسول الله واقام الصلوٰة	کی وحدانیت اور رسالت محمدی ؐ کا
وایتاء الزکوٰة و الحج	اقرار نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا
وصوم رمضان۔	اور رمضان کے روزے رکھنا۔

عن عبد الله بن عمر۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ نسائی

کہیں ان ارکان کو دعائم الاسلام کہا گیا اور کہیں عماد کے لفظ سے ان کی اساسی حیثیت پر روشنی ڈالی گئی۔ خود قرآن مجید کے اکثر مضامین، احکام اور اوامر و نواہی قصص و آداب امثال و مواعظ کا مرکزی نقطہ بھی یہی ارکان پنجگانہ ہیں کہ ان ہی پر دین و آخرت اور غیب کا سارا عالم استوار ہے

ارکان کا باہمی ربط و تعلق

پھر نہ صرف یہ کہ اس قصر دین کی بقا ان ارکان کی مجموعی حیثیت پر موقوف ہے بلکہ یہ سارے ارکان آپس میں ایسے مربوط اور وابستہ ہیں کہ اگر ان میں ایک نہ ہو تو باقی

تمام ارکان میں اضمحلال رونما ہو اور پوری عمارت کا توازن برقرار نہ رہ سکے۔ اگر ان میں سے ایک کی ضرورت و اہمیت بھی محسوس نہ ہو یا اسے فالتو سمجھ لیا جائے یا اس کی ہیئت اساسی میں تبدیلی کی سعی کی جائے خواہ وہ ایمان باللہ ہو یا نماز زکوٰۃ ہو یا حج اور روزہ تو ایسا شخص اس پوری عمارت کا دشمن ہے کیونکہ اس قصر متین کا ہر جز دیگر اجزاء و ارکان کو سنبھالے ہوئے ہے، جس معمار نے ہدایات ربانی کی روشنی میں یہ عمارت تیار کی اور اس کا نقشہ بنایا۔ اس نے ان ارکان کا یہ باہمی ربط و تعلق اور اس کی اہمیت بھی ان الفاظ میں جتلادی کہ:-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	(ایمان لانے کے بعد) چار چیزیں ہیں جنہیں
اربعٌ فرضهن اللّٰہ فی الاسلام	اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا
فمن جاء بثلاثٍ	ہے۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ اور بیت
لم یغنین عنہ	اللہ کا حج جو شخص ان میں سے تین بھی
شیئاً حتی یأتی بھن	ادا کرے (اور کسی ایک کی فرضیت کا
جمیعاً الصلوٰۃ والزکوٰۃ	بھی منکر ہو) تو وہ اس کے کام نہیں
وصیامُ رمضان وحج البیت	آسکتیں جب تک سب کے سب
(ترجمان السنہ بحوالہ احمد و طبرانی)	نہ کرے (یعنی سب پر ایمان و یقین نہ ہو)

ان چاروں ارکان میں زکوٰۃ بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ نماز (اور اس وجہ سے قرآن نے ہر جگہ اقیموا الصلوٰۃ کے بعد آتوا الزکوٰۃ کا حکم دیا۔) روزہ بھی ایسا ہی فرض ہے اور بنیادی عبادت ہے جیسا کہ حج۔

کسی ایک رکن سے انکار یا تبدیلی کرنا بھی کفر ہے

اگر کوئی شخص ایمان کا مدعی ہے۔ مگر نماز یا زکوٰۃ سے انکار کرتا ہے یا اس خاکہ میں تبدیلی و ترمیم کی ناروا جسارت کرتا ہے جو اس کے معمار اول نے ان عبادات کے لئے تیار فرمایا تو اسے اس قصر محمدی میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں اور نہ اس کا دعوےٰ ایمانی قابل اعتنا ہے خواہ وہ ہزار بار اس کے استحکام و

تعمیر کی رٹ لگاتا رہے اور ہمارے اس دعوے کا ماخذ خود قرآن کریم، سنت رسولؐ اور صحابہ کرام و خلفائے راشدینؓ کا طرز عمل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم	ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کردو پس
فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ	اگر وہ تائب ہو کر نماز قائم کریں اور
فخلوا سبیلھم (توبہ)	زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک لوگ توحید اور رسالت کا اقرار اور نماز و زکوٰۃ ادا نہ کریں تو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان سے جنگ کرتا رہوں۔ جب وہ ایسا کرنے لگیں تب وہ اپنے مال و آبرو کو مجھ سے محفوظ کرسکیں گے۔ (بخاری و مسلم)

پھر ان ارکان کے باہمی ارتباط کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ جب بنو ثقیف کے ایک وفد نے طائف سے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر اس شرط پر کہ اسلام کے ایک اہم رکن نماز سے ہمیں معاف رکھا جائے تو حضورؐ نے بڑی سختی اور حقارت سے ان کی یہ درخواست ٹھکرا دی اور فرمایا کہ:۔

لاخیر فی دین لاصلوٰۃ فیہ	بھلا وہ دین ہی کیا کہ جس میں نماز ہی نہ ہو

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا:۔

من لم یزک فلا صلوٰۃ لہٗ (ترجمان السنۃ ص۵۲۶)	جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی قبول نہیں

خلیفۃ الرسولؐ سیدنا صدیق اکبرؓ نے صحابہ کے بھرے مجمع میں اعلان فرمایا کہ:

واللہ لاقاتلن من	خدا کی قسم جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق
فرق بین الصلوٰۃ	کرے گا۔ (ان میں سے ایک کی تعبدی
والزکوٰۃ۔	حیثیت سے انکار کرے گا) تو میں اس
	سے قتال کروں گا۔

منکرین زکوٰۃ اور فراست صدیقی

عہد رسالت کے فوراً بعد جب بعض غیر راسخ الایمان قبائل۔ عبس و ذبیان۔ بنو کنانہ۔ غطفان اور بنو فزارہ نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تو خلیفۃ المؤمنین سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی ایمانی فراست کی بنا پر اس باغیانہ اور کافرانہ جسارت کے مہلک اثرات اور نتائج کو فوراً بھانپ لیا کہ اگر اس وقت قصر محمدی کی بنیادوں پر یہ پہلی کاری ضرب برداشت کر لی گئی تو آگے چل کر ہر باطن منافقین، زنادقین اور محرفین کے ہاتھوں یہ پوری عمارت پیوند خاک ہو کر رہ جائے گی (ولا فعل اللہ کذلک الی یوم القیامۃ) حضرت صدیق اکبرؓ نے جرأت ایمانی سے کام لے کر تلوار نیام سے نکالی اور ایک خونریز جنگ کے بعد اس فتنہ کو تہ خاک کر دیا ۔۔۔ جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین۔

حضرت صدیق کو زکوٰۃ یا اس کے تعیدی حیثیت سے کام کرنے والوں کے اقدام کے کفر وارتداد ہونے میں ذرا بھر تردد نہ ہوا اور یہ اس لیے کہ بقول امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمۃ:۔

ان الایمان اسم لالتزام کل الدین فمن فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ۔ فکانہ لم یؤمن بالکل ومن لم یؤمن بالکل فھو کافر قطعاً۔ (فیض الباری ص۱۰۸)	بنا بریں کہ ایمان نام ہے پورے دین کے التزام کا۔ پس اگر کوئی نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتا ہے۔ گویا وہ پورے دین پر ایمان نہ لایا اور جو پورے دین پر ایمان نہ لایا وہ شخص قطعی کافر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی جب اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کی جسارت محض حکومت سے سرکشی یا لغاوت نہیں بلکہ سرے سے دین کے ایک اہم رکن کا انکار یا اس میں تحریف اور غلط تاویل کرنا ہے جس کے تباہ کن اثرات پورے دین پر پڑ سکتے ہیں تو اس کا سینہ بھی اس بارہ میں

کھل گیا اور نہ صرف حضرت فاروق اعظمؓ بلکہ تمام صحابہ نے حضرت صدیقؓ کا قولاً وعملاً ساتھ دیا اور اس طرح ایک رکن اسلام (زکوٰۃ) کی قطعیت میں صحابہ کا اجماع منعقد ہوا۔ اور ایسا اجماع جس کے نفاذ میں مخالفین کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

مانعین زکوٰۃ بھی زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھ رہے تھے

مانعین زکوٰۃ کے اس اقدام کے اسباب وعوامل کی تلاش میں ہمیں یہ بات بھی مل جاتی ہے کہ منکرین زکوٰۃ نہ صرف سیدنا صدیق اکبرؓ کو زکوٰۃ دینے کے مخالف تھے بلکہ اپنی ایک من گھڑت رائے اور نظریہ کی بنا پر زکوٰۃ کو صرف ایک ٹیکس سمجھنے لگے تھے اور اس طرح اس کی عبادتی حیثیت سے انکار کر رہے تھے۔ محدث جلیل علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:۔

وانما زعموا ان الزکوٰۃ جبایۃ مال کما یجبی السلطان من الرعایا جبایات من جہات فکانت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی عہدہ واذا ولینا نحن ولایۃ منا سقطت وبقیت کسائر الجبایات علی رائ الوالی۔ (فیض الباری ص $\frac{109}{120}$)	منکرین زکوٰۃ کا گمان تھا کہ زکوٰۃ ایک مالی ٹیکس ہے۔ جیسا کہ بادشاہ اپنی رعایا سے کئی طرح کے ٹیکس وصول کرتا ہے۔ پس حضورؐ کے زمانہ میں تو اس ٹیکس کی وصولی حضورؐ کا حق تھا اور جب ہم نے اپنوں میں سے والی اور حاکم چن لئے تو زکوٰۃ ہم سے ساقط ہوئی اور دیگر ٹیکسوں کی طرح اب زکوٰۃ کا معاملہ بھی حاکم کی رائے پر ہے۔

ٹھیک چودہ سو سال بعد قرنِ اوّل کے مانعین زکوٰۃ کا یہی استدلال اور ارکان اسلام سے بغاوت کا اعادہ ہے جو آج اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس کی لادینی ریسرچ وتحقیق کی صورت میں ہمارے سامنے ہو رہا ہے۔

زکوٰۃ کے مقادیر اور مصارف میں قطع برید جائز نہیں

ڈاکٹر فضل الرحمان فرماتے ہیں۔ "معاشرہ کی ضروریات کے لئے زکوٰۃ کی موجودہ شرح کافی نہیں۔ حکومت کو اس میں اضافہ کا حق حاصل ہے (فکر و نظر اکتوبر ۱۹۶۴ء) پی پی اے کے نمائندہ کو اپنے انٹرویو میں بتایا۔ قرآن مقدس میں مسلمانوں پر مملکت کو صرف ایک ہی ٹیکس لگانے کا اختیار دیا گیا ہے اور وہ زکوٰۃ ہے۔ یہ ٹیکس بنیادی طور پر اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ اسے مملکت کی مختلف ضروریات پوری کرتے ہوئے مسلم معاشرہ کی سماجی ترقی بلکہ مملکت کی دفاعی اور دیگر ضروریات سول سروس ٹرانسپورٹ اور بیرونی قرضے وغیرہ پر بھی لگایا جائے۔ الخ

کیا خوب فرمایا ڈاکٹر صاحب نے خدا نے تو قرآن میں زکوٰۃ کے خرچ کے لئے مصارف ہشتگانہ مخصوص فرمائے۔ رسولؐ نے اس کے نصاب اور مقادیر متعین کئے اور اس کے تقسیم و خرچ میں اتنا اہتمام برتا کہ ایک بار جب ایک شخص نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا۔ "اے شخص اللہ تعالیٰ نے مال زکوٰۃ کی تقسیم میں کسی انسان کو بلکہ خود پیغمبر تک کو خود اختیار نہیں دیا ہے بلکہ اس کی تقسیم خود اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اس کے آٹھ مصارف بیان کر دیئے ہیں۔ اگر تم ان آٹھ مصارف میں داخل ہو تو میں تم کو دے سکتا ہوں —— (ورنہ نہیں) (ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ)

اسلامی ریاست کے مدات آمدنی

پھر یہ بات مضحکہ خیز ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کے علاوہ ملکی ضروریات کے لئے کوئی اور آمدنی مقرر نہیں کی گئی۔ آخر ڈاکٹر ایسے "محقق" کے بارہ میں یہ بات نادانی پر محمول کی جائے گی یا تجاہل عارفانہ پر۔ اسلام نے ایک اسلامی ریاست کے مصارف اور ضروریات کے لئے بے شمار ذرائع متعین فرمائے ہیں۔ آمدنی کا ایک ذریعہ خراج ہے۔ جو غیر مسلموں کی ان اراضی سے لیا جائے گا جس پر مقابلہ یا صلح کے بعد مسلمانوں کا تسلط قائم ہوا ہو اور جو زمین کی پیداوار، زرخیزی اور وسائل آبپاشی کی سہولت کو ملحوظ رکھ کر پیمائش یا بٹوارے کے طریقے پر لگایا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے الفاظ میں اس کی وصولی کے لئے وہ افسر مقرر ہوں گے جو فقیہ، عالم،

پاکبازانہ، منصف مزاج، متدین اور خود رائی سے اجتناب کرنے والے ہوں۔

ایک ذریعہ جزیہ[2] ہے جو غیر مسلم اہل ذمہ سے وصول ہوگا اور اسلامی ریاست ان کے شہری حقوق اور مال وجان کی محافظ ہوگی۔ اس طرح غنیمت[3] کا مخصوص حصہ جو غیر مسلموں سے جنگ کے دوران قیدیوں اور مال ودولت کی صورت میں حاصل ہوگا۔ فئے[4] جو دشمن سے بغیر جنگ وجدال کے مسلمانوں کے ہاتھ آئے گا معادن[5] اور رکازنہ۔ مدفون خزانہ یا معدن کا پانچواں حصہ بھی بیت المال میں داخل ہوگا اس طرح لگان[6]، اجارہ یا ٹھیکہ کی آمدنی کہ زمین کا کوئی قطعہ کسی کاروبار کے لئے کسی شخص کو اس شرط پر دے دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے منافع میں سے ایک مخصوص قسط بیت المال میں داخل کرے گا۔
اس کے علاوہ عشر[7] کی شکل میں زمین پر محصول یعنی پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ یا دوسری قسم اراضی پر نصف العشر یعنی ۱/۲۰ حصہ جس میں کمی یا زیادتی کا اختیار نہیں اور جس کے مصارف اور مقدار بھی مقدر اور معین ہیں۔ ان کے علاوہ غیر ملکی درآمد[8] پر محصول (امپورٹ ڈیوٹی) جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لگایا گیا جبکہ دوسرے ممالک مسلمان تاجروں کے اموال پر اس قسم کی ڈیوٹی لگانے لگے۔ اگر ایک اسلامی حکومت واقعی اسلامی بنیادوں اور حقوق پر قائم ہو۔ اسلامی نظام کا احیاء اور نفاذ کرتی ہو اور محاصل ومصارف میں قرآن وسنت کی ہدایات کی سختی سے پیروی کرتی ہو تو ایسی حکومت مذکورہ اشیاء کے علاوہ دوسرے محاصل اور ٹیکس بھی لگا سکتی ہے۔ فقہائے اسلام نے تصریح کر دی ہے کہ ملکی دفاع، فوجی قوت کے استحکام، پولیس کے اخراجات یا رفاہی امور نہروں کی کھدائی، پلوں کی تعمیر، قیدیوں کی رہائی وغیرہ کے لئے مقررہ اور ہنگامی دونوں قسم کے محاصل وصول کئے جا سکتے ہیں۔ (ہدایہ کتاب الکفالۃ اور دیگر کتب فقہ) نہ یہ کہ زکوٰۃ کی ہیئت سالمہ کو بدل کر ٹیکس بنا دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے مقدر ومعین مصارف کے علاوہ اسے دیگر ضروریات پر خرچ کیا جائے۔

جاہلی نظریات کی جدید تعبیر

عہد حاضر کے ان نام نہاد محققین نے آج ان تمام جاہلی نظریات کو دجل وتلبیس اور تحریف وتاویل کے حربوں سے مسلح ہو کر اسلام کی جدید تعبیر کے روپ میں دوبارہ پیش کر دیا ہے جن کو اسلام نے سختی سے غلط ٹھہرایا اور جسے اس کے پیغمبر اعظمؐ نے

قدموں کے نیچے پائمال کیا۔ جاہلیت اولیٰ کے منحوس دیو کی وہی روح بد ہے جو کبھی مرزا غلام احمد قادیانی کے بھیس میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی غلام احمد پرویز کا روپ دھار لیتی ہے اور کبھی ڈاکٹر فضل الرحمان اور ان جیسے محققین اور مغرب زدہ دانشوروں میں جلوہ گر ہو جاتی ہے اور پھر تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ اسلام کے ایک ایک رکن اور ایک ایک اساس پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اپنے وقت کے شیطنی ذرائع اور وسائل اس کی پشت پر ہوتے ہیں۔ کبھی اس کا وار رسالت محمدی کی بنیاد "ختم نبوت" پر ہوتا ہے تو کبھی آپؐ کی سنّت کی تشریعی حیثیت اور منصب رسالت پر۔ کبھی تجدد اور نئی روشنی کے نام پر مسلمانوں کے "پرسنل لاء" کو مسخ کیا جاتا ہے تو کبھی ظاہری ترقی اور مغربیت کی چمک دمک سے اسلام کے پورے معاشرتی نظام، طلاق، نکاح، عدۃ، میراث وغیرہ میں دست درازیاں کی جاتی ہیں اس صدی میں اس طاغوتی روح نے مسلمانوں کے پورے اقتصادی ڈھانچہ، تجارت اور صنعت کو اسی جاہلی نظام، سود، قمار، حرام کاروبار، معاشی دستبرد اور ظلم و تعدی کی بنیادوں پر کھڑا کر دیا ہے اور سارے عالم اسلام کی ہیئت حاکمہ اور قوت نافذہ کو اپنے ڈگر پر ڈال دیا ہے۔ اس کا منحوس سایہ مسلمانوں کے پورے نظام اخلاق و کردار، تمدن اور طرز معاشرت پر پڑ چکا ہے اور اس کی جگہ مغربی خودغرضی، نفس پروری، مادہ پرستی جنسی ہیجان اور اباحیت نے قدم جما لئے ہیں اور بدءَ الاسلام غریباً وسیعود غریبا کا منظر سامنے ہے۔

غفلت یا مداہنت کے ہولناک نتائج

ان حالات میں اگر ملت مسلمہ لمحہ بھر بھی غفلت اور مداہنت یا رواداری سے کام لے اور اسلام کی ایک ایک بنیاد اور اصول پر شیطنت کا یہ وار سہتی رہے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتائج کتنے مہلک اور کتنے تلخ ہوں گے؟ پھر معلوم نہیں یہ سلسلہ آخر کہاں جا کر ختم ہوگا۔ اگر آج زکوٰۃ کی شرعی حیثیت کو غتر بود کیا گیا کہ زکوٰۃ کی موجودہ شرح حکومت کے مصارف کے لئے کافی نہیں تو کل نمازوں کی تعداد اور مقدار میں بھی یہ کہہ کر قطع و برید کی جائے گی کہ آج کل کی مصروف زندگی میں اس پنج وقتہ ضیاع وقت (نارش بدہن) کی فرصت کہاں! اور یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ اس صنعتی اور مشینی دور میں مہینہ کے پورے تیس دن روزے رکھ کر ملک کی مادی

حیثیت کو نقصان پہنچایا جائے ؟ اور "حج و زیارت" کے نام پر ہزاروں میل کا سفر کر کے ملک اور قوم کا وقت اور ریاست کا "زرمبادلہ" ضائع کرنا کہاں کی عقلمندی ہے ؟ والعیاذ باللہ العظیم۔

اگر آج سود کے حلال ٹھہرائے جانے کو گوارا کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کل زنا اور خمر کو حلال نہ کہنا پڑے اور اگر آج مسلمانوں کے معاشرتی معاملات میں تحریف و تبدیل پر صبر کر لیا جائے تو کونسی ضمانت ہے کہ کل عبادات اور اعتقادات تک سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں ؟

نفاق زدہ لوگوں کی مضحکہ خیز حالت

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے دیگر ارکان کے علاوہ زکوٰۃ کی بنیادی اور تعبدی حیثیت پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس قماش کے دیگر ثقافتی اور ریسرچی "ارباب فکر و نظر" کی تحقیقات کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے۔

دراصل جو قلوب اسلام کے بارہ میں سوءِ ظن، سطحیت یا حسد و عناد کے شکار ہیں اور اسلام کو موجودہ "عہد جاہلیت" کے لیے ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ بعض سیاسی اور مادی اغراض کی وجہ سے نہ تو کھل کر اسلام کے "دین ابدی" اور ضابطہ حیات ہونے کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ اندرونی نفاق کی وجہ سے اسلام کی جامعیت اور دین حنیفی کی سچائیوں کا اقرار۔ اس گومگو حالت نے انہیں تضاد، تعارض اور تذبذب و نفاق کے ایک عجیب مضحکہ خیز مقام پر کھڑا کر دیا ہے۔ کبھی وہ سرمایہ دارانہ نظام پر اسلام کا ٹھپہ لگائیں گے تو کبھی کمیونزم اور مارکسیت کو دنیا کا کامیاب مذہب قرار دیں گے۔ کبھی کہیں گے کہ سائنس و حکمت اور دین و مذہب کا کوئی جوڑ ہی نہیں ہو سکتا کبھی کہیں گے کہ اسلام کا مقصد ہی صرف سائنسی ترقی اور مادی عروج و ارتقاء ہے۔ کبھی سرے سے سنتِ رسولؐ کے حجت ہونے سے انکار کر بیٹھتے ہیں تو کبھی ہر زمانہ کے ماؤف یا استشراق زدہ دل و دماغ کے اجتہادات کو بھی سنت جاریہ کا نام و مقام دیں گے۔ گویا ان کی کیفیت ٹھیک اس ارشاد خداوندی کی مصداق ہے:

فکانما خر من السماء   گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر اسے

فتخطفہ الطیر او تھوی بہ — پرندے اچک لیتے ہیں یا اسے ہوا
الریح فی مکان سحیق (ج پ ۱۷ ع ۱۱) — اڑا کر کسی دور جگہ میں پھینک دیتی ہے

پھر یہ لوگ اپنی نت نئی "اختراعات" اور تحریفات کے اثبات کے لئے جو دلائل و براہین پیش کرتے ہیں کوئی عقل سلیم اور قلب مومن تو اسے کیا قبول کرے گا خود ان کا ضمیر بھی ان کی ہنسی اڑاتا ہے۔ علم و تحقیق کی دنیا اس تحریف و تلبیس پر سر پیٹنے لگتی ہے مگر تحقیق و ریسرچ کے یہ دعویدار پوری ڈھٹائی سے اپنے تبحر و تعمق کا شور مچاتے رہیں گے اور ہر طرح دین کو بازیچہ اطفال بناتے رہیں گے

ملت مسلمہ کا فریضہ | اگر ملت مسلمہ کو اسلام کے "شجرہ طوبیٰ" کے سایہ عاطفت اور قصر محمدیؐ کی پناہ میں رہنا ہے اور اس کی ہر دیوار اور بنیاد کو اعداء و اغیار کی نقب سے بچانا ہے تو ضرورت ہے کہ اس ملت کا ہر نام لیوا خواہ عامی ہو یا عالم، جاہل ہو یا مقتدار اپنے تمام اغراض اور مصلحتوں سے دست بردار ہو کر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی فراست اور فاروق اعظمؓ کی جرأت سے کام لے کر میدان میں کود پڑے اور جو زبان و قلم اور جو ہاتھ بھی اس قصر محمدیؐ میں شگاف پیدا کرنے کی سعی کرے۔ اسے ہمیشہ کے لئے خاموش اور مفلوج کر دیا جائے کہ بقول کسے یہ وقت "بدر و حنین کا ہے جمل و صفین کا نہیں۔ واللہ فی عونکم مادمتم فی عون الاسلام

کتاب
الصوم

يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون

باب رؤیۃ الھلال

(چاند دیکھنے کے احکام و مسائل)

اخبارِ رؤیت کے لیے شہادت کی شرائط ضروری نہیں

سوال:۔ اگر ایک گاؤں میں رؤیتِ ہلال ثابت ہو جائے اور گاؤں والے اس پر یقین کر کے روزہ رکھ لیں تو دوسرے گاؤں کے لوگوں کو خبر دینے کے لیے کن شرائط کی رعایت ضروری ہے تاکہ وہاں کے لوگ اس کے مطابق روزہ رکھ سکیں؟

الجواب:۔ شہادت اور اخبار میں نمایاں فرق ہے، دوسرے گاؤں والوں کو رؤیت کی خبر دینے کے لیے شہادت کی شرائط کی ضرورت نہیں بلکہ جب بھی کسی شخص کی خبر غلبۂ ظن کے لیے مفید ہو تو یہ خبر کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں کتاب القاضی الی القاضی کی شرائط کی رعایت بھی ضروری نہیں۔

قال عالم بن العلاء رحمہ اللہ :۔ وتقبل شهادة الواحد على شهادة الواحد فی هلال رمضان ولا تشترط فیه لفظ الشهادة۔ (فتاوٰی تاتارخانیة ج ۲ ص۲۵۲ کتاب الصوم۔ الفصل الثانی فی رؤیة الهلال)

قال عالم بن العلاءؒ :۔ وذكر الامام الائمة الحلوانیؒ: ان الصحیح من مذهب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اهل احدی البلدتین یلزمهم حکم اهل هذه البلدة۔ (فتاوٰی تاتارخانیة ج ۲ ص۳۵۵ کتاب الصوم۔ الفصل الثانی رؤیة الهلال) [۱]

دوربین سے ہلال (چاند) دیکھنے والوں کی گواہی کا حکم

سوال:۔ اگر کچھ لوگ دوربین سے ہلال (چاند) دیکھ کر گواہی دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے، تو کیا اُن کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

---

[۱] قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله بخبرهم وهو مفوّضٌ الی رأی الامام) والصحیح من هذا كله انه مفوّضٌ الی رأی الامام ان وقع فی قلبه صحته ما شهدوا به وكثرت شهودا مر بالصوم او وكذا صححه فی المذاهب۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۳۸۸ کتاب الصوم۔ فصل فیما یثبت به الهلال الخ) ومثله فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۵۳۸ کتاب الصوم۔ فصل فیما یثبت به الهلال الخ

الجواب:۔ موجودہ دور میں طرح طرح کے جدید آلات وجود میں آرہے ہیں جن میں دوربین بھی ایک ایسا آلہ ہے کہ جس کے ذریعے چاند دیکھنے والوں کی گواہی سے غلبۂ ظن حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے ان کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ ولو کانوا ببلدۃ لاحاکم فیھا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین مع العلۃ للضرورۃ الی ان قال وقیل بلاعلۃ جمع عظیم یقع العلم الشرعی ھو غلبۃ الظن بخبرھم وھو الامام انہٗ یکتفی بشاھدین واختارہ فی البحر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۸۶ کتاب الصوم) ؎۱

اختلافِ مطالع شرعاً معتبر ہے یا نہیں

سوال:۔ اختلافِ مطالع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ اختلافِ مطالع کے بارے میں فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں اور یہی ظاہر المذہب ہے اور اسی قول پر فتویٰ منقول ہے اسلئے جہاں کہیں شرعی قواعد وضوابط کا لحاظ رکھتے ہوئے خبر پہنچ جائے تو وہاں روزہ رکھنا اور عید منانا چاہیئے۔

قال فی الھندیۃ: ولا عبرۃ لاختلاف المطالع فی ظاھر الروایۃ وعلیہ الفتویٰ الفقیہ ابی اللیث وبہٖ کان یفتی شمس الائمۃ الحلوانی قال لو رأی اھل مغرب ھلال رمضان یجب الصوم علی اھل المشرق۔ کذا فی الخلاصۃ ثم انما یلزم الصوم علی متاخری الرؤیۃ اذا ثبت عندہ رؤیۃ اولئک بطریق موجب۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۸-۱۹۹ الباب الثانی فی رؤیۃ الھلال) ؎۲

؎۱ قال عالم بن العلاءؒ:۔ وقبل الامام شھادۃ شاھدین عدلین وقد سکن قلب القاضی علی قولھما جاز وثبت حکم رمضان۔ (فتاویٰ تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۵۰ کتاب الصوم رؤیۃ الھلال)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۸ الباب الثانی فی رؤیۃ الھلال۔

؎۲ قال محمد بن عبد اللہؒ:۔ واختلاف المطالع ورؤیتہ نھاراً قبل الزوال وبعدہٗ غیر معتبر علی ظاھر المذھب وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوی بحر من خلاصۃ (فیلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب) اذا ثبت عندھم رؤیۃ اُولٰئِکَ بطریق موجب کما مر۔

قال ابن عابدینؒ:۔ (قولہ بطریق موجب) کان یتحمل اثنان الشھادۃ او یشھدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر۔ (شامی ج۲ ص۳۹۳-۳۹۴ کتاب الصوم مطلب اختلاف المطالع)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۳۲۳ کتاب الصوم۔

شرعی ثبوت کے بعد عید منانے پر حکومت کا رکاوٹ ڈالنا بے دینی کے مترادف ہے

سوال:۔ جہاں کہیں علاقائی علماء شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے عید کا اعلان کریں لیکن حکومت اپنی انانیت پر اُتر کر لوگوں کو عید منانے سے منع کرے تو اس کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ عید اور رمضان کا ثبوت رؤیتِ ہلال کے اعلان پر موقوف ہے۔ اگر علاقائی علماء شرعی تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے اعلان کریں تو عام لوگوں کے حق میں خواہ وہ سرکاری ملازم ہوں یا غیر سرکاری، تمام پر روزہ رکھنا یا عید منانا واجب ہو جاتا ہے، ایسی حالت میں حکومت کا عید منانے میں رکاوٹ ڈالنا بے دینی کے مترادف ہے اور نہ ایسی صورت میں حکومت کی تابعداری کرنا ضروری ہے۔ لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق۔ (رواه فی الشرح السنة، مشكوٰة ج۲ ص۳۲۱)

قال ابو محمد محمود العینیؒ :۔ ولا عبرة باختلاف المطالع بل اذا ثبت فی مصر لزم الناس ۔

(شرح کنز عینی ج۱ ص۸ کتاب الصوم) [۱]

رؤیت اور تکمیلِ ثلاثین کے علاوہ نفسِ حساب کا اعتبار نہیں

سوال:۔ اگر کسی جگہ رؤیت نہ ہو اور نہ شعبان کے تیس دن پورے ہوں تو کیا کسی حساب کو اعتبار دے کر روزہ کا حکم دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ حساب ماہ میں تطبیق قائم ہو کر غلبۂ ظن کے لیے مفید بھی ہو؟

الجواب:۔ روزہ کا ثبوت رؤیت یا تکمیلِ ثلاثینِ شعبان پر موقوف ہے۔ لحدیث النبی صلی الله علیه وسلم: صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته۔ اس کے علاوہ کسی حساب و کتاب کی وجہ سے روزہ فرض نہیں ہوتا اگرچہ غلبۂ ظن کے لیے مفید کیوں نہ ہو۔

قال عالم بن العلاء رحمه الله علیه :۔ یجب صوم رمضان برؤیة الهلال او باستکمالِ شعبان ثلاثین ولا یجوز تقلید المنجم فی حسابه لا فی الصوم

---

[۱] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی رحمه الله : واذ ثبت الهلال (فی) بلدة (مطلع قطر) ها لزم سائر الناس فی ظاهر المذهب وعلیه الفتوٰی ۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ج۱ ص۵۴۰ کتاب الصوم، فصل فیما لا یثبت به الهلال الخ)

ومثلهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۷ کتاب الصوم ۔

ولا فی الافطار۔ (فتاوی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۵۶ کتاب الصوم الفصل الثانی رؤیۃ الہلال) [۱]

تکمیلِ شعبان کے لیے ایک شخص کی گواہی قبول نہیں

سوال:۔ شعبان کے تیسویں دن کی خبر اگر ایک شخص دے تو اس کی گواہی معتبر ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ رؤیتِ ہلال میں رمضان کے علاوہ ہر ماہ کے ثبوت کے لیے آسمان پر علت کے دوران دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مقبول ہوگی بخلاف رمضان کے کہ اس کے ثبوت کے لیے ایک فرد کی گواہی مقبول ہے، لہٰذا شعبان کے تیسویں دن کی خبر ایک آدمی کی مقبول نہ ہوگی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ وھلال الاضحیٰ وبقیۃ الاشھر التسعۃ کالفطر علی المذھب۔

قال ابن عابدینؒ: قولہ وبقیۃ الاشھر التسعۃ فلا یقبل فیھا الاشھادۃ رجلین او رجل وامرأتین عدول احرار غیر محدودین۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۹۱ کتاب الصوم۔ مطلب ما قالہ السبکی من الاعتماد علیٰ قول الحساب مردودٌ) [۲]

یوم الشّک میں روزہ رکھنے کا حکم

سوال:۔ رمضان کی پہلی اور شعبان کی تیس تاریخ کو اشتباہ کی صورت میں اس دن روزہ رکھنے کا

---

[۱] قال العلامۃ الکاسانیؒ:۔ واما صوم رمضان فوقتہ شھر رمضان لایجوز فی غیرہ فیقع الکلام فیہ فی موضعین احدھما فی بیان وقت صوم رمضان والثانی فی بیان مایعرف بہ وقتہ اما الاول فوقت صوم رمضان شھر رمضان لقولہ تعالیٰ: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ای فلیصم فی الشھر وقول النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم وصوموا شھرکم ای فی شھرکم لان الشھر لایصام وانما یصام فیہ واما الثانی وھو بیان مایعرف بہ وقتہ فان کانت السماء مصحیۃ یعرف برؤیۃ الھلال وان کانت متغیمۃ یعرف باکمال شعبان ثلاثین یومًا ثم صوموا۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۸۰ کتاب الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۱۶ کتاب الصوم۔

[۲] قال فی الھندیۃ: وان کان بالسماء علۃ لا تقبل الاشھادۃ رجلین او رجل وامرأتین ویشترط فیہ الحریۃ ولفظ الشھادۃ کذا فی خزانۃ المفتین۔ وتشترط العدالۃ ھٰکذا فی النقایۃ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۸ کتاب الصوم۔ الباب الثانی فی رؤیۃ الھلال)

وَمِثْلُہٗ فی الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ج۱ ص۵۳۳ کتاب الصوم فصل فیما یثبت بہ الہلال۔ الخ

کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ فقہی کتابوں میں اس دن جب باقاعدہ رؤیت نہ ہو اور نہ شعبان کے تیس دن پورے ہوں تو اس کو یوم الشک کہا جاتا ہے۔ بسا اوقات رمضان کے احتمال کی وجہ سے اس دن بھی فرض روزہ نیت کرکے رمضان کا روزہ رکھا جاتا ہے، اسی طرح بعض لوگ نفل اور فرض میں تردید کرکے روزہ رکھتے ہیں، ایسی حالت میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔

ورُوی عمران بن حصین: انه علیه الصلوٰۃ والسلام قال الرجل هل صمت من صوم شعبان قال لا۔

البتہ اگر خواص کہیں نفل کی نیت کرکے روزہ رکھیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، ایسا ہی اگر کہیں اس دن میں اتفاق سے کوئی قضاء روزہ آجائے تو اس دن روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال عالم بن العلاءؒ وفی التهذیب:۔ والمختار ان یفتی بالتطوع فی حق الخواص والانتظار والتلوم فی حق العوام وفی الاسغناقی: والفاصل بین الخاصة والعامة هو ان کل من یعلم فیه صوم یوم الشك فهو من الخواص والا فهو من العوام۔

(فتاوٰی تاتارخانیة ج۲ ص۳۹۲ الفصل الثامن الاوقات المکروه فیها الصوم) لہ

سوال:۔ طلوعِ آفتاب کے بعد رؤیتِ ہلال کی اطلاع آنا

رمضان کی خبر اگر زوال سے قبل آجائے تو جن لوگوں نے صبح کے بعد کھانا کھایا ہو اُن کے لیے اس خبر پر عمل کرنے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ یوم الشک کے دن تمام اہلِ اسلام کو چاہیئے کہ زوال تک کھانے پینے اور روزہ کے منافی کاموں سے اجتناب کریں، اگر رؤیت کی اطلاع ہو جائے تو روزہ پورا کریں اور اطلاع نہ آئے تو خواص کے لیے اجازت ہے اور عوام افطار کرلیں، البتہ جن لوگوں نے کچھ کھایا پیا ہو اُن پر

لہ قال ابن الهمام رحمه الله:۔ کان المختار ان یصوم المفتی بنفسه اخذا بالاحتیاط ویفتی العامة بالتلوم الی وقت الزوال ثم بالافطار حسما لمادة اعتقاد الزیادة ویصوم فیه المفتی سرا لئلا یتهم بالعصیان فانه افتاهم بالافطار بعد التلوم لحدیث العصیان وهو مشتهر بین العوام فاذا خالف الی الصوم اتهموه بالمعصیة۔ (فتح القدیر ج۲ ص۲۴۲ کتاب الصوم)

ومثله فی بدائع الصنائع ج۲ ص۷۹ کتاب الصوم فصل شرائطها فنوعان۔

رمضان کے تقدس کی خاطر امساک واجب ہے، اگر کوئی اس کے باوجود رعایت نہ رکھے تو صرف قضاء واجب رہے گی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

قال قاضیخانؒ:۔ غلام بلغ فی النصف من رمضان فی ای نصف النہار او نصرانی اسلم فانہٗ لا یأکل بقیۃ یومہٖ۔ (فتاوی قاضی خان ج ۱ ص۹۶ کتاب الصوم) ؎۱

سوال:۔ نصف النہار یعنی آدھا دن گذرنے کے بعد اگر دن کے وقت رؤیت کی خبر ہو تو امساک ضروری ہے

رمضان کے روزے کی فرضیت کی اطلاع آجائے تو مغرب تک امساک کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر نصف النہار کے بعد روزے کی فرضیت ثابت ہو جائے تو جن لوگوں نے ابھی تک روزے کے منافی چیزیں استعمال نہ کی ہوں تو وہ اپنے امساک کو مغرب تک برقرار رکھیں اس کے ساتھ بقیہ مسلمانوں پر بھی امساک واجب ہے، البتہ اگر نصف النہار سے قبل روزے کی نیت نہ کی ہو تو کھانے پینے سے کفارہ واجب نہ ہوگا اور بقیہ دن امساک رکھنے کا حکم رمضان کے مہینے کی وجہ پر خاص ہے، تاہم جن لوگوں نے رمضان کے منافی اشیاء کے استعمال کے بغیر امساک کیا ہو اُن کا امساک رمضان کا روزہ متصور ہوگا جبکہ بقیہ لوگوں پر اس دن کی قضاء لازمی ہے۔

لما قال العلامۃ محمد انور شاہ الکشمیریؒ:۔ لو شہد رجل بانی رأیت الہلال فی النہار لا یعتبر قولہ اصلاً سواء شہد قبل نصف النہار او بعدہ ولو قال رأیتہٗ فی اللیل الماضیۃ فان کان ہلال رمضان وکان قبل نصف النہار فمن لم یأکل بعد الصبح یصوم ومن اکل یقضیہ۔

(عرف الشذی علی الجامع الترمذی ج ۱ ص۱۴۹ باب ما جاء فی الصوم بالشہادۃ) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللہ:۔ یجب علی الصحیح وقیل یستحب الامساک بقیۃ الیوم علی من فسد صومہ) ولو بعذر ثم زال وعلی حائض ونفساء طہرتا بعد طلوع الفجر۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ج ۱ ص۵۵۸ کتاب الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۴۷ کتاب الصوم۔ فی بیان وقت الصوم وما یتصل بہ۔

؎۲ لما قال العلامۃ السید محمد یوسف البنوریؒ: لو شہد برؤیتہ فی اللیلۃ الماضیۃ فان کان ہلال رمضان فلیصم بقیۃ یومہ ویقضیہ ان اکل وان لم یأکل وکان قبل الضحوۃ الکبریٰ صام ولا قضاء۔

(معارف السنن ج۵ ص۳۴۵ مسئلۃ رؤیۃ الہلال نہاراً)

رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلہ کی شرعی حیثیت

سوال:۔ رؤیتِ ہلال کمیٹی کا اعلان عموماً علاقائی فیصلوں سے مختلف ہوتا ہے، ایسی حالت میں کمیٹی کے فیصلوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ رؤیتِ ہلال کمیٹی جو با اعتماد علمی اشخاص پر مشتمل ہو، اسلئے ایسی کمیٹی کے اعلان کو ساقط الاعتبار کہنا دانشمندی نہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض انتظامی کمزوریوں کی وجہ سے ان کا اعلان عموماً غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے اگر حکومت اس کے سدِّباب کے لیے کوشش کر کے علاقائی علماء کی رؤیت کو اعتبار دے تو شاید یہ اختلاف دور ہو جائے، تاہم جہاں کہیں علاقائی اعلان اگر شرعی تقاضوں کو مدِّنظر رکھ کر کیا جائے تو رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اعلان نہ ہونے کے باوجود علاقائی علماء کے فیصلہ کا پابند رہنا ضروری ہے۔

وفی الهندية :۔ لما فی الفصل الثانی من اول الکراهية من الهندية يقبل قول الواحد فی المعاملات عدلاً کان او فاسقاً حُراً کان او عبداً ذکراً کان او اُنثیٰ مسلماً کان او کافراً دفعاً للحرج والضرورة ومن المعاملات الوکالات والمضاربات والرسالات فی الهدايا والاذن فی التجارات کذا فی الکافی اذا صح قول الواحد فی اخبار المعاملات عدلاً کان او غير عدل فلا بد فی ذٰلک من تغليب رايه فيه ان اخبره صادق فان غلب علیٰ رايه ذٰلک عمل عليه والّا فلا کذا فی السراج الوهاج۔ (الفتاوٰی الهندية ج ۵ ص۳۱۰ الفصل الثانی فی العمل بخبر الواحد فی المعاملات) [1]

ریڈیو اور ٹی وی کی خبر فرضیتِ رمضان کا حکم

سوال:۔ ریڈیو اور ٹی وی کی خبر فرضیتِ رمضان اور عید کے ثبوت کے لیے ذریعہ بن سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب قاضی یا ہلال کمیٹی کسی شہادت پر مطمئن ہو کر عید یا رمضان کا اعلان ریڈیو اور

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ :۔ قال العيون والفتوٰی علیٰ قولهما اذا تيقن انه خطه سواء کان فی القضاء او الرؤية او الشهادة علی الصك وان لم يکن الصك فی يد الشاهد لان الغلط نادر واثر التغيير يمکن الاطلاع عليه فلما يشبه الخط من کل وجه فاذا يتقن جاز الاعتماد عليه توسعة علی الناس۔ اھ (شامی ج ۵ ص۴۳۷ کتاب القاضی الی القاضی۔ مطلب فی دفتر البياع)

ومثلهٗ فی فتاوٰی قاضی خان ج ۳ ص۱۱۶ کتاب القاضی الی القاضی۔

ٹی وی پر نشر کرے تو یہ اعلان ثبوتِ رمضان وعیدین کا ذریعہ بن سکتا ہے، قدیم زمانہ میں توپ، دف اور قنادیل کی روشنی کو اعلانِ رمضان یا عیدین کے لیے استعمال کیا جاتا تھا تاہم یہ ضروری ہے کہ ریڈیو اور ٹی وی پر صرف قاضی یا ہلال کمیٹی کا اعلان انتہائی احتیاط سے سُنانا چاہیئے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: والظاھر انہ یلزم اھل القریٰ الصوم بسماع المدافع او الرؤیۃ القنادیل من المصر لانہ علامۃ ظاھرۃ تفید غلبۃ الظن وغلبۃ الظن حجۃ موجبۃ للعمل کما مر صوابہ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۸۶ مبحث فی صوم یوم الشک) لہ

عیداور رمضان کے ثبوت کیلئے ٹیلیفون کی خبر کا حکم

سوال: فرضیتِ رمضان اور ثبوتِ عید کے لیے ٹیلیفون کی خبر کی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: اگر ٹیلیفون کے ذریعے خبر غلبۂ ظن کے لیے مفید ہو اور کسی کے دھوکہ دینے کا اندیشہ نہ ہو تو ٹیلیفون کی خبر پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامۃ ابن الھمامؒ: ولو سمع من وراء حجاب کثیف لا یشف من ورائہ لا یجوز لہ ان یشھد لان النغمۃ تشبہ النغمۃ الا اذا احاط بعلم ذلک لان المسوغ ھو العلم غیر ان رؤیتہ متکلما بالعقد طریق العلم بہ فاذا فرض تحقق طریق اٰخر جاز۔

(فتح القدیر ج۶ ص۴۶۳ کتاب الشھادۃ۔ فصل ما یتعلق بکیفیۃ الشھادۃ) ۲ہ

لہ لما قال الشیخ مفتی محمد شفیع صاحبؒ: البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے۔

(آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام ص۱۷۷ باب ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ)

وَمِثْلُہٗ فی امداد المفتیین الشہیر بفتاوی دارالعلوم دیوبند ج۲ ص۴۷۷ کتاب الصوم۔

۲ہ قال ابن عابدینؒ: قال فی العیون والفتوی علی قولھما اذا تیقن انہ خطہ سواء کان فی القضاء او الروایۃ او الشھادۃ علی الصک وان لم یکن الصک فی ید الشاھد لان الغلط نادر واثر التغیر یمکن الاطلاع علیہ وقلما یشتبہ الخط من کل وجہ فاذا تیقن جاز الاعتماد علیہ توسعۃ علی الناس۔ (ردالمحتار ج۵ ص۴۳۷ کتاب القاضی الی القاضی)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوی ج۲ ص۹۴ کتاب الصوم۔

بذریعہ خط عید یا روزے کا ثبوت

سوال:۔ جہاں کہیں رؤیت ثابت ہو اور دوسری جگہ بذریعہ خط اطلاع دی جائے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس سے روزے کی فرضیت ثابت ہوتی ہے یا نہیں، کیا اس کے لیے کتاب القاضی الی القاضی کی شرائط کی رعایت ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دینی معاملات کا تعلق عموماً غلبۂ ظن پر مبنی ہے۔ اگر کسی کا خط ثبوتِ رمضان اور عیدین کے لیے اطمینان کا ذریعہ بنے اور خط لکھنے والا عادل ہو اور اس کے خط کی شناخت ہوسکتی ہو تو اطمینان کے بعد ثبوتِ رمضان و عیدین کا سبب بن سکتا ہے۔ شریعتِ مقدسہ میں خط کے حجیت کے کافی نظائر موجود ہیں۔

لما قال العلامۃ ابن الھمامؒ: الکتابۃ المرسومۃ بخلاف خط السمسار والصراف الانجحۃ للعرف الجاری۔ (فتح القدیر ج۶ ص۴۶۴ کتاب الصوم) [1]

ٹیلیگرام (تار) سے عید و رمضان کا ثبوت

سوال:۔ از روئے شرع عید و رمضان کے بارے میں ٹیلیگرام کی خبر کی تصدیق کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ٹیلیگرام یعنی تار چونکہ کوئی بھی شخص دے سکتا ہے اس لیے یہ پتہ چلنا ہی دشوار ہے کہ یہ تار کس شخص نے دیا ہے، اسی وجہ سے دورِ حاضر کے جید فقہاء کرام اس کے خبر یعنی اطلاع کا اعتبار نہیں کرتے۔

لما قال الشیخ عبد الحی الکھنویؒ:۔ بحسب ضوابط فقہیۃ تار کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ (مجموعۃ الفتاوٰی (اردو) ج۱ ص۳۵۳ باب رؤیۃ الہلال) [2]

---

[1] لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ صراف کتب علی نفسہ بمال وخطہ معلوم بین التجار واھل البلد ثم مات فجاء غریم یطلب المال من الورثۃ وعرض خط المیت بحیث عرف الناس خطہ یحکم بذلک فی ترکتہ ان ثبت انہ خطہ وقدجرت العادۃ بین الناس بمثلہ وھو حجۃ۔ (رد المحتار ج۵ ص۴۳۴ کتاب القاضی الی القاضی)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوٰی ج۲ ص۹۴ کتاب الصوم۔

[2] قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ:۔ چونکہ تار میں اس کی کوئی علامت نہیں کہ کس کا تار ہے نیز اس میں غلط اور خلط بھی کثیر ہوتا ہے اس لیے معتبر نہیں۔ (امداد الفتاوٰی ج۲ ص۹۳ کتاب الصوم والاعتکاف، تحقیق خبر تار)

وَمِثْلُہٗ فی عزیز الفتاوٰی الشہیر فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج۱ ص۳۸۳ کتاب الصوم۔

ہلال کمیٹی کی موجودگی میں عالم دین کے فیصلے کا حکم

سوال :۔ ہمارے علاقے قومی اسمبلی حلقہ این اے ۱۹۸ پشین جس میں کچلاک، پشین بازار، یارو بازار، جنگل پیر علی زئی بازار، قلعہ عبداللہ بازار، چمن بازار، گلستان زار سے زئی اڈہ بازار کے علاوہ دیگر بڑے بڑے گاؤں مثلاً کربلا، حرمزئی، گانگز ئی، ٹانگز ئی، ملانگی، کلی کلک وغیرہ چھوٹے بڑے علاقے شامل ہیں، ان علاقوں پر حکومتِ پاکستان کا قانون لاگو ہے اور یہ تمام علاقے صوبائی حکومت کے کنٹرول میں ہیں لیکن یہاں عید اور روزہ بڑے عجیب طریقہ سے منایا جاتا ہے کہ ایک بستی میں عید دوسری میں روزہ، ایک گھر میں عید دوسرے گھر میں روزہ یہاں تک کہ گھر کے ایک فرد کا روزہ اور دوسرے لوگوں کی عید ہوتی ہے۔ جبکہ علاقہ کے معروف عالم دین مولانا عبدالغنی صاحب شرعی گواہان پر عید اور روزے کا فیصلہ فرماتے ہیں، تو کیا ان کے فیصلہ پر عمل کیا جائے یا حکومت کی طرف سے قائم ہلال کمیٹی کے فیصلہ پر عمل کیا جائے؟ نیز بعض لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا ہم افغانستان کے اعلان کے مطابق عید اور روزہ کا اہتمام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ از راہِ کرم شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی تفصیلاً وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب :۔ اسلام لوگوں کو اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے اسلئے مسلمانوں کے ذمے اجتماعی احکام فرض کئے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اس کی مثالیں ہیں، اسی طرح عیدین بھی اجتماعیت کی داعی ہیں، مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ایک ساتھ روزہ رکھیں اور ایک ساتھ عید منائیں ۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے : صوموا لرؤیۃ الھلال فافطروا بہ ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۷۴ باب رؤیۃ الھلال۔ الفصل الاول)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صومکم یوم تصومون واضحاکم یوم تضحون وفطرکم یوم تفطرون ۔ (مجموعۃ الفتاوٰی لابن تیمیۃ ج ۲۵ ص ۱۰۵ فصل مسألۃ رؤیۃ بعض البلاد الخ)

یہی وجہ ہے کہ فقہاء مذہب ثلاثہ بالاتفاق اور مذہب شافعیہ کے بعض فقہاء اور مذہب اہل حدیث، زیدیہ، ظاہریہ وغیرہ کا اجتماعی فیصلہ ہے کہ اختلافِ مطالع کا کوئی اعتبار نہیں، اہلِ غرب کی رؤیت اہلِ شرق کے لیے قابلِ حجت ہے۔ لہٰذا رمضان یا عیدین کا چاند جب نظر آجائے تو قاضی وقت، ہلال کمیٹی یا علاقے کے معتمد عالم دین کو چاہیئے کہ وہ اس شہادت کو قبول کر کے اس کے مطابق روزہ یا عیدین کا حکم صادر کرے، وہ حساب و کتاب

یا کمپیوٹر کی اطلاع عدم احکام کو نہ دیکھے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حتی لو اخبر رجل عدم القاضی بمجئی رمضان یقبل ویأمر الناس بالصوم یعنی فی یوم الغیم ولا یشترط لفظ الشہادۃ وشرائط القضاء۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۹ کتاب الصوم۔ مطلب فی رؤیۃ الہلال)

وایضاً قال بأن المعمول به فی المسائل الثلاث ما شهدت به البینۃ لان الشہادۃ نزلها الشارع منزلۃ الیقین۔ وما قاله السبکی مردود رده علیه جماعۃ من المتاخرین ولیس فی العمل بالبینۃ مخالفۃ لصلاته صلی الله علیه وسلم۔ ووجه ما قلنا ان الشارع لم یعتمد الحساب بل الغاه بالکلیۃ بقوله نحن امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب الشهر هکذا وهکذا۔ وقال ابن دقیق العید الحساب لا یجوز الاعتماد علیه واصلا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۷ کتاب الصوم۔ مطلب فی رؤیۃ الہلال)

اس لیے کہ قاضی شرعی کو بدون وجہ شرعی کے کسی شہادت کو رد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں بلکہ وہ شہادت کے حوالہ سے فیصلہ کرے گا۔

علامہ علاؤ الدین الحصکفیؒ فرماتے ہیں: رأی مکلف هلال رمضان او الفطر ورد قوله بدلیل شرعی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۴ کتاب الصوم)

(۲) اگرچہ قاضی شرعی کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کا فیصلہ عیدین و رمضان میں ناقابلِ قبول ہے، احکامِ شرعی کے بارے میں صرف قاضی شرعی کا فیصلہ قبول ہوگا۔

لما قال العلامۃ وهبۃ الزحیلی: القیام علی شعائر الدین من اذان واقامۃ واقامۃ الصلوٰۃ الجمعۃ والجماعۃ والاعیاد وصیام وصبح۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص ۷۰۰ کتاب الامارۃ)

لیکن جہاں کہیں قاضی شرعی نہ ہو یا وہ شرعی دلائل کی روشنی میں حکم صادر نہ کرتا ہو تو عیدین و رمضان وغیرہ عبادات کے قیام میں علاقے کا معتمد عالمِ دین قاضی شرعی کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔

احسن الفتاوٰی میں ہے کہ: جہاں مسلم حاکم موجود نہ ہو یا وہ فیصلہ شرعی نہ کرسکتا ہو وہاں اگرچہ جمیع معاملات میں تو عالم قاضی کے قائم مقام نہیں ہوسکتا البتہ رؤیتِ ہلال وغیرہ بعض جزئیات میں اس کا فیصلہ حکمِ قاضی کے قائم مقام ہو جائے گا۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وفی الفتح اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو

فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار کقرطبۃ الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علیٰ واحدٍ منہم۔ (رد المحتار ج۴ ص۳۴۲ کتاب الجہاد)

وفی عمدۃ الرعایۃ: والعالم الثقۃ فی بلدۃ لاحاکم فیہا قائم مقامہ۔ (ج۱ ص۳۰۹ احسن الفتاویٰ ج۴ ص۴۶۶ کتاب الصوم)

موجودہ ہلال کمیٹی کا اعلان اگرچہ قابلِ اعتبار ہے، اس پر مسلمان عید ورمضان جیسے امور انجام دے سکتے ہیں، مگر اس کے علاوہ علماء کی کمیٹی یا ایک معتمد عالمِ دین بھی اس بات کا مجاز ہے کہ وہ شہادت یا دیگر اطلاعات کی بناء پر رمضان وعیدین کا فیصلہ کر سکے، یہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہے، اعلانِ رمضان وعیدین کا حق صرف ہلال کمیٹی کو حاصل نہیں۔ چنانچہ علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

واعلم ان بلاد الہند الیوم لیست فیہا حکومۃ اسلامیۃ ولیس فیہا دارالقضاء للمسلمین فالحکم فی مثلہا الصوم باخبار ثقۃ والفطر بقول ثقتین ولاینبغی لعلماء العصر من المفتیین المشی علیٰ ماھو شان قضاۃ دارالاسلام من الشہادۃ وغیرھا۔ (معارف السنن ج۵ ص۳۴۵ کتاب الصوم)

اس لیے کہ ہلال کمیٹی دیگر تسامحات کے ساتھ ساتھ شہادتِ شرعی کو بھی اپنی مفروضہ رائے اور عدمِ رؤیت کے اعلان کے بعد قبول نہیں کرتی اور شہادت کو کمپیوٹر کے حساب سے پرکھا جاتا ہے، جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی، جس پر گذشتہ عیدین (عیدالفطر، عیدالاضحیٰ) کا اعلان واضح دلیل ہے جو کہ سب کے سامنے ہے اور اخبارات وجرائد میں اس کے خلاف کافی مدلل ومفصل مضامین لکھے گئے۔ اس کے ساتھ قاضی شرعی کا حکم بھی تب نافذ ہوتا ہے جب وہ شریعت کے موافق ہو۔

لہٰذا جب ایک علاقہ میں رؤیت چاند ہو جائے تو رؤیت جہاں بھی ہو ثبوتِ شرعی کے ساتھ ثابت ہونے پر ہلال کمیٹی یا علاقے کا معتمد عالمِ دین روزہ یا عیدین کا فیصلہ (اعلان) کر دے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس فیصلہ پر عمل کریں۔ اختلاف کو ختم کرنے کے لیے آسان سی تجویز یہ ہے کہ ہلال کمیٹی صرف مخصوص وقت تک شہادت یا اطلاع کی پابندی نہ کرے بلکہ رات گئے تک ملک وبیرونِ ملک رابطہ کرتی رہے جہاں پر بھی رؤیتِ ہلال شرعاً ثابت ہو جائے تو رمضان یا عید کا اعلان کر دیا جائے۔

ہلال کمیٹی کمپیوٹر کے حساب پر شہادت کو نہ پرکھے اس لیے کہ ممکن ہے پاکستان میں طول البلد اور

عرض البلد کے حساب سے امکانِ رویت نہ ہو اور دیگر ممالک میں امکانِ رؤیت ممکن نہ ہو اس لیے شہادت کو شرعی اصول پر پرکھا جائے۔

لیکن اگر ہلال کمیٹی والے اپنے خود ساختہ اصولوں پر قائم رہتے ہوئے رابطہ سے روگردانی کرتے ہوں تو مسلمانوں پر لازمی ہے کہ وہ علاقے کے معتمد عالمِ دین کے اعلان پر رمضان و عیدین کا اہتمام کریں تاکہ اختلاف ختم ہو کر لوگوں میں وحدت پیدا ہو جو کہ اسلام کا فلسفہ ہے، لہٰذا ہلال کمیٹی یا علاقے کے معتمد عالمِ دین کو ثبوتِ شرعی کے ساتھ رؤیتِ ہلال کی اطلاع مل جائے تو اس کے اعلان پر علاقے کے مسلمانوں کو رمضان کا روزہ یا عید (افطار) کر لینا چاہیئے، اس طرح انشاء اللہ وحدت قائم ہو گی۔

کسی دوسرے ملک کے صرف اعلان پر روزہ یا افطار (عید) کرنا شرعاً صحیح نہیں جب تک وہاں کی رؤیت دوسرے طرقِ شرعی (شہادۃ علی الرؤیت یا شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی القضاء یا استفاضہ) کے ساتھ ثابت نہ ہو جائے اور علاقے کا معتمد عالمِ دین یا علماء کمیٹی وغیرہ اعلان نہ کرے۔

صاف مطلع کے دوران جمِ غفیر ضروری ہے

سوال: اگر مطلع بالکل صاف ہو تو پھر کتنے آدمیوں کی رؤیت پر اعتماد کر کے روزے یا عیدین کا اعلان کیا جائے گا؟ اگر بالفرض تین یا چار آدمی چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو کیا ان کی گواہی قابلِ قبول ہو گی یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ میں چاند کی رؤیت کے لیے قانون یہ ہے کہ اگر ۲۹ کی رات کو مطلع بالکل صاف و شفاف ہو تو پھر جمِ غفیر کی رؤیت روزہ اور عید کے لیے ضروری ہے، جمِ غفیر کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ذخیرۂ فقہ میں درج ہیں، بعض سے ۵۰ اور بعض سے ۵۰۰ وغیرہ مروی ہے۔ البتہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے تعداد سے قطع نظر کر کے قاضی صاحب کے مطمئن ہونے کو ترجیح دی ہے، لیکن قاضی کا اطمینان بھی دو شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

(۱) امکانِ رؤیت (۲) کثرتِ شہود۔

اس لیے صاف مطلع کے دوران تین یا چار آدمیوں کی گواہی ناقابلِ قبول ہے۔

کذا فی ردّ المحتار ج۲ ص۱۰۱ کتاب الصوم۔

رویتِ ہلال کے بارے میں ایک استفسار کا جواب

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارہ میں :۔

(۱) ۲۳ جنوری ۱۹۶۶ء کو حکومتِ پاکستان کی وزارتِ داخلہ کی طرف سے جو عید کا اعلان کیا گیا ہے کیا یہ اعلان شریعت کے اعتبار سے درست تھا یا نہیں؟

(۲) جن لوگوں نے اس اعلان کے مطابق عید کی نماز پڑھی ہے ان کا نمازِ عید پڑھنا شرعاً جائز تھا یا نہیں؟

(۳) اور جن لوگوں نے اس دن روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑ دیا ہے اُن پر اس روزہ کی قضا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ (۱) ہمارے ہاں اکوڑہ خٹک میں خود بندہ کے پاس رویت ماہ شوال حاضر کی شہادت گذری اور آٹھ گواہوں سے شرعی طریقے پر شہادت لی گئی، ہر ایک گواہ نے بلفظ اشہد رویت ماہ شوال حاضر کی بشب اتوار بعد از نماز مغرب مع وجود علت (گرد و غبار اور بادل) کے شہادت دی، جس پر ہم نے بروز اتوار عید کا اعلان کیا اور ان سب واقعات (شہادت اور اعلانِ عید) کی اطلاع مقامی تھانے کے ذریعے ڈپٹی کمشنر اور کمشنر پشاور کو بھی دے دی گئی، اور انہوں نے وزارتِ داخلہ کے ہوم سیکرٹری کو اطلاع دی۔ اب وزارتِ داخلہ نے جو ہلال کمیٹی مقرر کی ہے وہ اگر ثقات عادل علماء پر مشتمل ہو اور انہوں نے ہماری اس اطلاع کو اور اسی طرح دوسری جگہوں سے جو اطلاعات ان کو دی گئیں اُن کو قبول کر کے عید کا فیصلہ کیا ہو اور پھر حکومت کی نگرانی میں یہ فیصلہ اور حکم مختلف ریڈیو سٹیشنوں سے ثقات کے ذریعہ کیا ہو تو یہ اعلان شریعت کے اعتبار سے درست ہے۔

(۲) اب جن لوگوں نے اس اعلان کے مطابق (یعنی اتوار کے دن) نماز عید پڑھی ہے وہ بالکل جائز اور درست پڑھی ہے۔

(۳) مذکورہ طریق پر اعلانِ عید کے بعد جن لوگوں نے اس دن روزہ رکھا نہیں یا رکھ کر توڑ دیا ہے ان پر قضاء واجب نہیں ہوگی۔

استفتاء مندرجہ بالا کے جواب پر اشکال اور اس کا جواب

سوال :۔ محترم حضرت مفتی صاحب! گذشتہ عید کے خلفشار میں آپ سے میں نے ایک فتویٰ منگوایا تھا جو کہ مجھے وصول ہو چکا ہے، اس کو مکرر مطالعہ

فرمانا چاہیں تو اس کا نمبر ۲۹۶ ہے۔ اس سلسلہ میں چند باتیں وضاحت طلب ہیں :۔

(۱) آپ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکوڑہ خٹک میں چاند کا ثبوت شرعی طور پر ہو گیا تھا اس صورت میں بصورتِ ابر وغیرہ آپ کا جو فیصلہ تھا وہ اگر شرعی شرائط کے ساتھ نشر ہوا ہو تو کیا یہ اُن لوگوں کے لیے بھی حجت ہے جہاں مطلع صاف تھا یا وہاں جمِ غفیر کی علیٰحدہ شہادت معتبر ہوگی ؟

(۲) اگر حکومت کی نگرانی ہی میں موجودہ اعلان ہونا فرض کیا جائے تو کیا یہ اعلان پاکستان کے دونوں حصوں میں واجب العمل ہوگا یا نہیں ؟ اور اگر نہیں تو اس کا اندازہ کیا ہوگا ؟

(۳) میرے گذشتہ استفتاء کے سوال ۳ کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ مذکورہ طریق پر اعلانِ عید کے بعد جنہوں نے روزہ نہیں رکھا ان پر اس کی قضاء واجب نہیں، یہ تو تب درست ہو سکتا ہے جبکہ خود آپ کے فتویٰ میں مذکورہ شرائط پائی جائیں۔ تو کیا آپ کے علم میں حکومت کے اعلان سے پہلے یہ تمام شرطیں پائی گئی ہیں یا نہیں ؟ قابلِ حوالہ باتوں میں حوالہ بھی ضرور تحریر فرمائیں ؟

نوٹ : آپ کی عید سے ہمیں تعرض نہیں ہے، غرض صرف یہ ہے کہ آپ کا فیصلہ صحیح ہونے کی صورت میں ہم تک شرعی طریق سے پہنچا ہے یا نہیں ۔ (مولوی محمد یونس ساکن لورہ ضلع راولپنڈی)

الجواب :۔ مخدومی المحترم جناب مولانا محمد یونس صاحب ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! امید ہے مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوں گے، آپ کے دونوں نوازش نامے ایک بنام حضرت شیخ الحدیث صاحب اور دوسرا اس بندۂ عاجز (قاضی انوار الدین) کے نام مشتمل بر چند استفسارات بوقتِ سعید شرفِ صدور لائے، حالات و کوائف سے مطلع ہوئے، گوناگوں مصروفیات اور مشاغل کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی، امید ہے آں محترم محسوس نہ فرمائیں گے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کو درسِ حدیث اور اہتمام کے کام سے بالکل فرصت نہیں ملتی جو کسی کے ساتھ اس طرح خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھ سکیں، جس طرح کہ آں محترم نے مطالبہ کر کے تحریر فرمایا ہے، اس لیے وہ آپ کے اشکالات کا جواب نہیں دے سکیں گے البتہ دارالافتاء سے آپ اپنے اشکالات حل فرما سکتے ہیں، وہ بھی مناظرہ کی شکل میں نہیں بلکہ تشفی اور تسلی حاصل کرنے کی غرض سے ، اور اگر دارالافتاء کے جواب سے آپ کی تسلی نہ ہوتی ہو تو پاکستان کے کسی بھی دوسرے دارالافتاء سے اپنی تشفی کرا سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ کا ایک شعبہ ہے، کسی مسئلے کا جو جواب یہاں سے جاری ہوتا ہے

وہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کی نظر ثانی اور ذمہ داری سے نکلتا ہے، وہ بحیثیت مہتمم دارالعلوم حقانیہ اور شیخ الحدیث اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ واقعی حضرت مولانا حسین الدین صاحب خطیب سبزی منڈی راولپنڈی بمع تین اور ساتھیوں کے یہاں تشریف لائے تھے اور رویت ہلال عید کے متعلق انہوں نے شرعی طور پر اپنی تسلی کرائی تھی، جو کچھ انہوں نے یہاں اپنے آنے کے متعلق لکھا ہے وہ درست ہے اور واقعہ صحیح ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کے نام آپ کا جو نوازش نامہ ہے اس کے جواب میں اتنا ہی کافی ہے، بندہ کے نام نوازش نامہ کے جواب میں یہ عرض ہے کہ:۔

(۱) رویت ہلال میں شہروں کی دوری کا اعتبار نہیں اور اکثر فقہاء کرام نے اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ جیسا کہ کتب فقہ کی عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہر کی رویت کی وجہ سے دوسرے شہر میں ثبوت رویت کا فتویٰ دیا جائے گا، جیسا کہ الدرالمختار میں ہے: فیلزم اھل المشرق برویۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رویۃ اولٰئک بطریق موجب الخ (الدرالمختار ج ۲ ص ۲۹۳) یہ دوسری بات ہے کہ جو بلاد قواعد ہیئت کے اعتبار سے اختلاف مطالع رکھتے ہوں ان میں اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے گا جیسا کہ محققین کے نزدیک ثابت ہے۔ مگر ہمارے بلاد میں قواعد ہیئت کے اعتبار سے بھی اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ایک شہر کی رویت کا ثبوت بطریق موجب ہو جائے جس تین صورتیں فقہاء نے بیان کی ہیں: ۱ شھادۃ علی الرویۃ۔ ۲ شھادۃ علی شھادۃ الرویۃ۔ ۳ شھادۃ علی قضاء الحاکم الشرعی۔ ایک ۴ چوتھی صورت بھی ہے جس کو استفاضۃ الخبر کہا جاتا ہے۔ ان چار صورتوں میں جس صورت سے بھی رویت ہلال کا ثبوت ہو جائے تو وہ حجت ہو گا۔

اس تحقیق کے بعد آپ کے اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ ۱ ہمارے ہاں جو شہادت رویت ہلال کی گذری تھی جس کی بناء پر ہم نے بروز انوار عید کا اعلان کر دیا اور بالوسائط اس کی اطلاع مرکزی رویت ہلال کمیٹی کو دیدی، اب اگر مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے ارکان نے اس کو منظور کر کے حکومت کی نگرانی میں شرائط کے ساتھ نشر کیا ہو تو یہ استفاضۃ الخبر بن کر ان لوگوں کے لیے بھی حجت ہو گا جہاں مطلع صاف تھا اور انہوں نے چاند دیکھنے کا اہتمام نہیں کیا یا کیا تو ہو لیکن نظر نہیں آیا ہو تو جم غفیر کی علیحدہ شہادت کی ضرورت اس کے بعد نہ ہو گی۔

(۲) جی ہاں اگر حکومت کی نگرانی میں شرائط مذکورہ "فتویٰ سابقہ کے ساتھ" یہ اعلان ہونا فرض کیا

جائے تو پاکستان کے دونوں حصوں کے لیے واجب العمل ہوگا۔

(۳) اپنے علم کی حد تک جتنا کہ مجھے معلوم ہے وہ یہ ہے حکومت نے وزارتِ داخلہ کے ماتحت ایک مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی مقرر کی ہے جس کے اعلیٰ رکن (سربراہ) ڈسٹرکٹ خطیب راولپنڈی مولانا فیض علی فیضی ہیں اور وہ رویتِ ہلال کے متعلق کمیٹی کے دوسرے ارکان کی معیت میں فیصلہ کرکے حکومت کی نگرانی میں ریڈیو اور ٹی وی پر نشر کرتے ہیں، اس لیے بندہ نے سابق فتویٰ میں آپ کے سوال ۳ کے جواب میں لکھ دیا تھا کہ مذکورہ طریق پر اعلانِ عید کے بعد جنہوں نے اس دن روزہ رکھا نہیں یا رکھ کر توڑ دیا ہے ان پر قضا واجب نہیں ہے اور بجائے "نہیں ہوگا" کے صرف "نہیں" لکھ دیا، اگر آپ کے علم میں یہ اعلان شرائط کے ماتحت نہیں کیا جاتا ہو اور یہ استفاضۃ الخبر میں داخل نہ ہو تو میں بجائے صرف "واجب نہیں" کے "واجب نہیں ہوگا" لکھ کر بری الذمہ ہو جاؤں گا۔

التماس جنابِ من! آپ کے عید نہ کرنے سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں۔ ہم تو اپنی معلومات کی حد تک یہ مسئلہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اعلانِ عید یا روزہ بذریعہ ریڈیو حجت ہے یا نہیں؟ تو میری رائے میں جو اطلاعات رویت اور شہادت ہلالِ عید کے متعلق ہم نے مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی کو پہنچائی تھیں اور کمیٹی والوں نے اس پر فیصلہ کرکے بذریعہ ریڈیو نشر کرکے اعلانِ عید کیا ہے وہ استفاضۃ الخبر ہے اور جنہوں نے اس اعلان کو سن لیا ہے ان پر حجت ہے۔ اب اگر ہماری اس رائے کے ساتھ آپ کو اتفاق نہ ہو تو ہم آپ کو مجبور نہیں کر سکتے۔ (فقط والسلام)

باب تعریف الصوم واقسامہ وشرائطہ

(روزہ کی تعریف، اقسام اور شرائط کے بیان میں)

روزہ کی نیت کا وقت

سوال:۔ اگر رات کو روزہ کی نیت کرنی بھول جائے تو کس وقت تک نیت کر کے روزہ رکھنا درست ہے؟

الجواب:۔ اگر طلوع فجر کے بعد روزہ دار سے روزہ کے منافی کسی امر کا ارتکاب نہ ہوا ہو تو نصف النہار سے قبل تک نیت کر کے روزہ رکھ سکتا ہے، البتہ نصف النہار گذرنے کے بعد نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال عبد الرحمٰن الجزائریؒ:۔ ویسن لہ ان یتلفظ بہا۔ وقتہا کل یوم بعد غروب الشمس الی ما قبل نصف النہار والنہار الشرعی: من انتشار الضوء فی الافق الشرقی عند طلوع الفجر الی غروب الشمس فیقسم ھذا الزمن نصفین وتکون النیۃ فی النصف الاول بحیث یکون الباقی من النہار الی غروب الشمس اکثر مما مضی (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ ص ۵۴۵)[1]

روزہ کی فرضیت کے لیے عمر کی حد

سوال:۔ ایک مسلمان پر روزہ کس عمر میں فرض ہوتا ہے؟

الجواب:۔ بنیادی طور پر بالغ ہونے پر روزہ فرض ہو جاتا ہے جس کی پہچان لڑکے کو احتلام ہونے اور لڑکی کو حیض آنے سے ہوتی ہے، البتہ اگر کسی بچے پر بلوغت کے آثار نمایاں نہ ہوں تو پھر پندرہ سال کی عمر تک پہنچنے کی صورت میں روزہ رکھنا واجب ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ:۔ فان لم یوجد فیہما شیٔ منہما فحتی یتم لکل منہما

---

[1] قال العلامۃ سید احمد طحطاویؒ:۔ (ولو نہاراً الی ما قبل نصف النہار) المراد انہ من اللیل الی ھذا الوقت ظرف النیۃ وفمتی حصلت فی جزء من ھذا الزمان صح الصوم لما ذکرہ المصنف، وان نوی الصوم من النہار ینوی انہ صائم من اولہ حتی لو نوی قبل الزوال انہ صائم من حین نوی، لا من اول النہار لا یصیر صائماً ما نوی وانما تجوز قبل الضحوۃ اذا لم یوجد قبلہا منافیاً للصوم کاکل وشرب وجماع۔ (مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی ص ۵۳۰ ج ۱ کتاب الصوم)

ومثلہ فی فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۹۵ کتاب الصوم۔

خمس عشرة سنة وبه يفتي ۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۱۵۳ کتاب الحجر) [1]

یوم الشک میں نفل کی نیت کے باوجود روزہ فرض شمار ہوگا

سوال:۔ اگر شک والے دن نفل کی نیت سے روزہ رکھا جائے مگر بعد میں شرعی ثبوت سے یہ معلوم ہو جائے کہ آج تو یکم رمضان ہے، تو عند الشرع اس نفلی روزے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ یکم رمضان ثابت ہونے پر یہ دن یوم الشک کا نہیں بلکہ رمضان کا شمار ہوگا، چونکہ ماہ رمضان فرض روزوں کے لیے مقرر ہے اس لیے کسی نفل کی نیت سے فرض روزہ متاثر نہیں ہوتا بلکہ یہی روزہ رمضان کا روزہ شمار ہوگا اور اس پر قضاء بھی لازم نہیں۔

قال عالم بن العلاءؒ:۔ فان ظهر انه من رمضان كان صائماً عن رمضان۔ وفي الخانية وقيل على قول محمد لا يكون صائماً ۔ (فتاوى تاتارخانية ج ۲ ص ۳۹۲ کتاب الصوم، الفصل الثامن، الاوقات التي يكره فيها الصوم) [2]

پوری زندگی روزہ رکھنے کی منت ماننا

سوال:۔ اگر کسی شخص نے تمام عمر روزہ رکھنے کی نذر مان لی تو اس کے لیے افطار کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ تمام عمر روزہ رکھنے کی نذر مان لینا بلا شبہ درست ہے مگر بہتر نہیں، اسلئے کہ انسان ہر حالت میں ایک جیسا نہیں ہوتا ہے۔ تمام عمر روزہ رکھنے کی نذر ماننے میں کبھی کبھی افطار

---

[1] قال العلامة فخر الدينؒ:۔ بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والا فحتى يتم له ثماني عشر سنة والجارية بالحيض والاحتلام والحبل والا فحتى يتم لها سبع عشرة سنة ويفتي بالبلوغ فيهما بخمس عشرة سنة۔ (تبيين الحقائق ج ۵ ص ۲۰۳ کتاب الحجر)

وَمِثْلُهُ في البحر الرائق ج ۸ ص ۸۵ کتاب الحجر۔

[2] قال ابن نجيمؒ:۔ واعلم انه يتفرع على كيفية النية ووقتها مسئلة الاسير في دار الحرب اذا اشتبه عليه رمضان فتحرى وصام شهراً عن رمضان فلا يخلو اما ان يوافق اولا بالتقديم او بالتاخير فان وافق جاز وان تقدم لم يجز۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب الصوم)

وَمِثْلُهُ في فتح القدير ج ۲ ص ۲۴۴ کتاب الصوم۔

کرنے کی گنجائش نہیں البتہ ایام منہیات میں روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لیے افطار کرنے کے بعد ہر سال پانچ روزے اس کے ذمہ باقی رہیں گے، فراغتِ ذمہ کے لیے فدیہ کی ادائیگی کی وصیت کرنی ہوگی۔

قال طاهر بن احمدؒ:۔ رجل قال للّٰه عليّ صوم هٰذه السنة فانه يفطر يوم الفطر ويوم النحر وايام التشريق ويقضي تلك الايام وعليه كفارة اليمين ۔

(خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص۲۶۷ کتاب الصوم۔ الفصل الرابع فی النذر) ؎۱

شہر میں روزہ افطار کرنے کے بعد ہوائی جہاز کے ذریعے سورج دیکھنے سے روزہ دار کیلئے کیا حکم ہے؟

سوال:۔ شہر میں سورج غروب ہونے کے بعد روزہ افطار کر لیا مگر اس کے فوراً بعد ہوائی جہاز میں سفر کے دوران سورج دوبارہ دیکھ لیا تو کیا اس سے قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟ اور امساک کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ چونکہ اس شخص کو یقینی طور پر سورج کے غروب ہونے کا علم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس نے روزہ افطار کر لیا اب جبکہ دوبارہ سورج دیکھ لیا تو اس کو امساک (یعنی سورج کے غروب ہونے کا انتظار) کرنا چاہیئے، تاکہ حقیقی طور پر سورج غروب ہو جائے، یہ امساک فقط روزہ داروں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ضروری ہے ورنہ اس کا روزہ تو ادا ہو گیا ہے اس پر کوئی قضاء لازم نہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ:۔ قال في شرح التنوير فلو غربت ثمّ عادت هل يعود الوقت بالظاهر نعم ۔ وقال ابن عابدينؒ: (قوله الظاهر نعم) بحث صاحب النهر حيث قال ذكر الشافعية ان الوقت يعود الى قوله قلت على ان الشيخ اسمٰعيل رد ما بحثه في النهر تبعا للشافعية

؎۱ قال عالم بن العلاءؒ:۔ واذا قال و للّٰه عليّ صوم الابد يفطر ايام العيد ويطعم عن كل يوم مسكينًا نصف صاع من حنطة ۔ هشام عن محمدؒ: فيمن جعل على نفسه صوم الابد فافطر يوم الفطر ويوم الاضحىٰ ۔ لا يطعم هٰذه الايام في حياته وعليه ان يوصي ان يطعم ۔ الخ ۔ (فتاوٰی تاتارخانیۃ ج ۲ ص۴۰۵ کتاب الصوم، الفصل الحادي عشر في النذور۔)

وَمِثْلُهٗ في الهداية ج ۱ ص۲۲۸ کتاب الصوم، في ما يوجبه على نفسه ۔

بان صلوٰۃ العصر بغیبوبۃ الشفق تصیر قضاءً ورجوعہا لا یعیدھا اداءً ومافی الحدیث خصوصیۃ لعلیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما یعطیہ قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ کان فی طاعتک وطاعۃ رسولک اھ۔ عود الوقت بعودھا للکل، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(رد المحتار ج ا ص۳۶۰، ۳۶۱ کتاب الصوم) [لـه]

طویل النہار (لمبے دن) والے ممالک میں روزہ رکھنے کا طریقہ

سوال:۔ دنیا کے بعض خطے اور ممالک ایسے ہیں جہاں دن بہت لمبے ہوتے ہیں، وہاں روزے رکھنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

الجواب:۔ جن ملکوں میں دن چوبیس ۲۴ گھنٹوں سے بڑا ہو تو ان ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو قریب ملک اور علاقے کے وقت کی پابندی کا لحاظ رکھنا ہوگا، کیونکہ عام طور پر انسان چوبیس ۲۴ گھنٹے کا روزہ رکھنا برداشت نہیں کرسکتا، البتہ اگر چوبیس ۲۴ گھنٹے سے دن اس قدر چھوٹا ہو کہ سحری اور افطاری کھانے کا وقت ملتا ہو اور طلوع وغروب بھی ہوتا ہو تو اس ملک کے وقت کے موافق روزے رکھنے ہوں گے، تاہم یقیناً بیماروں کے لیے شریعت میں مراعات پائی جاتی ہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ:۔ (تتمۃ) لم ار من تعرض عندنا لحکم صومھم فیما اذا کان یطلع الفجر عندھم کما تغیب الشمس او بعدہ بزمان لا یقدر فیہ الصائم علی ما یقیم بنیتہ ولا یمکن ان یقال بوجوب الصوم موالاۃ الصوم علیھم لانہ یؤدی الی الھلاک فان قلنا بوجوب الصوم یلزم القول بالتقدیر وھل یقدر لیلھم باقرب البلاد الیھم کما قالہ الشافعیۃ ھنا ایضاً ام یقدر لھم بما یسع الاکل والشرب ام یجب علیھم القضاء فقط

[لـه] لما قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ:۔ وکذا من وجب علیہ الصوم فی اول النہار لوجود سبب الوجوب والاھلیۃ ثم تعذر علیہ المضی فیہ بان افطر متعمداً او اصبح یوم الشک مفطراً ثم تبین انہ من رمضان او تسحر علی ظن ان الفجر لم یطلع ثم تبین لہ انہ طلع فانہ یجب علیہ الامساک فی بقیۃ الیوم تشبہاً بالصائمین۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۱۰۲، ۱۰۳ کتاب الصوم، الفصل ام حکم الصوم المؤقت)

وَمِثْلُہٗ فی مراقی الفلاح علیٰ ھامش طحطاوی ج۱ ص۵۵۸ کتاب الصوم۔

دون الاداء کل محتمل فلیتامل ۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۳۳۹ کتاب الصلوٰۃ۔ مطلب فی طلوع الشمس من مغربہا) [۱]

عیدین کے دن روزہ رکھنا ممنوع ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص عید کے دن روزہ رکھے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ اور کتب فقہ سے یہ حکم واضح ہے کہ پورے سال میں پانچ دن روزہ رکھنا ممنوع ہے جن میں دو دن عیدین (یعنی عید الاضحیٰ اور عید الفطر کا پہلا دن) کے بھی شامل ہیں، لہٰذا ایسے شخص کو عیدین کے دن روزہ نہیں رکھنا چاہیے ورنہ گنہگار ہو جائے گا۔

قال عبد الرحمٰن جزری ؒ:۔ الصوم المکروہ ینقسم الی قسمین مکروہ تحریماً وھو صوم ایام الاعیاد والتشریق فاذا صامہا انعقد صومہ مع الاثم۔ (فقہ مذاہب اربعہ ج ۱ ص ۵۵۹) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ کمال الدین ؒ:۔ ولا یرتاب متامل فی ثبوت الفرق بین عدم محل الفرض وبین سببہ الجعلی الذی جعل علامۃ علی الوجوب الخفی الثابت فی نفس الامر وجواز تعدد المعرفات للشئ فانتفاء الوقت انتفاء للعرف وانتفاء الدلیل علی الشئ لا یستلزم انتفاءہ لجواز دلیل اٰخر وقد وجد وھو ما تواطات علیہ اخبار الاسراء من فرض اللہ الصلوٰۃ خمساً بعد ما امروا اولاً بخمسین ثم استقر الامر علی خمس شرعاً عاماً ما لاھل الاٰفاق تفصیل فیہ بین اھل قطر وقطر وما روی ذکر الدجال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنا ما لبثہ فی الارض قال اربعون یوماً یوم کسنۃٍ ویوم کشھر ویوم کجمعۃ وسائر ایامہ کایامکم فقیل یارسول اللہ فذلک الیوم الذی کسنۃ ایکفینا فیہ صلوٰۃ یوم قال لا اقدروا لہ (رواہ مسلم) فقد احب فیہ ثلثمائۃ عصر قبل صیرورۃ الظل مثلاً او مثلین وقس علیہ فاستفدنا ان الواجب فی نفس الامر خمس علی العموم غیر ان توزیعہا علی تلک الاوقات عند وجودھا فلا یسقط بعدمہا الوجوب۔ وکذا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس صلوٰۃ کتبہن اللہ علی العباد ومن افتی بوجوب العشاء یجب علی قولہ الوتر اھ (حاشیۃ شلبی علی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۸۱ کتاب الصلوٰۃ۔ باب المواقیت)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۴۶ کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت۔

[۲] قال ابن نجیم ؒ:۔ وعندنا یکرہ الصوم فی یومی العید وایام التشریق۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۸)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۰۱ کتاب الصوم۔ الباب الثالث فی ما یکرہ للصائم۔

مجنون پر روزے کا فدیہ واجب نہیں

سوال:۔ اگر مجنون روزہ کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو اس کے اولیاء فدیہ دے سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب:۔ احکام شرعیہ کا مکلف عاقل و بالغ انسان ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مجنون مکلف بالعبادات نہیں ہوتا، اس لیے اس کے مرنے کے بعد ورثاء پر فدیہ دینا بھی لازم نہیں، بشرطیکہ یہ عارضہ ممتد ہو (یعنی رمضان کا پورا مہینہ مجنون ہو) اور اگر عارضہ غیر ممتد ہو تو اس صورت میں مافات کی قضاء لازمی ہے، اور اگر قضاء سے قبل مرجائے تو بصورتِ وصیت فدیہ دینا لازمی ہے۔

قال العلامۃ کاسانیؒ:۔ ولا وجوب علی المجنون لان الوجوب بالخطاب ولا خطاب علیہ لانعدام القدرتین ولھٰذا لم یجب القضاء فی الجنون المستوعب شھرًا وجہ قول اصحابنا.....فی الجنون العارض ما اذا افاق فی وسط الشھر او فی اولہ حتٰی لوجن قبل الشھر ثم افاق فی آخر یوم منہ یلزمہ قضاء جمیع الشھر۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۸۸، ۸۹ کتاب الصوم فصل شرائط الصوم)[۱]

کس چیز سے روزہ افطار کرنا چاہیئے؟

سوال:۔ شرعاً روزہ کس چیز سے افطار کرنا افضل ہے ؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ روزہ دار کھجور سے روزہ افطار کرے اور اگر کھجور میسر نہ ہو تو پھر پانی سے افطار کرنا بہتر ہے، تاہم اس کے علاوہ بھی دیگر اشیاء سے روزہ افطار کرنا جائز ہے۔

اخرج ابو عیسٰی محمد بن عیسٰیؒ:۔ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم من وجد تمرًا فلیفطر علیٰ ماء فان الماء طھور۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۱۴۹)[۲]

سحری و افطاری کا مستحب طریقہ

سوال:۔ سحری اور افطاری میں تعجیل و تاخیر کا حکم ایک ہے یا ان میں کچھ فرق ہے ؟

---

[۱] قال ابن نجیمؒ:۔ (قولہ وبجنون غیر ممتد) ای یقضیہ اذ فاتہ بجنون غیر ممتد وھو ان لا یستوعب الشھر والممتد ھو ان یستوعب الشھر وھو مسقط للحرج۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۹۰ کتاب الصوم فصل فی العوارض)

وَمِثْلُہٗ فی فتاویٰ تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم۔ الفصل العاشر فی الجنون۔

[۲] محمد بن یزیدؒ:۔ عن سلیمان بن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا افطر احدکم فلیفطر علیٰ تمر فان لم یجد فلیفطر علی الماء فانہٗ طھور۔ (ابن ماجۃ ج۱ ص۱۲۲ باب ما جاء علیٰ ما یستحب الفطر)

وَمِثْلُہٗ فی ابی داؤد ج۱ ص۳۲۱ باب ما یستحب الفطر۔

الجواب: شریعتِ مقدسہ میں سورج غروب ہونے کے فوراً بعد افطاری کرنا مستحب ہے اور سحری میں آخر وقت تک تاخیر کرنا اولیٰ ہے، تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ ظن غالب پر طلوعِ فجر سے چند منٹ پہلے سحری بند کر دینی چاہیئے۔

قال العلامة سید احمد طحطاویؒ: النهار عبارة عن زمان ممتد من طلوع الفجر الصادق الی غروب الشمس وهو قول اصحاب الفقه واللغة (قوله الی الغروب) هو اول زمان بعد غیبوبة تمام جرم الشمس بحیث تظهر الظلمة فی جهة المشرق۔ وفی البخاری عنه صلی الله علیه وسلم: اذا اقبل اللیل من ههنا فقد افطر الصائم۔ ای اذا وجدت الظلمة حسا فی جهة المشرق فقد دخل وقت الفطر او صار مفطر فی الحکم۔ لان اللیل لیس ظرفا للصوم قهستانی۔

(مراقی الفلاح علی هامش طحطاوی ج ۱ ص ۵۲۱ کتاب الصوم)[۱]

کیا اذانِ فجر انتہاءِ سحری کی دلیل ہے

سوال: سحری کا آخری وقت معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا فجر کی اذان انتہاءِ سحری کی دلیل بن سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: روزہ بند کرنے میں بنیادی اعتبار انتہائے وقت کا ہے اسلئے طلوعِ فجر سے قبل روزہ رکھنا واجب ہے، البتہ اگر اذان صحیح وقت پر دی جاتی ہو تو پھر یہ انتہائے وقت کی دلیل بن سکتی ہے ورنہ تقدیم و تاخیر کی صورت میں اسے انتہاءِ سحر سمجھنا درست نہیں۔ ہمارے علاقوں میں اذان عموماً وقت داخل ہونے کے بعد دی جاتی ہے اسلئے اس دوران کھانا پینا جائز نہیں بلکہ اس سے چند منٹ پہلے ہی کھانا پینا بند کر دینا چاہیئے۔

قال العلامة عالم بن العلاءؒ: قال اصحابنا وقت الصوم من حین یطلع الفجر الثانی۔ وهو الفجر المستطیر المنتشر فی الافق الی غروب الشمس، واذا غربت الشمس خرج وقت الصوم ولم ینقل عنهم ان العبرة لاول طلوع الفجر الثانی او لاستطارته وانتشاره۔ وقد اختلف المشائخ فیه قال بعضهم: العبرة لاوله۔ وبعضهم قالوا العبرة لاستطارة۔ قال الشمس الائمة الحلوانیؒ: القول الاول احوط والثانی اوسع۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۲ ص ۳۴۶ کتاب الصوم الفصل الاول فی بیان وقت الصوم)[۲]

---

[۱] قال طاهر بن احمد بن عبد الرشیدؒ: ویستحب للصائم تعجیل الافطار قبل طلوع النجم وتاخیر السحور وفی یوم الغیم لا یستحب التعجیل ولا یفطر مالم یغلب علی ظنه غروب الشمس۔ (خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۶۶ کتاب الصوم الفصل الخامس فی الخطر والاباحة)

ومثله فی رد المحتار ج ۲ ص ۴۱۹ کتاب الصوم مطلب فی حدیث التوسعة علی العیال الخ۔

[۲] قال ابن عابدینؒ: (قوله وهو الیوم) ای الیوم الشرعی من طلوع الفجر الی الغروب وهل المراد اول زمان الطلوع او انتشار الضوء؟ فیه خلاف کالخلاف فی الصلوٰة والاول احوط والثانی اوسع۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۷۱ کتاب الصوم)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۹۴ کتاب الصوم الباب الاول تعریفه وتقسیمه۔

صرف جمعہ کے دن روزے کا حکم

سوال:۔ حنفیہ کثر اللہ سوادھم کے نزدیک صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ علماء احناف کے ہاں راجح مذہب یہ ہے کہ تنہا جمعہ کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں البتہ جن احادیث میں نہی وارد ہے وہ ضعف اور کمزوری وغیرہ پیدا ہو جانے پر محمول ہے کہ جس کی وجہ سے جمعہ کی ادائیگی میں فرق آتا ہو۔

قال العلامہ ابن عابدینؒ: ولا بأس بصوم یوم الجمعة عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ لما روی عن ابن عباسؓ انه کان یصومه ولا یفطر۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۹۱ کتاب الصوم) لہ

ذی الحجہ میں ایام بیض کے روزوں کا حکم

سوال:۔ ایام بیض کے روزے رکھنا شرعاً مسنون ہیں جو ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو آتے ہیں، کیا ماہ ذی الحجہ میں بھی انہی تاریخوں کو روزے رکھے جائیں یا دوسری تاریخوں کو رکھے جائیں؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ میں ایام عید الاضحی یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کے روزے رکھنا ممنوع ہیں اس لیے ماہ ذی الحجہ میں ۱۳ تاریخ کا روزہ رکھنا جائز نہیں بلکہ بجائے ۱۳ کے ۱۴، ۱۵، ۱۶ کے روزے رکھے جائیں۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ: یکره الصوم فی العیدین وایام التشریق لانعقاد الاجماع ولو صام یکون صائماً مسیئاً ولو افسده لا یقضی عند ابی حنیفةؒ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۳۸۸ کتاب الصوم، فصل فی بیان الاوقات التی یکره فیها الصوم) ۲ہ

لہ قال الشیخ وهبة الزحیلی: ومنه صوم یوم الجمعة ولو منفرداً فلا بأس بصیامه عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ۔ مما روی عن ابن عباسؓ انهٗ کان یصومه ولا یفطر۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۵۹۲ مسائل صوم مندوب)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۶۵ کتاب الصوم الفصل الخامس فی الحظر والاباحة۔

۲ہ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: والثانی الذی کره تحریماً صوم عیدین الفطر والنحر ومنه صوم ایام التشریق۔ وقال السید احمد الطحطاویؒ: قوله (ومنه صوم ایام التشریق) هی ثلاثة بعد ایام النحر (طحطاوی ص۳۵۱ کتاب الصوم) ومثله فی الفقه الاسلامی وادلتهٗ ج۲ ص۵۸۲۔

حاجی کے لیے یوم عرفہ کا روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں

سوال:۔ احادیثِ مبارکہ میں یوم عرفہ کا روزہ رکھنا منقول ہے، کیا یہ حکم حاجی کے لیے بھی ہے یا نہیں؟

الجواب: یوم عرفہ کا روزہ رکھنا شرعاً مسنون ہے اور یہ حکم سب کے لیے یکساں ہے البتہ اگر حاجی کو روزہ رکھنے سے ضعف لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے مناسکِ حج میں خلل واقع ہونے کا احتمال ہو تو اس صورت میں عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: المستحبة وعرفة ولو لحاج لم یضعفه الخ۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله لم یضعفه صفة لحاج) ای اکان لا یضعفه عن الوقوف بعرفات ولا یخل بالدعوات محیط فلو اضعفه کره۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۹۱ کتاب الصوم) [1]

یوم عاشورہ کے روزے کا حکم

سوال:۔ محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے، کیا یہ صرف ایک دن کا روزہ رکھنا ہو گا یا اس سے پہلے یا بعد والے دن کا روزہ بھی ملانا ہو گا؟

الجواب:۔ یوم عاشورہ یعنی دس محرم الحرام کا روزہ رکھنا مسنون ہے مگر اس روزے کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد والے دن کا روزہ ملانا ضروری ہے اس لیے کہ صرف دس محرم کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: واما صوم یوم عاشوراء فیستحب ان یصوم قبله یوماً وبعده یوماً۔ (خلاصة الفتاویٰ ج۱ ص۲۶۵ کتاب الصوم۔ باب الحظر والاباحة) [2]

---

[1] قال الشیخ الدکتور وهبة الزحیلی:۔ ومنه صوم یوم عرفة ولو لحاج لم یضعفه عن الوقوف بعرفات ولا یخل بالدعوات فلو اضعفه کره۔
(الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۵۹۲ اراء المذاهب فی الصوم المنذور)
ومِثْلُهٗ فی الفتاویٰ التاتارخانیة ج۲ ص۳۸۹ الاوقات التی یکرہ فیها الصوم۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: وکانوا یستحبون ان یصوموا قبل عاشوراء او بعده یوماً۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج۲ ص۳۹۰ کتاب الصوم فی الاوقات التی یکرہ فیها الصوم)
ومِثْلُهٗ فی الفقه الاسلامی وَادِلّتُهٗ ج۲ ص۵۹۰ النوع الرابع، صوم التطوع۔

رمضان المبارک میں مہمان کی خاطر و تواضع کا حکم

سوال :- جناب محترم مفتی صاحب ! میں بسلسلہ روزگار انگلینڈ میں مقیم ہوں وہاں میرے کچھ انگریز دوست ہیں اگر وہ میرے پاس رمضان المبارک میں دن کے وقت ملاقات کے لیے آئیں تو کیا میں ان کی خاطر و تواضع کر سکتا ہوں یا نہیں ؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں ؟

الجواب : اسلام نے مہمان کی خاطر مدارات کے لیے نفلی روزہ تک توڑ دینے کی گنجائش رکھی ہے، اس لیے اگر کوئی شخص مہمان کی خاطر و تواضع کے لیے نفلی روزہ توڑ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ اس روزہ کی قضاء کرنا ضروری ہے، جب غیر رمضان میں مہمان کی خاطر نفلی روزہ افطار کیا جا سکتا ہے تو پھر رمضان المبارک میں ایسا کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ تاہم آپ کے لئے مہمان کی خاطر رمضان کا روزہ توڑنا جائز نہیں۔

لما قال العلامۃ اشرف علی التھانوی ؒ: کسی کے گھر مہمان گئی یا کسی نے دعوت کر دی اور کھانا نہ کھانے سے اس کا جی بُرا ہوگا دل شکنی ہوگی تو اس کی خاطر سے نفل روزہ توڑ دینا درست ہے اور مہمان کی خاطر سے گھر والی کو بھی توڑ دینا درست ہے۔

(بہشتی زیور ص۲۰۴ کتاب الصوم)

عاشورہ کے دن قضاء رمضان کا حکم

سوال :- جناب محترم مفتی صاحب ! یوم عاشورہ (دس محرم الحرام) کو قضاء رمضان کا روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر کوئی رکھے تو اس کا کیا حکم ہے ؟ فقہ حنفی کی روشنی میں مسئلے کا حل بیان فرمائیں ؟

الجواب :- اسلام نے سال بھر میں صرف پانچ دن[۱] روزہ رکھنے کو موجب گناہ قرار دیا ہے، اس کے علاوہ باقی ایام میں جس دن چاہے قضاء رمضان کا روزہ رکھا جا سکتا ہے ایسا کرنے سے ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

لما فی الھندیۃ : لو نوی قضاء رمضان والتطوع کان من القضاء۔
(فتاوی قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج۱ ص۲۰۰ کتاب الصوم)

---

[۱] ان پانچ دنوں کی تفصیل یہ ہے : عید الفطر کا دن، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ

پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کا حکم

سوال :- جناب محترم مفتی صاحب! میری والدہ صاحبہ کئی برسوں سے پیر اور جمعرات کا روزہ رکھ رہی ہیں، کیا قرآن و سنت میں اس کے بارے میں کوئی فضیلت آئی ہے یا نہیں؟

الجواب :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں اعمال نامے پیش کیے جاتے ہیں، مجھے یہ پسند ہے کہ میرے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں پیش ہوں کہ میں روزہ سے ہوں۔ لہٰذا پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا کارِ ثواب ہے۔

عن عائشۃ رضؓ قالت: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحری صوم الاثنین والخمیس۔ (الجامع الترمذی ج ۱ ص۱۵۸ باب ماجاء فی صوم الاثنین والخمیس) لہ

پندرہ شعبان کے روزے کا شرعی حکم

سوال :- جناب محترم مفتی صاحب! ۱۵ شعبان کے روزے کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ نیز اس روزے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مرغوب روزوں میں ۱۵ شعبان (شبِ برات) کا روزہ بھی ہے، لہٰذا اس قسم کا روزہ رکھنا موجبِ اجر و ثواب ہے۔

لما فی الھندیۃ: المرغوبات من الصیام انواع اولھا صوم المحرم والثانی صوم رجب والثالث صوم شعبان۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۰۲) ٢ہ

لہ عن حفصۃ رضؓ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم ثلثۃ ایام من الشھر الاثنین والخمیس والاثنین من الجمعۃ الاخریٰ۔ (ابوداؤد ج ۱ ص۳۳۲ باب من قال الاثنین والخمیس)
وَمِثْلُہٗ فی مشکوٰۃ المصابیح ص۱۷۹ کتاب الصوم، باب صیام التطوع۔

٢ہ لما قال العلامۃ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: شبِ برات کی پندرہویں اور عید الفطر کے چھ دن نفل روزہ رکھنے کا بھی اور نفلوں سے زیادہ ثواب ہے۔
(بہشتی زیور حصہ ۳ ص۲۰ کتاب الصوم)

مروّجہ افطار پارٹیوں میں شرکت کا مسئلہ

سوال:۔ رمضان المبارک میں بعض سیاسی لوگ ایک دوسرے کو افطار پارٹیوں میں مدعو کرتے ہیں جن میں عموماً کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے۔ شرعاً اس قسم کی افطار پارٹیوں میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرانا بہت بڑے ثواب کا کام ہے، احادیثِ مبارکہ میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، مگر مروجہ افطار پارٹیوں میں چونکہ اکثر کبائر کا ارتکاب ہوتا ہے اس لیے اس قسم کی افطار پارٹیوں میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے تاکہ ارتکابِ گناہ سے بچا جاسکے۔

لما قال علیہ السلام: من فطر صائماً کان لہ مغفرۃ لذنوبہ وعتق رقبتہ من النار وکان لہ مثل اجرہ من غیر ان ینقص من اجرہ شئ۔

(مشکوٰۃ ص۱۷۳ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث) [۱]

مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں روزہ افطار کرنے کا حکم

سوال:۔ ماہ رمضان میں اگر کسی دن آسمان پر بادل ہوں اور سورج غروب ہونے کا صحیح اندازہ نہ ہوسکتا ہو تو ایسے میں روزہ افطار کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مستحب تو یہ ہے کہ جیسے سورج ہو فوراً روزہ افطار کرلیا جائے، اور اگر مطلع صاف نہ ہو، یا آسمان پر بادل وغیرہ ہوں تو پھر روزہ افطار کرنے میں اتنی دیر کی جائے کہ سورج ہونے یا نہ ہونے کا شک ختم ہوجائے۔ اور آجکل تو ویسے بھی تقریباً ہر آدمی کے پاس گھڑی ہوتی ہے اس کے حساب سے سورج ہونے کا یقین ہوجانے کے بعد روزہ افطار کرلینا چاہیئے۔

لما قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولو شك فی غروب الشمس لایحل لہ الفطر۔

(الھدایۃ ج۱ ص۱۸۷ کتاب الصوم) [۲]

---

[۱] لقولہ علیہ السلام: من فطر صائماً فلہٗ مثل اجرہ۔
(مجمع الزوائد ج۳ ص۳۷۲ کتاب الصوم، باب فیمن فطر صائماً)

[۲] لما قال العلامۃ اشرف علی التھانویؒ: جب تک سورج کے ڈوبنے میں شبہ ہے تب تک (روزہ) افطار کرنا جائز نہیں۔ (بہشتی زیور حصہ سوم ص۲۰۹ کتاب الصوم)

روزہ افطار کرنے کیلئے وقت مقرر کرنے کا حکم

سوال :۔ افطاری کتنے منٹ تک ہونی چاہیئے ؟ بعض لوگ افطاری کے وقت پورا کھانا کھاتے ہیں اور اس کے بعد نماز پڑھتے ہیں، شریعتِ مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ افطاری کے لیے شرعاً کوئی وقت مقرر نہیں، ضروری امر یہ ہے کہ مغرب کی نماز ادا کی جائے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ مختصر افطاری کر کے پہلے مغرب کی نماز ادا کر لی جائے اس کے بعد کھانا کھایا جائے۔ تاہم اگر پورا کھانا کھانے کے بعد نماز وقت پر ادا کی جاسکتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

روزے کی نیت عربی یا مادری زبان میں کرنے کا حکم

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! رمضان المبارک کے روزوں کی نیت عربی زبان میں کرنا ضروری ہے یا اپنی مادری زبان میں کرنا بھی صحیح ہے ؟

الجواب :۔ نیت کا تعلق دل سے ہے، نفسِ ارادہ کرنے سے روزہ صحیح ہو جاتا ہے، تاہم زبان سے نیت پر تلفظ کرنا بہتر ہے چاہے عربی زبان میں ہو یا مادری زبان میں، دونوں طرح سے صحیح ہے۔

لمافی الهندیة: والنیة معرفته بقلبه أن یصوم کذا فی الخلاصة و محیط السرخسی والسنة ان یتلفظ بها کذا فی النهر الفائق۔

(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۹۵ کتاب الصوم۔ الباب الاول فی تعریفه)[1]

جہاز میں سفر کے دوران جہاز کا وقت روزہ افطار کرنے کے لیے معتبر ہوگا

سوال :۔ ایک آدمی ہوائی جہاز میں سفر کر رہا تھا، زمینی وقت کے لحاظ سے سورج غروب ہو چکا تھا مگر جہاز کی بلندی کی وجہ سے ابھی تک سورج اُفق پر چمکتا نظر آرہا تھا، تو کیا یہ آدمی زمینی وقت کے لحاظ سے روزہ افطار کرے یا حالتِ سفر

---

[1] قال العلامة المفتی عبد الرحیمؒ: روزہ کی نیت میں زبان سے بولنا ضروری نہیں صرف دل کا ارادہ کافی ہے، اپنی مادری زبان یا عربی میں زبان سے بھی کہے تو بہتر ہے منع نہیں۔

فتاویٰ رحیمیة ج۸ ص۲۶۳ کتاب الصوم۔

میں جب سورج غروب ہو تب افطار کرے؟

الجواب:۔ قاعدہ یہ ہے کہ روزہ اور نماز میں اُس مقام کا وقت معتبر ہوگا جہاں پر آدمی ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ شخص جہاز میں ہے اس لیے جب اس حالت میں سورج غروب ہو جائے تو پھر روزہ افطار کرے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: المراد بالغروب زمان غیبوبة جرم الشمس بحیث تظهر الظلمة فی جهة الشرق۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۸۸ کتاب الصوم)[1]

شوال کے چھ روزوں کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کئی سالوں سے بندہ عید الفطر کے دوسرے دن سے شوال کے چھ روزے رکھ رہا ہے، میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ شوال کے چھ روزے مکروہ ہیں اور یہ احناف کا مذہب ہے، اس نے ایک رسالہ بھی مجھے دیا ہے جو اسی موضوع پر لکھا ہوا ہے، اپنے دوست کی باتیں سُنکر اور رسالہ دیکھ کر سخت اُلجھن کا شکار ہوں، مہربانی فرما کر اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ میں شوال کے چھ روزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو بہت بڑے اجر وثواب کا باعث قرار دیا ہے۔ اس لیے فقہاء احناف کی تقریباً ہر کتاب میں ان روزوں کو مستحب قرار دیا ہے، جہاں تک کراہت کے قول کا تعلق ہے تو اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ سے ایک شاذ قول مروی ہے، احناف کا مذہب نہیں، ورنہ فقہاء کرام اس کو بڑے اہتمام سے ذکر کر کے مفتیٰ بہ قرار دیتے۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ: ومنه ایضاً صوم ستة من شوال عند ابی حنیفة متفرقاً کان او متتابعاً وعن ابی یوسف کراهته متتابعاً لا متفرقاً لکن عامة المتاخرین لم یروا به بأساً۔ وقال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ولم یروا به بأساً) قد سرد عباراتهم العلامة قاسم فی فتاواه وردّ قول من صحح الکراهة فراجعه۔

(البحر الرائق ومنحة الخالق ج۲ ص۲۵۸ کتاب الصوم)

---

[1] قال الشیخ السیّد احمد الطحطاویؒ: تحت (قوله وهو الیوم) ای هو من اوّل زمان الصبح الصادق الی المغرب ای زمان غیبوبة تمام جرم الشمس بحیث تظهر الظلمة فی جهة المشرق۔ (الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۴۶)

باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد

(کن کن اشیاء سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور کن سے نہیں)

مذی اور ودی کے نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال:۔ بیوی کے ساتھ لمس و تقبیل یا ملاعبہ کرتے وقت اگر کبھی پانی نکل جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں اور اگر پیشاب کے ساتھ کچھ قطرے گر جائیں تو روزہ پر اس کے کیا اثرات پڑیں گے؟

الجواب:۔ لمس و تقبیل کی صورت میں اگر انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ کر قضاء واجب ہے اور کفارہ نہیں، البتہ کسی کمزوری کی وجہ سے پیشاب کرتے وقت کچھ قطرے گریں تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قال فی الهندیة:۔ واذا قبّل امرأته وانزل فسد صومه من غیر کفارة — ایضاً فی الهندیه وکذا لا یفطر بالفکر اذا امنی هٰکذا فی السراج الوهاج۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۲۰۴ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد) [۱]

خاوند کی سخت طبیعت کی وجہ سے کھانے پینے کی چیزوں کا چکھنا

سوال:۔ روزہ کی حالت میں خاوند کے خوف سے عورت کے لیے پکی ہوئی اشیاء کا چکھنا کیسا ہے، کیا یہ عمل روزہ پر اثر انداز ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں عموماً چیزوں کا چکھنا مکروہ ہے اور بعض اوقات مفسدِ صوم بھی بن جاتا ہے، لیکن اگر کسی عورت کا خاوند بدمزاج اور تلخ طبیعت کا مالک ہو اور عورت کو

---

[۱] قال محمد بن عبداللہؒ:۔ او وطی امراته میتة او بهیمة او فخذا او بطنا او قبل او لمس فانزل قید للکل حتی لم ینزل لم یفطر کما مر۔ قال محمد بن عبد اللہؒ: او قبل ولم ینزل او احتلم او انزل بنظر او بفکر۔ الخ

(شامی ج ۲ ص ۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد ہ۔

اس سے مار کھانے اور گالی گلوچ کا خطرہ ہو تو ایسی عورت کے لیے پکی ہوئی چیزیں چکھنا بلا کراہت جائز ہے۔

قال قاضی خان رحمہ اللہ:۔ اذا کان الزوج سیئ الخلق لا بأس للمرأۃ ان تذوق المرقۃ بلسانہ۔ (فتاوٰی قاضی خان ج ۱ ص ۹۸ کتاب الصوم) لہ

حاملہ کو اگر خون آجائے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا

سوال:۔ حالتِ حمل میں اگر عورت کو کبھی کبھار خون آجائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ مفسداتِ صوم میں سے ایک مفسد حیض ونفاس کا آجانا بھی ہے اور جو خون عورت کو حمل کی حالت میں آئے تو وہ بیماری کا خون ہے جو روزہ رکھنے کے منافی نہیں لہٰذا اس سے روزہ متاثر نہیں ہوتا۔

قال عبد الرحمٰن الجزائری:۔ ان الدم الذی یخرج عند خروج اکثر الولد ھو دم نفاس کالدم الذی یخرج عقب خروجہ اما الدم الذی یخرج یخروج اقل الولد او قبلہ فھو فساد ولا تعتبر نفساء ویفعل مایفعلہ الطاھرات۔

(الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج ۱ ص ۱۳۱ باب الحیض) ۲ہ

لہ قال عالم بن العلاءؒ:۔ ان کان زوجھا سیئ الخلق بذی اللسان یضایقھا فی ملوحۃ الطعام فلا بأس بہ۔ (فتاوٰی تاتارخانیۃ ج ۲ ص ۳۸ کتاب الصوم الفصل السادس فی الاسباب المبیحۃ)

وَمِثْلُہٗ فی شامی ج ۲ ص ۴۱۶ کتاب الصوم، مطلب فیما یکرہ للصائم۔

۲ہ قال کمال الدینؒ:۔ لما کان الحیض اکثر وقوعاً قدمہ ثم اعقبہ الاستحاضۃ لانھا اکثر وقوعاً من النفاس باعتبار کثرۃ اسبابھا فانھا تکون مستحاضۃ بما رأت الدم حالۃ الحبل اوزاد الدم علی عشرۃ اوزاد علی معروضھا وجاوز العشرۃ اورأت مادون الثلاث اورأت قبل تمام الطھر اورأت قبل أن تبلغ تسع سنین علی ماعلیہ العامۃ بخلاف النفاس فان سببہ شئ واحد وقدم حکم المستحاضۃ ومن بمعناھا علی تعریفھا لان المقصود وبیان الحکم۔ قال برھان الدینؒ: یتوضئون لوقت کل صلوٰۃ۔ (العنایۃ علی ھامش فتح القدیر ج ۱ ص ۱۵۹ باب الحیض)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۱۵ باب الحیض۔

روزہ جلدی افطار کرنا بہتر ہے

سوال:۔ افطار میں احتیاط کے لیے تاخیر کرنے کا شریعتِ مطہرہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ غروبِ آفتاب قطعی اور بدیہی امر ہے، اس کے بعد غلبۂ ظن اور احتیاط کا دعوٰی کرنا بے بنیاد ہے یہی وجہ ہے کہ از روئے شرع روزہ افطار کرنے میں تعجیل افضل ہے۔

قال عالم بن العلاءؒ:۔ ویستحب للصائم تعجیل الافطار قبل طلوع النجوم۔
(فتاوٰی تاتارخانیة ج۲ ص۳۸۱ کتاب الصوم، الفصل السادس فی الاسباب المبیحة) ؎۱

رمضان میں ادویات سے حیض بند کرنے کا حکم

سوال:۔ کئی عورتیں رمضان میں روزہ کی محرومی سے بچنے یا غیر رمضان میں نماز کے فوت ہونے سے بچنے کے لیے مانعِ حیض ادویات استعمال کرتی ہیں، کیا از روئے شرع عورت کے لیے یہ اقدام مرخص ہے یا نہیں، نیز شرعی احکام پر اس کے کیا اثرات پڑتے ہیں؟

الجواب:۔ عورت کے لیے حیض کا آنا ایک طبعی اور فطرتی امر ہے اس لیے شریعتِ مطہرہ نے ان ایام میں عورت کو معذور سمجھ کر عبادات کی ذمہ داری اس سے اٹھائی ہے، یہی وجہ ہے کہ جدید اور قدیم طب میں حیض عورت کی صحت اور تندرستی کی نشانی سمجھی جاتی ہے، اگر کوئی عورت ادویات کے ذریعے اس کو بند رکھے تو شرعی احکام اس سے متاثر نہیں ہوتے، یعنی حیض نہ آنے پر روزہ اور نماز کی ادائیگی ضروری ہے لیکن عورت کی صحت کے لیے نقصان دہ ہونے کی وجہ سے ایسا کرنے سے احتراز بہتر ہے، تاہم اس طرح حیض بند کرنے سے روزہ درست رہے گا۔

قال عالم بن العلاءؒ:۔ وشرط صحة الاداء وهو الوقت القابل وهو الیوم المتعرّی عن الاکل والشرب وطهارة المؤدیین من الحیض والنفاس۔ (فتاوٰی تاتارخانیة ج۲ ص۳۴۵ کتاب الصوم) ؎۲

؎۱ قال طاهر بن احمدؒ:۔ ویستحب للصائم تعجیل الافطار قبل طلوع النجوم۔
(خلاصة الفتاوٰی ج۱ ص۲۶۶ کتاب الصوم۔ الفصل الخامس فی الحظر والاباحة)
ومِثلُهٗ فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۵۶۲ کتاب الصوم۔

؎۲ قال طاهر بن احمد بن عبد الرشیدؒ:۔ اعلم بان الصوم هو الکف عن المفطرات شرعاً فی وقته بنیة یشترط من اهله واهله العاقل البالغ المسلم وفی المرأة الطهارة من الحیض والنفاس۔
(خلاصة الفتاوٰی ج۱ ص۲۵۱ کتاب الصوم۔ الفصل الثانی فی المقدمة)
ومِثلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۵۹ کتاب الصوم۔

زہریلے حشرات الارض کے کاٹنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

سوال:۔ کیا بچھوا اور بھڑ کے کاٹنے سے روزہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں جبکہ ایسی حالت میں عموماً کاٹنے والے بچھو وغیرہ کا زہر روزہ دار کے بدن میں داخل ہو جاتا ہے؟

الجواب:۔ کسی چیز کا معدہ یا دماغ میں پہنچنا مفسدِ صوم تب بنتا ہے کہ وہ چیز جوفِ دماغ یا جوفِ معدہ میں بطریقِ منفذ (نالی کے ذریعے) داخل ہو، اگر وہ چیز بصورتِ ترشح (بذریعہ پسینہ) جوفِ دماغ یا جوفِ معدہ میں پہنچ جائے تو مفسدِ صوم نہیں، چنانچہ صورتِ مسئولہ میں زہر چونکہ معدہ میں بصورت ترشح پہنچ جاتا ہے اس لیے مفسدِ صوم نہیں۔

لما قال العلامه برهان الدين المرغيناني ؒ:۔ ولو اكتحل لم يفطر لانه ليس بين العين والدماغ منفذ والدمع يترشح كالعرق والداخل من المسام لا ينافي كما لو اغتسل بالماء البارد۔ (الهداية ج ا ص۱۹۷ كتاب الصوم۔ باب مايوجب القضاء والكفارة) [۱]

بدنگاہی سے انزال مفطرِ صوم نہیں

سوال:۔ کسی حسین عورت کو دیکھنے سے شہوت کا شکار ہو کر اگر روزہ دار کا انزال ہو جائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ انزال سے فسادِ صوم کے لیے جماعِ حقیقی یا معنوی کا ہونا ضروری ہے، چونکہ شہوانی نظر سے انزال میں دونوں کا فقدان ہے اس لیے فقہاء کرام نے عدم افطار کا فتویٰ دیا ہے۔

قال ابن الهمام رحمه الله:۔ اذا نظر الى امرأة بشهوة الى وجهها او فرجها كرر النظر او لا يفطر اذا انزل لما بينا انه لم توجد صورة الجماع ولا معناه وهو الانزال

---

[۱] قال العلامة عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي ؒ:۔ واما الاقطار في الاحليل فعندهما لا يفطر۔ وقال ابو يوسف ؒ: يفطر بناء على ان بينه وبين الجوف منفذ بدليل الخروج البول والاصح انه ليس بينهما منفذ بل البول يترشح الى المثانة ثم يخرج وما يخرج رشحا لا يعود رشحا فلا يصل۔

(الاختيار لتعليل المختار ج ا ص۱۳۳ كتاب الصوم۔ فصل في وجوب الكفارة والقضاء الخ)

ومثله في فتح القدير ج ۲ ص۲۷۹ كتاب الصوم۔ باب مايوجب القضاء والكفارة۔

عن مباشرة وھو حجة علی مالك فی قوله اذا کرره فانزل افطر۔

(فتح القدیر ج ۲ ص۲۵۶ کتاب الصوم۔ باب ما یوجب القضاء والکفارة) [1]

منہ میں دوائی کے ذائقہ کا احساس مفسدِ صوم ہے

سوال:۔ دوائی کھانے کے بعد اگر طلوعِ فجر کے وقت یا بعد منہ میں دوائی کا اثر محسوس ہو تو کیا اس سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ منہ میں دوائی کے ذائقہ کا احساس فسادِ صوم کا ذریعہ نہیں بشرطیکہ حلق سے نیچے نہ جائے لیکن جب حلق سے اتر کر پیٹ کے اندر پہنچ جائے تو پھر روزہ باقی نہیں رہتا۔

قال ابن نجیمؒ:۔ وفی المحیط یجوز ان یقال لا بأس به کی لا یغبن والمضغ بعذر بان لم تجد المرأة من یمضغ لصبیها الطعام من حائض او نفساء او غیرهما ممن لا یصوم ولم تجد طبیخا ولا لبنا حلیبا لا بأس به للضرورة الا تری انه یجوز لها الافطار اذا خافت علی الولد فالمضغ اولیٰ واطلق فی الصوم فشمل الفرض والنفل۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۲۸۰ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد) [2]

ملک کی تبدیلی پر روزہ کی تعداد میں پہلے ملک کا اعتبار ہوگا

سوال:۔ اگر ایک شخص رمضان کے دوران سفر کرکے کسی ایسے ملک چلا جائے جہاں چاند کی رؤیت مقدم ہونے کی بناء پر اس کے تیس ۳۰ روزے پورے نہ ہوئے ہوں تو ایسی حالت میں اس شخص کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا روزہ کی تعداد میں موجودہ ملک کا

---

[1] لما قال العلامة بدر الدین العینیؒ: وکذا لا یفطر اذا نظر الی امرأة فامنیٰ ای انزل المنی لما بینا وهو قوله لانه لم یوجد صورة الجماع ولا معناه تمّ انه سواء اذا نظر الی وجهها او فرجها بخلاف حرمة المصاهرة فانها تثبت بالنظر الی فرجها۔ (البنایة شرح الهدایة ج ۴ ص۲۸۴ باب ما یوجب القضاء والکفارة)

ومِثْلُهٗ فی طحطاوی ص۳۶۱ باب فی بیان ما لا یفسد الصوم۔

[2] قال العلامة محمد عبد الحیؒ:۔ ودخول شئ فی فمه فانه لو دخل شئ من الخارج فی فمه لا یفسد صومه ما لم یدخل فی حلقه وهذه آیة کونه خارجا فانه لو کان داخلا لفسد صومه فی هذه الصورة لان دخول شئ من الخارج الی الداخل مفسد له۔ (السعایة ج ۱ ص۲۷۸ کتاب الطهارة وفرض الغسل)

وَمِثْلُهٗ فی الشامی ج ۲ ص۴۲ کتاب الصوم۔ مطلب فیما یکره للصائم۔

اِعتبار ہوگا جہاں پر مثلاً ۲۹ روزے ہوں یا اپنے علاقے کا اعتبار ہوگا جہاں پر ۳۰ روزے پورے ہوئے ہوں ؟

الجواب :- جہاں تک عید منانے کا حکم ہے تو یہ موجودہ ملک کا تابع ہے لیکن روزہ کی تعداد میں اس ملک کا اعتبار ہے جہاں پر اس شخص نے ابتدائی روزہ رکھا ہے، اور اگر اس ملک کی حالت معلوم نہ ہو تو پھر از روئے احتیاط تیس روزے پورے کرے بشرطیکہ اس کے روزے پورے نہ ہوئے ہوں ۔

قال فی الهندیة : اذا صام اهل مصر تسعة وعشرین یومًا للرؤیة وفیهم مریض لم یصم فعلیه القضاء تسعة وعشرین یومًا فان لم یعلم هٰذا الرجل ماصنع اهل المصر صام ثلاثین یومًا لیخرج عن العهدة بیقین کذا فی المحیط ۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب الصوم ـ الباب الثانی فی رؤیة الهلال) لـه

فصل کی کٹائی کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا شرعی عذر نہیں

سوال :- اگر رمضان میں فصل پک جائے اور رمضان کے گذرنے کا انتظار کرنے کی صورت میں اس کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہے، تو فصل کی کٹائی کے لیے روزہ نہ رکھنے کا شرعًا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- موجودہ دور میں فصل کی کٹائی کے لیے جدید ترین طریقے موجود ہیں مثلاً ہارویسٹر مشین وغیرہ، البتہ اگر خود کٹائی کی طاقت نہ ہو تو اُجرت پر بھی کٹائی ممکن ہے، اس لیے فصل کی کٹائی روزہ نہ رکھنے کے لیے عذر شرعی نہیں ۔

قال ابن نجیم رحمه الله :- وفی القنیة لا یجوز للخباز ان یخبز خبزًا یوصله الی ضعف مبیح للفطر بل یخبز نصف النهار ویستریح فی النصف الباقی فان قال لا یکفیه اجرته اوربحه

لـه قال عالم بن العلاء رحمه الله :- اذا صام اهل المصر تسعة وعشرین یومًا للرؤیة وفیهم مریض لم یصم فعلیه القضاء تسعة وعشرین یومًا فان لم یعلم هٰذا الرجل ماصنع اهل المصر صام ثلاثین یومًا لیخرج عن العهدة بیقین ۔
(فتاوی تاتارخانیة ج ۲ ص ۳۵۴ کتاب الصوم ـ رؤیة الهلال)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۶۴ کتاب الصوم ویثبت رمضان ـ الخ

فقال هو کاذبٌ وھو باطل بانقص ایام الشتاء۔ (البحرالرائق ج ۲ ص۲۸۲ باب مایفسد الصوم ومالا یفسد) [۱]

قاضی کے لیے مسندِ قضاء روزہ نہ رکھنے کا سبب نہیں

سوال:۔ اگر کوئی قاضی مسند قضاء میں ایسی حالت سے دوچار ہو کہ فیصلہ کرتے وقت، روزہ اس کے لیے تکلیف کا باعث بنتا ہو تو کیا اس کے لیے افطار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ کوئی ایسا شرعی عذر نہیں کہ جس سے روزے کا افطار مرخص ہو اس لیے اس پر روزہ واجب ہے۔

قال فی الھندیة: شرط وجوبه الاسلام والعقل والبلوغ وشرط وجوب الاداء الصحة۔ (الفتاوی الھندیة ج ۱ ص۱۹۵ کتاب الصوم، الباب الاول تعریفه الخ) [۲]

روزہ کی حالت میں انجکشن لگانا مفطرِ صوم نہیں

سوال:۔ روزہ میں انجکشن لگانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا رگ والے اور دوسرے انجکشن میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ مطلق کسی چیز یا اس کے اثرات کا

---

[۱] قال عالم بن العلاء رحمه الله:۔ سألت اباحامد عن خباز یخبز فی شھر رمضان ویضعف فی آخر النھار ھل یجوز له ان یعمل ھذا العمل فقال لا یجوز له بان یعمل ما یوصله الی ھذا النوع من الضعف ولکن یخبز نصف النھار ویستریح فی النصف الباقی قیل له: اذا کان لا یکفیه ما یاخذ فی نصف النھار، فقال ھو کاذبٌ فان ایام الشتاء اقصر الایام فما یفعل فی تلك الایام یفعله الیوم۔

(فتاوی تاتارخانیة ج ۲ ص۳۸۵ کتاب الصوم الفصل السابع الاسباب المبیحة للفطر)

ومثله فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۱۰۱ کتاب الصوم۔ فصل فی فساد الصوم۔

[۲] قال عالم بن العلاء رحمه الله: شرط نفس الوجوب وھو الاسلام والعقل والبلوغ وشرط وجوب الاداء وھو الصحة والاقامة وشرط صحة الاداء وھو الوقت القابل۔

(فتاوی تاتارخانیة ج ۲ ص۳۴۵ کتاب الصوم)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۲۵۱ کتاب الصوم الفصل الثانی فی المقدمة۔

بدن تک پہنچنا مفطرِ صوم نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت مفطرِ صوم ہے جب معتاد ذرائع سے بدن میں داخل ہوکر پیٹ یا دماغ تک پہنچے۔ جدید تحقیقات کی روشنی میں انجکشن کے اثرات معدہ یا دماغ تک نہیں پہنچتے بلکہ یہ رگوں میں حلول کرکے بدن کو راحت پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں اسلئے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چونکہ یہ علت ہر قسم کے انجکشن میں موجود ہے اس لیے کسی بھی انجکشن (خواہ رگ والا ہو یا عام) سے روزہ متاثر نہیں ہوتا جیساکہ پیاس کے وقت مسامات کے ذریعے برودت کا پہنچنا مفطرِ صوم نہیں تاہم حتی الامکان روزہ کی حالت میں رگ والے انجکشن سے اجتناب کیا جائے۔

قال فی الهندیة: ومن اغتسل فی ماءٍ وجد بردة فی باطنه لا یفطر۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۰۳ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد)

قال ابن نجیمؒ: وفی التحقیق ان بین الجوفین منفذا اصلیا فما وصل الی جوف الرأس یصل الی جوف البطن۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد) [۱]

روزے کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا

سوال: کیا روزے کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: روزہ کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا کوئی ایسا عمل نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے، تاہم اس عمل سے اجتناب بہتر ہے کیونکہ اس سے روزہ جانے کا خطرہ ضرور ہے۔

قال المرغینانیؒ: ولا بأس بالقبلة اذا أمن علی نفسه ای الجماع او الانزال ویکره اذا لم یأمن۔ (الهدایة ج ۲ ص ۱۹۹ کتاب الصوم۔ باب ما یوجب القضاء والکفارة) [۲]

دانت نکالتے وقت نکلنے والے خون کے روزہ پر اثرات

سوال: تکلیف کی وجہ سے روزہ دار کیلئے دانت نکلوانا شرعاً

---

[۱] قال اکمل الدین محمد بن محمودؒ: اذا علم ان الدواء الیابس وصل الی جوفه فی جوفه لم یفسد صومه عنده الا انه ذکر الرطب والیابس بناءً علی العادة۔
(العنایة علی هامش فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۶ باب ما یوجب القضاء والکفارة)

وَمِثْلُهُ فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۵۳ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد الخ۔

[۲] قال محمد بن عبد اللهؒ: (او قبل) ولم ینزل (او احتلم او انزل بنظر) ولو الی فرجها مرارا (او بفکر) وان طال مجمع۔ (شامی ج ۲ ص ۳۹۵، ۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد۔

کیسا ہے؟ اگر دانت نکالتے وقت یا بعد میں خون نکل آئے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: معالجہ کی صورت میں دانت نکلوانا جائز ہے، البتہ دانت نکالتے وقت یا ویسے منہ سے خون بہہ جائے اور نگل لیا جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

قال ابن نجیمؒ:- اذا خرج من الاسنان ودخل الحلق ان کانت الغلبة للبذاق لا یفسد صومه وان کانت للدم فسد۔ (بحر الرائق ج۲ ص۲۷۳ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد) ؎۱

قے کا بلا قصد آنا مفسدِ صوم نہیں

سوال:- روزہ دار کو اگر قے آجائے اور اس کا کچھ حصہ اندر چلا جائے تو اس کے روزے کی صحت کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- قے کا خود بخود آجانا فسادِ صوم کا سبب نہیں، البتہ اگر چنے کی مقدار یا اس سے زائد حصہ خوراک لوٹادی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا البتہ بلا قصد قے کے اندر جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قال العلامة الحصکفیؒ:- وان ذرعه القیئ وخرج) ولم یعد (لا یفطر مطلقاً) ملأ اوْلا (فان عاد) بلاصنعه (و) لو هو ملأ الفم مع تذکره للصوم (لا یفسد) قال ابن عابدینؒ: ان کان ملأ الفم واعاده اوشیئاً منه قدر الحمصة فصاعداً افطر اجماعاً لانه خارج ادخله جوفه ولوجود الصنع۔ (شامی ج۲ ص۴۱۴ کتاب الصوم۔ باب مطلب فی الکفارة) ؎۲

؎۱ قال العلامة الحصکفیؒ:- (او خرج الدم من بین اسنانه ودخل حلقه) یعنی ولم یصل الیٰ جوفه اما اذا وصل فان غلب الدم او تساویا فسد والا لا، الا اذا وجد طعمه۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوٰی تاتارخانیة ج۲ ص۳۶۹ کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد۔

؎۲ قال ابن الهمام رحمه الله:- والکل امان خرج او عاد او اعاده فان ذرعه وخرج لا یفطر قل او کثر لاطلاق ما رویناه وان عاد بنفسه وهو ذاکر للصوم ان کان ملأ الفم فسد صومه عند ابی یوسفؒ لانه خارج شرعاً حتی انتقضت به الطهارة) وقد دخل وعند محمد لا یفسد وهو الصحیح الخ

(فتح القدیر ج۲ ص۲۵۹ باب ما یوجب القضاء والکفارة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۷۴ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد۔

پانی میں غوطہ لگانا مفسدِ صوم نہیں

سوال:۔ اگر روزہ دار کسی تالاب یا حوض میں غوطہ لگائے، اس طرح اس کا روزہ کہاں تک متاثر ہوتا ہے؟

الجواب:۔ اگر منہ میں پانی داخل نہ ہو بلکہ کان میں پانی یا بدن میں برودت (ٹھنڈک) کا احساس ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ اگر پانی بدن میں داخل ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا تاہم ایسے عمل سے اجتناب مناسب ہے۔

قال عالم بن العلاءؒ:۔ ولو اغتسل۔ وفی الفتاوی العتابیۃ او خاض الماء فدخل الماء اُذُنہ لا یفسد صومہ بلاخلاف۔ (فتاوی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۶۴ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث مایفسد الصوم الخ) [۱]

روزہ کی حالت میں احتلام ہو جانے کا حکم

سوال:۔ روزہ دار کو اگر احتلام ہو جائے تو اس کے روزہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ احتلام ہو جانا ایسا عمل نہیں جو روزے کے منافی ہو، اس لیے روزہ کی حالت میں احتلام ہو جانے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال برھان الدین رحمہ اللہ:۔ فان نام فاحتلم لم یفطر لقولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم ثلث لا یفطرن الصیام القئ والحجامۃ والاحتلام۔ الخ (الھدایہ ج۱ ص۱۹۹ کتاب الصوم) [۲]

روزہ میں بیوی سے بوس وکنار کا حکم

سوال:۔ روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کس درجہ کا انتفاع شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ طرفین کے امن کی صورت میں لمس وتقبیل اور بوس وکنار میں کوئی حرج نہیں تاہم اگر فساد کا خطرہ ہو تو ایسا کرنا بھی مکروہ ہے۔

قال محمد رحمہ اللہ:۔ (و) کرہ (قبلۃ) ومس ومعانقۃ ومباشرۃ فاحشۃ

---

[۱] قال ابن نجیم المصریؒ:۔ ان خاض الماء فدخل اُذُنہ لا یفسد۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۸ باب مایفسد الصوم ومالا یفسد)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۳ باب مایفسد الصوم ومالا یفسد۔

[۲] قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ او احتلم او انزل بنظر ولو الی فرجھا مراراً او بفکر ..... لم یفطر۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب مایفسد الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۲ باب مایفسد الصوم ومالا یفسدہ۔

(ان لم یأمن) المفسد وان امن لا بأس۔ (فتاویٰ شامی ج ۲ ص ۴۱۷ کتاب الصوم مطلب فیما یکرہ للصائم) [۱]

روزہ کی حالت میں بھول کر کھانے پینے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں بھول کر روزے کے منافی کام کا ارتکاب کرے تو اس سے روزہ کی حقیقت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ روزہ تب فاسد ہوتا ہے جب روزہ کے منافی کوئی کام دیدہ دانستہ کیا جائے محض بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

قال عبد الرحمٰن الجزیریؒ:۔ اما النسیان فانہ لا یفسد الصیام اصلاً فلا یجب بہ قضاء ولا کفارۃ۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ ص ۵۶۵ باب ما یوجب القضاء ودون الکفارۃ ....الخ) [۲]

حوض میں غسل کرتے وقت خروجِ ریح مفسدِ صوم نہیں

سوال:۔ کسی تالاب میں نہاتے وقت اگر ہوا خارج ہوجائے اور استرخاء کی وجہ سے پانی اندر جانے کا احتمال پیدا ہوجائے تو کیا صرف اس احتمال کی وجہ سے روزہ پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ محض استرخاءِ مفاصل کی وجہ سے پانی کے اندر جانے کے احتمال سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تاہم مکروہ ہونے کی وجہ سے اجتناب ضروری ہے۔

قال فی الہندیۃ: ولو فساء الصائم او ضرط فی الماء لا یفسد الصوم ویکرہ لہ ذٰلک ھٰکذا فی معراج الدرایۃ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب الصوم۔ الباب الثالث فیما یکرہ للصائم) [۳]

---

[۱] ولا بأس بالقبلۃ اذا امن علی نفسہ الجماع والانزال ویکرہ ان لم یأمن۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۲۰۰ کتاب الصوم۔ الباب الثالث فیما یکرہ)

ومِثلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ۔

[۲] قال برہان الدین رحمہ اللہ: اذا اکل الصائم او شرب او جامع ناسیًا لم یفطر۔ (الہدایۃ ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب الصوم)

ومِثلُہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۰۲ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد۔ الخ

[۳] قال العلامۃ سید احمد طحطاویؒ:۔ ولا صائم سبعۃ اشیاء: (قولہ ذوق شئ) مثلہ مثلہ فساءہ او ضراطہ فی الماء۔ (طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص ۵۵۹ کتاب الصوم)

نسوار کا استعمال مفسدِ صوم ہے

سوال:۔ کیا نسوار منہ میں ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسوار استعمال کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا!

الجواب:۔ نسوار منہ میں ڈالنے سے لعاب کے ساتھ مل کر پیٹ کے اندر چلی جاتی ہے جو کہ فسادِ روزہ کا ذریعہ ہے بلکہ نسوار کے عادی لوگ تو اس کو غذا کا نعم البدل سمجھتے ہیں، اسلئے نسوار منہ میں ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ:۔ اختلفوا فی معنی التغذی قال بعضھم ان یمیل الطبع الی اکله وتنقضی شهوة البطن به وقال بعضهم هو ما یعود نفعه الی صلاح البدن وفائدته فیما اذا مضغ لقمة ثم اخرجها ثم ابتلعها۔ فصل الثانی یکفر لا علی الاول وبالعکس فی الحشیشة لانه لا نفع فیها للبدن وربما تنقص عقله ویمیل الیها الطبع وتنقضی بها شهوة البطن۔

(رد المحتار ج۲ ص۴۱۱ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم) [1]

بندوق کی گولی مفسدِ صوم ہے

سوال:۔ بندوق کی گولی پیٹ میں لگنے سے روزہ پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ بندوق کی گولی اگر پیٹ میں لگ کر باہر نکل جائے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ اگر گولی پیٹ میں ہی رہ جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

قال العلامة شمس الدینؒ:۔ ولو طعن برمح حتی وصل الی جوفه لم یفطره کان کون الزج بید الطاعن من یمنع وصوله الی باطنه حکماً فان بقی الزج فی جوفه فسد صومه (المبسوط للسرخسی ج۳ ص۹۸) [2]

---

[1] قال شیخ الاسلام ابی بکر بن علیؒ: قوله ومن ابتلع الحصاة او الحدید افطر ولا کفارة علیه ذکره بلفظ الابتلاع لان المضغ لا یتأتی فیه وانما افطر لوجود صورة الفطر ولا کفارة علیه لعدم المعنی وهو قضاء شهوة البطن ۔ (الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۷۱ فصل فیما یفسد الصوم)

ومثله فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۳۶۱ باب فی بیان ما لا یفسد الصوم۔

[2] قال طاهر بن احمد بن عبد الرشیدؒ:۔ ولو طعن برمح فوصل الی جوفه ثم نزاعه لا تفسد صومه ولو بقی الرمح فی جوفه اختلف المشائخ والصحیح انه لا یفسد صومه هذا فی نسخة الامام فخر الدین وفی التجرید یفسد۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۵۳ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد الصوم)

ومثله فی فتح القدیر ج۲ ص۲۶۶ باب ما یوجب القضاء والکفارة۔

رِحم میں دوائی رکھنا مفسدِ صوم ہے

سوال:۔ اگر عورت کسی بیماری کی وجہ سے رحم میں بطورِ علاج دوائی رکھے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ علاج کے طور پر رحم میں دوائی رکھنا جائز ہے بشرطیکہ کسی دوسرے طریقہ سے علاج ممکن نہ ہو، تاہم جب دوائی روزہ کی حالت میں اندر رکھی جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا ، البتہ فرج کے بیرونی حصہ پر دوائی لگانا فسادِ صوم کا ذریعہ نہیں۔

قال طاهر بن احمدؒ :۔ وتكلم المشائخ في الافطار في اقبال النساء ، منهم من قال على الخلاف ومنهم من قال تفسد بلا خوف وهو الصحيح۔ (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۵۳ كتاب الصوم الفصل الثالث فيما يفسد الصوم) [1]

روزہ دار کیلئے ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا

سوال:۔ روزہ دار کے لیے ٹوتھ پیسٹ کا استعمال جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ ٹوتھ پیسٹ میں معجون کا ذائقہ چکھا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات دوائی کا حلق سے نیچے اُترنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اس لئے روزہ کی حالت میں اس کا استعمال مکروہ ہے اور اگر حلق سے اندر چلا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

قال قاضی خانؒ :۔ وكذا اذا ذاقت شيئاً بلسانها لان فيه تعريض الصوم للفساد۔ (فتاوى قاضى خان ج۱ ص۹۷ الفصل الرابع فيما يكره للصائم وما لا يكره) [2]

بدنظری سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر روزہ کی حالت میں نظر بے جا استعمال ہو تو اس سے

---

[1] قال عالم بن العلاءؒ :۔ وتكلم المشائخ في الافطار في اقبال النساء منهم من قال هو على هٰذا الاختلاف ، ومنهم من قال : يفسد الصوم بلا خلاف كالحقنة وهو الصحيح۔
(فتاوى تاتارخانية ج۲ ص۳۶۵ كتاب الصوم الفصل الرابع ما يفسد الخ)
وَمِثْلُهُ فى الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۴۲ باب ما يفسد الصوم۔

[2] قال ابن الهمامؒ :۔ (قوله لما بينا) من انه تعريض للصوم على الفساد اذ قد يسبق شئ منه الى الحلق فان من حام حول الحمى يوشك ان يقع فيه ۔
(فتح القدير ج۲ ص۲۶۸ باب ما يوجب القضاء والكفارة)
وَمِثْلُهُ فى البحر الرائق ج۲ ص۲۸۰ باب ما يفسد وما لا يفسد۔

روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے۔

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں نظر کی حفاظت بھی ایک ضروری امر ہے، نظر میں بے احتیاطی سے روزہ کی حقیقت لازمی طور پر متاثر ہوتی ہے لیکن اس سے فسادِ صوم لازم نہیں آتا۔

قال ابن نجیمؒ: لان عینہ لیس بمفطر۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۷۲ باب مایفسد الصوم ومالا یفسدہ)[۱]

دانتوں سے خون آنا مفسدِ صوم نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے دانتوں سے ہر وقت خون آتا رہتا ہے تو کیا اس سے میرے روزوں پر کچھ اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ دانتوں سے صرف خون کا نکل آنا مفسدِ صوم نہیں بلکہ اس میں قدرِ تفصیل ہے کہ اگر خون قلیل مقدار میں ہو اور تھوک خون پر غالب ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا تاہم اگر خون کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اسی طرح اگر خون تھوک پر غالب ہو یا مساوی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا مگر صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

وفی الھندیۃ: الدم اذا خرج من الاسنان ودخل حلقہ ان کانت الغلبۃ للبزاق لایضرہ وان کانت للغلبۃ للدم یفسد صومہ وان کان سواء افسد ایضاً استحساناً۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۰۳ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد ومالا یفسد)[۲]

---

[۱] قال العلامۃ فخر الدینؒ:۔ واما اذا نزل بنظر فلعدم المباشر: ولنا ان النظر مقصور علیہ متصل بہا فصار کالانزال بالتفکر۔ (تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۳ باب ما یفسد الصوم ومالا یفسدہ)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۵۸ باب مایوجب القضاء والکفارۃ۔

[۲] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: او خرج الدم من بین اسنانہ ودخل حلقہ یعنی ولم یصل الی جوفہ اما اذا وصل فان غلب الدم او تساویا فسد والا لا الا اذا وجد طعمہ بزازیۃ۔

{ الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۹۶
کتاب الصوم۔ باب مایفسد الصوم ومالا یفسدہ }

وَمِثْلُہٗ فی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۴ ص۹۸ کتاب الصوم، الثالث فیما یفسد ومالا یفسدہ۔

اِنہیلر کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! عصرِ حاضر میں طب کے میدان میں کافی ترقی ہوئی ہے، خاص کر دَمہ جیسی خطرناک بیماری کے علاج میں اِنہیلر (ایک خاص قسم کی گیس) کامیاب ایجاد ہے جسے دَمہ کے مریض بوقتِ ضرورت سانس کی رکاوٹ ختم کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ تو کیا اس کا استعمال روزے پر اثر انداز ہوتا ہے یا نہیں؟ وضاحت سے بیان فرمائیں؟

الجواب:۔ مذکورہ اِنہیلر پمپ کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر روزہ کی حالت میں انتہائی مجبوری کے وقت اس کو استعمال کیا گیا تو رمضان کے بعد اس روزے کی صرف قضا کرنا ہوگی کفارہ نہیں۔ تاہم اگر مریض کی حالت ایسی ہو کہ اس کے بغیر اس کا گذارہ نہ ہوتا ہو تو وہ روزہ نہ رکھے صرف فدیہ دینا ہوگا۔

حالتِ صوم میں آنکھوں میں دوائی ڈالنا

سوال:۔ اگر کسی کی آنکھوں میں بہت سخت تکلیف ہو تو کیا وہ روزہ کی حالت میں دوائی استعمال کرسکتا ہے؟ جبکہ دوائی ڈالنے کے بعد اس کا اثر حلق میں محسوس ہوتا ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے حالتِ اضطرار یعنی انتہائی تکلیف کے وقت رمضان کا روزہ افطار کرنے کی گنجائش بھی دی ہے کہ حاذق اور مسلمان طبیب کے مشورہ سے روزہ توڑ دیا جائے، البتہ آنکھوں میں دوائی ڈالنے سے روزہ متاثر نہیں ہوتا، اس لیے اگر تکلیف کے وقت روزہ کی حالت میں آنکھوں میں دوائی ڈالنا جائز ہے، اس عمل سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگرچہ اس دوائی کا اثر حلق کے اندر محسوس ہو۔

لما فی الهندیة: لو اقطر شیئًا من الدواء فی عینیه لایفطر صومه عندنا وان وجد طعمه فی حلقه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۰۳ کتاب الصوم، باب مالایفسد الصوم)[1]

---

[1] لما قال العلامة الحصکفیؒ: او ادهن او اکتحل او ..... وان وجد طعمه فی ..... لم یفطر حلقه۔ قال ابن عابدینؒ: قوله ان وجد طعمه فی حلقه ای طعم الکحل او الدهن کما فی السراج وکذا لو بزق فوجد لونه فی الاصح۔
(رد المحتار ج۲ ص۳۹۵ کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم الخ)

روزہ کی حالت میں بار بار غسل کرنے یا سر دھونے کا حکم

سوال:۔ اگر رمضان کے روزے سخت گرمی کے موسم میں آجائیں تو کیا روزہ دار آدمی گرمی کی شدت کی وجہ سے بار بار غسل کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شدتِ حرارت (سخت گرمی) کی وجہ سے حالتِ صوم میں بار بار غسل کرنا یا بار بار سر دھونا بشرطیکہ پانی کے قطرات حلق میں نہ جائیں، جائز اور مرخص ہے، ایسا کرنے سے روزے پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا۔

عن بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر الناس فی سفرہ عام الفتح بالفطر وقال تقووا لعدوکم وصام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوبکر قال الذی حدثنی لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالعرج یصب علیٰ رأسہ الماء وھو صائم من العطش او من الحر۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۲ باب الصائم یصب علیہ الماء من العطش، کتاب الصوم)

روزہ کی حالت میں بیوی سے بغلگیر ہونا

سوال:۔ اگر کوئی شخص رمضان کے مہینے میں روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کے ساتھ بغلگیر ہو کر سو جائے اور دونوں میں سے کسی کو انزال نہ ہو تو کیا اس سے روزہ متاثر ہوگا یا نہیں؟ برائے مہربانی فقہ حنفی کی رُو سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا، ایک دوسرے کے ساتھ چمٹنا یا بغلگیر ہو کر سو جانا ممنوع نہیں بشرطیکہ اپنے اوپر پوری قدرت ہو اور اگر قدرت نہ ہو تو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تاکہ کسی محظور میں نہ پڑ جائے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر میاں بیوی دونوں میں سے کسی کا انزال نہ ہوا ہو تو روزہ فاسد نہیں، البتہ دونوں میں سے جس کا بھی انزال ہو جائے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر اس روزہ کی قضاء لازم ہوگی۔

لما قال العلامۃ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ۔ یا زن را بوسہ کرد یا مس بشہوت کرد اگر انزال شد روزہ فاسد شود و الا فاسد نہ شود۔

(مالا بد منہ ص ۹۷ کتاب الصوم)

باب القضاء والکفارۃ

(قضاء اور کفّارہ کے احکام و مسائل)

سفر پر روانگی سے پہلے افطار کرنے والے کا حکم

سوال:۔ کیا سفر کا ارادہ کرنے والے کے لیے روانگی سے پہلے گھر میں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی شخص نے ایسی حالت میں گھر میں کچھ کھا پی لیا تو اس پر قضاء لازم ہے یا کفارہ واجب ہے؟

الجواب:۔ سفر پر نکلنے سے قبل افطار مرخص نہ ہونے کی وجہ سے اگر کسی شخص نے گھر میں کھانا کھایا اور پھر سفر پر روانہ ہوا تو اس پر کفارہ اور قضاء دونوں واجب ہیں، سفر کا ارادہ کفارہ پر اثر انداز نہیں ہوتا، تاہم اگر خروج کے بعد روزہ افطار کیا تو صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

لما قال الشیخ ابو اللیث السمرقندیؒ:۔ ولو افطر ثم سافر فعلیہ الکفارۃ۔

(فتاوٰی نوازل ص۹۹ کتاب الصوم۔ فصل فیما یفسد الصوم) ؎۱

قصداً روزہ نہ رکھنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص رمضان المبارک کی عظمت اور تقدس میں شک ڈال کر قصداً و عمداً روزہ نہ رکھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ رمضان المبارک کے روزہ کو قصداً و عمداً توڑنے سے قضاء و کفارہ دونوں لازم ہو جاتے ہیں۔ شریعتِ مقدسہ نے کفارہ میں اوّلاً غلام آزاد کرنا مقرر کیا ہے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو مہینے مسلسل روزے رکھے اور اگر روزوں کی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مساکین کو دو وقت کا کھانا کھلائے یا صدقہ کی مقدار کے برابر ہر مسکین کو غلّہ یا رقم دے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ قضاء کا روزہ اس کے علاوہ ہے جس کا رکھنا تینوں صورتوں میں ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ولو اکل او شرب ما یتغذی بہ او یتداوی

؎۱ لما قال العلامۃ محمد کامل الطرابلسیؒ:۔ ان سافر بعد طلوع الفجر لا یفطر ذلک الیوم لانہ لزمہ صومہ وھو مقیم فلا یبطلہ باختیارہ فان افطر قبل الخروج فعلیہ القضاء والکفارۃ بخلاف ما لو افطر بعد الخروج فعلیہ القضاء دون الکفارۃ۔ (الفتاوٰی الکاملیۃ ص۱۶ کتاب الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی فتاوٰی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۵ کتاب الصوم۔ الاسباب المبیحۃ للفطر۔

به فعلیه القضاء والکفارة .... وکفارة الظهار۔ قال العلامة بدر الدین العینیؒ: تحت قوله مثل کفارة الظهار ای الکفارة التی تجب بالوقاع مثل کفارة الظهار وهی عتق رقبة فان لم یجد فصیام شهرین متتابعین فان لم یستطع فاطعام ستین مسکیناً لکل مسکین نصف صاع من بر او صاع من تمر۔الخ (البنایة شرح الهدایة ج۴ ص۳۰۸ باب ماتوجب القضاء والکفارة) لہ

رمضان میں دن کے وقت بیوی سے جماع موجب کفارہ وقضاء ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص ماہ رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے روزہ کی حالت میں جماع کرے اور اس عمل پر نادم بھی ہو تو اس کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا عورت پر بھی کفارہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمضان المبارک کے مقدّس مہینے میں دن کے وقت جماع کرنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے جس کے بدلے میں قضاء وکفارہ دونوں لازم ہیں، ایسے عمل پر اگر میاں بیوی دونوں راضی ہوں تو دونوں پر کفّارہ وقضاء واجب ہے ورنہ بیوی کو مجبور کرنے کی صورت میں بیوی پر صرف قضاء اور خاوند پر قضاء وکفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

قال طاهر بن احمدؒ:۔ اذا جامع امرأته متعمّداً فی نهار رمضان فعلیه القضاء والکفارة اذا توارت الحشفة انزل اولم انزل۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۲۵۹ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد۔ الخ) ؎۲

لہ لما قال العلامة التمرتاشیؒ:۔ ان جامع فی رمضان اداء او جومع فی احد السبیلین او اکل او شرب غذاء او دواء عمداً او احتجم فظن فطره به فاکل عمداً اقضی وکفر ککفارة المظاهر۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قوله ککفارة المظاهر مرتبط بقوله وکفر ای مثلها فی الترتیب فیعتق اوّلاً فان لم یجد صام شهرین متتابعین فان لم یستطع اطعم ستّین مسکیناً۔
(رد المحتار ج ۲ ص۴۱۲ مطلب فی الکفّارة)

وَمِثْلُهٗ فی طحطاوی ص۳۶۶ فصل فی الکفّارة ومایسقطها عن الذمه بعد الوجوب)

؎۲ قال برهان الدینؒ:۔ ومن جامع فی احد السبیلین عامداً فعلیه القضاء استدراکاً للمصلحة الفائتة والکفّارة لتکامل الجنایة۔ (الهدایة ج ۱ ص۲۰۱ کتاب الصوم)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۹۱ کتاب الصوم فصل رکنه۔

کفارہ سے بچنے کا حیلہ

سوال:۔ ایک شخص نے خواہشات سے مجبور ہو کر بیوی سے جماع کا ارادہ کیا لیکن رمضان میں کفارہ کے وجوب کا ڈر بھی تھا، کفارہ سے بچنے کے لیے اس نے یہ حیلہ سوچا کہ پہلے منہ میں کاغذ رکھوں تاکہ روزہ ٹوٹ جائے، چنانچہ روزہ ٹوٹ جانے کے بعد اس نے بیوی سے جماع کیا، کیا اس شخص پر اس صورت میں کفارہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کاغذ منہ میں رکھ کر نگل لیا ہو تو حیلہ کارآمد ہو کر روزہ ٹوٹ جانے سے قضاء واجب ہے اور جماع کرنے پر کفارہ واجب نہیں کیونکہ جماع کے وقت اس کا روزہ نہیں تھا تاہم گناہ ضرور ہے، البتہ اگر کاغذ منہ میں رکھا ہوا ہو حلق سے نیچے نہیں اترا ہو تو پھر حیلہ بے سود ہو کر قضاء و کفارہ دونوں واجب رہیں گے، کیونکہ صرف منہ میں کاغذ رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قال طاهر بن احمدؒ:۔ ولو اكل حصاة او نواة او حجرا او مدرا فعليه القضاء ولا كفارة وكذا لو اكل القطن او الحشيش او التراب او الكاغذ او السفرجل اذا لم يكن مدركا۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج۱ ص۲۵۵ كتاب الصوم الفصل الثالث فيما يفسد)[1]

روزہ کی حالت میں منجن کے استعمال کا حکم

سوال:۔ منجن کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ منجن کا استعمال روزہ کی حالت میں کسی چیز کو چکھنے کی طرح سے مکروہ ہے تاہم اگر عادتاً معدہ میں پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: او ذاق شيئا بفمه وان كره لم يفطر۔ قال ابن عابدينؒ تحت قوله ان كره اى الا لعذر كما يأتى۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۹۶ باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده مطلب فى حكم الاستمناء بالكف)

قال الحصكفيؒ:۔ وكره مضغ علك ابيض ممضوغ ملتئم والا فيفطر۔

قال ابن عابدينؒ تحته: فان كان مما يصل عادة حكم بالفساد لانه

---

[1] لما قال قاضى خان رحمه الله:۔ اذا اكل الصائم ما لا يؤكل عادة كالحصاة والنواة وكالقطن والحشيش والتراب والكاغذ والبزاق...... فسد صومه۔ (فتاوىٰ قاضى خان ج۱ ص۱۰۲ باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد)

ومثله فى الهندية ج۱ ص۲۰۲ الباب الرابع فيما يفسد۔ كتاب الصوم۔

کالمتیقن۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۴۱۶ مطلب فیما یکرہ للصائم)[1]

ناس کا روزہ پر اثر انداز ہونے کا حکم

سوال:۔ ناس کے سونگھنے سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے، اور ناس کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب:۔ ناس ہندی زبان کا لفظ ہے، فیروز اللغات میں اس کا معنیٰ نسوار لکھا ہے اور اس کا استعمال ناک کے ذریعے ہوتا ہے۔ چونکہ اس نسوار کے ذرات اتنے باریک ہوتے ہیں کہ سانس کے ذریعے جوفِ دماغ یا جوفِ معدہ میں پہنچ جاتے ہیں جو کہ مُفسدِ صوم ہے لہٰذا ناس سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

لما قال فی الھندیۃ:۔ وفی دواء الجائفۃ والآمۃ اکثر المشائخ علی ان العبرۃ للوصول الی الجوف والدماغ لا لکونہ رطبًا او یابسًا حتی اذا علم ان الیابس وصل یفسد صومہ ولو علم ان الرطب لم یصل لم یفسد۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۰۴ الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد)[2]

دھوئیں اور غبار کے روزے پر اثرات

سوال:۔ دھواں اور گرد و غبار اگر حلق کے اندر چلا جائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ دھواں یا گرد و غبار اگر حلق کے اندر بلا قصد چلا جائے تو روزہ متاثر نہیں

---

[1] لما قال الامام برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ومن ذاق شیئًا بفمہ لم یفطر لعدم الفطر صورۃ و معنیً ویکرہ لہ ذٰلک لما فیہ من تعریض الصوم علی الفساد۔ قال العلامۃ بدر الدین العینیؒ: تحت قولہ من تعریض الصوم علی الفساد لانہ لا یؤمن ان یصل الی جوفہ ......

قال ایضًا تحت قولہ ومضغ العلک لا یفطر الصائم لانہ لا یصل الی جوفہ وقیل اذا لم یکن ملتئمًا یفسد لانہ یصل الیہ) ای الی جوفہ بعض اجزائہ) لانہ اذا لم یکن ملتئمًا یتفتت فیدخل فی حلقہ من ذٰلک شیٔ فیفسد صومہ۔ (البنایۃ شرح الھدایۃ ج ۴ ص۱۸۰،۱۸۱ باب ما یوجب القضاء والکفارۃ)

ومثلہٗ فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص۱۴۱ کتاب الصوم۔

[2] لما قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ:۔ وما وصل الی جوف الرأس والبطن من الاذن والانف والدبر فھو مفطر بالاجماع وفیہ القضاء۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۲۵۳ الفصل الثالث فیما یفسد الصوم وفیما لا یفسد)

ومثلہٗ فی امداد المفتیین ج ۱ ص۴۹۲ المعروف بفتاویٰ دارالعلوم دیوبند)

ہونا البتہ اگر قصداً وعمداً ادخال کی صورت ہو تو روزہ فاسد ہو کر قضاء کا موجب بن جاتا ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ او دخل حلقه غبار او ذباب او دخان ولو ذاكراً استحساناً لعدم امكان التحرز عنه ومفاده انه لو ادخل حلقه الدخان افطر اى دخان كان ولو عوداً اوعنبراً لو ذاكراً لامكان التحرز عنه۔ (الدرالمختار ج۲ ص۳۹۵ باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده)[۱]

روزہ رکھنے کی طاقت کے باوجود فدیہ دینا بے سُود ہے

سوال:۔ کفارہ کے وجوب کی صورت میں اگر روزہ کی استطاعت ہو تو کیا فدیہ کی ادائیگی مفید ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ روزہ رکھنے کی استطاعت کے باوجود فدیہ دینا بے سُود ہے، ایسی حالت میں روزہ رکھنا ضروری ہے تاہم اگر روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو فدیہ دینا جائز ہے۔

لما قال العلامة بدرالدين العينیؒ: والكفارة مثل كفارة الظهار اى الكفارة التى تجب بالوقاع مثل كفارة الظهار وهى عتق رقبة فان لم يجد فصيام شهرين متتابعين فان لم يستطع فاطعام ستين مسكيناً الخ۔ (البناية شرح الهداية ج۴ ص۳۰۸ باب ما يوجب القضاء والكفارة)[۲]

جبراً روزہ افطار کرانے پر قضاء لازم ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص پر جبر کر کے روزہ افطار کرایا جائے تو کیا اُس پر کفّارہ لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی نے زبردستی کر کے دوسرے کا روزہ افطار کرایا تو کھانے پینے والے پر

---

[۱] لما قال العلامة عبدالعلی البحرالعلوم:۔ ولو دخل مالا يستطاع الاحتراز عنه فی الجوف بلاصنع منه كالدخان والغبار لا يضر الصوم لان التكليف بحسب الوسع واما لو ادخل الدخان كما يعتاد اليوم فی اكثر الناس فينبغی ان يفسد به الصوم خصوصاً دخان التنباك لانه يورث الفرح وتحصل التسكين للمعتادين ودخول الذباب فی الحلق من قبيل الدخان عندنا۔ (رسائل الاركان ص۲۱۱ بيان دخول الدخان لغبار فی الجوف)
ومثله فی حاشية الهداية ج۱ ص۲۰۰ باب ما يوجب القضاء والكفارة۔

[۲] لما قال العلامة ابن عابدينؒ:۔ تحت قوله ككفارة المظاهر مرتبط بقوله وكفر اى مثلها فی الترتيب فيعتق اولاً فان لم يجد فصام شهرين متتابعين فان لم يستطع اطعم ستين مسكيناً۔ الخ
(ردالمحتار ج۲ ص۴۱۲ مطلب فی الكفارة)
ومثله فی طحطاوی ص۳۶۶ فصل فی الكفارة وما يسقطها عن الذمة بعد الوجوب۔

کفارہ واجب نہیں البتہ اسی دن کی قضاء لازم ہوگی۔

قال شمس الدین سرخسیؒ:۔ ولو اکرہ علی اکل وشرب فعلیہ القضاء دون الکفارہ۔
(مبسوط سرخسی ج۳ ص۹۸ باب مایفسد الصوم) لہ

غروبِ آفتاب سے قبل افطار موجبِ قضاء ہے

سوال:۔ ایک شخص نے غروبِ آفتاب کے وقت عید کا چاند دیکھ کر یہ خیال کیا کہ آج عید کا دن ہے اور یہ چاند دوسری رات کا ہے اس لیے آج ہمارا روزہ جائز نہیں، پھر اس نے فوراً روزہ توڑ کر دوسروں کو بھی افطار کرنے کی دعوت دی، تو ایسے شخص کے روزہ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس پر صرف قضاء واجب ہے یا کفارہ یا دونوں؟

الجواب:۔ روزہ اور عید کا دارومدار باقاعدہ چاند کی رؤیت پر ہے، حساب و کتاب کی روشنی میں عید منانا از روئے شرع مرخص نہیں۔ صورتِ مذکورہ میں محض چاند کی کمیت و کیفیت سے روزہ توڑنا مناسب نہیں، اگر پہلے دن کی باقاعدہ رؤیت نہ ہو تو اس شخص پر قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں۔

قال طاہر بن احمد رحمہ اللہ:۔ ولو افطروا اکثر رایہ ان الشمس لم تغرب فعلیہ القضاء والکفارۃ لان النہار کان ثابتاً وقد انضم الیہ اکبر رایہ فصار بمنزلۃ الیقین۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۵۶ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد۔ الخ) ۲ے

بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص ضعف و بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو کیا

لہ قال برہان الدین رحمہ اللہ:۔ ولو کان مخطیاً او مکرھا فعلیہ القضاء۔
(الھدایۃ ج۱ ص۱۹۹ کتاب الصوم، باب ما یوجب القضاء والکفارۃ)
وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۵۵ کتاب الصوم۔

۲ے قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ:۔ (الفجر طالع والشمس لم تغرب) عملاً بالاصل فیھما۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ: ای فی الاول والثانی فان الاصل فی الاول بقاء اللیل، فلا تجب الکفارۃ وفی الثانی بقاء النہار فتجب علی احد الروایتین کما علمت۔
(شامی ج۲ ص۴۰۵ کتاب الصوم۔ باب مایفسد الصوم)
وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۱ ص۲۲۵ باب مایفسد الصوم۔

فدیہ دے کر اس کا ذمہ فارغ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا شخص جو ضعف و پیرانہ سالی کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کے لیے روزہ کی جگہ فدیہ ادا کرنا جائز ہے جو کہ ایک روزہ کے بدلہ نصف صاع یعنی ایک سو چالیس تولہ گندم یا اس کی مروجہ قیمت کی ادائیگی ہے۔

قال عبدالرحمٰن جزریؒ:۔ الشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصوم فی جمیع فصول السنۃ یفطر و تجب من کل یوم فدیۃ طعام مسکین۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج۱ ص۵۷۶ کتاب الصوم)[۱]

میت کے ذمہ روزوں کا حکم

سوال:۔ اگر بیمار کو بیماری سے شفاء ملنے کے بعد اتنا وقت ملا ہو کہ اس میں وہ قضاء روزے رکھ سکتا تھا لیکن سستی کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکا اور اچانک وفات پا گیا، ایسی صورت میں پسماندگان و ورثاء کے لیے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ مذکورہ صورت کے مطابق اگر روزے رکھنے کا موقع نہ ملے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ورثاء پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، البتہ اگر موقع ملا ہو اور قدرت کے باوجود روزے نہ رکھے تو عِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَر ملنے کی وجہ سے روزے واجب رہیں گے۔ اگر مرتے وقت وصیت کی ہو تو ورثاء کو ثلث مال سے وصیت کے مطابق عمل کرکے فدیہ ادا کرنا ضروری ہے، وصیت نہ کرنے پر میت گنہگار ہے، تاہم تبرع اور احسان کرکے ورثاء بلا وصیت بھی فدیہ ادا کر سکتے ہیں۔

قال محمد بن اسرائیلؒ:۔ لو افطر لمریض یقضی بلا فدیۃ ولو مات قبل البرء لا شی علیہ اذ لم یدرک عِدَّۃً من ایام اُخر وعلیہ ان یوصی بفدیۃ مکان کل یوم نصف صاع من بر او فیما یجوز فی صدقۃ الفطر بمرد النص فیہ ویعتبر ذلک من ثلث مالہ ولو لم یوص وتبرع عنہ ورثتہ جاز ولا یلزمہم بلا ایصاء عندنا (جامع الفصولین ج۲ ص۱۶۸ کتاب الصوم)[۲]

---

[۱] قال فی الہندیۃ:۔ فالشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصیام یفطر و یطعم لکل یوم مسکیناً کما یطعم فی الکفارۃ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۰۷ کتاب الصوم۔ الباب الخامس فی الاعذار التی تبیح الافطار)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۱۰۵ کتاب الصوم۔ فصل فی حکم الصوم المؤقت۔

[۲] قال ابن نجیمؒ:۔ ولا قضاء ان ماتا علیہما ای ولا قضاء علی المریض والمسافر اذا ماتا قبل الصحۃ والاقامۃ لانہما لم یدرکا عدۃ من ایام اُخر فلم یوجد شرط وجوب الاداء فلم یلزم القضاء قید بہ لانہ لو صح المریض او اقام المسافر ولم یقض حتی مات لزمہ الایصاء بقدرہ وھو مصرح بہ فی بعض نسخ المتن لوجود الادراک بھذا المقدار۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۸۳ فصل فی العوارض)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۶۲ کتاب الصوم۔ الفصل الرابع النذر۔

روزہ کی حالت میں دانت میں دوائی ڈالنا

سوال:۔ شدتِ درد کی وجہ سے اگر دانتوں میں دوائی ڈالی گئی یا دانت نکلوانے کے بعد تکلیف ناقابلِ برداشت ہو تو روزہ افطار کیا جا سکتا ہے یا نہیں، اور کیا اس روزے کی قضاء واجب ہوگی یا کفارہ؟

الجواب:۔ دانت کا درد اگر برداشت سے باہر ہو تو ایسی حالت میں دوا استعمال کرلینا جائز ہے اور اس کے لیے روزہ افطار کرنا مرخص ہے جس کی وجہ سے قضاء واجب ہے کفارہ نہیں۔

قال قاضی خانؒ:۔ لا فرق بین الرطب والیابس اذا وصل الجوف فسد صومہ وان لم یصل لا یفسد وذکر فی الاصل انہ یفسد الصوم مطلقاً بناءً علی الغالب والغالب ھو الوصول الی الجوف وذکر الشرط فی تفسیر المجدد۔ (فتاوٰی قاضی خان ج۱ ص۲۰۲ الفصل الخامس فیما لا یفسد الصوم) [۱]

شرمگاہ میں انگلی داخل کرنے سے روزہ کا حکم

سوال:۔ اگر عورت اپنی قبل میں یا مرد اپنی دبر میں انگلی داخل کرے تو کیا اس سے روزہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر انگلی داخل کرتے وقت خشک ہو تو روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ تیل یا پانی سے اگر تر کرکے داخل کیا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں تاہم اس سے اجتناب ہر حالت میں ضروری ہے۔

قال فخر الدین الزیلعیؒ:۔ لو ادخلت الصائمۃ اصبعھا فی فرجھا او دبرھا لا یفسد علی المختار الا ان تکون مبلولۃ بماء او دھن۔ (تبیین الحقائق ج۱ ص۳۳۰ باب ما یفسد الصوم) [۲]

---

[۱] قال عالم بن العلاءؒ:۔ ان فعل ذٰلک بہ من غیر اختیارہ او باختیارہ لان بہ عذراً لا تلزمہ الکفارۃ۔ (فتاوٰی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۶۵ کتاب الصوم۔ الفصل الرابع فیما یفسد الخ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۸۲ فصل فی العوارض۔

[۲] قال العلامۃ الحصکفیؒ: (او ادخل اصبعہ الیابسۃ فیہ) ای دبرہ او فرجھا ولو مبتلۃ فسد۔ (شامی ج۲ ص۳۹۷ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوٰی ج۱ ص۲۶ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد الخ

عورت کے لیے کفّارہ کا طریقہ

سوال:۔ اگر عورت کو روزے کا کفارہ ادا کرنے کے دوران حیض آجائے تو کیا وہ دوبارہ از سرِ نو روزے رکھے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ ادائے کفّارہ کے دوران اگر عورت کو حیض آجائے تو اس کے غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے روزوں کی توالی (پے درپے) پر کوئی اثر نہیں پڑتا تاہم حیض کے ختم ہوتے ہی فوراً روزہ رکھا جائے گا تاخیر کی صورت میں استیناف لازم ہوگا۔

قال العلامة شمس الدین سرخسیؒ:۔ فان کانت امرأۃ فافطرت فیما بین ذٰلک للحیض لم یکن علیها استقبالہ۔ (مبسوط سرخسی ج۳ ص۸۱ کتاب الصوم) ؎۱

کفّارہ میں تداخل ممکن ہے

سوال:۔ ماہِ رمضان میں متعدد بار روزہ افطار کرنے یا پھر متعدد ماہِ رمضان میں کئی مرتبہ جماع یا افطار کرکے ان میں تداخلِ کفّارہ ممکن ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تداخلِ کفّارہ کے بارے میں فقہاء کرام کے متعدد اقوال ہیں، ظاہر الروایت اور محتاط قول یہ ہے کہ ہر روزے کا الگ الگ کفارہ ادا کیا جائے، تاہم اکثر فقہاء کرام نے تداخل کفّارہ کی صورت اختیار کی ہے اس لیے کفّارہ میں تداخل مرخص ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ ولو تکرر فطرہ ولم یکفر للاول یکفیه واحدۃ ولو فی رمضانین عند محمدؒ وعلیه الاعتماد بزازیة ومجتبیٰ وغیرهما واختار بعضهم للفتویٰ ان الفطر بغیر الجماع تداخل والا لا۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۴۱۳ کتاب الصوم۔ مطلب فی الکفارۃ) ؎۲

؎۱ قال ابن نجیمؒ: وکذا فی کفارۃ القتل والظهار للنص علی التتابع لا لعذر الحیض لانها لا تجد شهرین عادۃ لا تحیض فیهما لکنها اذا طهرت تصل بما مضیٰ فان لم تصل استقبلت۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۷ باب ما یفسد الصوم۔۔۔ الخ)

وَمِثْلُهٗ فی فتاویٰ قاضی خان ج۱ ص۱۰۶ الفصل الخامس فیما یفسد الصوم۔

؎۲ قال ابن نجیمؒ:۔ ولو جامع مراراً فی ایام من رمضان واحد ولم یکفر کان علیه کفّارۃ واحدۃ لانها شرعت للزجر وهو یحصل بواحدۃ فلو جامع وکفر ثم جامع مرۃ اخریٰ فعلیه کفارۃ اخریٰ فی ظاهر الروایة للعلم بان الزجر لم یحصل بالاول ولو جامع فی رمضانین فعلیه کفارتان وان لم یکفر للاولیٰ فی ظاهر الروایة وهو الصحیح۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۷ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۱۰۱ کتاب الصوم۔ فصل فی حکم فساد الصوم۔

روزہ کی حالت میں جماع مع حائل کا حکم

سوال:۔ رمضان میں اگر بیوی سے جماع کرتے وقت کوئی چیز حائل ہو تو کیا اس سے کفارہ ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی چیز کے حائل ہونے کے باوجود حرارت اور لذت محسوس ہو تو جماع بلا حائل اور مع حائل دونوں کا حکم ایک ہے، قضاء و کفّارہ دونوں واجب ہوں گے، تاہم بصورتِ حائل اگر حرارت محسوس نہ ہو تو صرف قضاء واجب ہوگی۔

قال ابن نجیمؒ:۔ کذا فی المعراج والمراد باللمس اللمس بلا حائل فان مسها وراء الثیاب فامنٰی فان وجد حرارۃ جلدھا فسد والا فلا۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۲، ۲۷۳ باب ما یفسد وما لا یفسد)[۱]

اغلام (لواطت) موجب کفّارہ و قضاء ہے

سوال:۔ کیا لواطت جیسا قبیح کام کرنے سے کفّارہ واجب ہوتا ہے یا صرف قضاء کافی ہے؟

الجواب:۔ قضاءِ شہوت کا محل مشتہات ہونا ضروری ہے جو احد السبیلین ہے، ایسی جگہوں کو جب بھی روزہ کی حالت میں استعمال کیا جائے تو کفّارہ و قضاء دونوں واجب ہو جاتے ہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دونوں لازم ہیں۔

قال العلامۃ فخر الدین الزیلعیؒ: وقولہ او جومع نص علٰی انھا تجب علی المفعول بہ وعلی المرأۃ ان کان بطوعھا۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۲۷ باب ما یفسد الصوم)[۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ قولہ ولو بحائل لا یمنع الحرارۃ) نقیض ما بعد لو وھو عدم الحائل المذکور اولٰی بالحکم وھو وجوب القضاء لکن لا تظھر الاولویۃ بالنظر الٰی عدم الکفّارۃ مع ان الکلام فیما یوجب القضاء دون الکفّارۃ وقید الحائل بکونہ لا یمنع الحرارۃ لما فی البحر لو مسھا وراء الثیاب فامنٰی فان وجد حرارۃ جلدھا فسد والا فلا۔

(شامی ج ۲ ص ۴۰۴ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

ومِثلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۰۴ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد الصوم۔ الخ

[۲] قال العلامۃ قاضیخانؒ: وان جامعھا فی دبرھا او جامع امتہ فی دبرھا متعمّدًا علیہ القضاءُ والکفّارۃ انزل او لم انزل۔ (فتاوٰی قاضی خان ج ۱ ص ۱۰۲ الفصل الخامس فی ما یفسد الصوم)

ومِثلُہٗ فی الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۷۹ کتاب الصوم۔

روزہ کی حالت میں زنا کرنے پر قضاء اور کفّارہ کا وجوب

سوال:۔ بظاہر زنا کرنے سے انسان پر حد جاری ہوتی ہے، تو کیا حد کے اجراء کی وجہ سے کفّارہ کے وجوب پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع یا کسی اجنبیہ سے زنا کرنے میں وجوبِ قضاء اور کفّارہ میں کوئی فرق نہیں جبکہ حد کا اجرا الگ مسئلہ ہے جس کا کفّارہ و قضاء کے وجوب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، تاہم جبر و اکراہ کی صورت میں کفّارہ واجب نہیں ہوتا۔

قال العلامة طاهر بن احمدؒ:۔ وان کانت المرأة مکرهة فعلیها القضاء دون الکفارة ولو کان الرّجل مکرها علی الجماع فعلیه الکفّارة فی قولِ ابی حنیفةؒ الاوّل ثم رجع وقال علیه القضاء دون الکفارة وهو قولهما وعلیه الفتوٰی۔

(خلاصة الفتاوٰی ج۱ ص۲۵۹ کتاب الصوم الفصل الثالث فیما یفسد الصوم)[۱]

بہیمہ (جانور) سے وطی کرنے سے روزہ کا حکم

سوال:۔ کسی جانور کے ساتھ وطی کرنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جانوروں کے ساتھ وطی کرنے سے روزہ یقیناً فاسد ہو کر قضاء لازم ہو جاتی ہے اور کفّارہ لازمی نہیں تاہم نفسِ دخول سے روزہ فاسد نہیں ہوتا لیکن یہ فعل ہر صورت میں حرام ہے۔

قال العلامة قاضیخانؒ: وکذا اذا جامع بهیمة ولم ینزل او میتة ولم ینزل الخ وان انزل فی هٰذه الوجوه کان علیه القضاء دون الکفّارة۔ (فتاوٰی قاضی خان ج۱ ص۲۰۸ الفصل الخامس فیما یفسد الصوم)[۲]

جماع کے بغیر انزال سے صرف قضاء واجب ہے

سوال:۔ احد السبیلین کے علاوہ اگر کسی حرکت سے

---

[۱] قال فی الهندیة: ولو مکنت نفسها من صبیّ او مجنون فزنی بها فعلیها الکفّارة بالاتفاق۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۲۰۵ کتاب الصوم النوع الثانی ما یوجب القضاء والکفّارة)

وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۷ باب ما یفسد الصوم۔

[۲] قال عالم بن العلاء رحمه الله:۔ ولو جامع میتة او بهیمة فلا کفّارة علیه انزل او لم ینزل۔ (فتاوٰی تاتارخانیة ج۲ ص۳۷۱ کتاب الصوم الفصل الرابع فیما یفسد)

وَمِثْلُهٗ فی شامی ج۲ ص۳۹۹ کتاب الصوم مطلب فی حکم الاستمناء بالکف۔

انزال ہو جائے تو اس پر قضاء اور کفّارہ دونوں واجب ہیں یا صرف قضاء؟

الجواب: کفارہ چونکہ ایک عظیم جرمانہ ہے اور جرم کی نوعیت کو دیکھ کر اس کا حکم لگایا جاتا ہے، احدالسبیلین کے علاوہ کسی اور طریقہ سے انزال میں چونکہ قضاء شہوت کامل طریقہ سے نہیں پایا جاتا اس لیے اس میں صرف قضاء واجب ہے اور کفّارہ کی ضرورت نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ اوجامع فیما دون الفرج ولم ینزل یعنی فی غیر السبیلین کسرۃ وفخذ وکذ الاستمناء بالکف (او ادخل ذکرہ فی بھیمۃ) او میتۃ من غیر انزال او مسّ فرج بھیمۃ او قبلھا فانزل او اقطر فی احلیلہ۔

(الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج ۲ ص۳۹۸،۳۹۹ کتاب الصوم باب مایفسد الصوم) لہ

غیر رمضان میں روزہ افطار کرنے سے صرف قضاء لازم ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص رمضان کے علاوہ روزہ (بلا عذر شرعی) افطار کرے تو اس پر صرف قضاء لازم ہے یا کفّارہ بھی لازم ہے؟

الجواب:۔ رمضان کے علاوہ کسی دوسرے موقع پر روزہ توڑنے سے فقط قضاء واجب ہے خواہ روزہ فرض ہو یا نفل یا نذر ہو کفارہ واجب نہیں ہوتا، یہ صرف رمضان کے ساتھ خاص ہے۔

وفی الھندیۃ:۔ ولا کفّارۃ بافساد صوم غیر رمضان کذا فی الکنز۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۲۱۵ کتاب الصوم۔ باب المتفرقات) ٢ہ

سفر میں روزہ نہ رکھنے پر صرف قضاء واجب ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھے تو ایسے شخص کے لیے

لہ قال العلامۃ الکاسانیؒ:۔ ولو جامع بھیمۃ فانزل فسد صومہ وعلیہ القضاء ولا کفّارۃ علیہ لانہ وان وجد الجماع صورۃ ومعنی وھو قضاء الشھوۃ لکن علیٰ سبیل القصور لسعۃ المحل ولو جامعھا ولم ینزل لا یفسد۔الخ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۹۴ کتاب الصوم۔ فصل فی ترکنہ)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج ۲ ص۲۷۲ باب مایفسد الصوم ومالا یفسدہ۔

٢ہ قال العلامۃ برھان الدینؒ:۔ انّ الکفّارۃ تعلقت بجنایۃ الافطار فی رمضان علیٰ وجہ الکمال۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۲۱۹ باب مایفسد الصوم الخ

وَمِثْلُہٗ فی فتاویٰ قاضیخان ج ۱ ص۱۰۳ الفصل الخامس فیما یفسد الصوم۔

شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مسافر کے لیے حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھنا مرخص ہے لہٰذا اگر کوئی شخص حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھے تو اس پر صرف قضاء واجب ہے کفّارہ نہیں۔

قال قاضی خان رحمہ اللہ:۔ لو اصبح المقیم صائماً ثمّ سافر فافطر بعد ذٰلک لاکفارۃ علیہ۔ (فتاوٰی قاضیخان ج۱ ص۱۰۲ الفصل السابع فیما یسقط الکفّارۃ ومالایسقط) لہ

استمناء بالید سے انزال میں قضاء واجب ہے

سوال:۔ روزے کی حالت میں اگر کوئی شخص استمناء بالید (ہاتھ سے انزال) کرے تو کیا اس شخص پر کفّارہ واجب ہے یا صرف قضاء کافی ہے؟

الجواب:۔ استمناء بالید میں چونکہ قضاءِ شہوت کامل نہیں ہوتی اس لیے اس سے کفارہ واجب نہیں ہوتا تاہم قضاء لازمی ہے، اور اگر انزال نہ ہو تو پھر قضاء بھی واجب نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ وکذا الاستمناء بالکف) قال ابن عابدینؒ:۔ ای فی کونہ لایفسد لکن ھٰذا اذا لم ینزل اما اذا انزل فعلیہ القضاء کماسیصرح بہ وھوالمختار۔

(شامی ج۲ ص۳۹۹ کتاب الصوم مطلب فی حکم الاستمناء بالکف) ۲ہ

غلط فہمی سے کھانا پینا موجب کفّارہ نہیں

سوال:۔ اگر کسی نے بھول کر کھاپی لیا یا بلا سبب انزال سے یہ سمجھا کہ میرا روزہ اب ہی نہیں رہا اس لیے میرے لیے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں، تو کیا ایسے شخص کے اس طرح قصداً کھانے پینے سے کفّارہ واجب ہوگا یا قضاء؟

لہ قال عالم بن العلاء رحمہ اللہ:۔ المسافر قدم مصرہ وھو صائم فافتی ان صومہ لا یجزیہ فافطر بعد ذٰلک متعمّداً لاکفارۃ علیہ۔ (فتاوٰی تاتارخانیہ ج۲ ص۳۷۹ کتاب الصوم۔ الفصل الخامس وجوب الکفارہ)

وَمِثْلُہٗ فی شامی ج۲ ص۴۰۸ کتاب الصوم۔ مطلب فیما یکرہ للصائم۔

۲ہ قال قاضی خانؒ:۔ وکذا اذا جامع بہیمۃ ولم ینزل اومیتۃ ولم ینزل اوناکح بیدہ ولم ینزل اوجامع فیما دون الفرج ولم ینزل وان انزل فی ھٰذہ الوجوہ کان علیہ القضاء دون الکفّارۃ۔

(فتاوٰی قاضی خان ج۱ ص۱۰۰ الفصل الخامس فیما لایفسد الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۰۵ الباب الرابع فیما یفسد ومالا یفسد۔

الجواب:۔ اگر کسی نے بھول کر کھانا کھالیا یا بلا سبب کے انزال ہوا تو اس کا روزہ باقی ہے البتہ اگر بعد میں غلط فہمی سے کھانا کھایا کہ میرا روزہ ختم ہوچکا ہے، تو محض کسی غلط فہمی کی وجہ سے کھانا پینا موجبِ کفارہ نہیں بلکہ صرف اسی دن کی قضاء واجب ہوگی۔ کفارہ ایسی سزا ہے جو دیدہ دلیری سے کسی جرم کے ارتکاب پر دی جاتی ہے۔

قال طاهر بن احمدؒ :- ولو نظر الی محاسن المرأة فانزل فظن ان ذٰلك فطره فاكل بعد ذٰلك فهو كالقئ وقد ذكرنا حكمه وقال البعض ان كان عالماً عليه القضاء والكفارة عند الكل وان كان جاهلاً عليه القضاء دون الكفارة۔ (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۵۹ كتاب الصوم الفصل الثالث فيما يفسد الخ) ؎۱

سگریٹ نوشی مفطرِ صوم ہے

سوال:۔ کیا سگریٹ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں، اگر ٹوٹ جاتا ہے تو اس سے قضاء لازم ہوگی یا کفارہ؟

الجواب:۔ سگریٹ کا دھواں منہ کے ذریعے حلق کے اندر چلا جاتا ہے جو کہ فسادِ صوم کا سبب ہے لہٰذا سگریٹ نوشی مفطرِ صوم ہے، تاہم اس صورت میں قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔

قال علاؤ الدینؒ :- ولو دخل الغبار او الدخان او الرائحة فى حلقه لم يفطر وان ادخله حلقه متعمداً۔ روى عن ابى يوسفؒ انه ان تعمد عليه القضاء ولا كفارة عليه۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۹۰ كتاب الصوم۔ فصل ركنه) ؎۲

؎۱ قال قاضى خانؒ :- ولو نظر الى محاسن المرأة فانزل او تفكر فانزل فظن ان ذٰلك فطره فاكل متعمداً فهو بمنزلة القئ۔ وقال بعضهم ان كان عالماً عليه القضاء والكفارة عند الكل وان كان جاهلاً عليه القضاء دون الكفارة۔

(فتاوى قاضى خان ج۱ ص۱۰۵ الفصل السابع فيما يفسد الكفارة ومالا يسقط)

ومثله فى الهندية ج۱ ص۲۰۶ كتاب الصوم۔ الباب الرابع فيما يفسد۔ الخ)

؎۲ قال عبدالرحمٰن الجزائریؒ :- شرب الدخان المعروف وتناول الافيون والحشيش ونحو ذٰلك فان الشهوة فيه ظاهرة۔ (الفقه على المذاهب الاربعة ج۱ ص۵۶۰ كتاب الصوم)

ومثله فى رد المحتار ج۲ ص۱۲۸ كتاب الصوم۔ باب فيما يفسد الخ۔

بے خبری میں طلوعِ فجر کے بعد کھانا کھانے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے ماہ رمضان میں بے خبری میں فجر کے طلوع ہونے کے بعد کھانا کھایا جبکہ اس کا گمان یہ تھا کہ فجر اب تک طلوع نہیں ہوئی ہے، اس صورت میں ایسے شخص کے روزے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ روزہ رکھنے کی ابتداء طلوعِ فجر سے ہوتی ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں موصوف نے غلط فہمی کی بناء پر طلوعِ فجر کے بعد کھانا کھایا اس لیے اُس کا یہ روزہ ختم ہوچکا ہے اب اسکے ذمّے اس دن کے روزہ کی قضاء لازم ہے کفّارہ نہیں۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ: إذا تسحر وهو يظن ان الفجر لم يطلع فاذا هو قد طلع الخ عليه القضاء..... ولا كفّارة عليه لان الجناية قاصرة لعدم القصد۔

(الهداية ج ۱ ص ۲۰۷ باب ما يوجب القضاء) [۱]

فدیہ دینے سے عاجز شخص کو کیا کرنا چاہیئے

سوال:۔ اگر کوئی شخص فدیہ دینے سے عاجز ہو اور ڈاکٹر نے بھی اس کو روزہ رکھنے سے منع کر رکھا ہو تو یہ شخص کیا کرے؟

الجواب:۔ جب کوئی شخص اِتنا بیمار ہو کہ اس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اور پھر مسلمان ڈاکٹر نے بھی اسے روزہ رکھنے سے منع کیا ہو تو اس شخص پر فدیہ دینا واجب ہے لیکن اگر کوئی فدیہ دینے کا بھی متحمل نہ ہو تو اس صورت میں استغفار کثرت سے پڑھا کرے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي وجوبًا.... لو موسرًا والا يستغفر الله۔ قال ابن عابدينؒ: (قوله والا يستغفر الله) هٰذا ذكره في الفتح والبحر عقيب مسئلة نذر الأبد اذا اشتغل عن الصوم بالمعيشة فالظاهر انه راجع اليها دون ما قبلها من مسئلة الشيخ الفاني لانه لا تقصير منه بوجه۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۲۷ فصل في العوارض) [۲]

---

[۱] ولو قدم مسافرٌ او طهرت حائض او تسحر ظنه ليلاً والفجر طالع او افطر كذلك والشمس حيّة أمسك يومه وقضى ولم يكفر كأكله عمدًا بعد أكله ناسيًا ونائمةً ومجنونةً وطئتا۔

(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ج ۱ ص ۳۴۱ كتاب الصوم)

[۲] قال العلامة ابو البركات النسفيؒ: وللشيخ الفاني وهو يفدي فقط۔ قال ابن نجيمؒ: تحته...... وان لم يقدر على الاطعام لعسرته يستغفر الله تعالىٰ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۶ كتاب الصوم۔ فصل في العوارض)

مسافر یا مریض کو روزہ کی قضاء کا موقع نہ ملے تو کچھ مواخذہ نہیں

سوال:۔ اگر کسی مسافر کو سفر سے واپسی پر یا بیمار کو صحتیابی کے فوراً بعد فرض روزہ کی قضاء کا موقع نہیں ملا تو کیا اس شخص پر فدیہ دینا واجب ہے یا کہ معافی ہے؟

الجواب:۔ مرض اور سفر میں روزہ افطار کرنا مرخص ہے جس کی حالتِ صحت و اقامت میں قضاء واجب ہے، اب اگر مریض و مسافر کو قضاء کرنے کا کسی وجہ سے قضاء کا موقع نہیں مل سکا اور وہ فوت ہوگیا تو اس شخص پر کچھ مواخذہ نہیں البتہ اگر موقع ملنے کے باوجود روزہ نہ رکھے تو بعد الموت فدیہ دینا لازم ہے۔

وفی الھندیۃ: ولو فات صوم رمضان بعذر المرض او السفر واستدام المرض والسفر حتی مات لا قضاء علیہ..... وان صح المریض او قدم المسافر وادرک من الوقت بقدر ما فاتہ یلزمہ قضاء جمیع ما ادرک فان لم یصم حتی ادرکہ الموت فعلیہ ان یوصی بالفدیۃ۔
(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۰۷ الباب الخامس فی الاعذار التی تبیح الافطار) لہ

غیر رمضان کا روزہ قصداً توڑنے پر صرف قضاء واجب ہے کفارہ نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص قصداً و عمداً غیر رمضان کا روزہ توڑ دے تو کیا اس شخص پر کفارہ واجب ہے یا صرف قضاء؟

الجواب:۔ قصداً روزہ توڑنے سے کفارے کا وجوب صرف رمضان شریف کے روزے کے ساتھ خاص ہے اس کے علاوہ جو بھی روزہ قصداً یا سہواً توڑ دیا جائے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں البتہ اُس دن کی قضاء واجب ہے۔

قال العلامۃ ابن ھمامؒ: ولیس فی افساد صوم غیر رمضان کفارۃ لان الافطار فی رمضان ابلغ فی الجنایۃ فلا یلحق بہ غیرہ۔ (فتح القدیر ج۲ ص۲۶۵ باب ما یوجب القضاء والکفارۃ) ۲ہ

لہ قال الحصکفیؒ: فان ماتوا فیہ ای فی ذٰلک العذر فلا تجب علیہم الوصیۃ بالفدیۃ لعدم ادراکہم عدۃ ایام اخر ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصیۃ بقدر ادراکہم عدۃ من ایام اُخر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۲۴ فصل فی العوارض)
ومِثلُہٗ فی الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۵ فصل فی الاسباب المبیحۃ للفطر۔

۲ہ قال العلامۃ عالم بن علاء الانصاریؒ: ولیس فی افساد الصوم فی غیر رمضان کفارۃ۔
(الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۷۷ الفصل الخامس فی وجوب الکفار فی افساد الصوم)
ومِثلُہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۱۵ باب المتفرقات۔

سگریٹ یا حقہ پینے سے جب روزہ ٹوٹ جائے تو صرف قضا کرے یا کفارہ بھی؟

سوال:۔ حقہ یا سگریٹ پینے سے روزہ کا ٹوٹ جانا تو معلوم ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو شخص بحالت روزہ حقہ یا سگریٹ پیتا ہے اُس پر قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں یا صرف قضاء؟

الجواب:۔ حقہ نوشی اور سگریٹ نوشی سے روزہ ختم ہو جاتا ہے جس سے قضاء بدون کفارہ کے لازم ہو جاتی ہے لیکن اگر حقہ نوشی تلذذ، شہوتِ نفس یا کسی اور نفع کے لیے کی جائے تو اس صورت میں قضاء کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: انہ لو ادخل حلقه الدخان افطر..... ویمنع من بیع الدخان وشاربه فی الصوم لاشک یفطر ویلزمه التکفیر لو ظن نافعًا کذا دافعًا شهوات بطن فقس، وا۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۹۵ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد) [۱]

سفر کے ارادہ سے گھر سے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد گھر واپس آکر روزہ افطار کرنے پر قضاء و کفارہ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص سفر کی نیت سے گھر سے نکلا مگر راستے میں کچھ ضروری کام یاد آنے کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لیے گھر واپس آگیا اور روزہ افطار کر لیا، تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حالتِ سفر میں اگرچہ روزہ افطار کرنا جائز ہے چاہے سفر تکلیف دہ ہو یا آرام دہ، لیکن صورتِ مسئولہ میں چونکہ اس شخص نے گھر ہی کے اندر روزہ افطار کیا ہے جو کہ حالتِ اقامت ہے اس لیے اس پر قضاء و کفارہ دونوں لازم ہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: اذا دخل مصر بنیة السفر فافطر فانه یکفر ای قیاسًا لانه مقیم عند الکل حیث رفض سفره بالعود۔ (ردالمحتار ج۲ ص۱۳۳ فصل فی العوارض) [۲]

---

[۱] قال الشیخ المفتی عزیز الرحمنؒ: الجواب: حقہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا لازم ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں کفارہ بھی لازم ہوتا ہے یعنی اگر اسے نفع بخش سمجھا تب تو کفارہ و قضاء دونوں لازم ہوں گے ورنہ صرف قضاء۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۶ ص۴۱۹ مسائل مفسد الصوم)

[۲] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو سافر فی نهار رمضان ولم یفطر حتی تذکر شیئًا فی منزله قد نسیه فرجع الی منزله واکل شیئًا ثم خرج من المنزل فعلیه القضاء والکفارة کالمقیم اذا اکل ثم سافر۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۵۷ الفصل الثالث ما یفسد الصوم فی ما لا یفسد۔ الخ)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۰۷ الباب الخامس فی الاعذار المبیحة للفطر۔

نومسلم خوف کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو اس پر قضاء و کفّارہ دونوں واجب ہیں

سوال:۔ اگر ایک نومسلم خاندانی خوف و ڈر کی وجہ سے روزہ نہ رکھے تاکہ اُن پر اس کا اسلام ظاہر نہ ہو، تو کیا اس شخص پر بھی قضاء و کفّارہ دونوں واجب ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ کلمہ طیبہ پڑھنے سے ایک غیر مسلم آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اُس پر جملہ احکامِ اسلام پر پورا عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے، صورتِ مسئولہ کے مطابق نومسلم اسلامی احکامات کا مکلّف ہے، اس لیے روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے اس پر قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔ لما قال العلامہ الحصکفی: أو لم ينو في رمضان كله صوماً ولا فطراً مع الإمساك لشبهة خلاف زفر أو أصبح غير ناو للصوم فأكل عمداً ولو بعد النية قبل الزوال لشبهة (الدر المختار على صدر رد المحتار ۲-۴۰۳، كتاب الصوم)[1]

قصداً روزہ توڑنے کے بعد مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کے قابل نہ رہے تو صرف قضاء لازم ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص قصداً و عمداً روزہ توڑ دے مگر اچانک کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے کہ روزہ رکھنے کے قابل نہ رہے تو کیا اس شخص پر صرف کفارہ واجب ہے یا قضاء؟

الجواب:۔ قصداً روزہ توڑنے کی صورت میں کفّارہ اُس وقت واجب ہوتا ہے جب کوئی عملِ مسقطِ کفّارہ رونما نہ ہو جائے۔ صورتِ مسئولہ میں مرض (جو کہ مسقطِ کفارہ ہے) کی موجودگی کی وجہ سے کفّارہ ساقط ہو جائے گا البتہ اُس دن کی قضاء لازم ہو گی۔

لما قال الحصكفي: إنما يكفر إن نوى ليلاً ولم يكن مكرهاً ولم يطرأ مسقط كمرض وحيض۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۱۲، ۴۱۳ مطلب في الكفارة)[2]

---

[1] لما قال الكاساني: ومن أصبح في رمضان لا ينوي الصوم فأكل أو شرب أو جامع عليه قضاء ذلك اليوم ولا كفارة عليه عند أصحابنا الثلاثة (بدائع الصنائع ۲/ ۲۵۸ كتاب الصوم)

[2] وفي الهندية: والصحيح إذا أفطر ثم مرض مرضاً لا يستطيع معه الصوم تسقط الكفارة عندنا۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۱۵ الفصل السابع فيما يسقط الكفارة وما لا يسقط)

ومثله في فتاوى دار العلوم ديوبند ج۶ ص۴۲۸ مسائل مفسد الصوم۔

باب الاعذار المبیحۃ للافطار

(روزہ افطار کرنے (توڑنے) کے اعذار کا بیان)

ناقابلِ برداشت تکلیف کے وقت روزہ توڑنا

سوال: اگر بیماری کی شدت کی وجہ سے روزہ بحال رکھنا مشکل ہو تو کیا افطار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی ناقابلِ برداشت تکلیف کی وجہ سے روزہ افطار کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایسی حالت میں روزہ توڑنا بہتر ہے تاکہ ہلاکت کا موجب نہ بنے، البتہ اگر برداشت کی طاقت ہو تو پھر روزہ پورا کرنا بہتر ہے۔

قال فی الھندیۃ:- المریض اذا خاف علیٰ نفسہ التلف اوذھاب عضو یفطر بالاجماع و ان خاف زیادۃ العلۃ وامتدادہ فکذالک عندنا و علیہ القضاء اذا افطر۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۰۷ کتاب الصوم، الباب الخامس فی الاعذار) [۱]

حائضہ کے لیے امساک ضروری نہیں

سوال: طلوعِ فجر کے بعد اگر عورت کو حیض آجائے تو عندالشرع عورت کے لیے بقیہ یوم کا امساک (کھانا پینا بند) کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: طلوعِ فجر کے بعد عورت کو ماہواری شروع ہو جائے تو اس سے روزہ ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا ایسی عورت کے لیے کھانا پینا جائز ہے امساک ضروری نہیں تاہم ایسی عورت دوسرے روزہ داروں سے خفیہ طور پر کھانا کھائے یا پانی پئے۔

قال حسن بن عمار بن علی الشرنبلالیؒ:- ومن لہ نوبۃ حمی اوعادۃ حیض

---

[۱] قال ابن عابدین رحمہ اللہ:- (تحت قولہ وخادمۃ) اذا اشتد الحر وخاف الھلاک فلہ الافطار۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۴۲۲ کتاب الصوم، فصل فی العوارض)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۲ فصل فی العوارض۔

لا بأس بفطرة علیٰ ظن وجوده ـ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۵۶۳ کتاب الصوم) لـه

مسافر کے لیے افطار میں عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہے

سوال: سفر کے دوران مسافر کو روزہ رکھنا چاہیئے یا روزہ رکھنا بہتر ہے؟

الجواب: روزہ رکھنا اور نہ رکھنا مسافر کی حالت پر مبنی ہے جس میں اس کو آسانی ہو وہی طریقہ اختیار کرے، تاہم اگر کوئی شدید ضرورت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور یہی عزیمت ہے۔

قال برهان الدینؒ: وان کان مسافراً لا یستضر بالصوم فصومه افضل وان افطر جاز لان السفر لا یعری عن المشقة ـ الخ (الهدایة ج۱ ص۲۰۱ کتاب الصوم) ۲ــه

شدید بیمار کیلئے روزہ افطار کرنا جائز ہے

سوال: اگر کوئی شخص بلند فشار خون (ہائی بلڈ پریشر) یا اس جیسی کسی دوسری بیماری میں مبتلا ہو جائے جس میں دوائی کا استعمال لازمی ہو تو ایسی حالت میں روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ جبکہ اس جیسی بیماریاں بعض اوقات ہلاکت کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔

الجواب: جب بھی روزہ بیماری میں اضافہ کا سبب بنتا ہو تو اس میں کسی دیندار ماہر حکیم یا ڈاکٹر کے مشورہ سے یا اپنے غلبۂ ظن پر عمل کرتے ہوئے روزہ افطار کیا جا سکتا ہے تاہم معمولی قسم کی بیماری میں افطار کرنا ضروری نہیں۔

قال عبدالرحمن الجزائری: الاعذار التی تبیح الفطر للصائم کثیرة ـ منها المرض، فاذا مرض الصائم وخاف زیادة المرض بالصوم او خاف تأخر البرء من المرض او حصلت له مشقة شدیدة بالصوم فانه یجوز له الفطر ـ (فقه مذاهب اربعه ج۱ ص۵۷۲) ۳ــه

لـه قال علامة ابی بکر بن علیؒ: واذا حاضت المرأة افطرت وقضت وکذا اذا انفست وهی تأکل سراً اوجهراً ولا یجب علیه التشبه ـ (الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۷۷ کتاب الصوم)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۰۷ کتاب الصوم ـ الباب الخامس فی الاعذار ـ الخ

۲ــه قال ابن نجیمؒ: وللمسافر وصومه احب ان لم یضره ای جاز للمسافر الفطر ـ (البحر الرائق ج۲ ص۲۸۲ کتاب الصوم)

وَمِثْلُهٗ ردّ المحتار ج۲ ص۱۲۱ کتاب الصوم ـ فصل فی العوارض ـ

۳ــه قال العلامة الکاسانیؒ: واما وجوب الفداء فشرطه العجز عن القضاء عجزاً لا ترجی معه القدرة فی جمیع عمره ـ (بدائع الصنائع ج۲ ص۱۰۵ کتاب الصوم فصل فی حکم الصوم المؤقت)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۸۱ فصل فی العوارض ـ

کیا بیماری کی وجہ سے روزہ افطار کرنے پر کفّارہ لازم ہے یا قضاء

سوال:۔ اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں اچانک شدید بیمار ہوجائے تو کیا اس کو روزہ افطار کرلینا چاہیئے یا نہیں؟ اور افطار کرنے کی صورت میں قضاء وکفّارہ دونوں لازم ہوں گے یا صرف قضاء؟

الجواب:۔ شدتِ مرض میں جب نقصان کا خوف ہو تو اس صورت میں روزہ افطار کرلینا جائز ہے اور اس روزہ کی صرف قضاء لازم ہے کفّارہ نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وبقی الاکراہ وخوف هلاك اونقصان عقل ولوبعطش أو جوع شدید الخ الفطر یوم العذر...... وقضوا لزوماً۔ (الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۲ ص۴۲۱ فصل فی العوارض المبیحة)[۱]

شدّتِ پیاس سے روزہ توڑنے کا حکم

سوال:۔ اگر کبھی اتنی گرمی ہوجائے کہ پیاس کی وجہ سے لوگوں کی ہلاکت یا کسی شدید نقصان کا خطرہ ہو تو کیا اِس صورت میں روزہ توڑا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بھوک اور پیاس کی شدّت میں جب کسی سخت نقصان کا خطرہ ہو تو اس صورت میں روزہ توڑا جاسکتا ہے لیکن اس روزہ کی قضاً لازمی ہوگی اگرچہ کفّارہ واجب نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وبقی الاکراہ وخوف هلاك اونقصان عقل ولوبعطش اوجوع شدید اولسعة حیة ..... الفطر وقضوا لزوماً۔ (الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۲ ص۴۲۱ فصل فی العوارض المبیحة)[۲]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفر میں افطار کیا تھا

سوال:۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی سفر میں روزہ افطار کیا تھا یا نہیں؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ مُعلّم بنا کر بھیجے گئے تھے اس لیے آپ حالات اور تقاضے کے مطابق روزہ رکھتے بھی تھے اور افطار بھی کرتے تھے، بعض حالات میں آپؐ نے

---

[۱] وفی الهندیة: المریض اذا خاف علیٰ نفسه التلف اوذهاب عضو یفطر بالاجماع وان خاف زیادة العلة وامتدادہ فکذٰلك عندنا وعلیه القضاء اذا افطر کذا فی المحیط۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۰۷ فصل فی العوارض المبیحة)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۳۸۳ فصل فی الاسباب المبیحة للفطر۔

[۲] وفی الهندیة: اذا خیف منهما الهلاك اونقصان العقل کالامة اذا ضعفت عن العمل وخیفت الهلاك بالصوم وکذا الذی ذهب به ----- (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۰۷ فصل فی العوارض والمبیحة)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۳۸۷ فصل فی الاسباب والمبیحة للفطر۔

افطار نہ کرنے والوں پر نکیر بھی فرمائی۔

عن ابن عباسؓ: سافر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی رمضان حتیٰ بلغ عسفان ثم دعا باناءٍ فیہ شراب فشربہ نہاراً لیراہ الناس ثم افطر حتیٰ دخل مکۃ۔ قال ابن عباسؓ فصام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وافطر ومن شاء صام ومن شاء افطر۔

(صحیح مسلم ج۱ ص۲۵۶ باب جواز الصوم والفطر فی شہر رمضان للمسافر) [۱]

کیا سفر میں روزہ افطار کرنا قصر نماز کی طرح لازم ہے؟

سوال:۔ حالتِ سفر میں تو نماز قصر کرکے پڑھنا واجب ہے، کیا روزے کا حکم بھی نماز کی طرح ہے کہ سفر میں لازماً افطار کیا جائے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ نے حالتِ سفر میں نماز کو قصر کرکے پڑھنا ایک نعمتِ خداوندی قرار دے کر اس میں قصر کو واجب کیا ہے مگر روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار بندے کو دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی بحالتِ عافیت روزہ رکھنے کو افضل قرار دیا ہے اس لیے سفر میں روزہ رکھنا افضل و بہتر ہے بخلاف نماز کے، تاہم اگر روزہ رکھنے سے تکلیف زیادہ ہوتی ہو تو روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامہ ابن نجیمؒ: وانما کان الصوم افضل ان لم یضرہ لقولہ تعالیٰ "وان تصوموا خیرٌ لکم" ولان رمضان افضل الوقتین فکان فیہ الاداء اولیٰ ولا یرد علینا القصر فی الصلوٰۃ فانہٗ واجب حتیٰ یأثم بالاتمام لان القصر ھو العزیمۃ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۸۳ فصل فی العوارض) [۲]

---

[۱] وعن جابر بن عبد اللّٰہؓ: ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خرج الیٰ مکۃ عام الفتح فصام حتیٰ بلغ کراع الغمیم وصام الناس معہ فقیل لہٗ ان الناس شق علیہم الصیام وان الناس ینظرون فیما فعلت فدعا بقدح من ماء بعد العصر فشرب والناس ینظرون الیہ فافطر بعضہم وصام بعضہم۔ (ترمذی ج۱ ص۱۵۱ باب ما جاء فی افطار الصوم فی السفر)

[۲] وفی الھندیۃ: ویکرہ للمسافر ان یصوم اذا اجھدہ الصوم فان لم یکن کذلک فالصوم افضل۔ (الفتاویٰ الھندیہ ج۱ ص۲۰۱ الباب الثالث فیما یکرہ للصائم وما لا یکرہ)

ومثلہٗ فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۳ فصل الاسباب مبیحۃ للفطر۔

مہمان کے مجبور کرنے پر روزہ افطار کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص کا نفلی روزہ ہو مگر مہمان اس کو روزہ توڑنے پر مجبور کرے تو کیا وہ شخص روزہ توڑ سکتا ہے؟

الجواب:۔ مہمان کی ضیافتِ طبع اور خاطر تواضع کے لیے نفلی روزہ توڑنا عند الشرع مرخص ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: الضیافة عذر للضیف والمضیف ان کان صاحبها ممن لا یرضی[۱] بمجرد حضوره ویتأذی بترک الافطار فیفطر والا لا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۲۹ فصل فی العوارض)[۱]

آدمی جس علاقے یا ملک میں ہو وہاں چاند کے اعتبار سے روزہ رکھے

سوال:۔ ایک شخص سعودی عرب سے پاکستان آیا، وہاں چاند کے حساب سے اس کے تیس روزے پورے ہو چکے ہیں جبکہ پاکستان میں روزہ ہے، تو کیا یہ شخص اب افطار کرے یا روزہ رکھے؟

الجواب:۔ سعودی عرب میں چاند کے اعتبار سے اگرچہ اس شخص کے فرض روزے پورے ہو چکے ہیں مگر یہاں کے لوگوں کے ساتھ مشابہت کی خاطر روزہ رکھے گا افطار کرنا صحیح نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: فانه یجب علیه الامساک تشبها۔

رد المحتار ج۲ ص۴۰۸ مطلب فی جواز الافطار بالتحری[۲]

---

[۱] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: والصحیح من المذهب ان ینظر فی ذلک ان کان صاحب الدعوة ممن یرضی بمجرد حضوره ولا یتأذی بترک الفطر لا یفطر وان کان یعلم انه یتأذی بترک الافطار یفطر۔

(الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۳۸۲ فصل الاسباب مبیحة للفطر)

ومثله فی ما لا بد منه ص۱۰۰ کتاب الصوم۔

[۲] قال العلامة الحصکفیؒ: الاخیران یمسکان بقیة یومهما وجوباً علی الاصح لان الفطر قبیح وترک القبیح شرعاً واجب (کمسافر اقام وحائض ونفساء طهرتا ومجنون افاق ومریض صح)۔

قال الشیخ احمد الطحطاویؒ: تحت قوله (کمسافر اقام) الاصل فی هذا ان کل من صار علی حالة فی آخر النهار لو کان علیها اوله یلزمه الامساک قضاء الحق الوقت تشبیها بالصائمین۔

(حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار ج۱ ص۴۵۵ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد)

شوگر کے مریض کے لیے روزے کا حکم

سوال:۔ جناب محترم مفتی صاحب! میرے والد صاحب شوگر کے مریض ہیں، ڈاکٹر نے انہیں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر انہوں نے روزہ رکھا تو بیماری بڑھ جائے گی، جبکہ حقیقت بھی یہی ہے اس لیے کہ جب بھی انہوں نے روزہ رکھا تو تکلیف زیادہ ہوئی، اس صورت میں شرعاً ان کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور اگر نہ رکھ سکیں تو انہیں کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اسلام کسی کو بلا وجہ تکلیف میں نہیں ڈالتا۔ اگر آپ کے والد محترم کو واقعی شوگر کا شدید مرض لاحق ہے کہ ان میں روزہ رکھنے کی بھی طاقت نہیں اور اگر رکھ لیں تو مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہے اور ساتھ ہی مسلمان ڈاکٹر نے بھی خوب تشخیص کے بعد روزے نہ رکھنے کا مشورہ دیا ہے تو شرعاً ان کو اجازت ہے کہ وہ روزے نہ رکھیں۔ اور اگر مرض دائمی ہو تو ہر روزے کا فدیہ دینا ہوگا جو ایک روزے کے بدلہ میں صدقہ فطر کی مقدار کے برابر ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی وجوبًا
قال ابن عابدینؒ المریض اذا تحقق الیأس من الصحة فعلیه الفدیة لکل یوم من المرض۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۲۷ کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم)

ظن غالب کی بناء پر مرض بڑھ جانے کے خوف سے روزہ نہ رکھنا

سوال:۔ ایک شخص بیمار ہے اور اس نے ڈاکٹر سے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں پوچھا نہیں، مگر اس کا غالب گمان یہ ہے کہ اگر وہ روزہ رکھے گا تو اس کی بیماری بڑھ جائے گی، تو کیا یہ بیمار شرعاً درست کر رہا ہے یا یہ کہ اس کو روزہ نہ رکھنے کے بارے ڈاکٹر سے لازمی پوچھنا پڑے گا؟

الجواب:۔ شرعاً شدتِ مرض یا خوفِ مرض کی وجہ سے روزہ افطار کرنا جائز ہے بشرطیکہ کسی ماہر مسلمان طبیب نے کہا ہو۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں مریض کا غالب شدتِ مرض ہے اس لیے اس کو اپنے گمان کی بناء پر روزہ نہ رکھنا مرخص ہے، ڈاکٹر سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: او مریض خاف زیادة مرضه وصحیح خاف المرض المراد بالخوف غلبة الظن۔
(رد المحتار ج۱ ص۱۵۳ کتاب الصوم)

باب الاعتکاف

(اعتکاف کے احکام ومسائل)

روزہ کے فاسد ہونے سے اعتکاف کا حکم

سوال:۔ اگر معتکف سے خطاً روزہ فاسد ہو جائے تو کیا اس کا اعتکاف باقی رہے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اعتکاف مسنون اور واجب دونوں کے لیے روزہ رکھنا چونکہ شرط ہے اسلئے اگر کسی عذر کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے تو اعتکاف بھی باقی نہیں رہتا، البتہ اگر بلاصوم اعتکاف میں بیٹھا رہا تو نفلی اعتکاف شمار ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ وشرط الصوم لصحة الاول اتفاقاً علی المذهب قال العلامة ابن عابدینؒ: قلتُ ومقتضی ذٰلك ان الصوم شرط ایضاً فی الاعتکاف المسنون لانهٗ مقدر بالعشر الاخیر حتی لو اعتکفه بلاصوم لمرض اوسفر ینبغی ان لایصح عنه بل یکون نفلاً۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۲ باب الاعتکاف) ؎

اعتکاف فاسد ہونے پر اس کی قضاء نہیں

سوال:۔ اگر کسی وجہ سے اعتکاف فاسد ہو جائے تو کیا اس کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف (مسنون اور نفلی) ٹوٹ جانے سے اس کی قضاء واجب نہیں تاہم اگر جس دن یا رات کو اعتکاف ٹوٹ جائے اور اُسی دن رات کی قضاء کی جائے تو بعض کے قول پر بھی عمل ہو جائے گا جو کہ بہتر ہے مگر ضروری نہیں۔

قال العلامة عالم بن العلاءؒ:۔ ولو شرع فیه ثم قطع لایلزمه القضاء فی روایة الاصل

؎ لما قال برهان الدین المرغینانیؒ:۔ قال الاعتکاف مستحب والصحیح انه سُنّة مؤکدة لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظب علیه فی العشر الاواخر من رمضان والمواظبة دلیل السّنة وهو اللبث فی المسجد مع الصّوم ...... والصوم من شرطه ..... ثم الصّوم شرط لصحة الواجب منه۔ (الهدایة ج ۱ ص ۲۱۱ باب الاعتکاف)

ومِثلُهٗ فی البنایة شرح الهدایة ج ۴ ص ۳۸۲، ۳۸۴ باب الاعتکاف۔

وفی روایة الحسن یلزمه۔ وفی الظهیریة عن ابی حنیفةؒ انه یلزمه یوماً۔

(فتاویٰ تاتارخانیة ج ۲ ص ۲۱۶ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف) [۱]

اعتکاف کا اہتمام نہ کرنے کے اثرات

سوال:۔ اگر محلہ والے اعتکاف کا اہتمام نہ کریں تو اس سے ان کی ذمہ داری کہاں تک متاثر ہوتی ہے؟

الجواب:۔ اعتکاف جملہ محلے والوں کے لیے سنت مؤکدہ کفایہ ہے، اگر تمام محلہ والوں کی طرف سے ایک شخص بھی اعتکاف کے لیے بیٹھ جائے تو جملہ محلہ والوں کا ذمہ فارغ ہو جائے گا، لیکن اگر پورے محلہ میں سے کوئی ایک شخص بھی اعتکاف کے لیے نہ بیٹھے تو تمام محلہ والے گنہگار ہوں گے۔

قال ابن عابدینؒ:۔ (وسن مؤکداً) ای استناناً مؤکداً۔ بمعنی انه طلب طلباً۔ مؤکداً زیادةً علیٰ بقیة النوافل۔ ولهذا کانت السنة المؤکدة قریبة من الواجب فی لحوق الاثم کما فی البحر۔ ویستوجب تارکها التضلیل واللوم کمافی التحریر۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۲ باب الوتر۔ مطلب فی السنن والنوافل) [۲]

معتکف کا کسی دوسری مسجد میں قرآن کریم سُننے یا سنانے کیلئے نکلنا

سوال:۔ اگر حافظ قرآن، معتکف کے لیے تراویح میں قرآن سنانے کا اپنی مسجد میں انتظام نہ ہو تو کیا وہ صرف قرآن سنانے کے لیے کسی دوسری مسجد میں جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تراویح میں قرآن کا ختم بلاشک سُنت ہے، البتہ بصورتِ استثناء (یعنی اعتکاف میں چند امور کی نیت سے) مسجد سے نکلنا مرخص ہے لیکن بہتر عدم خروج ہے تاکہ اعتکاف کے

---

[۱] قال ابن عابدینؒ: فلو شرع فی نفله ثم قطعه لایلزمه قضاءه لانه لایشترط له الصوم علیٰ الظاهر من المذهب وما فی بعض المعتبرات انه یلزم بالشروع مفرع علی الضعیف قاله المصنف وغیره۔ (ردّالمحتار ج ۲ ص ۴۴۴ باب الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج ۱ ص ۲۱۱ باب الاعتکاف۔

[۲] قال العلامة محمد عبدالحیؒ:۔ والصحیح الذی علیه جمهور الفقهاء هو انه سنة مؤکدة فی العشر الاواخر من رمضان علیٰ سبیل الاستیعاب کفایة علیٰ اهل کل بلدة۔ (حاشیه هدایه ج ۱ ص ۲۱۱ باب النوافل۔

وَمِثْلُهٗ فی حاشیة مستخلص الحقائق ج ۱ ص ۲۰۹ باب النوافل

تقدس پر کوئی اثر نہ پڑے۔

وفی الهندیة: ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادة المریض وصلوٰة الجنازة وحضور مجلس العلم یجوز له ذٰلك۔ (الفتاوی الهندیة ج ا ص۲۱۲ الباب السابع فی الاعتکاف) [۱]

اعتکاف کے دوران بے فائدہ باتوں سے اجتناب کا حکم

سوال:۔ کیا اعتکاف کے دوران فضول باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ بسا اوقات انسان غیر اختیاری طور پر ایسی باتیں کر جاتا ہے جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا؟

الجواب:۔ اعتکاف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کثرت سے کی جائے لہٰذا دورانِ اعتکاف دنیاوی باتوں سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیئے تاہم دینی مسائل پر گفتگو کرنا اور ضروریات اس سے مستثنیٰ ہیں، البتہ دنیاوی باتیں کرنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔

قال العلامة عبد الرحمٰن جزریؒ:۔ وما آدابه فمنها الا یتکلم الا بخیر۔ [۲]
(الفقه علی المذاهب الاربعة ج ا ص۵۸۹ باب الاعتکاف)

معتکف کی موت پر اعتکاف کی تکمیل کا حکم

سوال:۔ اگر معتکف دورانِ اعتکاف انتقال کر جائے تو کیا کسی اور کا اس کی جگہ اعتکاف بیٹھنا ضروری ہے یا نہیں تاکہ اعتکاف مکمل ہو جائے؟

الجواب:۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں پورے دس دن کا اعتکاف کرنا سنت ہے چند ایام اعتکاف کرنے سے سنت ادا نہیں ہوتی، موت واقع ہونے کی صورت میں معتکف نے اعتکاف پورا نہیں کیا کیونکہ اس کا اعتکاف عشرہ تک نہ رہا۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور شخص اعتکاف پر

---

[۱] قال عالم بن العلاءؒ:۔ ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادة المریض و صلوٰة الجنازة وحضور مجلس العلم یجوز له ذٰلك۔ (فتاویٰ تاتارخانیه ج ۲ ص۴۱۲ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)
وَمِثْلُهٗ فی ردالمحتار ج ۲ ص۴۴۸ باب الاعتکاف۔

[۲] قال عالم بن العلاءؒ:۔ ولا یتکلم بفضول کلام الدنیا...... ولا یتکلم بما فیه اثم فان النبی صلی الله علیه وسلم کان یحدث مع الناس فی اعتکافه۔
(فتاوی تاتارخانیة ج ۲ ص۴۱۳ تا ۴۱۴ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)
وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج ۲ ص۳۰۴ باب الاعتکاف۔

نہ بیٹھا ہو تو پوری بستی پر ذمہ داری باقی رہے گی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ:۔ (قوله ای سنة کفایة) نظیرها اقامة التراویح بالجماعة فاذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقین فلم یاثموا بالمواظبة علی الترک بلا عذر ولو کان سنة عین لاثموا بترک السنة المؤکدة اثما دون اثم ترک الواجب۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۴۲ باب الاعتکاف)[1]

کیا معتکف کیلئے نماز جنازہ پڑھنا درست ہے؟

سوال:۔ معتکف کے لیے شرعاً نماز جنازہ پڑھانا جائز ہے یا نہیں اور اس کے اعتکاف پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وجوبی اور مسنون اعتکاف سے بلا ضرورت نکلنا مفسدِ اعتکاف ہے، البتہ اگر ابتداء میں نماز جنازہ وغیرہ کے لیے نکلنے کی شرط رکھی جائے تو اس صورت میں نماز جنازہ کا پڑھنا یا پڑھانا مفسدِ اعتکاف نہیں لیکن بغیر شرط کے نماز جنازہ پڑھنے یا پڑھانے کے لیے نکلنا فسادِ اعتکاف کا ذریعہ ضرور ہے تاہم نفلی اعتکاف میں توسع کی بناء پر بغیر استثناء کے نکلنا مفسدِ اعتکاف نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاءؒ:۔ ولا یخرج لاکله و شربه ولا لعیادة المریض ولا لصلوٰة الجنازة......ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادة المریض وصلوٰة الجنازة و حضور مجلس العلم یجوز له ذٰلک...... واما فی الاعتکاف النفل فلا بأس بان یخرج بعذر او بغیر عذرٍ۔ (الفتاوٰی التاتارخانیة ج۲ ص۴۱۲،۴۱۳ کتاب الصوم باب الاعتکاف)[2]

---

[1] قال العلامة محمد عبد الحیؒ:۔ هو سنة مؤکدة کفایة اذا قام بها البعض سقط عن الآخرین۔ (عمدة الرعایة علی هامش شرح وقایة ج۱ ص۳۲۱ باب الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۱ ص۱ کتاب الطهارة ــ

[2] لما قال العلامة السید محمد یوسف البنوریؒ:۔ لا یخرج المعتکف من معتکفه الا لحاجة شرعیة او طبعیة...... واما اذا خرج من المسجد بغیر حاجة شرعیة او طبعیة فیفسد الاعتکاف ......لو شرط وقت النذر ان یخرج لعیادة مریض وصلاة الجنازة وحضور مجلس علم جاز ذٰلک...... وما روی عنه صلی الله علیه وسلم من الرخصة فی عیادة المریض وصلوٰة جنازة فقال ابو یوسف ذٰلک محمول علی اعتکاف التطوع۔ (معارف السنن ج۵ ص۵۲۹،۵۳۰ باب المعتکف یخرج لحاجته ام لا۔

معتکف کا نماز باجماعت کے لیے مسجد سے نکلنا

سوال: جس مسجد میں نماز باجماعت پابندی کے ساتھ نہ ہوتی ہو یا سرے سے جماعت ہوتی ہی نہ ہو تو معتکف کے لیے کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: مرد کے اعتکاف کے لیے جماعت والی مسجد ضروری ہے، البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں جماعت کی کوئی ممکن صورت نہ ہو تو معتکف کے لیے کسی دوسری مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے جانا درست ہے البتہ اگر نہ جائے تو اس کے اعتکاف پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ:۔ فی مسجد جماعة ھو ماله امام ومؤذن ادیت فیه الخمس ام لا، وعن الامام اشتراط اداء الخمس فیه صححه بعضھم وقال لا یصح فی کل مسجد وصححه السروجی واما الجامع فیصح فیه مطلقاً اتفاقاً۔ قال ابن عابدینؒ: ای وان لم یصلوا فیه الصلوٰة کلھا......

ایضاً قال الحصکفیؒ:۔ حرم علیه الخروج الا لحاجة الانسان) طبیعة کبول وغائط وغسل..... اوشرعیة کعید واذان لو مؤذنا وباب المنارة خارج المسجد۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۰ باب الاعتکاف) [1]

معتکف کا غسلِ جمعہ کے لیے مسجد سے نکلنا

سوال: دورانِ اعتکاف جمعہ کے دن غسل کرنے کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاءِ کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ معتکف کا جمعہ کے دن غسل کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے، بعض جزئیات میں سنتِ مؤکدہ اعتکاف کو نفلی اعتکاف میں شمار کیا گیا ہے اسی طرح ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرنے کے لیے مسجد سے نکلنے کی صورت میں اعتکاف فاسد نہیں ہوتا تاہم اجتناب اولیٰ ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ واما النفل فله الخروج لانه منه له لا مبطل کما امر

---

[1] قال العلامة طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: ثم المسجد الجامع ویجوز الاعتکاف فی الجامع وان لم یصلوا فیه بالجماعة...... ولا یخرج المعتکف من المسجد الا لحاجة لازمة شرعیة کالجمعة او لحاجة طبعیة کالبول والغائط۔ (خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص ۲۶۷ الفصل السادس فی الاعتکاف)
وَمِثْلُهٗ فی الکفایة فی ذیل فتح القدیر ج ۲ ص ۳۰۸ باب الاعتکاف۔

قال ابن عابدینؒ: (واما النفل) ای الشامل للسنۃ المؤکدۃ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۴۳ باب الاعتکاف) [۱]

معتکف جمعہ پڑھنے کے لیے کتنی دُور تک جا سکتا ہے

سوال:۔ اگر محلے کی مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو معتکف جمعہ پڑھنے کے لیے کتنی دور کی مسجد تک جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ معتکف کے لیے شرعاً جمعہ پڑھنے کے واسطے مصر(شہر) جانے کی اجازت ہے اگر مصر دور ہو تو قبل از زوال اپنی مسجد سے جمعہ پڑھنے کے لیے روانہ ہو سکتا ہے، تاہم ایسے وقت پر روانہ ہونا چاہیئے کہ وہاں پہنچ کر تسلی کے ساتھ سُنتیں اور فرض پڑھ سکے، فرض پڑھنے کے فوراً بعد اپنی مسجد کو واپس آجائے لیکن بقیہ سنتیں پڑھنے کے لیے اگر وہیں ٹھہر جائے تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا۔

قال فی الھندیۃ: ویخرج للجمعۃ حین تزول الشمس ان کان معتکفہ قریباً من الجامع بحیث لو انتظر زوال الشمس لاتفوتہ الخطبۃ والجمعۃ واذا کان بحیث تفوتہ لم ینتظر زوال الشمس لکنہ یخرج فی وقت یمکنہ ان یأتی الجامع فیصلی اربع رکعات قبل الاذان عند المنبر وبعد الجمعۃ یمکث بقدر ما یصلی اربع رکعات اوستا علی حسب اختلافھم فی سنۃ الجمعۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۱۲ الباب السابع فی الاعتکاف) [۲]

اعتکاف کی حالت میں تعلیم کے لیے نکلنا

سوال:۔ اگر اعتکاف کے دوران تعلیم کی ضرورت پڑے تو معتکف کے لیے مسجد سے نکلنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھنے سے قبل بعض امور کے کرنے کو مشروط کرے تو

---

[۱] قال العلامۃ عالم بن العلاءؒ:۔ واما فی الاعتکاف النفل فلا بأس بان یخرج بعذر اوبغیر عذر۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۱۲ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۱۳ الباب السابع فی الاعتکاف۔

[۲] قال العلامۃ طاھر بن احمد بن عبد الرشیدؒ:۔ وعن محمدؒ انہ ان کان منزلہ بعیداً من الجامع یخرج حین تری انہ یبلغ الجامع عند النداء وان کان خروجہ قبل الزوال ھو الصحیح۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۶۷ الفصل السادس فی الاعتکاف)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۰۱ باب الاعتکاف۔

اس دوران اس کے لیے وہ عمل کرنا جائز ہوگا اور اس سے اس کا اعتکاف متاثر نہیں ہوگا۔

قال العلامۃ عالم بن العلاءؒ:۔ ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادۃ المریض وصلوٰۃ الجنازۃ وحضور العلم یجوز لہٗ ذٰلک۔

(فتاویٰ تاتارخانیۃ ج ۲ ص ۴۱۲ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف) [۱]

بوقتِ ضرورت اعتکاف سے نکلنا

سوال:۔ اہل وعیال کی بیماری یا کسی بہت بڑے حادثہ کی وجہ سے اعتکاف کا چھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جان و مال یا اہل وعیال کے کسی ممکنہ یقینی خطرہ کی وجہ سے اعتکاف کو چھوڑنا جائز ہے، ایسی حالت میں ضرورتِ شدیدہ کی وجہ سے اگر معتکف باہر چلا جائے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا لیکن گنہگار نہ ہوگا، تاہم اگر مسجد کے انہدام کی وجہ سے یا جبراً مسجد سے نکالے جانے کی صورت میں فوراً دوسری مسجد میں داخل ہو جائے تو اعتکاف برقرار رہے گا۔

لما قال العلامۃ فخر الدین الزیلعیؒ:۔ وکذا لو خرج للجنازۃ یفسد اعتکافہ وکذا لصلوٰتہا ولو تعینت علیہ او لانجاء الغریق او الحریق او الجہاد اذا کان النفیر عامًا او لاداء الشہادۃ کل ذٰلک مُفسد بخلاف الخروج لحاجۃ الانسان لانہا معلومۃ الوقوع فتکون مستثناۃ ولہٰذا لو انہدم المسجد الذی ہو فیہ فانتقل الیٰ مسجد آخر لم یفسد اعتکافہ للضرورۃ لانہ لم یبق مسجدًا بعد ذٰلک ففات شرطہ وکذا لو تفرق اہلہ لعدم الصلوات الخمس فیہ ولو اخرجہ ظالم کرھا او خاف علی نفسہ او مالہ من المکابرین فخرج لا یفسد اعتکافہ۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۵۱ باب الاعتکاف) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفیؒ: لو شرط وقت النذر ان یخرج لعیادۃ مریض وصلوٰۃ جنازۃ وحضور مجلس علم جاز ذٰلک فلیحفظ۔ (الدر المختار ج ۲ ص ۱۲۶ باب الاعتکاف)

وَمِثْلُہٗ فی حاشیۃ طحطاوی ج ۱ ص ۴۸۴

[۲] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولما لا یغلب کانجاء غریق وانہدام مسجد فمسقط للاثم لا للبطلان والا لکان النسیان اولیٰ بعدم الفساد کما حققہ الکمال خلافًا لما فصلہ الزیلعی وغیرہ۔ قال ابن عابدینؒ: تحت قولہ خلافًا لما فصلہ الزیلعیؒ حیث جعل الخروج لعیادۃ المریض والجنازۃ وصلوٰتہا وانجاء الغریق والحریق والجہاد اذا کان النفیر عامًا واداء الشہادۃ مفسدًا بخلاف خروجہ الی مسجد آخر بانہدام المسجد او تفرق اہلہ لعدم صلوٰۃ الخمس فیہ واخراج ظالم کرھا وخوفہ علی نفسہ او مالہ من المکابرین۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۹ باب الاعتکاف)

اخراجِ ریح کے لیے معتکف کا مسجد سے نکلنا

سوال:۔ ظاہر ہے کہ مسجد میں ریح نکالنا مناسب نہیں، کیا معتکف اس کے لیے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسجد میں اخراجِ ریح اگرچہ بالاتفاق مکروہ ہے لیکن طبعی تقاضے کی وجہ سے معتکف کے بارے میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ہیں، بعض فقہاء اخراجِ ریح کے لیے مسجد سے نکلنا افضل مانتے ہیں جبکہ بعض فقہاء مسجد سے نکلنے کو منع کرتے ہیں، اگرچہ سب کے ہاں مسجد ہی میں ریح نکالنا مرخص ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اخراجِ ریح کے لیے مسجد سے باہر نکلے۔

قال ابن عابدینؒ :۔ (تحت قوله ولا البول والفصد فیه) وکذا لایخرج فیه الریح من الدُّبر کما فی الاشباه واختلف فیه السلف فقیل لابأس وقیل یخرج اذا احتاج الیه وهو الاصح حموی عن شرح الجامع الصغیر للتمرتاشی۔ (رد المحتار ج ۱ ص۴۸۶ مطلب فی احکام المسجد) [1]

بھول کر اعتکاف سے نکلنے کا حکم

سوال:۔ کسی آدمی کا بھول کر اپنے معتکف سے نکلنے کی وجہ سے اس کے اعتکاف کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بھول کر معتکف سے نکلنا صاحبین کے نزدیک مفسدِ اعتکاف نہیں، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف باقی نہیں رہتا، احتیاط اسی میں ہے۔

قال برهان الدینؒ :۔ ولو خرج من المسجد ساعة بغیر عذر فسد اعتکافه عند ابی حنیفةؒ رحمه الله تعالیٰ لوجود المنافی وهو القیاس وقالا لایفسد۔ (الهدایة ج ۱ ص۲۱۲ باب الاعتکاف) [2]

---

[1] لما فی الهندیة: سُئل ابوحنیفةؒ عن المعتکف اذا احتاج الی الفصد او الحجامة هل یخرج فقال لا وفی اللآلی واختلف فی الذی یفسو فی المسجد فلم یر بعضهم بأسًا وبعضهم قالوا لایفسو ویخرج اذا احتاج الیه وهو الاصح کذا فی التمرتاشی۔ (الفتاویٰ الهندیه جلد ۵ ص۳۲۱ کتاب الکراهیة الباب الخامس فی آداب المسجد)

وَمِثْلُهُ فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص۱۵۶ باب الاعتکاف۔

[2] قال العلامة شیخ الاسلام ابی بکر بن علی رحمه الله :۔ وکذا اذا خرج من المسجد ساعة بغیر عذر فسد اعتکافه عند ابی حنیفة لوجود المنافی وعندهما لایفسد۔

(الجوهرة النیرة ج ۱ ص۱۸۰ باب الاعتکاف۔

وَمِثْلُهُ فی فتح القدیر ج ۲ ص۳۱۱ باب الاعتکاف۔

حُقہ پینے کے لیے مسجد سے نکلنا مرخص نہیں

سوال:۔ اگر معتکف حُقہ پینے کا عادی ہو تو کیا اس کے لیے حُقہ پینے کی خاطر مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حُقہ نوشی کوئی ایسی چیز نہیں جو معتکف کے حوائج طبعی میں شمار ہوسکے جس کے لیے مسجد سے نکلنا مرخص ہو، اگر مسجد کے احاطہ میں کھڑے ہوکر دھواں باہر نکالنا ممکن ہو تو تطبیق کی صورت پیدا ہوسکتی ہے، ورنہ مسجد سے محض اس کے لیے نکلنا یا مسجد میں حُقہ پینا معتکف کو زیب نہیں دیتا، تاہم دورانِ اعتکاف ایسی چیزوں کا استعمال آزمائش سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ (الخروج الّا لحاجة الانسان) طبیعة کبول وغائط وغسل لو احتلم ولا یمکنه الاغتسال فی المسجد اوشرعیة کعید واذان لو مؤذنا وباب المنارة خارج المسجد ...... فلو خرج ولو ناسیًا ساعة زمانیة لا رملیة کما مر بلا عذر فسد۔

(الدرالمختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۸ باب الاعتکاف) [۱]

معتکف کا بیرونِ مسجد باتیں کرنا

سوال:۔ اگر معتکف کسی ضرورت کی تکمیل کے لیے مسجد سے باہر نکلے تو راستے میں کسی سے باتیں کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی معتکف کسی ضرورت کے تحت مسجد سے باہر نکل کر چند باتیں کرے تو اس سے اعتکاف پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا البتہ اگر بلا ضرورت باتوں کیلئے ٹھہر جائے تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا تاہم بہتر یہ ہے کہ بلا ضرورت باتوں سے اجتناب کیا جائے۔

قال ابن نجیمؒ:۔ واما التکلم بغیر خیر فانه یکرہ لغیر المعتکف فما ظنك للمعتکف۔

(البحرالرائق ج ۲ ص ۳۰۴ باب الاعتکاف) [۲]

---

[۱] لما قال العلامة عماد بن حسن الشرنبلالیؒ:۔ (ولا یخرج منه) من معتکفه فیشمل المرأة..... الا لحاجة شرعیة کالجمعة..... اوحاجة طبعیة کالبول والغائط وازالة نجاسة..... فان خرج ساعة بلا عذر فسد الواجب۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص ۵۷۹ باب الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۳۲ باب الاعتکاف۔

[۲] قال طاهر ابن احمد ابن عبد الرشیدؒ:۔ واذا خرج لبول اوغائط لا یمکث فی منزله بعد الفراغ من الطهور۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۶۷ باب الاعتکاف۔

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص ۱۸۱ باب الاعتکاف

حالتِ اعتکاف میں بیوی سے بوس وکنار کا حکم

سوال:۔ مسجد میں اعتکاف کے دوران اپنی بیوی سے بوس وکنار سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جماع مفسدِ اعتکاف ہے البتہ دواعی جماع (بوس وکنار) مفسدِ اعتکاف نہیں مگر اس کا ارتکاب حرام ضرور ہے، تاہم اس دواعی سے اگر انزال ہوجائے تو اس صورت میں اعتکاف ختم ہوجائے گا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ وبطل بوطئ فی فرج انزل ام لا ولو کان وطؤه خارج المسجد لیلا اونهاراً عامداً او ناسیاً فی الاصح لان حالته مذکرة وبطل بانزال بقبلة اولمس وتفخیذ ولو لم ینزل لم یبطل وان حرم الکل لعدم الحرج ـــ قال ابن عابدینؒ تحت قوله (وان حرم الکل) ای کل ماذکر من دواعی الوطء اذ لا یلزم من عدم البطلان بها حلها۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج۲ ص۴۵۰ باب الاعتکاف) [1]

حالتِ اعتکاف میں بیوی سے باتیں کرنا

سوال:۔ کیا اعتکاف کی حالت میں بیوی سے باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ معتکف مسجد میں ہو اور اس کی بیوی گھر میں ہو؟

الجواب:۔ حالتِ اعتکاف میں بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے، خیر اور بھلائی کی باتیں کرنا ہر کسی سے جائز ہے چاہے انسان کی شریکِ حیات ہو یا کوئی اور، تاہم بیوی سے پیار و محبت کی باتیں کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ ویکره تحریماً صمت ان اعتقده قربة والا لا وتکلم الا بخیر وهو ما لا اثم فیه ومنه المباح عند الحاجة الیه لا عند عدمها الخ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المختار ج۲ ص۴۴۹ باب الاعتکاف)

---

[1] وفی الهندیة: (ومنها الجماع ودواعیه) فیحرم علی المعتکف الجماع ودواعیه نحو المباشرة والتقبیل واللمس والمعانقة والجماع فیما دون الفرج واللیل والنهار فی ذٰلک سواء والجماع عامداً او ناسیاً لیلاً اونهاراً یفسد الاعتکاف انزل او لم ینزل وماسواه یفسد اذا انزل وان لم ینزل لا یفسد۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۱۳ الباب السابع فی الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۱۱۶ کتاب الاعتکاف۔

کیا محلے کی ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے؟

سوال:۔ کیا رمضان المبارک میں محلے کی ہر مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمضان کے مہینے میں اعتکاف مسنون علی الکفایہ ہے لیکن فقہی ذخائر میں اس بات کی کوئی تصریح نظر سے نہیں گذری ہے کہ ہر محلے کی ہر مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے، البتہ علامہ شامیؒ کی ایک تشبیہ سے جو انہوں نے اعتکاف کو تراویح کے ساتھ دی ہے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی طرح اعتکاف بھی ہر محلے کی ہر مسجد میں مسنون ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله سنة علی الکفایة) نظیرها اقامة التراویح بالجماعة فاذا قام بها البعض سقط الطالب عن الباقین فلم یأثموا بالمواظبة علی الترك بلا عذر ولو کان سنة عین لاثموا بترك السنة المؤکدة اثما دون اثم ترك الواجب۔
(ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۴۲ فصل فی الاعتکاف)[1]

وقال ایضاً (تحت قوله والجماعة فیها سنة علی الکفایة) افاد ان اصل التراویح سنة عین (الی ان قال) وهل المراد انها سنة کفایة لاهل کل مسجد من البلدة او مسجد واحد منها او من المحلة ظاهر کلام الشارح الاول واستظهر الثانی ویظهر لی الثالث لقول المنیة حتی لو ترك اهل محلة کلهم الجماعة فقد ترکوا السنة واساؤا۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۳ فصل فی التراویح)

معتکف کا اذان کے لیے خارج از مسجد اذان خانہ کو جانا

سوال:۔ اگر اذان خانہ مسجد سے باہر ہو تو کیا مؤذن جو کہ مسجد میں معتکف ہے اذان کے لیے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ معتکف کا بلا ضرورت شرعی وطبعی کے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، چونکہ اذان دینا ایک امر شرعی ہے اسلیے اذان کے لیے مسجد سے باہر اذان خانے کو جا سکتا ہے اور اس سے اعتکاف متاثر نہیں ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: او شرعیة ای تحرج لحاجة شرعیة کعید واذان لو مؤذنا وباب المنارة خارج المسجد۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۸ باب الاعتکاف)

---

[1] قال العلامة ابن همامؒ:۔ وصعود المئذنة ان کان بابها من خارج المسجد لا یفسد فی ظاهر الروایة وقال بعضهم هذا فی حق المؤذن لان خروجه للاذان معلوم فیکون مستثنیٰ اما غیره فیفسد اعتکافه وصحح قاضیخان انه قول الکل فی حق الکل۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۱۱ باب الاعتکاف) ـــــ ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۶۹ الباب السادس فی الاعتکاف۔

عورتوں کے لیے اعتکاف کا حکم

سوال :۔ عورتوں کا اعتکاف کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ علماء احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ ہمارے علاقے کے گھروں میں عورتوں کے لیے نماز پڑھنے کی کوئی خاص جگہ مقرر نہیں ہوتی اور وہ ہر پردہ کی جگہ میں نماز ادا کر لیتی ہیں، تو کیا وہ گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہیں اُسی جگہ اعتکاف کر سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب :۔ عورتوں کا اپنے گھروں میں اعتکاف کرنا احناف کے ہاں جائز ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں، عورتیں گھر کے کسی بھی کونے میں پردہ لگا کر اعتکاف کر سکتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ عورتوں کا نماز کے لیے گھر کے اندر کوئی خاص جگہ مقرر کرنا ضروری نہیں، جہاں بھی ممکن ہو نماز بلا کراہت ادا کی جا سکتی ہے، تاہم جہاں تک ہو سکے پردہ میں نماز ادا کی جائے تو بہتر ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: او لبث امرأة فی مسجد بیتها۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله فی مسجد بیتها وهو المعد لصلاتها الذی یندب لها ولکل احد اتخاذہ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۱ باب الاعتکاف) [1]

حالتِ اعتکاف میں اخبار وغیرہ پڑھنے کا حکم

سوال :۔ معتکف آدمی اعتکاف کے دوران اخبار و رسائل پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح خبریں سننے کی غرض سے ریڈیو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اخبارات میں اکثر عریاں تصویریں ہوتی ہیں جبکہ ریڈیو میں صرف آواز سنائی دیتی ہے، تو کیا خبریں سننا زمرۂ عبادت میں شمار ہیں یا معاملات میں؟ ان افعال کے مرتکب شخص کو بار بار سمجھایا گیا کہ معتکف کے لیے یہ فعل غیر مناسب ہے، معتکف چونکہ ریٹائرڈ ٹیچر ہے اس لیے وہ اپنے اس فعل کو مجتہد کی حیثیت سے چھوڑنے کے لیے قطعاً تیار نہیں ـــــ برائے مہربانی تقدسِ مسجد اور آدابِ اعتکاف سے تفصیلاً آگاہ فرمائیں؟

---

[1] وفی الهندیة: المرأة تعتکف فی مسجد بیتها اذا اعتکف فی مسجد بیتها فتلك البقعة فی حقها کمسجد الجماعة فی حق الرجل لا تخرج منه الا لحاجة الانسان۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۱۱ الباب السابع فی الاعتکاف)

الجواب:۔ اعتکاف کا بنیادی مقصد رضاء الٰہی ہے اس لیے اعتکاف کے دوران اُن عبادات میں مشغول ہونا چاہیئے جو رضاء الٰہی کا باعث بنتی ہوں۔ فقہاء کرام نے معتکف کے لیے قرآنِ کریم کی تلاوت، احادیثِ مبارکہ اور دینی کتابوں کا مطالعہ اور نوافل کثرت سے پڑھنا تجویز کیا ہے، لہٰذا ایک معتکف کو ان امور میں مشغول رہنا چاہیئے نہ کہ اخبار پڑھنے اور خبریں سُننے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرے۔ اور ویسے بھی مسجد کے اندر تصاویر اور آلاتِ لہو ولعب لے جانا شرعاً جائز نہیں۔ اس لیے کسی معتکف کو ریڈیو سے خبریں سننا اور اخبارات دیکھنا صحیح نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: تكلم إلا بخير وهو ما لا اثم فيه ومنه المباح عند الحاجة اليه لا عند عدمها...... كقرأة قرآن وحديث وعلم وتدريس في سير الرسول عليه الصّلوٰة والسّلام وقصص الانبياء عليهم السلام وحكاية الصالحين وكتابة امور الدين۔ [1]

{الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۹، ۴۵۰ باب الاعتكاف}

بحالتِ اعتکاف جگہ تبدیل کرنا

سوال:۔ عمومی طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اعتکاف کے لیے ایک جگہ مخصوص کرتے ہیں، کیا جگہ مخصوص کرنے کے بعد بحالتِ اعتکاف اُس جگہ کو تبدیل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اعتکاف کیلئے مسجد کا ہونا ضروری ہے، معتکف مسجد کے اندر جہاں چاہے رہ سکتاہے، حالتِ اعتکاف میں مسجد کے اندر جگہ تبدیل کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال الشیخ عزیز الرحمنؒ: تمام مسجد میں جہاں چاہے اعتکاف میں بیٹھنے میں کچھ حرج نہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۶ ص ۵۰۲ باب الاعتکاف)

---

[1] وفي الهندية: ويلازم التلاوة والحديث والعلم وتدريسه وسير النبي صلى الله عليه وسلم والانبياء عليهم السلام واخبار الصالحين وكتابة امور الدين۔

{الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۱۲ الباب السابع في الاعتكاف}

معتکف دھوپ کے لیے مسجد کے صحن میں بیٹھ سکتا ہے

سوال:۔ کیا سردی کے دنوں میں معتکف اپنی مخصوص جگہ سے نکل کر باہر صحن میں دھوپ میں بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حالتِ اعتکاف میں مسجد کے اندر رہنا ضروری ہے، تمام مسجد مُعتَکِف کے لیے مُعتَکَف ہے، لہٰذا مُعتکِف آدمی مسجد کے اندر جہاں چاہے قیام کرے اگرچہ مخصوص جگہ کے علاوہ ہی ہو۔

لما قال الشیخ عزیز الرحمٰنؒ:۔ مُعتکِف جس مسجد میں مُعتَکَف ہے اُس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا ہے اور سو سکتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۶ ص ۵۰۳ باب الاعتکاف)[1]

حالتِ اعتکاف میں کھانا لانے کیلئے گھر جانے اور وہاں منہیات کا ارتکاب کرنے والے کے اعتکاف کا حکم

سوال:۔ ہمارے گاؤں کا ایک شخص رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے کیلئے محلے کی مسجد میں بیٹھ گیا۔ چونکہ اس کے لیے گھر سے سحری اور افطاری لانے کا کوئی انتظام نہ تھا اس لیے اسے خود ہی سحری اور افطاری لانے کے لیے گھر جانا پڑتا، ایک دن سحری لانے کیلئے جب وہ گھر گیا تو لاعلمی میں اس نے ضرورت سے زیادہ وقت گذارا اور اپنی بیوی کا بوسہ بھی لیا لیکن جماع نہیں کیا۔ اِس پر مسجد کے امام نے اس سے کہا کہ آپ کا اعتکاف ٹوٹ گیا ہے اسلئے آپ اس کی قضاء کریں۔ آنجناب سے التجاء ہے کہ کیا یہ شخص تمام دنوں کے اعتکاف کی قضاء کرے گا یا صرف اسی دن کی؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ کیا اعتکاف کی قضاء غیر رمضان میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو شخص رضا الٰہی کے لیے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں معتکف ہو جائے تو وہ بلا ضرورتِ شرعی یا دنیاوی مسجد کی حدود سے باہر نہ نکلے۔ بہتر یہ ہے کہ گھر سے سحری یا افطاری لانے کے لیے کوئی دوسرا انتظام کیا جائے لیکن اگر کوئی دوسرا انتظام ممکن نہ ہو تو پھر خود بھی جا سکتا ہے مگر بقدرِ ضرورت یعنی صرف سحری یا افطاری اٹھا کر مسجد میں لے آئے۔

---

[1] قال العلامۃ الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں بلکہ عبادتِ نافلہ و ذکر کے لیے اس میں رہنا بہتر ہے، باقی اوقات میں مسجد کے اندر جہاں چاہے اُٹھے بیٹھے۔
(امداد الاحکام ج ۲ ص ۱۴۵ باب الاعتکاف)

کما قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولا یخرج من المسجد الا لحاجۃ الانسان والجمعۃ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۲۱۲ کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

ضرورت سے زیادہ تاخیر نہ کرے اور نہ اُن اوامر کا ارتکاب کرے جو شرعاً اعتکاف کے دوران ممنوع ہیں، مثلاً بیوی سے جماع کرنا یا دواعی جماع کرنا وغیرہ۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں چونکہ اس شخص نے حالتِ اعتکاف میں دو منہیات کا ارتکاب کیا ہے (۱) سحری لاتے وقت بلاضرورت گھر میں ٹھہرا۔ (۲) اپنی منکوحہ کا بوسہ لیا۔ اس لیے اس کا اس دن کا اعتکاف ٹوٹ گیا ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وخص المعتکف باکل وشرب ونوم وعقد احتاج الیہ ـــ فلو خرج لاجلھا فسد لعدم الضرورۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۸۶ باب الاعتکاف)

اس لیے اس پر صرف اسی دن کے اعتکاف کی قضا کر ہے۔

کما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ای علی قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ نیقضی الیوم الذی افسدہ لاستقلال کل یوم بنفسہ۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۴۳ کتاب الصوم۔ باب الاعتکاف)

قضا چاہے رمضان میں کرے یا غیر رمضان میں، لیکن غیر رمضان میں اعتکاف کی قضا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُس دن روزہ بھی رکھے۔

کتاب
الحج

مصر کے مشہور استاد خطاط محمد حسنی کا خطِ ثلث کا ایک نادر نمونہ
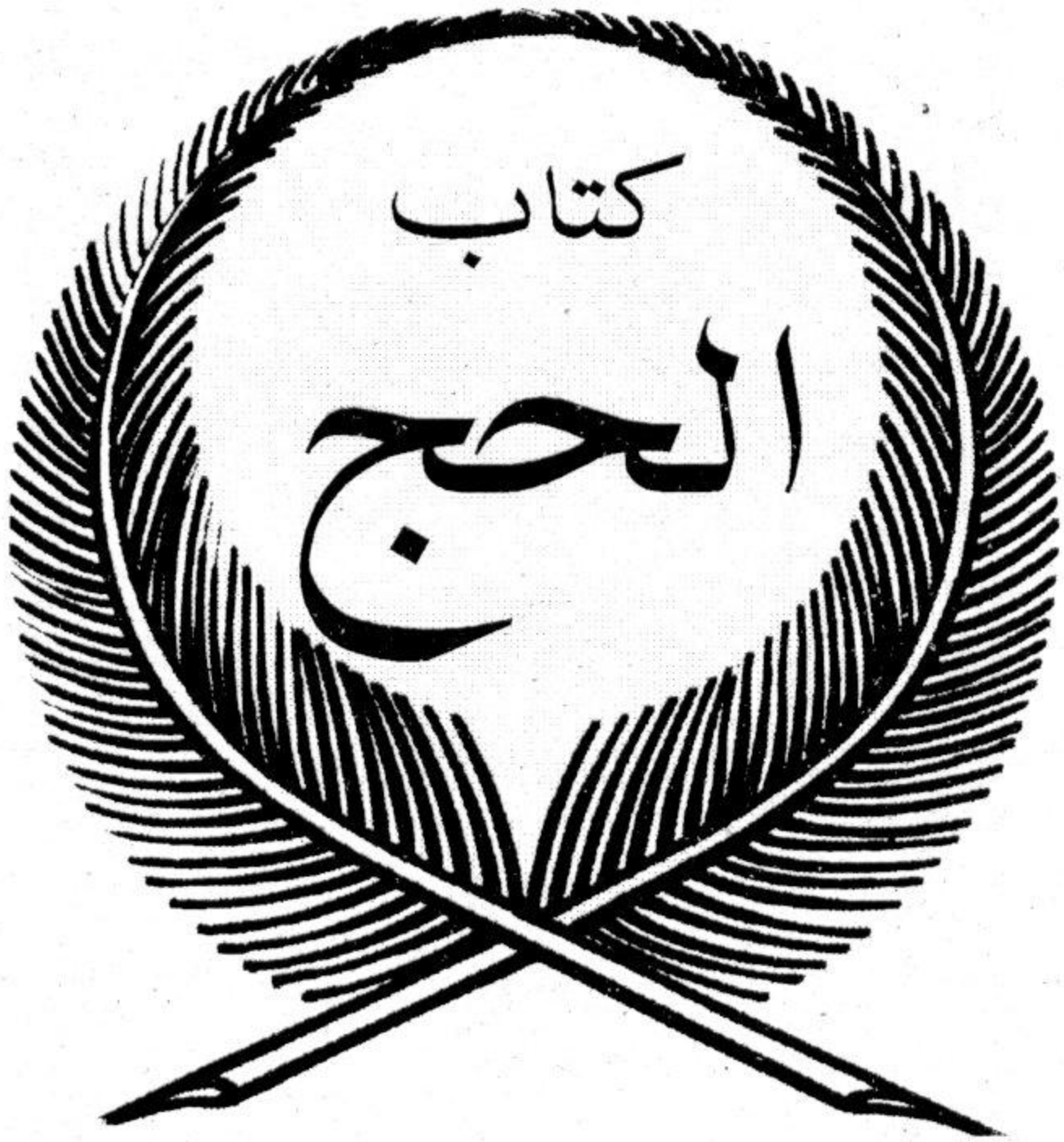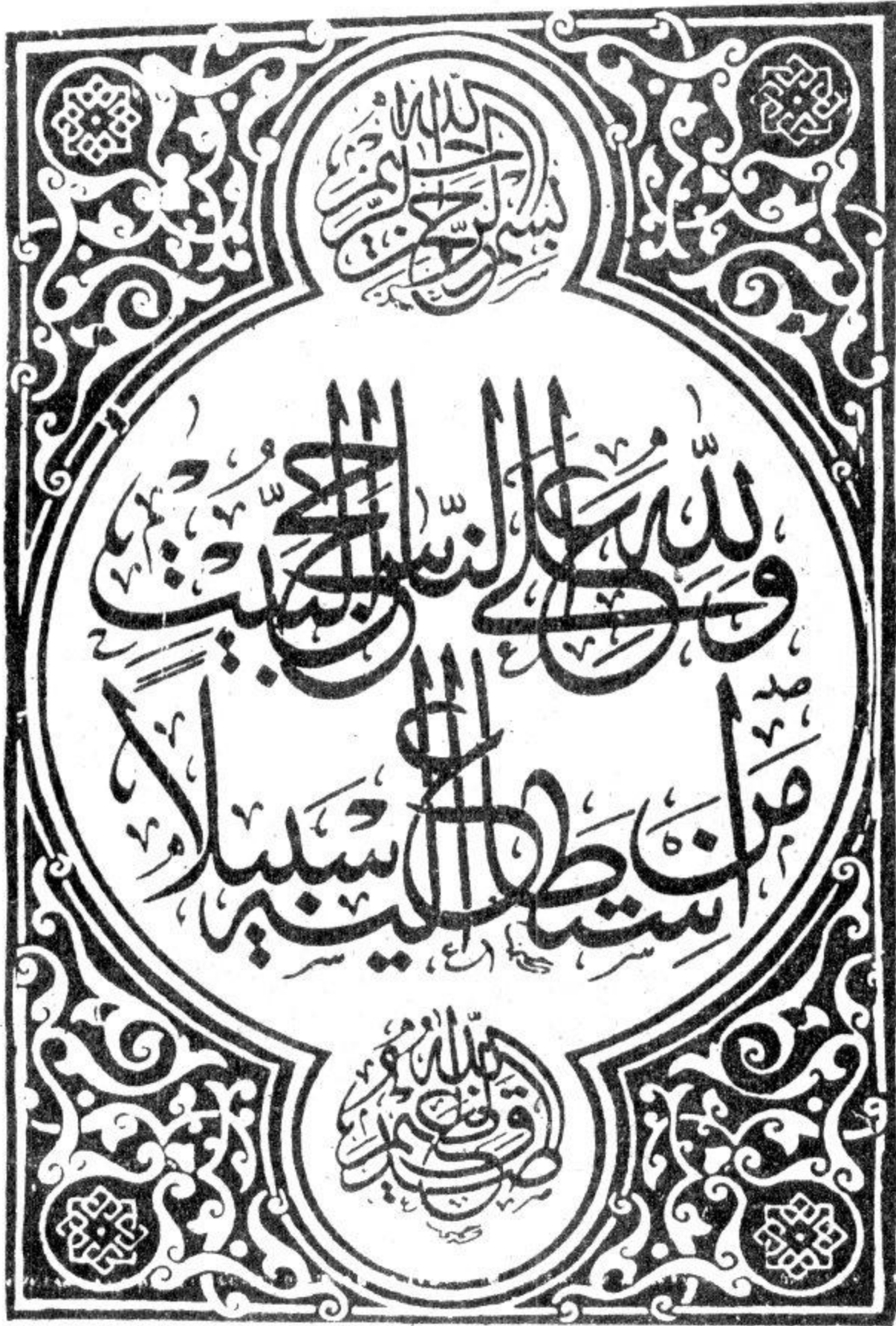
باب شرائط الحج وارکانہ

(حج کے شرائط وارکان کے بارے میں)

حج کی فرضیت کا وقت

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کو رمضان کے مہینہ میں اپنے دادا کی میراث سے کافی مقدار میں مال ملا اور محرم کے مہینہ تک مال موجود رہا بعد میں مال خرچ ہوگیا تو کیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فرضیتِ حج کے لیے اشہرِ حج میں مالِ کثیر کا مالک ہونا ضروری ہے، چونکہ یہ آدمی اشہرِ حج میں مال کا مالک بنا تھا اس لیے اس پر حج فرض ہوگیا ہے، البتہ اگر یہ آدمی کسی ایسے بعید ملک میں رہتا ہو کہ وہاں سے اشہرِ حج سے قبل حجاج روانہ ہوتے ہوں تو قافلۂ حجاج کی روانگی کا وقت معتبر ہوگا۔

قال الامام ابن همامؒ:۔ والاولی ان یقال اذا کان قادرًا وقت خروج اهل بلده ان کانوا یخرجون قبل اشهر الحج لبعد المسافة اوقادرًا فی اشهر الحج ان کانوا یخرجون فیها ولم یحج حتی افتقر تقرر دینًا۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۳۲۱ کتاب الحج) [1]

ضرورت سے زائد زمین ہو تو حج فرض ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کی زمین اس کی ضروریات سے زائد ہے تو کیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مصارف حج ادا کرنے کے بعد اتنی زمین باقی رہتی ہو کہ وہ اس کے اور اس کے اہل وعیال کی معاشں کے لیے کافی ہو تو اس پر حج فرض اور لازمی ہے۔

وفی الهندیة:۔ ان کان له من الضیاع لو باع مقدار ما یکفی لزاد والراحلة ذاهب

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله علی مسلم الاوّل شروط الوجوب والوقت ای القدرة فی اشهر الحج او فی وقت خروج اهل بلدة علی ما یأتی۔

ردّ المحتار ج ۲ ص۴۵۸ کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال الحرام)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۲۱۹ کتاب المناسك، الباب الاوّل۔

وجائياً ونفقة عياله واولاده ويبقى له من الصنيعة قدر ما يعيش بغلة الباقي يفترض عليه الحج والا فلا۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۱۸ الباب الاول في تفسير الحج)[۱]

زمین کی آمدنی پر حج کی فرضیت

سوال:۔ میری کچھ زمین ہے اُس سے جو سالانہ آمدنی حاصل ہوتی ہے اس سے صرف میرا خرچہ پورا ہوتا ہے تاہم اگر زمین کی قیمت لگائی جائے تو وہ کافی مالیت کی بنتی ہے، کیا اس قیمت کی وجہ سے مجھ پر حج فرض ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ حج کی فرضیت کے لیے مالی استطاعت کا ہونا ضروری ہے صرف زمین کی قیمت پر حج فرض نہیں ہوتا البتہ اگر زمین کی آمدنی اتنی مقدار میں ہو کہ جس سے اہل وعیال کا اور حج کے لیے آمدورفت کا خرچہ پورا ہوتا ہو تو حج فرض ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني ؒ:۔ اذا قدر على الزاد والراحلة فاضلة عن المسكن ومالا بد منه وعن نفقة عياله الى حين عوده۔ (الهداية ج۱ ص۲۱۲ كتاب الحج)[۲]

صرف تصرف کا اختیار حج کی فرضیت کے لیے کافی نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بیوہ عورت کی اولاد مالدار ہے اور ماں کو بھی اولاد کے مال پر تصرف کرنے کا پورا پورا اختیار ہے، تو کیا اس اختیار کی وجہ سے اس عورت پر حج فرض ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر اس عورت کے پاس مال بطورِ ملک ہو اور اس میں شرائطِ حج بھی پائی جائیں تو اس پر حج فرض ہے، صرف مال پر اختیار ہونے کی وجہ سے شرعاً حج فرض

---

[۱] وقال قاضيخان:۔ وان كان صاحب صنيعة ان كان له من الضياع لو باع مقدار ما يكفي لزاد والراحلة ذاهباً وجائياً ونفقة عياله واولاده ويبقى له من الصنيعة قدر ما يعيش بغلة الباقي يفترض عليه الحج والا فلا۔ (الفتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج ۱ ص۲۸۱ كتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۴ كتاب الحج۔

[۲] قال العلامة التمرتاشي ؒ: وراحلة فضلة عما لا بد منه وفضلا عن نفقة عياله الى حين عوده۔ (تنوير الابصار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۶۲ كتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۱ كتاب الحج۔

نہیں ہوتا۔

واما شرائط الوجوب منها الاسلام ومنها العقل ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۱۷ كتاب الحج، الباب الاول فی تفسیر الحج) [۱]

مشترکہ مال سے حج کی فرضیت کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم چار بھائی مشترکہ کاروبار کرتے ہیں، کیا اس کاروبار سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اس سے ایک بھائی حج کر سکتا ہے؟ نیز مشترکہ مال پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر مشترکہ کاروبار کے اس منافع کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد ہر ایک کے حصہ میں اتنی رقم آئے کہ اس سے حج کے جملہ اخراجات پورے ہوتے ہوں تو ہر حصہ دار پر حج فرض ہے، مال مشترکہ کے کل نفع پر مجموعی طور پر حج فرض نہیں ہوتا۔

قال العلامة الحصكفیؒ:۔ على مسلم ذی زاد، الخ۔ وراحلة فضلاً عما لا بد منه وفضلاً عن نفقة عياله الخ الى حين عوده۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۵۸ كتاب الحج) [۲]

حکومت کے خرچ پر حج کرنے سے حج کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک آدمی سرکاری ملازم ہے اور وہ ۱/۴ حصہ رقم جمع کرتا ہے باقی رقم حکومت اپنی جانب سے ادا کرتی ہے لہٰذا اگر یہ شخص اس طرح حج کرے تو کیا یہ حج فرض حج شمار ہوگا یا نفل؟

الجواب:۔ اس سفر سے اس کا حج فرض ادا ہو کر اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا، کیونکہ

---

[۱] قال العلامة التمرتاشیؒ: على مسلم ذی زاد وراحلة وفضلاً عن نفقة عياله الى حين عوده۔ (تنویر الابصار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۱ كتاب الحج)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۱ كتاب الحج۔

[۲] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ:۔ شرائط وجوب الحج العقل والبلوغ والحرية والاستطاعة وتكلموا فی تفسير الاستطاعة۔ قال ابو حنيفةؒ فی ظاهر رواية تفسيرها سلامة البدن وملك الزاد والراحلة۔ (فتاوى تاتارخانیہ ج ۲ ص ۴۲۹ كتاب الحج، الفصل الاول فی شرائط الوجوب)
وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ۱ ص ۲۱۷ الباب الاول فی تفسير الحج۔

حکومت نے جو رقم دی ہے وہ حج بدل کے لیے نہیں بلکہ بطور تعاون دی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ بخلاف ما لو خرج لیحج عن نفسه وفقیر حاجز عنه وصوله الی المیقات صار قادراً لقدرة نفسه وفیه ایضاً الا فاقی اذا وصل الی المیقات فهو کالمکی۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الحج) لہ

حرام مال سے حج کرنے کا حیلہ

سوال:۔ ایک شخص کے مال میں حرام مال کا اختلاط ہے اب وہ حج کرتا ہے تو اس کے لیے کسی سے کچھ رقم قرض پر لیتا ہے لیکن جب قرض ادا کرتا ہے تو حرام مال سے ادا کرتا ہے، تو کیا اس شخص کا حج صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:۔ وجوب حج کے لیے مالِ حلال یا مخلوط مال کا ہونا ضروری ہے چونکہ اس شخص نے قرض (مالِ حلال) لے کر حج کیا تو اس کا حج صحیح ہے اگرچہ اس شخص نے قرض کو مالِ حرام سے واپس کیا ہو تاہم اس طرح کی حیلہ بازیوں سے اجتناب ضروری ہے۔

اذا اراد الرجل ان یحج بمال الحلال فیه شبهة فانه یستدین للحج ویقضی دینه من ماله کذا فی فتاوی قاضیخان۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۲۰ الباب الاول فی الحج) ؎۲

چوری کا مال مخلوط ہو جانے پر حج کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص چوری کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر تجارت کرے اور جب اسے غناء حاصل ہو اور اس پر حج فرض ہو جائے تو کیا یہ شخص اُس مال سے حج کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چوری کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملانے سے کل مال اس کی ملک میں

لہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ:۔ والفقیر اذا حج ماشیاً ثم ایسر لا حج علیه۔
(الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۴۳۷ کتاب الحج۔ الفصل الاول فی شرائط الوجوب)
ومِثلُهُ فی الهندیة ج۱ ص۲۱۷ کتاب المناسك الباب الاول۔

؎۲ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ:۔ واذا اراد ان یحج بمال الحلال فیه شبهة فانهٗ یستدین للحج ویقضی دَینه من ماله۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۵۷۶ کتاب الحج الفصل العشرون فی المتفرقات)
ومِثلُهُ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۰۹ کتاب الحج۔

داخل ہوگیا ہے تو وجوب کے شرائط پائے جانے کی صورت میں اس پر حج فرض ہے، اسلئے حج سے بچنے کیلئے مالِ حرام کی موجودگی کا بہانہ نہ بنائے بلکہ حج ادا کرے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: کالحج بمال حرام) لیس الحرام بل حرام هو الانفاق للمال الحرام ولا للازم بینهما۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۵۶ کتاب الحج مطلب فیمن حج بمال حرام) ۱؎

حج فرض ہونے کے بعد تنگدستی سے حج ساقط نہیں ہوتا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت پر حج فرض تھا لیکن بعض عوارض کی وجہ سے وہ حج نہ کرسکی جبکہ اب وہ تنگدست ہوچکی ہے، کیا اس تنگدستی کی وجہ سے اُس سے حج ساقط ہوگیا یا نہیں؟ نیز اگر کوئی آدمی حج فرض ہونے کے باوجود صرف عمرہ کرلے تو کیا اُس سے حج ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی عورت کے پاس اتنی رقم موجود ہو کہ وہ اپنا اور محرم کا خرچہ برداشت کرسکتی ہو تو اس پر حج فرض ہے، تنگدست ہو جانے سے یا عمرہ کرلینے سے حج ساقط نہ ہوگا زندگی میں حج کرنا ضروری ہے اور اگر حج نہ کرسکا تو پھر موت سے قبل حج کی وصیت کرے اور اس کی وصیت پر عمل کیا جائے گا۔

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت او عجوزا اذا كانت بينها وبين مكة ثلاثة ايام، هكذا في المحيط۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۱۹ كتاب الحج)

وقال ايضاً:۔ واما شرائط وجوبه منها الاسلام حتى لو ملك به الاستطاعة حال كفره ثم اسلم بعد ما افتقر لا يجب عليه شئ بتلك الاستطاعة بخلاف ما لو ملكه مسلماً فلم يحج حتى افتقر حيث يتقرر الحج في ذمته دَيناً عليه۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۱۷ كتاب المناسك، الباب الاول) ۲؎

۱؎ وفي الهندية: ويجتهد في تحصيل نفقة حلال فانه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام مع انه يسقط الفرض معها۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۲۰ الباب الاول في تفسير الحج)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۲ ص ۳۰۹ كتاب الحج۔

۲؎ قال العلامة ابن همامؒ:۔ بخلاف ما لو ملكه مسلماً فلم يحج حتى افتقر حيث يتقرر الحج في ذمته ديناً عليه۔ (فتح القدير ج ۲ ص ۳۲۰ كتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ في ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۱۵ كتاب الحج۔

مکانات حوائج اصلیہ سے زائد ہوں تو حج فرض ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کے پاس زمین کے علاوہ مکانات بھی ہیں جو حوائج اصلیہ سے زائد ہیں تو کیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ شخص حج نہ کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں ؟

الجواب:۔ زرعی زمین، مکانات اور دیگر جائیداد وغیرہ اگر حوائج اصلیہ سے زائد ہوں تو اس پر حج فرض ہے لہٰذا یہ شخص فریضۂ حج ادا کرے تاہم اگر حج ادا نہ کرے تو گنہگار ہوگا ۔

قال العلامة التمرتاشیؒ : وراحلة فضلت عما لا بد منه وفضلاً عن نفقة عياله الخ الی حین عوده - (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۶۲ کتاب الحج) [۱]

بیٹی کی شادی کرنا مانع حج نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید پر حج فرض ہوچکا ہے لیکن اس کی ایک غیر شادی شدہ بالغہ لڑکی ہے جس کا ابھی تک نکاح بھی نہیں ہوا ہے، تو کیا زید گھر میں غیر شادی شدہ بیٹی کی موجودگی میں حج کرسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ غیر شادی شدہ اولاد کا ہونا والدین کی عدالت پر کوئی اثر نہیں ڈالتی اور اولاد کی شادی کے لیے کثیر مال خرچ کرنا نہ ضروری ہے اور نہ ہی یہ حج کے لیے مانع شرعیہ میں سے ہے، لہٰذا جب زید پر شرعاً حج فرض ہوچکا ہے تو اس کے لیے حج پر جانا ضروری ہے ۔

قال فی الهندية :- ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك والاجارة ۔الخ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسیر الحج ۔) [۲]

---

[۱] قال العلامة برهان الدين المرغينانی رحمه الله :- اذا قدر على الزاد والراحلة فاضلة عن المسكن ومالا بد منه وعن نفقة عياله الی حين عوده ۔

(الهداية ج ۱ ص۲۱۲ کتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۱ کتاب الحج ۔

[۲] قال العلامة ابن عابدینؒ :- (على المسلم) تحت هٰذه العبارة الاول شروط والوجوب اذا وجبت بتمامها وجب الحج والافلا ۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۴۵۹ کتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۱ کتاب الحج ۔

صاحبِ استطاعت کیلئے مکان کا نہ ہونا مانعِ حج نہیں

سوال: میرے پاس اتنی رقم موجود ہے کہ جس سے میں فریضہ حج ادا کر سکتا ہوں، اگر اس رقم سے مکان بناؤں تو حج کے لیے پیسے نہیں بچتے، کیا اس وقت مکان بنانا ضروری ہے یا حج کرنا؟

الجواب: مکان ایسی ضرورت نہیں جو شرعاً فریضۂ حج کے لیے مانع بنے، جب آپ کے پاس حج کی ادائیگی کے لیے مناسب رقم موجود ہے تو اس پر حج کرنا فرض ہے مکان بنانا ضروری نہیں۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: هو فرض بشرط حرية وبلوغ وعقل وصحة وقدرة و زاد وراحلة وفضلت عن مسكنه۔ وفي قوله وما لا بد منه اشارة الى ان المسكن لا بد ان يكون محتاجاً اليه لمسكن فلا يثبت الاستطاعة بدار يسكنها وعبد يستخدمه وثياب يلبسها و متاع يحتاج اليه وثبت الاستطاعة بدار يسكنها وعبد لا يستخدمه فعليه ان يحج۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۳ کتاب الحج) [۱]

اولاد کا غیر شادی شدہ ہونا وجوبِ حج سے مانع نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اس سال بمع اہلیہ حج بیت اللہ کا ارادہ کیا ہے لیکن اتفاق سے میرا ایک بالغ لڑکا غیر شادی شدہ ہے کیا بیٹے کا غیر شادی شدہ ہونا عذرِ شرعی بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بیٹے کا غیر شادی شدہ ہونا عذرِ شرعی نہیں جو وجوبِ حج سے مانع بنے، لہٰذا جب آپ پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی شرعی مانع نہیں تو جتنا جلد ممکن ہو سکے آپ فریضۂ حج ادا کریں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفي الاشباه ومعه الف وخاف العزوبة ان كان قبل خروج اهل بلدة فله التزوج ولو وقته لزم الحج۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۲ کتاب الحج) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن عابدینؒ: وان لم يكن له مسكن ولا شئ من ذلك وعنده دراهم تبلغ به الحج وتبلغ الثمن مسكنها وخادم وطعام وقوت وجب عليه الحج وجعلها في غيره (رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۲ کتاب الحج قبل مطلب في قولهم يقدم حق العبد)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۴۳۳ کتاب الحج، الفصل الاول فی شرائط الوجوب۔

[۲] وفی الهندية: اذا وجد ما يحج به وقد قصد التزوج يحج به ولا يتزوج لان الحج فريضة اوجبها الله تعالى على عبده كذا في التبيين۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۱۷ کتاب المناسک، الباب الاول فی تفسیر الحج)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۴۳۳ کتاب الحج، الفصل الاول فی شرائط الوجوب۔

سعودی عرب میں رہ کر بھی حج نہیں کیا تو اب حج فرض ہے یا نہیں

سوال:۔ ایک شخص کاروبار کی غرض سے کچھ عرصہ سعودی عرب میں رہا اور چند عمرے بھی کر لیے لیکن کسی وجہ سے سعودی حکومت نے گرفتار کر کے وطن واپس بھیجدیا، کیا اس آدمی پر اب حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج کی فرضیت کے لیے استطاعتِ حج ہونا ضروری ہے صرف سعودی عرب جانے سے حج فرض نہیں ہوتا، چونکہ اس شخص نے نہ احرام باندھا ہے اور نہ ایامِ حج تک وہاں رہا ہے لہٰذا اس شخص پر حج فرض نہیں۔

کما ھو فی الهندیة: ثم ذکر من شرائط الوجوب الحج عن الزاد والراحلة وغیر ذلك یعتبر وجودها وقت خروج اهل بلده الی مکة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۱۹ الباب الاول فی تفسیر الحج) [۱]

عورت پر حج فرض ہو تو خاوند کی اجازت ضروری نہیں

سوال:۔ ایک عورت پر حج فرض تھا اُس نے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے بھائی کے ہمراہ حج ادا کیا تو کیا اس عورت کا حج صحیح ہُوا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر اس عورت پر شرعًا حج فرض تھا تو اس کا بغیر اجازتِ شوہر کے بھائی کے ساتھ حج ادا کرنا صحیح ہے، لیکن اگر نفلی حج ہو تو خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا وجدت محرمًا ولا یأذن لها زوجها ان تخرج فلها ان تخرج بغیر اذنه فی حجة الاسلام دون التطوع۔

(الفتاوی التاتارخانیة ج۱ ص۳۵۴ کتاب الحج، الفصل الاول فی شرائط الوجوب) [۲]

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ: وقت خروج اهل بلدها وکذا سائر الشرائط۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۱ کتاب الحج۔

[۲] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: واشار بعدم اشتراط رضا الزوج الی انه لیس له منعها عن حجة الاسلام واذا وجدت محرما لانه حقه لا یظهر فی الفرائض بخلاف التطوع۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ کتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۲ ص۲۱۹ کتاب الحج۔ الباب الاوّل فی تفسیر الحج.

عورت کا کراچی سے جدّہ تک بغیر محرم کے سفر کرنا اور حج محرم کے ساتھ ادا کرنے کا حکم

سوال :۔ اگر ایک آدمی سعودی عرب سے اپنی والدہ کے لیے حج کا داخلہ کرے اور اس کی والدہ کراچی سے جدّہ تک بلا محرم سفر کرے اور حج اپنے بیٹے کے ساتھ ادا کرے تو اس کا حج شرعاً ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق عورت کا بغرضِ حج کراچی سے جدّہ تک بلا محرم سفر کرنا ناجائز ہے تاہم اس کے باوجود حج ادا ہو جائے گا اگرچہ مکروہ ضرور ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ : ولو حجت بلا محرم جاز مع الکراھۃ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۵ کتاب الحج) لہ

عورت کے لیے اس کا بہنوئی محرم نہیں

سوال :۔ میرا خاوند بیمار ہے کیا میں حج کے لیے اپنے بہنوئی کے ساتھ جا سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب :۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے عورت کے ساتھ اس کے محرم کا ہونا لازمی ہے بہنوئی چونکہ شرعاً محرم نہیں اس لیے بہنوئی کے ساتھ فریضۂ حج کے لیے کسی بھی عورت کا جانا درست نہیں، البتہ اگر کوئی عورت بغیر محرم کے حج کے لیے جائے تو ذمہ فارغ ہو جائے گا مگر ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

ومنها المحرم للمرأة شابة کانت عجوزا إذا کانت بینها و بین مکة ثلاثة أیام ھٰکذا فی المحیط وان کان اقل من ذٰلك حجت بغیر محرم والمحرم الزوج ومن لا یجوز مناکحتها علی التابید بقرابة او رضاع او مصاهرة کذا فی الخلاصة۔

(الفتاوی الھندیة ج ۱ ص ۲۱۹ الباب الاوّل فی تفسیر الحج) ۲ہ

لہ وفی الھندیة : ووجود المحرم للمرأة شرط لوجوب الحج ام لاداثه بعضهم جعلوها شرط للوجوب وبعضهم شرط لادائه وهو الصحیح۔ (الفتاوی الھندیة ج ۱ ص ۲۱۹ الباب الاوّل فی تفسیر الحج)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۵ کتاب الحج۔

۲ہ قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ : ومع زوج او محرم و فی رد المحتار والمحرم من لا یجوز له مناکحتها علی التابید بقرابة او رضاع او صهوریة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۴ کتاب الحج مطلب فی قولهم یقدم حق العبد)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۵ کتاب الحج۔

عورت کیلئے خاوند کے بھائی یا بھتیجے کے ساتھ حج کرنے کا حکم

سوال:۔ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے، خاوند کی زندگی میں وہ حج ادا کر چکی ہے اب وہ دوبارہ حج کرنا چاہتی ہے تو کیا وہ اپنے خاوند کے بھائی یا بھتیجے کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ عورت کے لیے حج پر جانے کے لیے کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے، خاوند کا بھائی اور بھتیجا چونکہ محرم نہیں اس لیے عورت کا ان کے ساتھ حج پر جانا صحیح نہیں۔

ومنها المحرم للمرءة شابة كانت او عجوزًا اذا كانت بينها وبين مكه ثلاثة ايام۔ هكذا فى المحيط وان كان اقل من ذلك حجت بغير محرم والمحرم اوالزوج ومن لا يجوز مناكحتها على التابيد بقرابة اورضاع اومصاهرة كذا فى الخلاصة۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۱۹ الباب الاوّل فى تفسير الحج) [۱]

عورت غیر محرم ہمسایہ کے ساتھ حج کیلئے نہیں جا سکتی

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت حج ادا کرنا چاہتی ہے لیکن اس کا خاوند، بھائی وغیرہ نہیں ہے، کیا وہ اپنے غیر محرم ہمسایہ کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ جب تک اس عورت کے ساتھ اس کا محرم نہ ہو اُس وقت تک اس پر حج فرض نہیں اور یہ کسی غیر محرم پڑوسی کے ساتھ حج کے لیے نہیں جا سکتی۔

قال العلامة برهان الدين المرغينانى رحمه الله: ويعتبر فى المرءة ان يكون لها محرم تحج بها اوزوج ولا يجوز لها ان تحج بغيرهما اذا كان بينها وبين مكة سيرة ثلثة ايام۔ (الهداية ج ۱ ص۲۱۳ كتاب الحج) [۲]

---

[۱] قال العلامة الحصكفىؒ: ومع زوج اومحرم۔ وفى ردّ المحتار والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد لقرابة اورضاع اوصهرية۔ (الدر المختار على صدر ردّ المحتار ج ۲ ص۴۶۴ كتاب الحج مطلب فى قولهم يقدم حق العبد)

وَمِثْلُهُ فى البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۵ كتاب الحج۔

[۲] قال العلامة الحصكفىؒ:۔ ومع زوج اومحرم مع وجوب النفقة لمحرمها عليها الخ لا امرأة (وفى حاشية) والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد بقرابة اورضاع اوصهرية۔ (الدر المختار على صدر ردّ المحتار ج ۲ ص۴۶۴ كتاب الحج)

وَمِثْلُهُ فى البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۵ كتاب الحج۔

عورت کا دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج کے لیے جانا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی عورت اپنے دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت کے لیے حالتِ سفر میں محرم یا خاوند کا ساتھ ہونا ضروری ہے، دیور اور شوہر کا چچا محارم نہ ہونے کی وجہ سے عورت شرعاً ان کے ساتھ سفر نہیں کر سکتی، اس لیے کسی بھی عورت کا اپنے دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج پر جانا صحیح نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: ویؤیدہ حدیث صحیحین لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ الا مع ذی محرم علیھا۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۶۵ کتاب الحج) [1]

رہن کے پیسوں سے حج کرنا

سوال:۔ ایک آدمی نے اپنی زمین رہن پر دے دی اس مرہونہ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے وہ اس رقم سے حج کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کا یہ حج ادا ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ رہن سے انتفاع لینا جائز نہیں، البتہ حج نام ہے ارکانِ حج کی ادائیگی کا، چاہے جس مال بھی ہو، اولیٰ یہی ہے کہ حلال مال سے ہو البتہ حرام مال سے حج کرنے سے بھی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے اس لیے راہن کا رہن کے پیسوں سے حج کرنا جائز ہے۔

وفی الھندیۃ: ویجتھد فی تحصیل نفقۃ حلال فانہ لا یقبل الحج بالنفقۃ الحرام مع انہ یسقط الفرض معھا وان کان مغصوبۃ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۲۰ کتاب المناسک، الباب الاول) [2]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: (تحت ھذہ العبارۃ) ومحرم او زوج لامرأۃ فی سفر ای وبشرط محرم الیٰ آخرہ۔ کما فی الصحیحین لا تسافر امرأۃ الا ومعھا محرم وزاد مسلم فی روایۃ او زوج۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۴ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۱۸، ۲۱۹ الفصل الاول فی تفسیر الحج۔

[2] قال ابن نجیم المصریؒ: ویجتھد فی تحصیل نفقۃ حلال فانہ لا یقبل بالنفقۃ الحرام کما ورد فی الحدیث مع انہ یسقط الفرض۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۰۹ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۵۶ کتاب الحج۔ مطلب فیمن حج بمال الحرام۔

صرف نیت کر لینے سے حج فرض نہیں ہو جاتا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند آدمیوں نے زید سے کہا کہ تم حج کی نیت کرو ہم تم کو حج کے لیے بھیج دیں گے، زید نے حج کی نیت کی مگر انہوں نے زید کو حج کے لیے نہیں بھیجا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا صرف نیت کر لینے سے حج فرض ہو جاتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ صرف نیت کر لینے سے حج فرض نہیں ہوتا جب تک تلبیہ نہ پڑھا ہو، لہٰذا زید پر صرف نیت کر لینے سے حج فرض نہیں ہوا ہے۔

وفی الھندیۃ :۔ ولا یصیر شارعاً بمجرد النیّۃ ما لم یأت بالتلبیۃ او ما یقوم مقامھا۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۲۲ کتاب المناسک۔ الباب الاوّل فی تفسیر الحج) [۱]

خاوند کی اجازت کے بغیر حج کرنا

سوال:۔ عورت پر حج فرض ہونے کے بعد اُس کے لیے خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ حج ایک عبادت ہے جو مالدار مسلمان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اس کی ادائیگی کیلئے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی عورت پر حج فرض ہو جائے تو اس کے لیے خاوند سے اجازت لینا ضروری نہیں اور وہ خاوند کی اجازت کے بغیر بھی حج کر سکتی ہے بشرطیکہ محرم ساتھ ہو۔

وفی الھندیۃ : وعند وجود المحرم کان علیھا ان یحج حجۃ الاسلام وان لم یأذن لھا زوجھا۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۱۹ الباب الاوّل فی تفسیر الحج) [۲]

والدہ کی اجازت کے بغیر نفل حج کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نفلی حج کے لیے جانا چاہتا

---

[۱] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ : ولا یصیر داخلاً فی الاحرام بمجرد النّیّۃ مالم یضم الیہ التلبیۃ او یسوق ھدیًا۔ (الفتاوٰی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۴۳۹ الفصل الثالث فی تعلیم اعمال الحج)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۲۳ کتاب الحج۔ باب الاحرام۔

[۲] قال الشیخ ابن عابدینؒ : ولیس لزوجھا منعھا عن حجۃ الاسلام ای اذا کان معھا محرم والا فلہ منعھا۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۶۵ کتاب الحج۔ مطلب فی قولھم یقدم حق العبد)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۵ کتاب الحج۔

ہے لیکن والدہ اجازت نہیں دیتی، تو کیا زید والدہ کی اجازت کے بغیر نفلی حج کے لیے جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ نے والدین کی اطاعت و فرمانبرداری پر بہت زور دیا ہے لہٰذا زید کو نفلی حج ادا کرنے کے لیے والدہ سے اجازت لینا ضروری ہے بغیر اجازت کے جانا کراہت سے خالی نہیں البتہ فرض حج کے لیے والدہ یا کسی اور کی اجازت ضروری نہیں۔

وفی الھندیۃ: ویکرہ الخروج الی الحج اذا کرہ احد ابویہ ان کان الولد محتاجاً الی خدمۃ الولد وان کان مستغنیاً عن خدمتہ فی الملتقط حج الفرض اولی من طاعۃ الوالدین وطاعتھما اولی من حج النفل۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۲۱ الباب الاول فی تفسیر الحج)[1]

نفلی حج کیلئے خاوند کی اجازت ضروری ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت فرض حج ادا کر چکی ہے، اب وہ نفلی حج ادا کرنا چاہتی ہے، اس عورت کے لیے خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فرض حج کی ادائیگی کے لیے کسی سے اجازت کی ضرورت نہیں البتہ عورتوں کیلئے نفلی حج ادا کرنے میں اپنے خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے بشرطیکہ محرم ساتھ ہو، خاوند سے اجازت لیے بغیر عورت کا نفلی حج پر جانا درست نہیں۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا وجدت محرما ولا یأذن لھا زوجھا ان تخرج فلھا ان تخرج بغیر اذنہ فی حجۃ الاسلام دون التطوع۔

(فتاوی تاتارخانیۃ ج۲ ص۴۳۵ کتاب الحج الفصل الاول فی شرائط الوجوب)[2]

---

[1] قال الشیخ ابن عابدینؒ: (تحت ھذہ العبارۃ) ممن یجب استیذانہ کاحد ابویہ المحتاج الی خدمتہ — آگے فرماتے ہیں: وھذا کلھم فی حج الفرض اما حج النفل وطاعۃ الوالدین اولی مطلقاً۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۲۰ کتاب الحج مطلب فیمن حج بمال حرام)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۰۸ کتاب الحج۔
و

[2] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: واشار بعدم اشتراط رضا الزوج الی انہ لیس لہ منعھا عن حجۃ الاسلام واذا وجدت محرماً لانہ حقہ لایظھر فی الفرائض بخلاف حج التطوع۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ کتاب الحج)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۱۹ الباب الاول فی تفسیر الحج۔

نفلی حج افضل ہے یا صدقہ

سوال:۔ فرض حج ادا کرنے کے بعد نفلی حج کرنا افضل ہے یا اس رقم کو غرباء اور محتاجوں پر خرچ کرنا افضل ہے؟

الجواب:۔ فرض حج ادا کرنے کے بعد فقراء و مساکین پر مال کو خرچ کرنا نفلی حج سے افضل و بہتر ہے خاص کر جہاں پر فقراء کو ضرورت زیادہ ہو۔

قال الشیخ ابن عابدینؒ: رجح فی البزازیۃ افضلیت الحج وحیث قال الصدقۃ افضل من الحج التطوع واذا کان الفقیر مضطراً الخ۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۶۱ کتاب الحج مطلب فی تفضیل الحج عن الصدقۃ) [۱]

حائضہ عورت طوافِ زیارت چھوڑ دے تو کیا حکم ہے؟

سوال:۔ اگر کسی عورت نے بوجہ حیض طوافِ زیارت نہ کیا ہو تو کیا اس پر دم لازم ہے؟ کیا یہ عورت اب حلال ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طوافِ زیارت حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے، اگر حائضہ عورت حالتِ حیض میں طوافِ زیارت کرے تو اس پر ایک بدنہ (اُونٹ) دم آتا ہے اور اگر طوافِ زیارت کے بغیر ہی وطن واپس آگئی ہے تو یہ عورت حلال نہ ہو گی بلکہ اُسے دوبارہ مکہ مکرمہ جا کر طوافِ زیارت کرنا ہو گا۔

قال العلامۃ ابن العلاء الانصاریؒ:۔ اذا ترکھا جمیعاً ان کان بمکۃ فانہ یعیدھا وان رجع الی اھلہ فھو محرم من النساء ابداً فیعود الی مکۃ بذلک الاحرام۔

(الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۱۸، ۵۱۹ الفصل السابع فی الطواف والسعی) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قد یقال ان صدقۃ التطوع فی زماننا افضل لما یلزم الحاج غالباً من ارتکاب المحظورات۔ (منحۃ الخالق علی ھامش البحر الرائق ج۲ ص۳۱۱ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۲۷ کتاب الحج۔ الفصل العشرون فی المتفرقات۔

[۲] قال الشیخ ابن عابدینؒ: ویمتد الوقت الی آخر العمر فان اخرہ عنھا ای ایام النحر ولیالیھا منھا کرہ تحریماً ووجب الدم ولو لم یطف اصلاً لا یحل لہ النساء وان طال ومضت سنون باجماع۔

(رد المحتار ج۲ ص۵۱۸ مطلب فی طواف الزیارۃ)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۴۵ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الرابع۔

زمین حل میں رہنے والے کے لیے طوافِ قدوم کا حکم

سوال:۔ اگر ایک آدمی زمینِ حل میں رہتا ہو تو وہ طوافِ قدوم کرے گا یا نہیں ؟

الجواب:۔ طوافِ قدوم جس کو طوافِ تحیۃ الکعبہ بھی کہا جاتا ہے ہر اُس شخص پر واجب ہے جو حدودِ حرم سے باہر رہتا ہو چونکہ یہ شخص ارضِ حل میں رہتا ہے جو حدودِ حرم سے باہر ہے اس لیے اس شخص کے لیے طوافِ قدوم کرنا ضروری ہے۔

وفی الهندیة: وهذا الطواف یسمّٰی طواف قدوم والتحیة واللقاء ولیس علیٰ اهلِ مکّة طواف القدوم کذا فی الکافی۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۲۶ ۔الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج) [۱]

میقات کے اندر رہنے والوں کے لیے طوافِ وداع کا حکم

سوال:۔ جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہوں ان لوگوں پر طوافِ وداع واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ طوافِ وداع اُن لوگوں پر واجب ہے جو حج کے لیے باہر سے آتے ہوں اور جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہوں اُن پر طوافِ وداع واجب نہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: واراد باهلِ مکّة من اتخذ مکّة اوداخل المواقیت دارًا فلا طواف صدر علیٰ من کان داخل المواقیت۔ (البحرالرائق ج۲ ص۳۵۱ باب الاحرام) [۲]

فجر اور عصر کی نماز کے بعد احرام کی نماز کا حکم

سوال:۔ کیا نمازِ فجر اور عصر کے بعد احرام کے دو رکعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ نمازِ فجر اور عصر کے بعد مطلقاً نفل پڑھنا جائز نہیں اس لیے نوافل ذوات الاسباب (احرام یا طواف وغیرہ کی نماز) بھی ممنوع ہے۔

---

[۱] قال ابن عابدینؒ: للآفاقی ای لا غیر فتح فلا یسن للمکی ولا لاهل المواقیت ومن دونها الی المکة۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۹۴ کتاب الحج، مطلب فی دخول مکه)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج۲ ص۳۳۲ باب الاحرام۔

[۲] قال ابن عابدینؒ: ثمّ طواف الصدر (ای الوداع) سبعة اشواط بلا رمل وسعی وهو واجب الّا علیٰ اهل مکة ومن فی حکمهم۔ (ردالمحتار ج۲ ص۵۲۳ مطلب فی طواف الصدر)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۳۵ الباب الخامس فی کیفیّة اداء الحج۔

وفی الھندیة : ویصلی رکعتی الطواف فی وقت یباح له اداء التطوع فیه کذا فی شرح الطحاوی۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۲۶ الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج) [۱]

مکروہ اوقات میں احرام کی ۲ دو رکعت پڑھنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جن اوقات میں احناف کے نزدیک نفل پڑھنا جائز نہیں احرام کی نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں جن اوقات میں مطلقاً نفل نماز پڑھنا جائز نہیں تو انہی اوقات میں نوافل ذوات الاسباب (مثلاً احرام یا طواف وغیرہ کی نماز) بھی پڑھنا ممنوع ہے۔

قال ابن عابدینؒ : ثم صلی شفعا فی وقت المباح۔ قال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة وفی اطلاقه نظر لما مر فی اوقات الصلوٰة من ان الواجب ولو لغیره کرکعتی الطواف والنذر لا تنعقد فی ثلاثة من الاوقات المنهیة۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۴۹۹ مطلب فی طواف القدوم) [۲]

احرام باندھنے سے قبل غسل کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حج کے لیے روانگی کے وقت بخار کی وجہ سے احرام باندھنے سے قبل غسل نہیں کیا صرف وضو کرکے احرام باندھ لیا تو کیا اس سے زید کے حج میں کوئی نقص تو نہیں آیا؟ اگر نقص آیا ہو تو زید کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب: احرام باندھنے سے قبل غسل کرنا فرض یا واجب نہیں بلکہ ایک مستحب عمل ہے اگر بغیر غسل کے صرف وضو پر اکتفاء کرکے احرام باندھا جائے تو بھی حج میں کوئی نقص نہیں آتا۔

قال العلامة ابن العلاء الانصاریؒ : ویستحب عن ارادة الاحرام ان یقص شاربه واظفاره

---

[۱] قال الشیخ ابن عابدینؒ : ثم صلی شفعا فی وقت مباح۔ قال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة وفی اطلاقه نظر لما مر فی اوقات الصلوٰة من ان الواجب ولو لغیره کرکعتی الطواف والنذر لا تنعقد فی ثلاثة من الاوقات المنهیة۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۴۹۹ مطلب فی طواف القدوم)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۳۲ کتاب الحج، باب الاحرام۔

[۲] لما فی الهندیة: ویصلی رکعتی الطواف فی وقت مباح له اداء التطوع فیه کذا فی شرح الطحاوی۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۲۶ الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۳۱ باب الاحرام۔

وفی الینابیع ویحلق عانتہ - ثم یغتسل اویتوضاء وفی الکافی فیقوم الوضوء مقام الغسل کما فی العیدین والجمعۃ - والغسل افضل وھذا الاغتسال للنظافۃ ولیس بواجب -
(الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۱۴ الفصل الثالث فی اعمال الحج) ؎۱

احرام کی چادروں کے رنگ کا مسئلہ

سوال:۔ کیا احرام کی چادروں کا رنگ سفید ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام کی چادروں کا رنگ سفید ہونا ضروری نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ احرام سفید رنگ کا ہو۔

قال الحصکفیؒ: ولبس ازار ورداء جدیدین اوغسیلین طاھرین۔ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ابیض ککفن الکفایۃ وھذا بیان السنۃ والا فساتر العورۃ کاف۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۸۱ کتاب الحج، فصل فی الاحرام) ؎۲

تبلیغ پر حج مقدم ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھ پر حج فرض ہے لیکن میرا ارادہ ایک سال کے لیے جماعت میں جانے کا ہے، کیا میں پہلے حج کروں یا تبلیغ میں ایک سال لگاؤں؟

الجواب:۔ جب آپ پر حج فرض ہو چکا ہے تو آپ تمام چیزوں سے حج کو مقدم رکھیں تبلیغ عذر شرعی نہیں۔ البتہ ایسا کیا جاسکتا ہے کہ کوشش کرکے آپ کسی ایسی جماعت میں تشکیل کرائیں جس میں حج ہو سکتا ہو تو اس طرح ایک ہی سفر میں آپ کے دونوں مقاصد پورے ہو جائیں گے۔

خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا یھا الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا (مشکوٰۃ ج ص۲۲ کتاب الحج) ؎۳

؎۱ قال الشیخ ابن الھمامؒ: واخرج ایضاً عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال من السنۃ ان یغتسل اذا اراد ان یحرم - (فتح القدیر ج۲ ص۴۲۹ باب الاحرام)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۲۲ الباب الثالث فی الاحرام۔

؎۲ قال ابن نجیمؒ: وما فی الکتاب بیان السنۃ والا فساتر العورۃ کما فی المجمع واشارۃ بتقدیم الجدید الی افضلیۃ وکونہ ابیض افضل۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۲۱ باب الاحرام)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۲۲ الباب الثالث فی الاحرام۔

؎۳ قال ابن عابدینؒ: الاول شروط الوجوب وھی التی اذا وجدت بتمامھا وجب الحج والا فلا وھی سبعۃ الاسلام والعلم بالوجوب لمن فی دار الحرب والبلوغ والعقل والحریۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۵۸ مطلب فیمن حج بمال حرام)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۱۶ کتاب المناسک۔ الباب الاول فی تفسیر الحج۔

بلوغت کے بعد دوبارہ حج کی فرضیت

سوال:۔ میں نے پانچ سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ حج کیا تھا جبکہ اب میں بالغ اور صاحبِ استطاعت ہوں، کیا مجھ پر اب حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بلوغت سے قبل جو حج کیا جاتا ہے اس سے حج فرض ادا نہیں ہوتا کیونکہ فرض حج کے لیے بالغ ہونا شرط ہے اسلیے سوال ھذا کے مطابق بلوغت کے بعد دوبارہ حج کرنا ضروری ہے۔

عن ابی ظبیان عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما صبی حج ثم بلغ الحنث فعلیہ ان یحج حجۃ اخری۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۳۲۵ کتاب الحج) [۱]

فقر کی حالت میں حج کرنے کے بعد غنی ہونے کی صورت میں دوبارہ حج کرنا فرض نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حالتِ بلوغ اور فقر میں اپنے والد کے مال سے حج کیا ہے جبکہ اب زید خود غنی ہو چکا ہے، کیا اس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہے یا پہلے حج سے فرضیت ساقط ہو گئی ہے؟

الجواب:۔ فرضی حج کی ادائیگی کے لیے غناء شرط نہیں، بلوغت کے بعد جب بھی یا جیسے بھی حج ادا کرے تو فرضیت ساقط ہو جائے گی، لہٰذا زید نے جو حج حالتِ فقر میں اپنے والد کے مال سے کیا ہے اُس سے حج فرض ہی ادا ہوا ہے، اب غنی ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا لازمی نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ للافاقی لا لمکی) ان الفقیر الافاقی اذا وصل الی المیقات فھو کالمکی فی انہ ان قدر علی المشی لزمہ الحج ولا ینوی النفل علی زعمہ انہ فقیر۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۴۶ کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال حرام) [۲]

---

[۱] لما فی الھندیۃ: ولو ان الصبیّ اذا حج قبل البلوغ فلا یکون ذلک حجۃ الاسلام ویکون تطوعًا۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۲۱۷ الباب الاوّل فی تفسیر الحج)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۴۳۶ الفصل الحادی عشر فی الاحصار۔

[۲] وفی الھندیۃ: الفقیر اذا حج ماشیًا ثم ایسر لاحج علیہ ھٰکذا فی فتاوٰی قاضی خان۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۲۱۷ الباب الاوّل فی تفسیر الحج)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۴۳۴ الفصل الثانی عشر فی بیان رکن الحج۔

حج میں تجارت کی وجہ سے ثواب کم نہیں ہوتا

سوال:۔ ایک آدمی حج کے لیے جاتا ہے لیکن وہ کچھ سامان وغیرہ بھی تجارت کی نیت سے ساتھ لے جاتا ہے، کیا ایسے آدمی کا حج صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج مخصوص نیت کے ساتھ خاص اوقات میں مخصوص ارکان کے ساتھ مخصوص مقامات کی زیارت کا نام ہے جو کہ اس شخص نے پورا کیا ہے لہٰذا اس کا حج صحیح ہے، تاہم حج میں تجارت کی نیت نہیں کرنی چاہیئے۔

قال ابن نجیمؒ:۔ وتجرید السفر عن التجارة احسن ولو اتجر لا ینقص ثوابه۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۳۰۹ کتاب الحج) [1]

۱۰ ذی الحجہ کے بعد آئندہ رات کا حکم

سوال:۔ عام طور پر قربانی سے فارغ ہوتے ہوتے منیٰ میں ہی شام ہوجاتی ہے، اب اگر عشاء کے بعد آدمی طوافِ زیارت کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو واپس ہوتے ہوئے فجر ہوجائے گی اور رات کا اکثر حصہ منیٰ سے باہر گذرے گا، تو کیا دس ذی الحجہ کو طوافِ زیارت نہ کرے یا دس ذی الحجہ کو طوافِ زیارت کرکے رات کا اکثر حصہ منیٰ سے باہر مکہ میں گذارے؟ اگر ایسا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ فقہائے کرام نے ذی الحجہ کے دسویں دن کے بعد آنے والی رات کو بھی دسویں کے حکم میں قرار دیا ہے۔ اور عام فقہاء کرام کی تعبیر بھی یہی ہے کہ طوافِ زیارت کے بعد منیٰ کو واپس چلا جائے نیز یہ پیشرفت رمی جمار کے لیے ہے اور رمی کا رتبہ طواف کے بعد ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ولیالیها منها) والمراد بلیلة کل یوم من ایام النحر اللیلة التی تعقب ذلك الیوم کما ان لیلة یوم عرفة اللیلة التی تعقب الوجود قلت وهذا علی اطلاقه ظاهر فی حق الرمی فانه اذا لم یرم نهاراً من النحر یرمی اللیلة التی تعقب فی ذلك۔ (رد المحتار ج ۲ ص۵۱۸ فصل فی الاحرام، مطلب فی طواف الزیارة) [2]

---

[1] لما فی الهندیة: وتجرید السفر عن التجارة احسن ولو اتجر لا ینقص ثوابه کذا فی البحر الرائق۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۲۰ کتاب المناسك۔ الباب الاول)

ومثله فی احکام القرآن ج ۲ ص۳۰۹

[2] لما قال السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قوله ولیالیها منها) ..... والمراد بلیلة کل یوم من ایام النحر اللیلة التی تعقب ذلك الیوم فی الوجود کما ان لیلة یوم عرفة اللیلة التی تعقبه فی الوجود۔ اھ

(الطحطاوی حاشیة الدر المختار ج ۱ ص۵۰۸ کتاب الحج، فصل فی الاحرام)

حائضہ عورت کے لیے حج کرنے کا طریقہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک عورت حج کے لیے جائے اور دورانِ حج اسے حیض آجائے تو اس عورت کے لیے کیا حکم ہے؟ اور وہ ارکانِ حج کیسے ادا کرے گی؟

الجواب: حج کے دوران جب کسی عورت کو حیض شروع ہو جائے تو اس کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ طواف وسعی بین الصفا والمروہ کے علاوہ تمام ارکانِ حج ادا کرے گی، مثلاً وقوفِ عرفات ومزدلفہ، رمی جمار و ذبح وغیرہ، اور جب پاک ہو جائے تو پھر طوافِ زیارت وغیرہ کرے گی۔

قال العلامة المرغینانیؒ: اذا حاضت المرأۃ عند الاحرام اغتسلت واحرمت وصنعت کما یصنع الحاج غیر انہا لا تطوف بالبیت حتی تطہر لحدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا۔

(الھدایۃ ج ۱ ص۲۴۵ کتاب الحج) [1]

حائضہ عورت پر طوافِ صدر لازمی نہیں

سوال:۔ زید کی زوجہ نے دورانِ حج حیض کی وجہ سے طوافِ صدر چھوڑ دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایامِ حیض کے اندر عورت کے لیے طوافِ کعبہ شرعاً ممنوع ہے، اگر حائضہ طوافِ صدر ترک کردے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: فلا یجب علی المکی ولا علی المعتمر مطلقاً وفائت الحج والمحصر والمجنون والصبی والحائض والنفساء کما فی اللباب وغیرہ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۵۲۳ مطلب فی طواف الصدر) [2]

---

[1] قال ابن العلاء الانصاریؒ: والمرأۃ اذا حاضت فی الحج ان حاضت قبل ان تحرم وانتہت الی المیقات فانہا تغتسل فتحرم فاذا قدمت مکۃ وھی حائض تصنع کما یصنع الحاج غیر انہا لا تطوف بالبیت وتسعیٰ بین الصفا والمروۃ وتشہد جمیع المناسک۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۷۱ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج۲ ص۵۲۸ قبل باب القِران)

[2] قال ابن العلاء الانصاریؒ: وکذلک لیس علی الحائض والنفساء طواف الصدر۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۲۲ الفصل السابع فی الطواف والسعی)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۵۱ الباب الاحرام۔

حج میں گرمی کی وجہ سے صرف تہبند پر اکتفاء کرنا

سوال:۔ اگر حج کے ایام میں سخت گرمی ہو اور کوئی حاجی گرمی کی شدت کی وجہ سے احرام کی چادر اتار کر صرف تہبند پر اکتفاء کرے تو کیا اس سے حج متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام میں ستر عورت کے لیے تہبند باندھنا فرض ہے، لہٰذا اگر کسی عذر کی وجہ سے کوئی حاجی چادر اتار کر صرف تہبند پر اکتفاء کرے تو حج پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا۔[1]

قال العلامة الحصکفیؒ: وکذا یستحب لمرید الاحرام......لبس ازار ورداء علیٰ ظهره...... وهذا بیان السنة والا فستر العورة کاف۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۴۸۱ کتاب الحج فصل فی الاحرام)

عورت کی طرف سے مرد کا رمی جمار کرنا

سوال:۔ حج میں رمی جمار کے وقت بہت زیادہ رش ہوتا ہے جس میں عورتیں رمی جمار نہیں کر سکتیں، تو اگر مرد ان کی طرف سے رمی جمار کریں تو کیا اس سے دم لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ رمی جمار واجباتِ حج میں داخل ہے، اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے واجب ترک کیا جائے تو ترک کرنے والے پر دم لازم نہیں ہوتا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں عورت پر دم واجب نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ: اما اذا ترك واجب لعذر فانه لاشئ علیه۔
(البحر الرائق ج۲ ص۲۳ فصل فی الجنایات)[2]

رمی جمرات کیلئے حاجی کنکریاں کہاں سے لے؟

سوال:۔ اگر کوئی شخص شیطان کو مارنے کے لیے کنکریاں وہیں سے اٹھائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ رمی جمار یعنی شیاطین کو مارنے کے لیے کنکریاں مزدلفہ یا راستے

---

[1] قال العلامة المفتی عزیز الرحمنؒ: ہر وقت اوڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، پسینہ وغیرہ کی ضرورت سے علیٰحدہ کی جاسکتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۶ ص۵۵۲ تیسرا باب احرام)

[2] قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ:۔ لو ترك شیئاً من الواجبات بعذر لا شئ علیه۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۷۵ کتاب الحج، باب الجنایات)
ومِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۱۳۴ فصل فی بیان واجبات الحج۔

سے اٹھا کر ساتھ لائے اُسی جگہ (یعنی جہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں) سے نہ لے تاہم اگر وہیں سے اٹھا کر رمی جمار کرے تو ایسا عمل مکروہ تنزیہی ہے۔

وفی الهندیة : ویستحب ان یأخذ الجمار من المزدلفة من الطریق ولا یرمی بحصاة اخذها من عند الجمرة فان رمی بها جاز وقد اساء۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص۲۱۸ کتاب الحج)[1]

عرفات میں نمازِ مغرب پڑھنے کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص عرفات میں مغرب کی نماز پڑھ کر مزدلفہ چلا جائے اور عشاء کی نماز وہاں ادا کرے تو کیا اس شخص کی نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- حج میں عرفات کے بعد مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں ادا کرنا لازمی ہے اگر کوئی شخص مغرب کی نماز عرفات کے میدان کے راستے میں ادا کرے تو نماز کا اعادہ لازمی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ : ولو صلی المغرب والعشاء فی الطریق او فی عرفات اعادہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۵۰۹ کتاب الحج، مطلب فی اجابة الدعاء)[2]

عرفات میں جمع تاخیر کی صورت میں ظہر اور عصر ایک ساتھ پڑھنے کا حکم

سوال:- اگر عرفات میں امام حج کی نماز پڑھانے کے بعد چند آدمی اکٹھے ہو کر جمع تقدیم یعنی ظہر اور عصر کی نماز باجماعت پڑھنا چاہیں تو کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- احناف کے ہاں عرفات کے میدان میں جمع تقدیم کے لیے چند شرائط کا ہونا ضروری ہے: (۱) احرام (۲) عرفات کا میدان (۳) عرفہ کا دن (۴) امام اعظم یا ان کا نائب۔ ان شرائط میں سے اگر ایک بھی نہ پائی جائے تو نماز صحیح نہیں ہوگی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نماز درست نہیں ہے، البتہ اگر اپنے اپنے اوقات میں اکیلے پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ : وشرط لصحة هذا الجمع الامام الاعظم

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ : ویستحب اخذ الجمار من المزدلفة او من الطریق ویکره من الذی عند الجمرة۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۶۰۵ فصل فی کیفیة افعال الحج)

[2] وفی الهندیة : ولو صلی المغرب بعد غروب الشمس قبل ان یأتی المزدلفة فعلیه ان یعیدها اذا اتی بمزدلفة فی قول ابی حنیفةؒ ومحمدؒ۔ الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۳۰ فصل فی کیفیة اداء الحج)

او نائبه والا صلوا وحدانًا ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المختار ج ۲ ص ۵۰۴ کتاب الحج، مطلب فی شروط الجمع بین الصلوٰتین)[1]

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز جمع تاخیر میں پڑھنا

سوال:۔ عرفات سے مزدلفہ جانے کے بعد اگر چند لوگ اکٹھے ہو کر مغرب اور عشاء کی نماز ایک وقت جمع تاخیر کے ساتھ پڑھیں تو کیا ان کی یہ جمع بین الصلوٰتین صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں عرفات میں جمع تقدیم کے اندر امام کا ہونا ضروری ہے مگر مزدلفہ میں یہ شرط نہیں ہے، اس لیے اگر چند آدمی اکٹھے ہو کر مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین یعنی مغرب اور عشاء کی نماز ایک وقت میں پڑھیں تو جائز اور صحیح ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: کمالا احتیاج ھھُنا للامام ۔ قال ابن عابدینؒ: وشرائط ھذا الجمع لا حرام بالحج وتقدیم الوقوف علیه الزمان والمکان والوقت الخ (رد المختار ج ۲ ص ۵۰۹ کتاب الحج، مطلب فی اجابة الدعاء)[1]

میلے احرام کو تبدیل کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کا احرام بہت گندا ہو جائے تو کیا وہ احرام بدل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج میں احرام باندھنا ضروری امر ہے چاہے ایک ہی احرام باندھ کر حج ادا کرے یا تبدیل کر کے مناسکِ حج ادا کرتا رہے، اس تبدیلیٔ احرام کی وجہ سے حج پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

تلبیہ جہراً پڑھے یا سرًا، کیا مرد اور عورت دونوں اس میں یکساں ہیں؟

سوال:۔ کیا عمرہ یا حج کی نیت کرنے اور احرام باندھنے کے بعد تلبیہ بآوازِ بلند پڑھا جائے یا کہ آہستہ؟ کیا تلبیہ کا یہ حکم مرد و عورت دونوں کے لیے ایک ہی ہے یا الگ الگ؟

---

[1] وفی الهندیة: ومنها ان یکون الامام هو الامام الاعظم او نائبه وهو شرط عند ابی حنیفةؒ فلو صلی الظهر بجماعة لا مع الامام والعصر مع الامام لم یجز العصر عند ابی حنیفةؒ والصحیح قوله ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۲۲۸ فصل فی کیفیة اداء الحج)

[2] قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: اس سے معلوم ہوا کہ جمع میں امام الحج شرط نہیں، پس اگر فرادیٰ پڑھیں یا چند آدمی جمع ہو کر جماعت سے پڑھیں ہر طرح صحیح ہے ۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۷۱ کتاب الحج)

الجواب: حج یا عمرہ کی نیت کرنے اور احرام باندھنے کے بعد بلند آواز سے تلبیہ پڑھا جائے لیکن زیادہ چیخنے چلانے (جہر مفرط) کی بجائے اعتدال یعنی درمیانی آواز سے تلبیہ پڑھا جائے، البتہ عورت اس انداز سے تلبیہ پڑھے کہ خود سُن سکے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ويرفع صوته بالتلبية لقوله عليه السلام افضل الحج العج والثج فالعج رفع الصوت بالتلبية ۔ قال ابن همام: قوله ويرفع صوته بالتلبية وهو سنة فان تركه كان مسيئاً ولا شئ عليه ولا يبالغ فيه فيجهد نفسه ۔ (فتح القدير ج۲ ص۳۵۰ باب الاحرام) [1]

احرام باندھنے سے قبل ناخن وغیرہ کاٹنا

سوال: کیا احرام باندھنے سے قبل ناخن کاٹنا، مونچھیں اور دیگر غیر ضروری بال صاف کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب: ایسا کرنا لازمی تو نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ احرام باندھنے سے قبل ناخن کاٹ لیے جائیں، مونچھیں اور دیگر غیر ضروری بال صاف کر لینے چاہئیں اور اس کے بعد وضو یا غسل کر کے احرام باندھا جائے۔

قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلي رحمه الله: واذا اراد ان يحرم يستحب له ان يقلم اظفاره ويقص شاربه ويحلق عانته وهو المتوارث لانه انظف للبدن وكان احسن ثم يتوضأ او يغسل وهو افضل ۔

(الاختيار لتعليل المختار ج۱ ص۱۴۳ کتاب الحج) [2]

---

[1] قال العلامة عثمان الزيلعي رحمه الله: قال النخعي كان السلف يستحبون التلبية في هذه الاحوال ولان التلبية في الحج بمنزلة التكبير في الصلوٰة اوّلها شرط وباقيها سنة فيأتي بها عند الانتقال من حال الى حال ويرفع بها صوته ۔اھ

(تبيين الحقائق ج۲ ص۱۴ باب الاحرام)

[2] قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: ولكن يستحب لمريد الاحرام ازالة ظفره وشاربه وعانته وحلق رأسه ان اعتاده والا فيسرحه ۔اھ

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۸۱ کتاب الحج)

قصر کی مقدار کا مسئلہ

سوال:۔ حج کے دوران سر کے بال کٹوانے کی مقدار کتنی ہے؟
الجواب:۔ حج اور عمرہ کے احرام سے نکلنے کے لیے حلق وقصر دونوں جائز ہیں البتہ حلق افضل ہے اور عورت کے لیے حلق نہیں بلکہ مرد اور عورت کے لیے ایک بند انگشت کی مقدار تمام سر سے بال کتروانا ضروری ہے، اور اس طریقہ کو قصر کہتے ہیں۔

قال العلامۃ ابن العلاء الانصاریؒ: اما المرأۃ فلا علیھا ولکنھا تقصر باخذ شئ من اطراف الشعر مقدار انملہ والافضل لھا ان تقصر من کل شعرۃ مقدار انملہ وان قصرت بعض رأسھا وترکت البعض اجزاھا اذا کانت ما قصرت مقدار ربع رأس فصاعداً وان کان اقل من ذٰلک لا یجزیھا اعتباراً لتقصیر فی حقھا بالحلق وفی حق الرجال۔
(الفتاوٰی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۴۳ الفصل الرابع عشر فی الحلق والقصر)[1]

حج اور نکاح کی تقدیم وتاخیر کا مسئلہ

سوال:۔ ایک آدمی کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ حج کے لیے جاسکتا ہے مگر وہ شادی کا بھی خواہشمند ہے، تو کیا یہ شخص پہلے شادی کرے یا حج کے لیے جائے، شرعاً کیا حکم ہے؟
الجواب:۔ اگر موصوف اپنے جذبات کو قابو میں رکھ سکتا ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے لیے حج کی ادائیگی شادی پر مقدم ہے، اور اگر کسی فتنے میں مبتلا ہونے کا خوف قوی ہو تو پھر اس کیلئے شادی کرنا حج پر مقدم ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (قولہ فی الاشباہ) المسئلۃ منقولۃ عن ابی حنیفۃؒ فی تقدیم الحج علی التزویج ...... ولذا اعترضہ ابن کمال باشا فی شرحہ الھدایۃ بانہ حال التوقان مقدم علی الحج اتفاقاً لان فی ترکہ امرین ترک الفرض والوقوع علی الزنا وجواب ابی حنیفۃؒ فی غیر حال التوقان۔
(رد المحتار ج۲ ص۱۹۷ کتاب الحج)

---

[1] قال صاحب البحرؒ: والمراد بالتقصیر ان یأخذ الرجل او المرأۃ من رؤس اشعر ربع رأس مقدار انملہ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۴۶ باب الاحرام)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۳۱ الباب الثالث فی الاحرام۔

استفتاء

حج کے متعلق چند سوالات

اور
اُن کے جوابات

ہم چند خادمانِ حرم شریف کو چند مسائل کے بارے میں کافی تشویش ہے، امید ہے کہ آنجناب ان سوالات کے جوابات تفصیل سے ارسال فرمائیں گے۔

(۱) تقریباً سات سو افراد نے (جو کہ سعودی عرب جا رہے تھے) اسلام آباد سے احرام نہیں باندھا کیونکہ کمپنی والوں نے احرام باندھنے کی اجازت نہیں دی، کمپنی والوں نے تیسرے دن ہمیں عمرہ کی اجازت دیدی، چونکہ اس میں ہمارا اپنا اختیار نہیں تھا، تو کیا ہم پر دم واجب ہے یا نہیں؟

(۲) کمپنی والے ہمیں مدینہ منورہ زیارت کے لیے لے گئے واپسی پر ہم نے احرام باندھا اور عمرہ ادا کیا، یہ حج افراد ہے یا تمتع؟ عمرہ شوال میں ادا کیا۔

(۳) بعض افراد نے احرام نہیں باندھا اور مدینہ منورہ سے شوال میں واپسی عمرہ نہیں کیا کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر ہم نے احرام باندھ لیا تو ہم پر قربانی واجب ہوگی۔ تو کیا ان افراد پر دم واجب ہوگیا ہے یا نہیں؟

(۴) جن لوگوں نے مدینہ منورہ سے واپسی پر عمرہ کیا تو ان کا کون سا حج ہوگا اور جن لوگوں نے احرام باندھا ہی نہیں تو ان پر کون سا حج واجب ہوگا؟

(۵) کیا ہم خادمانِ حرم شریف پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہم یہاں صرف چار ماہ کے لیے آئے ہیں۔

(۶) اگر کسی پر دم واجب ہوگیا اور وہ غریب ہے تو وہ متبادل مسئلے کے مطابق کیا کرے گا؟

(۷) اے (A) شفٹ والے صبح چھ بجے سے لے کر ڈھائی بجے تک حرم شریف میں ڈیوٹی کرتے ہیں، وہ کس طریقے سے حج کر سکتے ہیں؟

بی (B) شفٹ ڈھائی بجے دن سے لے کر رات ساڑھے دس بجے تک ہوتی ہے، وہ کس

طریقے سے حج کر سکتے ہیں ؟

سی (ج) شفٹ رات ساڑھے دس بجے سے لے کر صبح چھ بجے تک ہوتی ہے، اس شفٹ والے کس طریقے سے حج کر سکتے ہیں ؟

الجواب: (۱) بغیر احرام کے دخولِ حرم سخت گناہ ہے اور ایسی صورت میں توبہ اور آفاق کی کسی میقات پر واپس جاکر حج یا عمرہ کا احرام باندھنا واجب ہے، اگر واپس نہ ہوا اور وہیں سے احرام باندھا تو گنہگار ہوگا اور دم واجب ہوگا۔ البتہ اگر اسی سال آفاق کی کسی بھی میقات پر جاکر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیا یا حرم میں احرام باندھ لیا مگر طواف کا ایک شوط پورا کرنے سے قبل کسی میقات پر جاکر تلبیہ کہہ کر حج یا عمرہ کر لیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔ اس حج یا عمرہ میں بدون احرام تجاوز کی وجہ سے واجب کی ادائیگی کی نیت ضروری نہیں بلکہ حج یا عمرہ نفل یا نذر یا حج فرض، جو نیت بھی کرے گا اس سے بدون احرام تجاوز کے واجب ادا ہو جائے گا اور اگر اس سال آفاق کی کسی میقات سے حج یا عمرہ نہیں کیا بلکہ دوسرے سال کیا تو دم ساقط نہ ہوگا البتہ تجاوز کی وجہ سے جو نسک واجب ہوا تھا وہ ادا ہو جائے گا اگرچہ نفل یا نذر یا فرض کی نیت کی ہو۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے: ولو دخل آفاقی مکة بغیر احرام ثم رجع الی المیقات فی تلک السنة واحرم بحجة الاسلام سقط عنه ما کان واجبا بالمجاوزة ودخول مکة بغیر احرام عندنا وان لم یخرج من مکة حتی مضت السنة ثم خرج الی المیقات فی السنة الثانیة واحرم بحجة الاسلام وحج یجزیه حجة الاسلام ولا یسقط عنه الدم الذی کان واجبا علیه فی العام الاول۔

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیة ج۱ ص۲۸۷)

اور ہدایہ میں ہے: واذا اتی الکوفی بستان بنی عامر فاحرم بعمرة فان رجع الی ذات عرق ولبی بطل عنه دم الوقت۔ وفی هامشه قوله الی ذات عرق التخصیص به بالنظر الی حال الکوفی والا فالرجوع الیه والی غیره من مواقیت الآفاقیین سواء فی سقوط الدم فی ظاهر الروایة۔ (ج۱ ص۲۶۸ باب مجاوزة الوقت بغیر احرام)

اور مواقیت الآفاق یہ ہیں: ذوالحلیفه، ذات عرق، جحفه، قرن، یلملم۔

یہ ہیں آفاقی کے مواقیت، اور میقاتی کا میقات وہ زمینِ حل ہے جو حرم اور میقات کے درمیان ہو، اور مکی کا میقات حج کے لیے حرم ہے اور عمرہ کیلئے زمینِ حل۔ (فتاویٰ علائیہ ج۲ ص۱۶۵ تا ۱۶۹)

اور عذر من جہت العباد مسقطِ دم نہیں ہے۔

اور مسائلِ حج لسیدی مولانا المفتی الاعظم مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ میں ہے کہ:-

مسئلہ: اگر ایک محرم میقات سے احرام کی نیت نہ کرے اور اس سے آگے دوسرا میقات ہو تو دوسرے میقات سے احرام باندھے گا اور اگر دوسرا میقات نہ ہو اور احرام باندھ لیا تو طواف شروع کرنے سے پہلے ایک میقات کی طرف واپس لوٹے گا، اگر واپس نہ ہوا تو دم واجب ہے۔ (شرح لباب وغیرہ / مسائلِ حج پشتو ص ۹۳)

فائدہ: ایسا ڈرائیور یا ملازم جو خارج میقات سے حرم یا مکہ مکرمہ کو کثرت سے جایا کرتا ہے تو اس کے لیے ہر بار عمرہ کرنا ضروری ہے، اور جتنی دفعہ بغیر احرام کے ارضِ حرم یا مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اتنی دفعہ عمرے اور دم اس پر واجب ہوتے۔

اور صدر الشریعہ اور صاحبِ دُرر اور صاحب ایضاح فرماتے ہیں کہ جس آدمی کا حج یا عمرے کا ارادہ نہ ہو تو وہ زمینِ حرم اور مکہ معظمہ بغیر احرام کے آمد و رفت کرسکتا ہے، لیکن محققین احناف نے ان کی تغلیط کی ہے۔ (شرح لباب وغیرہ)

(۲) ھندیہ میں ہے: ولو احرم لعمرة قبل اشھر الحج فقضاھا وتحلل بمکة فاحرم بعمرة ثم حج من عامه ذلك لم یکن متمتعا فان کان حین فرغ من الاولیٰ خرج فجاوز المیقات قبل اشھر الحج ناھل منه لعمرة فی اشھر الحج وحج من عامه فھو متمتع وان کان جاوز المیقات فی اشھر الحج لم یکن متمتعا الا اذا خرج الیٰ اھله ثم اعتمر ثم حج من عامه عند ابی حنیفة وعندھما ھو متمتع جاوز المیقات قبل اشھر الحج او بعدہ ھٰکذا فی محیط سرخسی۔ (الفتاویٰ الھندیة ج ۱ ص ۲۴۰ باب العمرة۔ کتاب الحج)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ خدام مکہ مکرمہ میں قیام اور عمرہ کی ادائیگی کی صورت میں اگر مدینہ منورہ کو شوال سے پہلے چلے گئے ہوں اور شوال (یعنی اشہر حج) میں مدینہ منورہ سے عمرہ ادا کیا ہوا اور پھر اسی سال آپ لوگ حج بھی ادا کریں تو پھر تمہارا حج حج تمتع ہوگا اور اگر آپ لوگ شوال ہی میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ چلے گئے ہوں اور مدینہ منورہ سے شوال میں عمرہ کرچکے ہوں اور پھر حج بھی کریں تو آپ لوگ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق متمتع نہ ہوں گے اور امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے مذہب کے مطابق متمتع ہوں گے۔

(۳) جن حضرات نے شوال میں مدینہ منورہ سے عمرہ کیا ہے وہ سوالِ ثانی کا جواب ملاحظہ کریں اور جنہوں نے مدینہ منورہ سے عمرہ نہیں کیا ہے اور بغیر احرام کے مکہ مکرمہ آئے ہیں وہ سوالِ اول کا جواب ملاحظہ کریں۔

(۴) جن لوگوں نے شوال سے پہلے مدینہ منورہ جاکر وہاں سے شوال یعنی اشہرِ حج میں عمرہ کیا ہے اور اس سال حج بھی کرلیں تو ان کا حج بالاتفاق تمتع ہے اور شوال یعنی اشہرِ حج میں مدینہ طیبہ جاکر مدینہ طیبہ سے اشہرِ حج میں عمرہ کیا گیا ہو اور پھر حج کیا جائے تو یہ حج حجِ تمتع نہ ہوگا، اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اور مذہب ہے، اور امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ حج بھی حجِ تمتع ہے اور جو لوگ مدینہ منورہ سے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ آئے ہیں ان کا حج حجِ تمتع نہیں، البتہ ان کے ذمہ سابقہ تفصیل کے مطابق میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کی وجہ سے دم لازم آئے گا، اور اس صورت میں بھی اگر اشہرِ حج سے پہلے آفاق کی کسی میقات سے تجاوز کیا جائے اور پھر اسی میقات سے اشہرِ حج میں عمرہ کیا جائے اور اسی سال میں حج بھی کیا جائے تو یہ بھی بالاتفاق تمتع حجِ تمتع ہوگا، اور اگر اشہرِ حج میں تجاوز کیا گیا ہو اور اسی میقات سے عمرہ کیا جائے اور اسی سال میں حج بھی کیا جائے تو یہ حج امام صاحبؒ کے نزدیک تمتع نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک تمتع ہے ——

اب ملاحظہ ہو ھندیہ کی وہ عبارت جو جوابِ ثانی کی ابتداء میں درج کی گئی ہے اور تمتع کی تعریف بھی ملاحظہ ہو اور وہ یہ ہے: والمتمتع من یاتی با فعال العمرۃ فی اشھر الحج او یطوف اکثر طوافھا فی اشھر الحج ویحج من عامہ ذلك قبل ان یلم باھلہ بینھما المامًا صحیحًا سواء حل من احرامہ الاول اولا۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۳۸) نیز "غنیۃ المناسک" کی یہ عبارت ملاحظہ ہو: التاسع ان لا یدخل علیہ اشھر الحج وھو حلال بمکۃ او ما حولھا او محرم طاف لعمرتہ اکثرہ قبلھا حتی لو احرم بعمرۃ اخری وحج من عامہ لا یکون متمتعا الا ان یعود الی اھلہ فیحرم بھا فیکون متمتعا اتفاقًا والی خارج المیقات فیکون متمتعًا عندھما۔ (غنیۃ المناسک ص۱۱۴)

(۵) ہندیہ میں ہے: ولا تجب علی المسافر ولا علی الحاج اذا کان محرمًا وان کان من اھل مکۃ، کذا فی شرح الطحاوی۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۵ ص۲۹۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ حاجی جو حج کے احرام میں ہو اس پر قربانی واجب نہیں اگرچہ مکہ میں مقیم ہو، اور دوسرا قول اس مسئلہ مذکورہ کی مخالفت میں یہ ہے کہ منی اور مکہ میں مقیم پر

قربانی واجب ہے اگرچہ وہ حج کے احرام میں ہو۔

فتاوٰی علائیہ میں ہے: (فتجب ای التضحیة) علی حر مقیم فلا تجب علی حاج مسافر فاما اهل مکة فتلزمهم وان حجوا وقیل لا تلزم المحرم۔ سراج وفی رد المحتار قوله وقیل لا تلزم المحرم وان کان من اهل مکة جوهرة عن الخجندی وحمله فی الشرنبلالیة علی المسافر وفیه نظر ظاهر۔ (فتاوٰی علائیہ ج ۵ ص ۲۲۲)

(۵) مگر میرے شیخ اور مربی سیدی حضرت مفتی اعظم مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم قولِ اول کو پسند فرمایا کرتے ہیں۔

(۶) ردالمحتار میں ہے: تحت شرح قول صاحب الدر المختار: الواجب دم علی محرم بالغ۔ الخ

(تنبیه) فی شرح النقایة للقاری ثم الکفارات کلها واجبة علی التراخی فیکون مؤدیا فی ای وقت وانما یتضیق علیه الوجوب فی آخر عمره فی وقت یغلب علی ظنه انه لو لم یؤده لفات فان لم یؤد فیه حتی مات اثم وعلیه الوصیة ولو لم یوص لم یجب علی الورثة ولو تبرعوا عنه جاز الا الصوم۔ وفیه ایضا (قوله ولو ناسیا) قال فی اللباب ثم لا فرق فی وجوب الجزاء بینما اذا جنی عامدا او خاطئا مبتدئا او عائدا ذاکرا او ناسیا عالما او جاهلا طایعا او مکرها نائما او منتبها سکرانا او صاحیا مغمی علیه او مفیقا موسرا او معسرا بمباشرته او مباشرة غیره بامره۔ (ج ۲ ص ۲۱۷ باب الجنایات۔ کتاب الحج)

ان عبارات وروایات سے معلوم ہوا کہ غریب کے لیے بھی دم دینا ضروری ہے، البتہ دم دینے میں اتنی سہولت ہے کہ علی الفور ضروری نہیں بلکہ اگر موت سے پہلے پہلے دے دیا تو بھی اس سے ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

(۷) یہ تو آپ اور کمپنی والوں پر منحصر ہے کہ کمپنی والے آپ لوگوں کی اتنی رعایت تو کریں کہ آپ لوگ کم از کم ضروریاتِ حج تو ادا کر سکیں۔

(هو الموفق)

باب التمتع والقران

(حج قران و تمتع کے مسائل و احکام)

حج تمتع میں قربانی نہ کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حج تمتع کے ارادہ سے سفر کیا لیکن بعض اعذار کی وجہ سے قربانی نہ کر سکا، اب اس قربانی کا نقصان مکہ مکرمہ ہی میں قربانی کرنے سے پورا ہو گا یا اپنے وطن میں بھی قربانی کر سکتا ہے۔

الجواب: متمتع پر چونکہ قربانی کرنا واجب ہے اور اگر کسی شرعی عذر کی بناء پر قربانی نہ کر سکا تو حج کے بعد اس شخص کو دو قربانیاں کرنی ہوں گی اور دونوں قربانیاں مکہ مکرمہ میں ہی کرنی ہیں اصالتاً کرے یا وکالتاً، چاہے جن ایام میں ہو۔

قال ابن نجیم المصریؒ: فلو لم یقدر علی الهدی تحلل وعلیه دمان دم التمتع ودم التحلل قبل الهدی۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۶۱ باب القران) [1]

متمتع اور قارن کا قربانی سے پہلے حلق کرنا

سوال: متمتع یا قارن اگر قربانی سے پہلے حلق کرے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: اگر مفرد بالحج ہو تو دم واجب نہیں کیونکہ جنایت نہیں ہوا، اور اگر متمتع یا قارن ہو تو قربانی سے قبل حلق کرنے سے دم واجب ہوا اور اس پر زمین حرم میں ہی قربانی کرنی پڑے گی۔

قال ابن نجیمؒ: فان حلق القارن قبل ان یذبح فعلیه دمان عند ابی حنیفةؒ دم بالحلق فی غیر اوانه لان اوانه بعد الذبح ودم بتاخیر الذبح عن الحلق وعندهما یجب علیه دم واحد هو الاول۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۶۱ باب القران) [2]

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: فلو لم یقدر تحلل وعلیه دمان۔ قال ابن عابدینؒ: فی قوله دمان دم التمتع ودم التحلل قبل اوانه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۳۴ کتاب الحج، باب القران)
وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۲۲ باب القران۔

[2] لما قال ابن همامؒ: قال محمدؒ فی الروایة دم للقران ودم للحلق قبل ان یذبح الا تری ان المفرد لو حلق قبل ان یذبح لم یلزمه شیٔ بالاتفاق لعدم استلزامه لتاخیر الواجب۔ (فتح القدیر ج۲ ص۲۷۳ باب الجنایات)
وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج۲ ص۵۵۵ باب الجنایات۔

حج قران وتمتع کی تعریف

سوال:۔ زید نے اگر سفر حج میں عمر کی طرف سے عمرہ ادا کیا تو کیا یہ صحیح ہے یا نہیں، اگر صحیح ہے تو کیا زید حج ادا کرنے تک احرام میں رہے گا یا اس سے پہلے بھی حلال ہو سکتا ہے؟

الجواب:۔ زید نے اگر عمرے کا ثواب عمر کو بخش دیا تو صحیح ہے اور اشہر حج میں عمرہ کرکے احرام سے نکلنے کے بعد حج کے لیے دوبارہ احرام باندھے تو شریعت کی اصطلاح میں یہ شخص متمتع کہلاتا ہے اور اگر یہ دونوں ایک احرام سے کرے تو قران ہے اور اس پر دم شکر واجب ہوگا۔

کما فی الھندیۃ: ھو ان یجمع بین احرامی الحج والعُمرۃ من المیقات او قبلہ فی اشہر الحج او قبلھا۔ ھٰکذا فی معراج الدرایۃ والمتمتع من یأتی باعمال العُمرۃ فی اشھر الحج او یطوف اکثر طوافھا فی اشھر الحج ثم یحرم بالحج ویحج من عامہ۔ (الفتاوٰی الھندیہ ج ۱ ص ۲۳۷ الباب السابع فی القران والتمتع)[۱]

متمتع کے لیے عمرہ کرنے کے بعد حج کا احرام باندھنے کی جگہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ متمتع عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام کہاں سے باندھے گا؟

الجواب:۔ متمتع جب عمرہ سے فارغ ہو کر حلال ہو جائے تو جب حج کے لیے احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو مکہ مکرمہ اور تمام زمینِ حرم سے احرام باندھ سکتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: قال فی اللباب والافضل ان یحرم من المسجد ویجوز من جمیع الحرم ومن مکۃ افضل من خارجھا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۳۷ باب التمتع)[۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابن العلاء الانصاریؒ:۔ والقارن ھو الجامع بین الحج والعُمرۃ سواء احرم بھما معًا او احرم بالحجۃ واضاف الیھا العُمرۃ وعلیہ دم الشکر لما انعم اللہ علیہ من التوفیق للحج بین العبادتین بسفر واحد۔ (الفتاوٰی التاتارخانیۃ ج ۱ ص ۵۲۶ الفصل التاسع فی القارن)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۵۷ باب القران۔

[۲] قال الشیخ ابن الھمامؒ: فاذا کان یوم الترویۃ احرم بالحج من المسجد۔ ھدایۃ وفی فتح القدیر والمسجد لیس بلازم بل ھو افضل ومکۃ افضل من غیرھا من الحرم۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۴۲۳ باب التمتع)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۶۳ باب التمتع۔

حج تمتع کرنے والے کے لیے عمرہ کے بعد احرام کھولنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پاکستان سے کچھ حجاج کرام حج تمتع کے ارادہ سے شعبان میں مکہ مکرمہ گئے اور عمرہ کرنے کے بعد حلال ہو گئے، رمضان کا مہینہ انہوں نے بیت اللہ ہی میں گذارا، شوال کے مہینے میں زیارت نبوی کے ارادے سے مدینہ منورہ چلے گئے، واپسی پر پھر عمرہ کا احرام باندھا، تو اب عمرہ کرنے کے بعد انہیں احرام کھولنے کی اجازت ہے یا نہیں یا حج تک وہ اسی احرام میں رہیں گے؟

الجواب:۔ مدینہ منورہ سے واپسی پر اگر کوئی شخص حج تمتع کا ارادہ رکھتا ہو تو ذوالحلیفہ والے احرام سے عمرہ کرکے بعد میں احرام کھول دے اور اس کے بعد حج کے لیے احرام باندھے جو کہ واجب ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ: ولم یقید احرامها باشهر الحج لانه لیس بشرط لکن اداء اکثر طوافها فیها شرط فلو طاف الاقل فی رمضان مثلاً ثم طاف الباقی فی الشوال ثم حج من عامه کان متمتعا۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۶۲ کتاب الحج) [1]

میقات میں رہنے والے کیلئے حج تمتع اور قران کا حکم

سوال:۔ جو شخص میقات کے اندر رہتا ہو وہ حج تمتع اور قران کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قران اور تمتع ہر اُس شخص کے لیے ہے جو میقات سے باہر رہتا ہو، لہٰذا جو شخص میقات کے اندر رہتا ہو وہ تمتع اور قران نہیں کر سکتا وہ صرف حج یا صرف عمرہ کرے گا۔

قال العلامۃ التمرتاشیؒ: والمکی ومن فی حکمہ ای من اهل داخل المواقیت یفرد فقط ولو قران او تمتع جاز واساء وعلیه دم جبر۔ (تنویر الابصار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۵۳۹ باب التمتع) [2]

---

[1] وفی الهندیۃ: ولیس من شرائط التمتع وجود الاحرام بالعُمرۃ فی اشهر الحج بل اداؤها فیها او اداء اکثر طوافها۔ (الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۲۳۸ الباب السابع فی القِران والتمتع)

وَمِثلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۳۱ الفصل العاشر فی التمتع۔

[2] وفی الهندیۃ: ولیس لاهل مکۃ تمتع ولا قران وانّما لهم الافراد خاصۃ۔ کذا فی الهدایۃ وکذلک اهل المواقیت۔ (الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۲۳۹ الباب السابع فی القِران والتمتع)

وَمثلُہٗ فی الهدایۃ ج۱ ص۱۴۳ باب القِران والتمتع۔

حج تمتّع کی نیّت کرنے کے بعد حج قران کی نیّت کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص پاکستان سے حج تمتّع کی نیّت سے مکہ مکرمہ جائے مگر وہاں پہنچ کر عمرہ کرنے کے بعد مدینہ منوّرہ جا کر وہاں سے حج قران کی نیّت کرے تو کیا یہ شخص حج قران کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صاحبینؒ کے نزدیک جب محرم حدود حرم سے نکل جائے تو اس کی حیثیّت آفاقی کی ہوگی، اب اگر وہ تمتّع کی جگہ قران کی نیّت کرے تو حج قران جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں حدودِ حرم سے نکل جانے سے نیّتِ تمتّع باطل ہو جاتی ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک خروج حرم سے نیّتِ تمتّع باطل نہیں ہوتی اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق حج قران کی نیّت کرنا جائز نہیں البتہ موجودہ حالات کو مدِ نظر رکھ کر صاحبینؒ کی رائے کو مفتیٰ بہ قرار دینا چاہیئے۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ: وھو متمتع ان حج من عامه وکذا لو خرج الی الآفاق لحاجة فقرن لا یکون قارنًا عند ابی حنیفةؒ وعلیه رفض احدھما ولا یبطل تمتعه لان الاصل عندہ ان الخروج فی اشھر الحج الی غیر اھله کالاقامة بمکّة فکانه لم یخرج وقرن من مکة اما عندھما فکالرجوع الی اھله فاذا خرج بطل تمتعه ثم اذا قرن من المیقات کان قارنًا۔ (امداد الاحکام ج ۲ ص ۱۸۱ کتاب الحج)

حج تمتّع افضل ہے یا قران؟

سوال:۔ حج تمتّع اور قران میں سے احناف کے ہاں کون سا حج افضل ہے؟

الجواب:۔ حج کی تین قسمیں ہیں (۱) حج افراد (۲) حج تمتّع (۳) حج قران۔ احناف کے ہاں ان تینوں میں سے حج قران افضل ہے اور قران کے بعد حج تمتّع بہتر ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: باب القِران وھو افضل لحدیث اتانی اللیلة من ربی وانا بالعقیق فقال یا آلِ محمد اھلوا بحجة وعمرة معا...... ثم التمتع ثم الافراد۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۳ باب القِران، کتاب الحج) ؎

بَابُ الْحَجِّ عَنِ الْغَيْرِ

(حج بدل کے مسائل واحکام)

نفلی حج میں حج بدل کی نیت کرنا ضروری نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب پر حج فرض نہیں تھا اور نہ انہوں نے وصیت کی تھی، اب میں ان کے ایصالِ ثواب کیلئے نفلی حج میں حج بدل کی نیت کروں یا صرف نفلی حج کی؟

الجواب:۔ جب کسی پر حج فرض ہی نہ ہو تو اس کی طرف سے حج بدل بھی نہیں ہوتا لہٰذا اس صورت میں آپ نفلی حج ادا کریں اور اس کا ثواب اپنے والد کو بخش دیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره) ای سواء كانت صلوٰة او صوما او صدقة او قراءة قرآن او ذکرًا او طوافًا او حجًا او عمرةً او غير ذلك۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص ۵۹۵ باب الحج عن الغیر، مطلب فی إهداء ثواب الاعمال الخ) [1]

فوت شدہ آدمی کے لیے نفل حج کا ثواب

سوال:۔ اگر ایک آدمی اپنے فوت شدہ والد کے ایصالِ ثواب کے لیے نفلی حج کرے تو کیا اس کو نفلی حج کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر نفلی عبادت چاہے بدنی ہو یا مالی، کرنے سے اس کا ثواب کسی فوت شدہ کو بخشنا شرعًا صحیح اور ثابت ہے اور یہی اہل السنة والجماعة کا عقیدہ ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے فوت شدہ والد کے لیے نفلی حج کرکے اس کا ثواب اُسے بخش دے تو وہ ثواب اس کو پہنچے گا۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ:۔ فان من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابه لغيره

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ:۔ فان من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة كذا فی البدائع۔

(البحر الرائق ج ۳ ص ۵۹ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

من الاموات والاحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة كذا في البدائع۔

(البحر الرائق ج ۳ ص ۵۹ باب الحج عن الغير) [1]

نفلی حج کے لیے والدہ سے اجازت لینے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی سعودی عرب میں مقیم ہے وہ اپنی بوڑھی والدہ کے لیے نفلی حج کرنا چاہتا ہے جو کہ پاکستان میں رہتی ہے، کیا اُسے اپنی والدہ سے اجازت لے کر پاکستان سے سفرِ حج اختیار کرنا ہوگا یا سعودی عرب سے ہی والدہ کی طرف سے حج ادا کرے؟

الجواب:۔ حج بدل فرضی میں اُس مکان سے بہ نیّتِ حج جانا ضروری ہے جہاں پر رہتا ہو، البتہ اگر کوئی کسی کی طرف سے نفلی حج کا ارادہ کرے تو اس میں اجازت لینا ضروری نہیں اور نہ ہی صورتِ مسئولہ کے مطابق پاکستان آنے کی ضرورت ہے، لہٰذا آپ اپنی والدہ کی طرف سے بغیر اُن کی اجازت کے سعودی عرب سے ہی نفلی حج کر سکتے ہیں۔

وفی الهندية: الامر بالحج فلا يجوز حج الغير عنه بغير أمره الا الوارث۔ هندية ففي الحج النفل تجوز النيابة حالة القدرة لأن باب النفل اوسع كما في سراج الوهاج۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الخامس عشر في الوصية بالحج) [2]

نفلی حج کے لیے پاکستان آنا ضروری نہیں

سوال:۔ اگر کوئی آدمی اپنے فوت شدہ والدین یا کسی رشتہ دار کے لیے نفلی حج کرتا ہے اور وہ ابوظہبی میں ملازم ہے تو کیا وہ ابوظہبی سے ہی نفلی حج کیلئے جا سکتا

---

[1] ان الانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوة كان اوصوماً اوصدقة اوغيرها كالحج۔ الخ
(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر في الحج عن الغير)
وَمِثْلُهٗ في التاتارخانية ج ۲ ص ۵۴۵ الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير۔

[2] قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وانما شرط غير المنوب للحج الفرض لا النفل لجواز الانابة مع القدرة في حج النفل لأن المقصود منه الثواب۔
(البحر الرائق ج ۳ ص ۶۲ باب الحج عن الغير)
وَمِثْلُهٗ في التاتارخانية ج ۲ ص ۵۴۵ الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير۔

ہے یا اس کے لیے پاکستان آنا ضروری ہے ؟

الجواب:۔ کسی فوت شدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے نفل حج ممنوع نہیں اور نہ اس کے لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق ابوظہبی سے پاکستان آنا ضروری ہے بشرطیکہ فوت شدہ آدمی نے وصیت نہ کی ہو تو فوت شدہ کی طرف سے نفلی حج کرنے والا جہاں بھی ہو وہیں سے مکہ مکرمہ جا کر حج کرے تو صحیح ہے، کیونکہ نفل حج کی صورت میں توسیع ہے البتہ حج بدل وصیت کی صورت میں ہو تو پھر پاکستان آنا ضروری ہے ۔

وفی الھندیۃ: ففی الحج النفل تجوز نیابۃ حال القدرۃ لان باب النفل اوسع کما فی السراج الوھاج ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [۱]

غریب آدمی سے حج بدل کرانا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص غریب و نادار ہے جسے ایک صاحب ثروت حج بدل کے لیے بھیج رہا ہے، کیا کسی غریب و نادار کو جس نے خود حج نہیں کیا ہو حج بدل کے لیے بھیجنا جائز ہے یا اس کیلئے کسی ایسے شخص کا انتخاب ضروری ہے جس نے خود حج کیا ہو ؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لیے کسی ایسے آدمی کو بھیجا جائے جس نے خود فریضۂ حج ادا کیا ہو، لیکن باوجود اس کے اگر ایک غریب و نادار شخص کو حج بدل کے لیے بھیجا جائے تو اس سے بھی حج بدل ادا ہو جاتا ہے اور اس شخص پر حج فرض نہیں ہوتا ۔

وفی الھندیۃ، والافضل للانسان اذا اراد عن نفسہ ان یحج رجلاً قد حج عن نفسہ ومع ھذا لو احج رجلاً لم یحج عن نفسہ حجۃ الاسلام یجوز عندنا وسقط الحج من الآمر کذا فی المحیط۔ (الھندیۃ ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ :- وانما شرط عجز المنوب للحج الفرض لجواز الانابۃ مع القدرۃ فی حج النفل لان المقصود منہ الثواب ۔

(البحر الرائق ج ۳ ص۶۳ باب الحج عن الغیر)

ومثلہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۵۲۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر ۔

[۲] قال ابن عابدینؒ :۔ (ثم فرع علیہ) علی ان الشرط ھو الاھلیۃ دون اشتراط ان یکون المامور قد حج عن نفسہ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۶۰۳ باب الحج عن الغیر قبل مطلب فی حج الضرورۃ)

ومثلہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۵۲۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر ۔

حج بدل میں آمر کی اطاعت کا حکم

سوال :- زید نے عمر کو حج بدل کے لیے بھیجا، عمر نے میقات سے عمرہ کی نیّت کرلی اور جب حج میں پانچ روزہ رہ گئے تو عمر نے زید کی طرف سے حج بدل کے لیے احرام باندھ کر افعال حج ادا کیے تو کیا شرعاً زید کا حج بدل ادا ہوگیا یا نہیں؟

الجواب :- حج بدل کرنے والے کے لیے آمر کے حکم کی اطاعت ضروری ہے، صورت مسئولہ کے مطابق چونکہ عمر نے زید کے امر کی مخالفت کی ہے اس لیے اس صورت میں زید کی طرف سے حج بدل ادا نہیں ہوا آئندہ سال عمر کو زید کیلئے دوسرا حج کرنا پڑے گا۔

قال ابن عابدینؒ :- الثانی عشران یحرم من المیقات فلو اعتمر وقد امرہ بالحج ثم حج من مکۃ لا یجوز ویضمن۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۰۱ باب الحج عن الغیر) [1]

حج بدل میں عمرہ کی نیّت کا حکم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حج بدل میں عمرہ کی نیّت صحیح ہے یا نہیں، اور اگر کسی شخص نے حج بدل میں عمرہ کی نیت کرلی تو اس سے حج بدل صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- حج بدل میں صرف حج کی نیّت کرنا اُس وقت ضروری ہے جبکہ آمر نے مامور کو حج افراد پر مامور کیا ہو، چونکہ ہمارے بلاد میں حج قران، تمتع اور افراد تینوں کو حج کہا جاتا ہے اور آمر کی طرف سے تینوں کی اجازت ہوتی ہے لہٰذا تمتع کرسکتا ہے، بہتر یہی ہے کہ آمر سے اس کی تصریح کرالی جائے۔

وفی الھندیۃ : واذا امر غیرہ بالافراد بحجۃ او عمرۃ فقرن فھو ضامنٌ فی قول ابی حنیفۃؒ۔ وقال ابو یوسفؒ ومحمدؒ رحمھما اللہ یجزئ عن الآمر استحساناً۔ (الفتاوی الھندیہ ج۱ ص۲۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [2]

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولو امرہ بالحج فاعتمر ثم حج من مکۃ فھو مخالف فی قولھم۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۴۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۲ ص۱۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

[2] قال ابن عابدینؒ : فلو امرہ الافراد فقرن او تمتع ولو للمیّت لم یقع عنہ ویضمن النفقۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۱ باب الحج عن الغیر، مطلب شروط الحج عن الغیر عشرون)
وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۴۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

ذیابیطس کے مریض کے لیے حج بدل کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی ذیابیطس (شوگر) کے مرض میں مبتلا ہے، ڈاکٹر اور حکیم اسے سفر کی اجازت نہیں دیتے، تو کیا ایسا شخص اپنی طرف سے کسی کو حج بدل کے لیے بھیج سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ذیابیطس کا مریض اگر کسی دوائی یا اور کسی واسطہ سے اپنے مرض پر وقتی طور پر کنٹرول حاصل کر سکتا ہو یا اس کو امید ہو کہ عنقریب اس مرض سے صحتیاب ہو جاؤں گا تو یہ شخص کسی کو اپنی طرف سے حج بدل نہیں کرا سکتا اور اگر ایسا ہونا ممکن نہیں تو پھر حج بدل کرا سکتا ہے۔

وفی الهندیة: ومنها ان یکون المحجوج عنه عاجزاً عن الاداء۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [۱]

حج بدل میں خرچہ محجوج عنہ کی طرف سے ہوگا

سوال:۔ کیا حج بدل محجوج عنہ کے مال سے کرنا ضروری ہے یا کوئی شخص اپنی جانب سے بھی کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ حج بدل میں یہ شرط ہے کہ مامور کا حج محجوج عنہ کے مال سے ہو، پس اگر حج بدل کرنے والے نے اپنے مال سے حج کر لیا تو محجوج عنہ کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔

کما فی الهندیه: ومنها ان یکون حج المامور بمال المحجوج عنه فان تطوع الحاج عنه بمال نفسه لم یجز عنه حتی یحج بماله۔ (الفتاوی الهندیه ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [۲]

میقات کی بجائے حرم سے حج بدل کا احرام باندھنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے حج بدل میں میقات سے حج کا احرام نہیں باندھا بلکہ عمرہ احرام باندھا ہے، تو کیا

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ: لکن بشرط دوام العجز الی الموت ونیة الحج عنه هذا اذا کان المرض یرجی زواله۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۹۸ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۴۵ الفصل الخامس عشر فی الرّجل یحج عن الغیر۔

[۲] قال العلامة الحصکفیؒ: وبقی من الشرائط النفقة من مال الآمر کلها او اکثرها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۶۰۰ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۴۵ الفصل الخامس عشر فی الرّجل یحجّ عن الغیر۔

حرم شریف سے دوبارہ حج بدل کا احرام باندھنے سے حج بدل ادا ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب :۔ مامور کے لیے آمر کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے افعالِ حج ادا کرنے چاہئیں اس لیے اگر آمر نے ماموز کو حج تمتع کی اجازت دی ہو تو بنا بر تحقیق آمر کا ذمّہ فارغ ہو گا ورنہ نہیں۔

قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفیؒ : ان اذن لہ الامر بالقران والتمتّع والا فیصیر مخالفاً۔ (الدر المختار ج ۲ ص ۶۱۱ باب الحج عن الغیر) لہ

حج بدل میں خرچہ آمر کی طرف سے ضروری ہے

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت پر حج فرض ہے اور اس عورت نے بنا بر ضعف اپنے بیٹے کو رقم دے کر حج بدل کے لیے روانہ کیا ہے کیا مامور بہ کو آمر کے مال سے ہی حج کرنا ضروری ہے یا اپنی طرف سے بھی کچھ خرچ کر سکتا ہے ؟

الجواب :۔ حج بدل میں ضروری ہے کہ خرچہ آمر کی طرف سے ہو، صورتِ مسئولہ کیمطابق اس بیٹے کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ اپنی والدہ کے لیے حج بدل کر رہا ہے تو خرچہ بھی والدہ کے مال سے کرے گا تاہم اگر حج فرض نہ ہو تو نفلی حج میں توسع ہے۔

وفی الہندیۃ : ومنہا ان یکون الحج بمال المحجوج عنہ فان تطوّع الحاج عنہ بمال نفسہ لم یجز عنہ حتّی یحج بمالہ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) ۲ہ

حج بدل میں اپنے لیے حج کرنا اور کسی دوسرے کو حج بدل کیلئے مقرر کرنا

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمر کو اپنی والدہ کی طرف سے حج بدل کے لیے کہا، تو عمر نے

لہ قال العلامۃ الانصاریؒ : ولو امرہ بالحج فاعتمر ثم حج من مکۃ فھو مخالف فی قولھم۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۵۴۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

۲ہ قال ابن عابدینؒ : (فتطوع رجل) اطلق الرجل المتطوع فتشمل الوارث۔ وبہ صرح قاضیخانؒ بقولہ المیّت اذا اوصی بان یحج عنہ بمالہ فتبرع عنہ الوارث او الاجنبی لا یجوز قلت یعنی لا یجوز عن فرض المیّت والا فلہ ثواب ذٰلک الحج۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۰۶ باب الحج عن الغیر مطلب العمل علی القیاس دون الاستحسان ھٰذا)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۶۲ باب الحج عن الغیر۔

سے کہا کہ آپ آمد و رفت کا خرچہ مجھے دے دیں میں مکہ مکرمہ میں کسی آدمی کو حج بدل کے لیے مقرر کر دوں گا اور ان پیسوں سے میں اپنی جانب سے حج کر لوں گا۔ تو کیا یہ طریقہ درست ہے؟

الجواب: حج بدل میں آمر کے وطن سے جانا ضروری ہے اس لیے صورتِ مسئولہ میں طریقۂ مذکورہ سے حج کرنا غیر مشروع ہے اور نہ ہی اس طریقہ سے حج بدل ادا ہوتا ہے اور زید کی والدہ ذمّہ بھی فارغ نہ ہوا۔

قال العلامة محمد امین الشهیر بابن عابدین رحمه الله: الحادی عشر ان یحج عنه من وطنه ان اتسع الثلث والا فمن حیث یبلغ۔

(رد المحتار ج ۲ ص۶۰۰ باب الحج عن الغیر۔ مطلب شروط الحج عن الغیر)[۱]

سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے حج بدل ادا کرنا صحیح نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی پر حج فرض ہو چکا ہے لیکن سفر کی تکالیف اور تھکاوٹ کی وجہ سے وہ حج بدل کرانا چاہتا ہے، کیا یہ حج بدل صحیح ہوگا۔

الجواب: اگر کسی پر حج فرض ہو جائے تو حج کی ادائیگی اُسی شخص پر ضروری ہے محض تھکاوٹ کی وجہ سے حج بدل نہیں کرا سکتا کیونکہ حج بدل کے لیے فقہاء کرام نے جو شرائط ذکر کی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں: ۱۔ کہ محجوج عنہ ادائے حج سے خود عاجز ہو، ۲۔ یہ کہ یہ عجز موت تک قائم ہو وغیرہ، چونکہ صورتِ مسئولہ میں یہ شرائط مفقود ہیں اس لیے حج بدل نہیں کرایا جا سکتا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: لکن بشرط دوام العجز الی الموت ونیة الحج عنه هٰذا اذا کان المرض یرجی زواله۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۹۸ باب الحج عن الغیر)

---

[۱] رجل اوصی ان یحج عنه فأحج عنه رجلاً فلما بلغ الکوفة مات او سرقت نفقته وقد انفق النصف فانه یحج عن المیّت من منزله بثلث ما بقی۔ (جامع الصغیر ص۱۳۵ کتاب الحج

ومثلهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۵۲ الفصل السادس عشر فی الوصیّة بالحج۔

[۲] وفی الهندیة: ومنها ان یکون المحجوج عنه عاجز عن الاداء ومنها استدامة العجز من وقت الاحجاج الی وقت الموت۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)

ومثلهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۲۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

حج بدل کی شرائط

سوال:۔ ایک شخص حج بدل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے شرعاً کیا شرائط ہیں؟

الجواب:۔ فقہاء اسلام نے اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے کتب فقہ میں مستقل باب (باب فی الحج عن الغیر) قائم کیا ہے جس میں حج بدل کی شرائط ذکر ہیں، اگر ان شرائط کے تحت حج بدل کیا جائے تو درست ہے ورنہ نہیں، اور وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:۔
۱۔ محجوج عنہ خود ادائے حج سے عاجز ہو اور وہ مال کا مالک ہو ۲۔ وہ حج کرنے سے عاجز ہو اور عجز موت تک قائم ہو ۳۔ امر بالحج ہو ۴۔ احرام کے وقت نیت محجوج عنہ کی طرف سے ہو ۵۔ مامور کا حج محجوج عنہ کے مال سے ہو۔

کما فی الھندیۃ: ومنھا ان یکون المحجوج عنہ عاجزًا عن الاداء ومنھا استدامۃ العجز من وقت الاحجاج الی وقت الموت ومنھا الامر بالحج ومنھا نیۃ المحجوج عنہ عند الاحرام ومنھا ان یکون المامور بمالہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)[1]

وصیت کے بغیر حج بدل کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی پر حج فرض تھا زندگی میں اس نے حج ادا نہ کیا اور نہ ہی مرتے وقت وصیت کی تو اس کے لیے حج بدل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص وفات پا گیا اور اس پر حج فرض ہو چکا تھا مگر اس نے حین حیات ادا نہ کیا اور مرتے وقت وصیت بھی نہ کی تو اب اگر اس کے ورثاء اپنی خوشی سے میت کی طرف سے حج بدل کریں تو جائز ہے اور امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کی طرف سے قبول فرمالیں گے، مگر میت کی وصیت ضروری ہے۔

کما فی الھندیۃ: من علیہ الحج اذا مات قبل ادائہ من غیر وصیۃ یأثم بلاخلاف وان احب الوارث ان یحج عنہ یجزئہ ذلک انشاء اللہ تعالیٰ، کذا ذکرا بو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ وان مات عن وصیۃ لا یسقط الحج عنہ واذا حج عنہ یجوز عندنا باستجماع

---

[1] قال الحصکفی رحمہ اللہ: لکن بشرط دوام العجز الی الموت ونیۃ الحج عنہ ھذا اذا کان المرض یرجی زوالہ۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۸ باب الحج عن الغیر)
ومثلہ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۵۴۵ الفصل الخامس فی الرجل یحج عن الغیر۔

شرائط الجواز۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ صـ۲۵۸ الباب الخامس عشر فی الوصیّة بالحج) ؎۱

عورت کا مرد کی طرف سے حج بدل کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرد کی طرف سے عورت حج بدل کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج بدل کے لیے مسلمان عاقل بالغ ہونا ضروری ہے خواہ مرد ہو یا عورت! البتہ اگر عورت نے حج بدل کیا تو فقہاء کی تصریح کے مطابق مکروہ ہے تاہم حج بدل ادا ہوجائے گا۔

وفی الهندیة: ولو احج عنه امرأة او عبدًا اوامة باذن السیّد جاز ویکره هٰکذا فی محیط السرخسی۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ صـ۱۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) ؎۲

غیر وصی کا حج بدل ادا کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے موت کے وقت چار اشخاص کو وصیّت کی کہ مجھ پر حج فرض ہے آپ میری طرف سے حج بدل ادا کردیں، تو کیا حج بدل صرف اوصیاء اور وارثین کو ادا کرنا ضروری ہے یا غیر وصی بھی حج بدل کرسکتا ہے؟

الجواب:۔ حج بدل اوصیاء، وارثین کو ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ غیر وصی بھی حج بدل ادا کرسکتا ہے۔

یکون الاوصیاً مطلقاً ویدل علیه مافی الهندیة۔ ولو اوصٰی المیت ان یحج عنه ولم یزد کان للوصی ان یحج بنفسه فان کان الوصی وارث المیت اودفع المال الی وارث المیت لیحج عن المیت (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ صـ۲۵۹ الباب الخامس عشر فی الوصیة بالحج) ؎۳

؎۱ قال الشیخ ابن العلاء الانصاریؒ: ومن مات وعلیه فرض الحج ولم یوص به لم یلزم الوارث ان یحج عنه وان احب ان یحج عنه وارجوان یجزیه ان شاء الله۔ (الفتاویٰ التاتارخانیه ج ۲ صـ۵۶۲ الفصل السابع عشر فی احرام المرأة)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج ۳ صـ۶۱ باب الحج عن الغیر۔

؎۲ قال الشیخ ابن الهمامؒ: ویجوز حجاج الحر والامة والحرة وفی الاصل نص علی کراهة المرأة۔ (فتح القدیر ج ۳ صـ۱۵۱ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج ۳ صـ۶۲ باب الحج عن الغیر۔

؎۳ قال الشیخ ابن العلاء الانصاریؒ: وفی الکبریٰ اوصی بان یحج عنه ولم یوص الی احد فاجتمعت الورثة لیحجوا عنه رجلاً جاز۔ (الفتاویٰ التاتارخانیه ج ۲ صـ۵۵۶ الفصل السادس عشر فی الوصیة بالحج)

وَمِثْلُهٗ فی ردالمحتار ج ۲ صـ۵۹۹ باب الحج عن الغیر۔

ایک سال کے بعد حج بدل ادا کرنا

سوال: گذشتہ سال رمضان میں زید نے عمر کے ساتھ وعدہ کیا کہ آپ میرے بھائی بکر مرحوم کی طرف سے حج بدل ادا کریں میں آپ کو ماہ شوال میں پانچسو روپیہ ارسال کروں گا، عمر نے رقم کا انتظار کیا لیکن زید نے شوال میں رقم ارسال نہیں کی، جب دس روز حج کو رہ گئے تو عمر نے اپنی والدہ کی طرف سے حج بدل ادا کیا، پھر تین ماہ بعد زید نے عمر کو پانچسو روپے ارسال کئے اور عمر ایک سال مکہ مکرمہ میں رہا اور ۱۳۸۴ھ میں بکر مرحوم کی طرف سے حج بدل ادا کیا، تو کیا حج بدل ادا ہوا یا نہیں؟

الجواب: اگر بکر مرحوم کے لیے حج نفلی برائے ایصالِ ثواب ہو تو ہر کس اور ہر جگہ سے ہر وقت درست ہے اور اگر فرض حج بدل ہو تو میت کے ثلث کا یا وصی کی وصیت کا اعتبار ہوگا، لہٰذا اگر ثلث میت کے وطن سے حج بدل کے لیے کافی ہو تو میت کے وطن سے سفرِ حج ضروری ہے اور اگر کافی نہ ہو تو جہاں سے ممکن ہو سکے ادا کر لیا جائے۔

قال الحصکفیؒ: الاصل ان کل من اتی بعبادۃ ما جعل ثوابها لغیرہ وان نواها عند الفعل لنفسه۔

قال ابن عابدینؒ: بعبادۃ ما) ای سواء کانت صلوٰۃ او صوماً الخ (رد المحتار ج۲ ص۵۹۵ باب الحج عن الغیر)

قال ابن عابدینؒ: الحادی عشر ان یحج عنه من وطنه ان اتسع الثلث والا فمن حیث یبلغ کما سیأتی بیانه۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۰ باب الحج عن الغیر، مطلب شروط الحج عن الغیر) [1]

صاحب عذر کا عذر ختم ہو جانے کے بعد حج بدل کا حکم

سوال: اگر ایک معذور آدمی (جس پر حج فرض تھا) حج بدل کرائے،

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: اذا اوصی بان یحج عنه وهو فی منزله ان بین مکاناً یحج عنه من ذلك المکان بالاجماع، فان لم یبین مکاناً یحج عنه من وطنه عند علمائنا وهذا اذا کان ثلث ماله یکفی للحج من وطنه فاما اذا کان لا یکفی لذالك فان یحج عنه من حیث یمکن الاحجاج عنه بثلثه۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۵۵۲ الفصل السادس عشر فی الوصیة بالحج)

وفی الهندیة: الاصل فی هذا اللباب ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیرہ صلوٰۃ کان اوصوماً اوصدقة اوغیرها کالحج وقراءۃ القرآن۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)

اور حج بدل کے بعد اس کا عذر کسی بھی وقت ختم ہو جائے تو باقی ماندہ زندگی میں اُسے دوبارہ حج کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ حج بدل کے لیے عجز (مرض) کا دائمی ہونا ضروری ہے، اگر مرض دائمی نہ ہو تو اس کی طرف سے حج بدل ادا نہ ہوگا، چونکہ صورتِ مسئولہ میں اس شخص کا مرض تاموت دائمی نہ تھا بلکہ مرنے سے پہلے پہلے ہو گیا تو اس پر دوبارہ خود حج کرنا لازمی ہے حج بدل سے ذمہ فارغ نہ ہوگا۔

وفی الہندیۃ: ومنها استدامة العجز من وقت الاحجاج الى وقت الموت هكذا فى البدائع حتى لو احج عن نفسه وهو مريض يكون مراعى فان مات اجزءه وان تعافى بطل۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [1]

حج بدل کے بعد منذورہ عُمرہ ادا کرنا

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمرہ کی نذر مانی ہے دریں اثنا زید کسی آدمی کے لیے حج بدل کرنے کے لیے گیا تو حج بدل ادا کرنے کے بعد زید نے اپنا منذورہ عمرہ ادا کیا، تو کیا زید کا یہ عمرہ صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب :۔ بظاہر اس نے اداء کا التزام کیا ہے، کیونکہ اس نے اوّلاً حج بدل ادا کیا ہے اور آمر کے حکم کی کوئی مخالفت نہیں کی اس لیے زید کا یہ عمرہ ادا کرنا صحیح ہے اور اس سے زید کا ذمہ فارغ ہو گیا۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ : ۲ ابن سماعة عن محمدؒ: المأمور بالحج اذا حج عن الامر ثم احرم بعمرة ينفق من مال نفسه ما دام معتمراً فاذا انفق من مال الأمر۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۴۷ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر) [2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ : وان كان مرضاً يرجى زواله فاحج فالامر مراعى فان استمر العجز الى الموت سقط الفرض والا لا۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۶۱ باب الحج عن الغیر)

ومثلہ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۵۹۸ باب الحج عن الغیر۔

[2] قال ابن عابدینؒ : (تحت هذه العبارة تیصر مخالفاً) ولو امره بالعمرة فاعتمر ثم حج عن نفسه لم یکن مخالفاً بخلاف ما اذا حج اولاً ثم اعتمر۔ (رد المحتار ج ۲ ص۶۱۱ باب الحج عن الغیر)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۳ ص۶۳ باب الحج عن الغیر۔

والدین کی طرف سے حج کرنے میں زیادہ ثواب ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض ادا کرنے کے بعد اپنے لیے نفلی حج کرنا افضل ہے یا والدین کی طرف سے حج کرنا افضل ہے؟

الجواب:۔ اگر والدین پر حج فرض نہیں تھا تو اپنے لیے نفلی حج کرنے کی بجائے والدین کی طرف سے حج کرنا افضل و اولیٰ ہے اور بعض احادیث میں دس گنا کی زیادتی آئی ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: بخلاف مالو اھل عن ابویہ اوغیرھما من الاجانب حال کونہ متبرعا فعین بعد ذٰلك جاز لانہ متبرع بالثواب فلہ جعلہ لاحدھما اولھما وفی الحدیث من حج عن ابویہ فقد قضیٰ عنہ حجتہ وکان لہٗ فضل عشر حجج و بعث من الابرار۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص۶۰۸ باب الحج عن الغیر) [1]

دم تمتع و دم قران آمر پر ہے یا مامور پر

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی میت کی طرف سے حج بدل میں تمتع یا قران کی نیت کرے تو کیا اس کا حج ادا ہو جائے گا یا نہیں، اور دم کس پر واجب ہوگا، آمر پر یا مامور پر؟

الجواب:۔ اگر آمر نے حج تمتع یا قران کی اجازت نہ دی ہو تو اس کا حج ادا نہ ہوگا اور اگر اجازت دی ہو تو حج ادا ہو جائے گا مگر دم تمتع یا قران مامور پر ہوگا آمر پر نہیں۔

قال الحصکفیؒ: ودم القران والتمتع والجنایۃ علی الحاج ان اذن لہ الامر بالقران والتمتع والا فیصیر مخالفاً فیضمن۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۶۱۱ باب الحج عن الغیر) [2]

---

[1] قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حج عن ابیہ واُمہ فقد قضیٰ عنہ حجتہ وکان لہ افضل عشر حجج۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۳۰۸ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۶۹ باب الحج عن الغیر۔

[2] قال ابن نجیمؒ: ودم الحصار علی الآمر ودم القران ودم الجنایۃ علی المامور۔ قال ابن نجیمؒ: وانما وجب دم القران علی المامور باعتبار انہ وجب الشکر لما وفقہ اللہ تعالیٰ من الجمع بین النسکین۔

(البحر الرائق ج ۳ ص۶۵ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۵۴۸ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

محرم نہ ملنے کی صورت میں عورت حج بدل بھی نہیں کرا سکتی

سوال:۔ اگر کسی پردہ دار عورت کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اپنا اور محرم کا خرچہ کر سکتی ہے مگر اس کو کوئی ایسا محرم نہیں مل رہا کہ اس کے ساتھ حج ادا کرنے کے لیے جا سکے، تو کیا یہ عورت حج بدل کرا سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ عورت پر حج کی فرضیت کے لیے محرم کا ہونا شرط ہے بغیر محرم کے عورت پر حج فرض ہی نہیں اگرچہ اس کے پاس مال زیادہ ہو، اس لیے اس عورت پر حج بدل کرانا بھی لازمی نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ : ومع زوج أو محرم ولو عبدًا اوذمیًا أو برضاع بالغ قید لهما۔

قال ابن عابدینؒ : تحت (قوله ومع زوج أو محرم) هذا وقوله ومع عدم عدۃ علیها شرطان مختصان بالمرأۃ ۔الخ (ردالمحتار ج ۲ ص۴۶۴ کتاب الحج) [۱]

حج بدل ادا کرنے کے بعد مامور وطن واپس نہ آئے تو حج کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے حج بدل ادا کرنے کے لیے سعودی عرب (مکہ مکرمہ) چلا جائے اور حج ادا کرنے کے بعد واپس وطن نہ آئے بلکہ وہیں رہے تو کیا اس طرح حج بدل ادا ہو جائے گا ؟

الجواب:۔ حج بدل میں آمر کے ملک/شہر سے جانا ضروری اور شرط ہے حج ادا کرنے کے بعد آمر کے وطن واپس آنا ضروری نہیں، اس لیے اگر کوئی حج کے بعد وہیں مقیم ہو جائے تو حج بدل ادا ہو جائے گا، اقامت اختیار کرنے سے حج متاثر نہ ہوگا، البتہ بہتر یہ ہے کہ واپس آجائے۔

لمافی الهندیۃ : ولو احج رجلاً یؤدی الحج ویقیم بمکۃ جاز والافضل ان یحج ویرجع واذا فرغ المامور من الحج ونوی الاقامۃ خمسۃ عشر یومًا فصاعدًا أنفق من مال نفسه ولو انفق من مال الآمر یضمن ۔الخ (الفتاوی الهندیۃ ج ۱ ص۲۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ عبد الله بن مودود الموصلیؒ : ولا تحج المرأۃ الا بزوج أو محرم اذا کان سفرا ونفقۃ المحرم علیها۔ وفی شرحه ولابد من العقل والبلوغ لعجز الصبی والمجنون عن الحفظ ۔(الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص۱۴۱ کتاب الحج)

[۲] قال العلامۃ الکاسانیؒ : ولو احج رجلاً یؤدی الحج ویقیم بمکۃ جاز لانه فرض الحج صار مؤدیًا بالفراغ عن افعاله والافضل ان یحج ثم یعود الیه لان الحاصل للآمر ثواب النفقۃ فمهما کانت النفقۃ اکثر کان الثواب اکثر ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۱۵ کتاب الحج ، فصل فی الذی یرجع الی النیات)

حج افراد پر مامور شخص اپنے لیے عمرہ کرسکتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کو حج افراد کرنے کے لیے اپنا نائب مقرر کرے تو مامور حج افراد کے بعد اپنے لیے عمرہ کرے تو کیا یہ حج بدل جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اصل میں حج بدل کے اندر یہ ضروری ہے کہ مامور اپنے آمر کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرے، صورتِ مسئولہ میں مامور نے چونکہ پہلے آمر کے حکم کو پورا کیا ہے اور بعد میں اپنے لیے عمرہ کیا تو اس سے آمر کی طرف سے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا بلکہ حج اور عمرہ دونوں درست ہیں تاہم اس عمرے کا خرچہ مامور کے ذمے واجب ہوگا۔

لما قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائری رحمہ اللہ:۔ أما لو أمره بالعمرة فتنفل أمره واعتمر عنه ثم حج عن نفسه او أمره بالحج فحج عنه ثم اعتمر عن نفسه فان ذلك يجوز وتجزی العمرة فی الصورة الاولى والحج فی الصورة الثانية عن المستنيب الا أن نفقة اقامته للحج عن نفسه فی الاولى والعمرة عن نفسه فی الثانية فلزمه فی ماله۔

(کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ج۱ ص۷۰۸ کتاب الحج) [1]

حج کے منافی عمل سے فسادِ حج کی صورت میں حج کا خرچ کس پر ہوگا؟

سوال:۔ اگر مامور سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو جائے کہ جس سے حج فاسد ہوتا ہے تو اب حج کا خرچہ آمر پر ہوگا یا مامور پر ؟

الجواب:۔ اگر حج میں فساد وقوفِ عرفہ سے قبل آیا ہو تو مامور آمر کے خرچے کا ضامن ہوگا اس لیے کہ مامور اس فساد کا سبب بنا ہے اور اگر وقوفِ عرفہ کے بعد فساد آیا ہو تو مامور ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ وہ حج کا رکنِ اعظم ادا کر چکا ہے۔

لما قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائری رحمه الله: واذا فعل المأمور ما يفسد الحج فان كان ذلك قبل الوقوف بعرفة فانه يضمن المال للمنيب وان كان ذلك بعد الوقوف فلا يضمن لانه أدى الركن الاعظم وهو الوقوف

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولو أمره بالعمرة فاعتمر اولاً ثم حج عن نفسه لم يكن مخالفاً..... (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۵۲۶ الحج عن الغير)

ومِثلُهُ فی الفقه الاسلامی وادلته ج۳ ص۵۶ باب النيابة فی الحج۔ الخ

وکل کفارة جنایة تجب علی المأمور لانه سببها۔

(کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ج۱ ص۷۰۸ کتاب الحج) [1]

کیا حج افراد پر مامور شخص تمتع یا قران کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال:۔ اگر آمر نے حج افراد کا حکم دیا ہو اور مامور حج تمتع یا قران کرے تو اس حج کا کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ مامور حج میں ہر وقت آمر کے حکم کا تابع ہے، اگر آمر نے صرف افراد کا حکم دیا ہو تو مامور کو صرف حج افراد کرنا چاہیئے، اگر اس نے آمر کے حکم کے خلاف حج تمتع یا قران کیا تو حج مامور کی طرف سے ادا ہوگا اور مامور آمر کی رقم کا ذمہ دار ہوگا، تاہم اگر آمر کی طرف سے کُھلی اختیار ہو کہ مامور جس قسم کا حج کرنا چاہے کرسکتا ہے تو اس صورت میں مامور جو بھی حج ادا کرے گا وہ آمر ہی کی طرف سے ہوگا۔

قال الشیخ عبد الرحمن الجزائری رحمه الله : ومنها عدم مخالفة ما شرطه المستنیب، فلو أمر بالافراد فحج عنه الغائب قارنا او متمتعا لم یقع عنه ویضمن النفقة التی صرفت له۔ (کتاب الفقة علی المذاهب الاربعة ج۱ ص۷۰۸ کتاب الحج) [2]

مامور کا مدینۂ منوّرہ جانے کے لیے آمر کی رقم سے خرچ کرنا

سوال:۔ حج بدل میں مامور جب مدینہ منوّرہ جائے تو یہ خرچہ کس پر واجب ہوگا، مامور پر یا آمر پر؟ کیا مامور آمر کے مال سے اس سفر کے لیے خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ : قال ابو یوسف الحاج عن الغیر اذا افسد حجه قبل الوقوف علیه ضمان النفقة وعلیه الحج الذی افسده وعمرته وحجته للآمر ولو فاته الحج لا یضمن لأنه امین وعلیه قضاء الفائت وحج عن الآمر۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۵۲۹ الحج عن الغیر)

ومثله فی الهدایة ج۱ ص۲۷۹ الحج عن الغیر۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ : واذا أمر غیره بالافراد بحجة او عمرة فقرن فهو مخالف ضامن ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۵۲۶ الحج عن الغیر)

ومثله فی الفقه الاسلامی وادلته ج۳ ص۵۱ النیابة فی الحج ۔

الجواب: حج سے پہلے یا بعد مدینہ طیبہ جانا چونکہ نہ فرض ہے نہ واجب، اس لیے آمر کی اجازت کے بغیر مامور اُس کے مال سے خرچ نہیں کر سکتا بلکہ اس خرچہ کو خود برداشت کرے، ہاں اگر آمر کی اجازت ہو تو پھر اُس کے مال سے خرچ کرنا جائز ہے۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی رحمہ اللہ: ولو امرہ ان یعتمر، فاحرم بالعمرۃ واعتمر، ثمّ احرم بالحج عن نفسہ، لم یکن مخالفًا، لانہ فعل ما امر بہ، اوھو اداء العمرۃ وحجۃ عن نفسہ بعد ئذ کاشتغالہ بعمل اٰخر من التجارۃ وغیرھا، لکن النفقۃ فی حجہ تکون من مالہ، لانہ عمل لنفسہ۔

(الفقہ الاسلامی وَاَدِلَّتُہٗ ج۳ ص۵۷ کتاب الحج) [1]

حج بدل میں نیت آمر کی طرف سے ہوگی

سوال: حج بدل کی نیت مامور اپنی طرف سے کرے گا یا آمر کی طرف سے کرے گا؟

الجواب: جب ایک آدمی کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتا ہو تو احرام باندھ کر اس کی طرف سے نیت کرے اور تلبیہ کہتے وقت آمر کا نام لیکر تلبیہ پڑھے۔

لما قال العلامۃ عبد اللہ بن مودود الموصلی رحمہ اللہ: ومن حج عن غیرہ ولیستوی الحج عنہ ویقول لبیک بحجۃ عن فلان۔

(المختار علی صدر الاختیار ج۱ ص۱۷۱ باب الحج عن الغیر) [2]

---

[1] قال الکرمانی رحمہ اللہ: ثمّ عندنا المحرم الذی یحجّ عن المیّت او عن غیرہ من العاجزین علی ذکرنا فی الفصول المتقدّمۃ یحج عنہ بنفقۃٍ وسطٍ من غیر تقتیر ولا اسراف ذاھبًا وجائیًا راکبًا غیر ماش ......

(حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق ج۲ ص۸۸ باب الحجّ عن الغیر)

[2] قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: وبشرط نیۃ الحج عنہ ای عن الاٰمر فیقول احرمتُ عن فلان ولبیت عن فلان ولنسی اسمہ فنوی عن الاٰمر صح وتکفی نیۃ القلب۔

{الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۹۹ باب الحج عن الغیر}

باب الجنایات

(حج میں غلطی کرنے کے مسائل)

رمی چھوڑنے کی وجہ سے دم واجب ہونے کا حکم

سوال:۔ ایامِ حج میں ایک آدمی کے ساتھ اپنی عورت ہو اور وہ رمی جمار کی استطاعت نہیں رکھتی ہو، اگر یہ عورت اپنے شوہر کو رمی جمرات میں وکیل مقرر کرے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں، اور اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ایامِ حج میں رات کے وقت رمی جمار کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی اسلئے بلاعذرِ شرعی اس کو ترک کرنا اور کسی کو وکیل بنانا موجبِ دم ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اس عورت پر دم واجب ہے۔

وفی الهندیة: ولو ترك الجمار کلها او رمی واحدة او جمرة العقبة یوم النحر فعلیه شاة۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۲۴۷ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس) [۱]

جمرۃ العقبہ کی رمی بلاعذرِ شرعی چھوڑنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ایامِ حج میں شرعی عذر کے بغیر جمرۃ العقبہ کی رمی چھوڑ دے تو کیا اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمی جمار واجباتِ حج میں سے ہے جس کے چھوڑ دینے سے دم واجب ہو جاتا ہے لہٰذا جس شخص نے جمرۂ عقبہ کی رمی ترک کر دی اُس پر دم لازم ہے۔

وفی الهندیة: ولو ترك الجمار کلها او رمی واحدة او جمرة العقبة یوم النحر فعلیه شاة۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۲۴۷ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس) [۲]

---

[۱] قال المرغینانیؒ: ومن ترك رمی الجمار فی الایام کلها فعلیه دم لتحقق ترك الواجب۔ (الهدایة ج۱ ص۲۵۵ باب الجنایات)
وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج۲ ص۵۵۴ باب الجنایات۔

[۲] قال الحصکفیؒ، او الرمی کله او فی یوم واحد۔ قال ابن عابدینؒ: انما وجب بترکه کله دم واحد۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۵۵۴ کتاب الحج باب الجنایات)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۳ باب الجنایات۔

۱۱ ذی الحجہ کی رمی چھوڑنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک آدمی گیارہ ذی الحجہ کی رمی بلا عذر شرعی نہ کرے تو کیا اس پر دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ ذی الحجہ کی گیارہ اور بارہ تاریخ کو جمرات کی رمی واجب ہے اگر کوئی شخص ان دنوں میں رمی نہ کرے تو اس پر دم واجب ہے جو کہ ارضِ حرم میں خود یا کسی اور سے ذبح کرائے۔

وفی الهندية: ولو ترك الجمار او رمى واحد او جمرة العقبة يوم النحر فعليه شاة۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۲۴۷ الباب الثامن فی الجنايات، الفصل الخامس) [۱]

ترکِ سنت کی وجہ سے دم لازم نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص رمی جمار کے بعد منیٰ میں قیام نہ کرے بلکہ مکہ معظمہ میں قیام کرے تو کیا اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمی جمار کے بعد منیٰ میں قیام کرنا سنت ہے واجب نہیں اور ترکِ سنت پر دم لازم نہیں آتا اگرچہ ایسا کرنا خلافِ سنت ہے۔

قال الشيخ ابن عابدينؒ: فيبيت بها للرمی ای ليالی ايام الرمی هو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شیء۔ اھ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۵۲۰ فصل فی الاحرام، مطلب فی حكم صلوٰة العيد والجمعة فی منیٰ) [۲]

مفرد پر دمِ شکریہ لازم نہیں

سوال:۔ کیا حج افراد کرنے والے پر دمِ شکر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج افراد کرنے والے پر دمِ شکر واجب نہیں افضل ضرور ہے تاہم حج تمتع اور حج قران کرنے والے پر واجب ہے۔

كما قال العلامة الحصكفیؒ: ثم بعد الرمی ذبح ان شاء لانه مفرد۔ علامہ شامی اس عبارت

---

[۱] قال الحصكفیؒ: والرمی كله او فی يوم واحد۔ قال ابن عابدينؒ: انما وجب بتركه كله دم واحد۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۵۴ باب الجنايات)

وَمِثْلُهٗ فی الهداية ج۱ ص۲۵۵ باب الجنايات۔

[۲] قال الشيخ ابن نجيم المصریؒ:۔ (تحت ثم الی منیٰ الخ) ثم الی منیٰ فارم الجمار اقتداءً برسول الله صلی الله عليه وسلم ولم يذكر البيتوتة بمنیٰ لانها ليست بواجبة لان المقصود الرمی لكن هی السنة۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۴۸ باب الاحرام)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج۱ ص۲۱۹ الباب الاول فی تفسير الحج۔

کے تحت لکھتے ہیں: والذبح لہٗ افضل ویجب علی القارن والمتمتع ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۱۵ فصل فی الاحرام وصفۃ المفرد، مطلب فی رمی جمرۃ العقبی) [۱]

احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہننے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک آدمی حج کے دوران سلے ہوئے کپڑے پہن لے بعض سلے ہوئے کپڑوں میں تین گھنٹے اور بعض میں آٹھ گھنٹے وقت گذارے تو دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ دن یا رات سے کم وقت میں سلے ہوئے کپڑے پہننا موجب صدقہ ہے اور دن یا رات سے زائد وقت تک سلے ہوئے کپڑے پہننا موجب دم ہے۔

قال الحصکفیؒ: اولبس مخیطا اوستر راسہ یوماً کاملاً ۔قال فی شرح التنویر فی الاقل صدقۃ ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۴۷ کتاب الحج، فصل الجنایات) [۲]

حالتِ احرام میں سر ڈھانپنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے مچھروں سے تنگ آکر اپنے سر کو تمام رات احرام کی چادر میں ڈھانپے رکھا، کیا اس شخص پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام کی حالت میں مردوں کے لیے سر چھپانا جائز نہیں، البتہ اگر کسی نے تمام رات سر کو ڈھانپے رکھا تو اس پر دم واجب ہے البتہ اگر کسی نے اس سے کم وقت تک سر کو ڈھانپے رکھا تو اس پر صدقہ واجب ہے۔

وفی الھندیۃ: ولو غطی المحرم راسہ اووجھہ یوماً فعلیہ دم وان کان اقل من

---

[۱] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولم یذکر الذبح ھذا الرمی قبل الحلق لانہٗ مفرد فلا یلزم الذبح ولا اضحیۃ علیہ لانہ مسافر وان کان قارن اومتمتع یذبح۔

(الفتاوی التاتارخانیہ ج۲ ص۴۶۴ الفصل الثالث فی تعلیم اعمال الحج)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۱ ص۲۱۳ کتاب الحج۔

[۲] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وکذا قولہ والا تصدق ای وان کان لبس المخیط وتغطیۃ الرأس اقل من یوم لزمہ صدقۃ ۔(البحر الرائق ج۳ ص۶ باب الجنایات)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الثانی فی اللبس ۔

ذٰلك فعليه صدقة ۔ (الفتاویٰ الهندیه ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الثانی فی اللبس) [1]

حالتِ احرام میں چہرے کو ڈھانکنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے شرعی عذر کے بغیر احرام کی حالت میں پورا ایک دن اپنے چہرے کو ڈھانکا، تو کیا اس پر دم واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ حالتِ احرام میں عذر کے بغیر چہرے کو چھپانا جائز نہیں، اگر بلا عذر چہرے یا سر کا چوتھائی یا چوتھائی سے زیادہ حصہ ایک دن یا ایک رات ڈھانکا تو دم واجب ہے۔

قال ابن عابدینؒ : فی تغطیة کل الوجه او الرأس یوماً اولیلة دم والربع منهما کالکل الخ

(ردّ المحتار ج۲ ص۴۸۸ کتاب الحج مطلب فی یحرم بالاحرام ولا یحرم) [2]

حالتِ احرام میں عطّاری کی دوکان میں بیٹھنا

سوال: حالتِ احرام میں عطّاری کیساتھ مصافحہ کرنا یا اسکی دوکان میں بیٹھنا موجبِ دم ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ عطّاری کی دوکان میں بیٹھنا اور اس کے ساتھ مصافحہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کے بدن پر خوشبو کی ذات یعنی عطر وغیرہ تر لگے اور اگر عطر وغیرہ اس کو لگ جائے تو زیادہ لگنے سے دم اور معمولی مقدار میں لگ جائے تو صدقہ واجب ہوگا۔

قال ابن نجیمؒ :۔ ولا بأس ان یجلس فی حانوت عطار ولا فرق ایضاً بین ان یقصده اولا ولذا قال فی المبسوط : وان استلم الرکن فاصاب فمه او یده خلوف کثیر فعلیه دم وان کان قلیلاً فصدقة ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۳ باب الجنایات) [3]

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ : وکذا اذا غطی اربع رأسه یوماً فصاعداً فعلیه دم ۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج۲ ص۴۹۵ الفصل الخامس فیما یحرم علی المحرم، نوع منه فی لبس المحیط)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۶ باب الجنایات

[2] وفی الهندیة : ولو غطی المحرم راسه او وجهه یوماً فعلیه دم وان کان اقل من ذٰلك فعلیه صدقة ۔ کذا فی الخلاصة ۔ (الفتاویٰ الهندیه ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الثانی فی اللبس)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاویٰ تاتارخانیة ج۲ ص۴۹۲ الفصل الخامس، نوع منه فی لبس المحیط۔

[3] وفی الهندیة : ولا بأس ان یقعد فی دوکان عطار او موضع یتبخر فیه قبراً الا انه یکره ۔

(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الاوّل)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاویٰ تاتارخانیة ج۲ ص۵۰۶ الفصل الخامس فیما یحرم علی المحرم ۔ نوع منه فی الدهن والتطیب والخضاب ۔

ذبح اور حلق میں ترتیب

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حکومت سعودی عرب نے قربانی کے گوشت کو محفوظ کرنے کے لیے ایک نئی قربان گاہ قائم کی ہے بعض حاجی حضرات سہولت کے لیے اپنی قربانی کو دوسرے کے سپرد کر دیتے ہیں یا قربانی کی قیمت بینک میں جمع کرا دیتے ہیں، اس طرح قربانی کا وقت کامل طور پر معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس وقت ذبح کی گئی، اب اگر کسی شخص نے حلق کر لیا اور یہ حلق ذبح پر مقدم ہو گیا تو کیا اس مقدم ہونے پر دم واجب ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک ذبح حلق پر مقدم کرنا واجب ہے مؤخر کرنے سے دم واجب ہو گا، اسلئے اگر بینک والوں نے ذبح بعد میں کیا اور حاجی نے حلق پہلے کیا ہو تو دم لازم ہوتا ہے اسلئے بہتر یہ ہے کہ اپنی قربانی خود ذبح کر کے پھر حلق کرے۔

قال ابن نجیمؒ:۔ فان حلق القارن قبل ان یذبح فعلیه دمان عند ابی حنیفةؒ دم بالحلق فی غیر اوانه لان اوانه بعد الذبح ودم بتاخیر الذبح عن الحلق۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۳۶۱ باب القران) ؎۱

ترکِ سعی کا دم ایام النحر کے ساتھ مخصوص نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک آدمی آدمی سے واجب سعی ترک ہو جائے تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ حج وعمرہ میں صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے ترک کرنے کی صورت میں دم واجب ہو جاتا ہے اور یہ ذبح ہر وقت جائز ہے ایام نحر کے ساتھ مخصوص نہیں کسی کو بھی پیسے دے کر مکہ مکرمہ میں ذبح کیا جا سکتا ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: ومن ترک السعی بین الصفا والمروة فعلیه دم وحجة تام وفیها ایضاً یجوز ذبح بقیة الایام فی ای وقت شاء۔ (الهدایة ج ۱ ص ۲۵۵ باب الجنایات) ؎۲

؎۱ قال الحصکفیؒ:۔ ثم بعد الرمی ذبح ثم قصر وفی ردّ المحتار ای او حلق کما دل علیه قوله وحلقه افضل۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۱۵ فصل فی الاحرام وصفة الحج، مطلب فی رمی العقبة)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج ۲ ص ۴۷۳ باب الجنایات۔

؎۲ قال فی الهندیة: من ترک السعی بین الصفا والمروة فعلیه دم وحجة تامؒ۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۴۷ الباب الثامن الجنایات، فصل خامس فی الطواف والسعی)
ومثله فی فتح القدیر ج ۳ ص ۸۱ باب الهدی۔

طوافِ صدر چھوڑنے پر دم واجب ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ طوافِ صدر کے ترک کرنے سے دم واجب ہوتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ طوافِ صدر ترک کرنے سے دم واجب ہوتا ہے، البتہ طوافِ صدر اب بھی کرسکتا ہے، یعنی عمرہ کی نیت کرکے عمرہ ادا کیا جائے تو اس طوافِ عمرہ سے طوافِ صدر ادا ہو جائے گا۔

وفی الهندية: ولو ترك طواف صدر او اكثر تجب عليه الشاة۔
(الفتاوی الهندية ج۱ ص۲۴۶ الباب الثامن فی الجنايات، الفصل الخامس)[1]

عورت کے لیے وقوفِ مزدلفہ کا دم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض اعذار کی وجہ سے اگر کوئی عورت وقوفِ مزدلفہ اور رمی نہ کر پائے تو اس پر دم واجب ہوگا یا نہیں ؟

الجواب:۔ بغیر عذرِ شرعی کے وقوفِ مزدلفہ اور رمی کو ترک کرنا صحیح نہیں چھوٹ جانے کی صورت میں دم لازم ہے، البتہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے وقوفِ مزدلفہ اور رمی چھوٹ جانے پر دم واجب نہیں۔

قال العلامة الشامی رحمه الله:۔ ثم وقف بمزدلفة ووقته من طلوع الفجر الی طلوع الشمس ولو مارًا كما فی عرفة لكن لو تركه بعذر كزحمة بمزدلفة فلا شیٔ عليه۔ قال ابن عابدينؒ: الا اذا كانت لعلة اوضعف او يكون امرأة تخاف الزحام فلا شیٔ عليه۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۱۱ كتاب الحج، مطلب فی الوقوف بالمزدلفة)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجيم المصریؒ: ولما كان طواف الصدر واجبًا وجب بترك كله او اكثره دم۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۱ باب الجنايات)
وَمِثلُهُ فی رد المحتار ج۲ ص۵۵۵ باب الجنايات۔

[2] قال العلامة ابن نجيمؒ: اراد بالترك الترك لغير عذر اما اذا ترك واجبًا لعذر فانه لاشیٔ عليه۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۳ باب الجنايات)
وَمِثلُهُ فی الهندية ج۱ ص۲۴۷ الباب الثامن فی الجنايات، الفصل الخامس۔

دم جنایت زمینِ حرم سے خاص ہے

سوال:۔ ایک شخص پر ترکِ رمی کی وجہ سے دَم واجب ہوا اُس کا ذبح کرنا کہاں ضروری ہے؟

الجواب:۔ دم جنایت زمینِ حرم سے خاص ہے خواہ منیٰ ہو یا مکہ مکرمہ، لیکن حرم کی زمین ضروری ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني :۔ ولا يجوز ذبح الهدايا الا فی الحرم لقوله تعالیٰ: فی جزاء الصيد هدیًا بالغ الكعبة فصار اصلا فی کل دم۔ (الہدایہ ج۱ ص۲۸۱ باب الہدی) [۱]

بلا احرام میقات سے تجاوز کرکے پھر عود کرنا

سوال:۔ ایک شخص جو آفاقی ہے ماہ شوال میں حج کے لیے آیا اور میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں اقامت کی نیت کرلی، اس کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا پھر مکہ مکرمہ میں بغیر احرام داخل ہوا تو کیا اس آدمی پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس آفاقی پر دونوں صورتوں میں دم واجب نہیں، پہلی صورت میں اس وجہ سے کہ ابتداء میں اس نے عمرہ کا احرام میقات سے باندھا ہے تو تجاوز میقات سے بلا احرام نہ پایا گیا اور مدینہ منورہ جانے میں تجاوز میقات سے بلا احرام پایا گیا ہے لیکن پھر عود کرکے واپس مکہ مکرمہ میں داخل ہوا ہے اور حج کا احرام زمینِ حرم سے باندھا ہے اسلئے دم ساقط ہوا ہے۔

وفی الهندية: فان عاد حلالا ثم احرم سقط عنه الدم۔

(الفتاوىٰ الهندية ج۱ ص۲۵۳ الباب العاشر فی مجاوزة الميقات بغير احرام) [۲]

افاقی شخص کا زیارتِ نبوی کیلئے بغیر احرام جانا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک افاقی شخص

---

[۱] وفی الهندية: ولا يجوز ذبح الهدايا الا فی الحرم۔ (الفتاوىٰ الہندیہ ج۱ ص۲۶۱ الباب السادس عشر فی الهدی)
ومثله فی التاتارخانية ج۲ ص۵۳۶ الفصل الحادی عشر فی الاحصار۔

[۲] قال الشيخ ابن نجيم المصري : من جاوز آخر المواقيت بغير احرام ثم عاد اليه وهو محرم ولبی فيه فقد سقط عنه الدم اللازم له بالمجاوزة بغير احرام۔
(البحر الرائق ج۳ ص۴۸ باب مجاوزة الميقات بغير احرام)
ومثله فی التاتارخانية ج۲ ص۴۷۶ الفصل الرابع فی بيان مواقيت الاحرام۔

مکہ مکرمہ آیا اور وہاں اقامت کی نیّت کر کے شوال میں مدینہ منورہ زیارتِ روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چلا گیا پھر ذوالحلیفہ سے عمرہ کے لیے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آیا، تو کیا اس شخص پر دم واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ مواقیت سے بلا احرام تجاوز کرتے ہوئے حج وعمرہ کے لیے جانا جائز نہیں، چونکہ اس شخص نے میقات سے تجاوز حج یا عمرہ کے لیے نہیں بلکہ زیارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا ہے اس لیے ایسا کرنے سے اس پر کوئی دم وغیرہ لازم نہیں ہوا۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله کمکی یرید الحج) اما لو خرج الی الحل لحاجة فاحرم منه ووقف بعرفة فلا شئ علیه کالافاقی اذا جاوز المیقات قاصداً البستان ثم احرم منه۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص۵۸۱ باب الجنایات، مطلب لا یجب الضمان بکسر الات اللهو)[1]

جدّہ جانے والے کے لیے میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جدّہ جانے کا قصد کرتا ہے تو کیا وہ میقات سے بغیر احرام کے گذر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص ہوائی جہاز سے صرف جدّہ تک سفر کا قصد رکھتا ہو تو وہ میقات سے بلا احرام تجاوز کر سکتا اور اس شخص پر کوئی دم لازم نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: اما لو قصد موضعا من الحل کخلیص وجدة حل له مجاوزته بلا احرام۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۷۶ مطلب فی المواقیت)[2]

---

[1] قال الشیخ ابن الهمام رحمه الله:۔ لانه خرج الی الحل لحاجة فاحرم منه ووقف بعرفة فلا شئ علیه کالافاقی اذا جاوز المیقات قاصداً للبستان ثم احرم منه...... التمتع بما اذا خرج لحاجة الی الحل ثم احرم بالحج منه لا یجب علیه شئ کالمکی۔

(فتح القدیر ج۳ ص۴۴ باب مجاوزة المیقات بغیر احرام)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۴۷۶ الفصل الرابع فیما یلزم لمجاوزة المیقات بغیر احرام۔

[2] قال ابن العلا الانصاریؒ: رجل دخل بستان بنی عامر وفی التجرید وبستان بنی عامر لحاجة فله ان یدخلها مکة بغیر احرام۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج۲ ص۴۷۷ الفصل الرابع ما یخرج علی المحرم)

میقات میں تلبیہ بھول جانے پر دم کا وجوب

سوال: ایک آدمی نے میقات سے عمرہ و حج وعمرہ کے لیے احرام باندھا اور تلبیہ پڑھنا بھول گیا اور میقات میں داخل ہونے کے بعد تلبیہ شروع کیا تو کیا اس آدمی پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: شرعی قواعد کی رو سے اس آدمی پر دم واجب ہے کیونکہ صرف نیت کرنا اور بغیر تلبیہ کے احرام میں داخل ہونا غیر ظاہر روایت ہے، پس اس آدمی پر ضروری ہے کہ دوسرے شخص کے ذریعے حدودِ حرم میں ذبح کرائے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: (وجاوز وقته) ظاهر ما فی النهر عن البدائع اعتبار الارادة عند المجاوزة (ثم احرم) لزمه دم کما اذا لم یحرم۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۲ ص ۵۷۹ باب الجنایات)[۱]

طوافِ زیارت سے پہلے بیوی سے جماع حرام ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی سے طوافِ رہ جائے تو طوافِ زیارت ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: طوافِ زیارت ادا کرنے سے پہلے بیوی سے جماع کرنا حرام ہے، اگر حلق کے بعد اور طواف سے پہلے جماع کرے تو دم لازم ہوگا، اور اگر حلق وطواف دونوں سے پہلے اور وقوفِ عرفہ کے بعد کرے تو ایک بدنہ (یعنی اونٹ ذبح کرنا) واجب ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وطؤه بعد وقوفه لم یفسد حجه وتجب بُدنة وبعد الحلق قبل الطواف شاة لخفة الجنایة۔ قال ابن عابدینؒ: بعد وقوفه ای قبل الحلق والطواف۔

(رد المختار ج ۲ ص ۵۶۰ باب الجنایات۔ کتاب الحج)[۲]

---

[۱] لما فی الهندیة: اذا دخل الآفاقی مکة بغیر احرام وهو لا یرید الحج والعمرة فعلیه لدخول مکة اما حَجَّة او عُمرة فان احرم بالحج او العمرة من غیر ان یرجع الی المیقات فعلیه دم لترك حق المیقات۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۵۳ الباب العاشر فی مجاوزة المیقات بغیر احرام)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۴۸ باب مجاوزة المیقات بغیر احرام۔

[۲] لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ومن جامع بعد الوقوف بعرفة لم یفسد حجه وعلیه بُدنة۔۔۔ وان جامع بعد الحلق فعلیه شاة لبقاء احرامه فی حق النساء دون لبس المخیط۔۔۔ (الهدایة ج ۱ ص ۲۵۱، ۲۵۲ کتاب الحج، باب الجنایات)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۲۴۵ الباب الثامن فی الجنایات۔ الفصل الرابع فی الجماع۔

عینک کے ساتھ حج کرنا درست ہے

سوال :۔ اگر کسی شخص کی آنکھیں خراب ہوں تو کیا وہ چشمہ لگا کر حج کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ احرام کی حالت میں پورے چہرے کا چھپانا ممنوع ہے اور چشمہ سے چونکہ چہرہ نہیں چھپتا ہے لہٰذا چشمہ لگا کر حج کرنا جائز ہے ۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ : لگا سکتا ہے ۔ (امداد الاحکام ج۲ ص۱۸۰) ؎۱

احرام کی حالت میں خوشبودار پان کھانے کا مسئلہ

سوال :۔ اگر کوئی شخص پان کھانے کا عادی ہو اور وہ احرام کی حالت میں خوشبودار پان کھائے تو کیا اس سے دم لازم آئے گا یا نہیں ؟

الجواب :۔ خوشبودار چیز کسی اور کھانے والی شئے میں پکا کر یا بغیر پکائے استعمال کی جائے تو اگر خوشبودار چیز مغلوب ہو جائے تو اس چیز کے کھانے سے دم لازم نہیں آتا مگر کراہت سے خالی بھی نہیں اور اگر خوشبودار شئے غالب ہو تو اس کے کھانے کی صورت میں دم ضرور لازم ہو گا ، لہٰذا پان میں چونکہ خوشبودار چیز مغلوب ہوتی ہے اس لیے پان کھانے سے دم تو لازم نہیں ہوتا مگر ایسا کرنا مکروہ ضرور ہے ، بہتر یہ ہے کہ احرام کی حالت میں پان میں خوشبودار چیز استعمال نہ کی جائے ۔

وفی الهندیة : ولو کان الطیب فی طعام طبخ وتغیر فلا شئ علی المحرم فی اکله سواء یوجد رائحته اولا کذا فی البدائع وان خلطه بما یوکل بلا طبخ فان کان مغلوبا فلا شئ علیه غیرانه ان وجدت معه الرائحة کره وان کان غالبا وجب الجزاء ۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۴۱ الباب الثامن فی الجنایات) ؎۲

✠✠

؎۱ لما قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ :۔ سوال : محرم چشمہ لگا سکتا ہے یا نہیں ؟ جواب : لگا سکتا ہے ۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۶ ص۵۵۴ مسائل جنایات)

؎۲ قال العلامة الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ : پان چونکہ داخل طیب نہیں بلکہ موجب زینت ہے منافی احرام نہیں اور الائچی اور مثل اس کے طیب ضرور ہیں مگر چونکہ پان وتمباکو میں مغلوب ہیں لہٰذا وہ بھی جنایت نہیں گو خالی از کراہت بھی نہیں ۔ اھ

(امداد الفتاوی ج۲ ص۱۶۲ باب الاحرام)

دورانِ حج خرید و فروخت کرنا جائز ہے

سوال:۔ جو شخص حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو کیا وہ وہاں حج کے دوران تجارت یعنی خرید و فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں منیٰ وغیرہ کے مقامات میں بازار لگتے تھے تو جو لوگ حج کے لیے آتے تھے وہ حج کے ساتھ ساتھ خرید و فروخت بھی کرتے تھے، قرآنِ کریم نے بھی اس کے جواز کا حکم دیا ہے، یہاں ایک بات ذہن میں رہے کہ یہ سفر صرف حج کی نیت سے ہونا چاہیئے اور اگر یہ سفر تجارت کی غرض سے ہو تو حج ادا نہ ہوگا۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۹۸)[1]

حدودِ حرم سے باہر حلق یا قصر کرکے احرام سے نکلنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص عمرہ کا احرام باندھے، طواف اور سعی کے بعد حلق نہ کرے اور حدود حرم سے باہر چلا جائے اور وہاں یاد آنے پر حلق کرکے احرام کھول دے تو کیا اس شخص پر دم لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام سے نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ حلق یا قصر حدودِ حرم کے اندر کیا جائے، اگر کوئی محرم حالتِ احرام میں حدودِ حرم سے باہر جاکر حلق یا قصر کرکے احرام سے نکلے تو اس پر دم لازم ہوگا اور اس دم کو حدودِ حرم کے اندر ذبح کرنا لازم ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: واعتمر فخرج من الحرم وقصر فعلیہ دم عندھما۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۲۵ کتاب الحج)

---
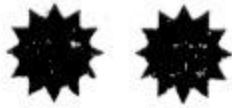
[1] قال ابوبکر الجصاص الحنفی رحمہ اللہ۔ حتی قال فی جوازہ بعد ذکر الدلائل وجمیع ذلك یدل علی ان الحج لا یمنع التجارۃ وعلی ھذا امر الناس من عصر النبی علیہ السلام الی یومنا ھذا فی مواسم منی ومکہ فی ایام الحج۔ واللہ اعلم ۔ وکذا قال محمد بن احمد الانصاری القرطبی فی تفسیرہ احکام القرآن ج۳ ص۴۱۳۔ (احکام القرآن ج۱ ص۳۴۵ باب التجارۃ فی الحج)

باب الھدی

(قربانی کے احکام ومسائل)

قارن یا مُتمتع کا اپنی قربانی سے گوشت کھانا

سوال:۔ کیا مُتمتع اور قارن اپنی قربانی سے گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں دمِ تمتع اور دمِ قران دمِ شکر ہے اور اس کے گوشت کا حکم بھی عام قربانی کی طرح ہے یعنی جس طرح اضحیۃ سے مالک خود کھا سکتا ہے اسی طرح دمِ قران اور دمِ تمتع سے بھی کھا سکتا ہے بلکہ اَوروں کو بھی کھلایا جاسکتا ہے۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: ویری الحنفیۃ انہ یجوز الأکل من ھدی التطوع والتمتع والقِران اذا بلغ الھدی محلہ لانہ دم نسك فیجوز الأکل منہ بمنزلۃ الاضحیۃ وماجاز لصاحبہ الأکل منہ جاز للغنی الأکل منہ۔[1]

(الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج۳ ص۳۰۳ باب الھدی رابعا الأکل من الھدی)

دمِ جنایت سے خود کھانا جائز نہیں

سوال:۔ دمِ جنایات مثلاً احرام میں خوشبو لگانے یا تقدیم وتاخیر وغیرہ سے جو دم لازم آتا ہے حاجی کا اس سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر وہ قربانی (دم) جو کسی جنایت کی وجہ سے حاجی پر لازم ہو جائے یا وہ خود اس کو اپنے اوپر لازم کرلے تو اس قربانی کا استعمال (کھانا وغیرہ) خود حاجی اور اغنیاء دونوں کے لیے حرام ہے بلکہ صرف فقراء ہی اس سے کھا سکتے ہیں۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: ولا یجوز الأکل من بقیۃ الھدایا کدماء الکفارات والنذور وھدی الاحصار والتطوع اذا لم یبلغ محلہ و

---

[1] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: یجوز الأکل من ھدی التطوع والمتعۃ والقِران ویستحب لہ ان یأکل منھا۔ (الھدایۃ ج۱ ص۲۸۰ کتاب الحج)
وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۸۹ باب الھدی۔

محلہ منیٰ او مکۃ۔[1] (الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج ۳ ص۳۰۳ باب الھدی رابعاً الأکل من الھدی)

حرم کی حدود میں تحلیل کے لیے یوم النحر سے قبل ذبح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص احرام باندھنے کے بعد کسی عذرِ شرعی کی وجہ سے حج کے لیے نہ جاسکے اور وہ تحلیل کے لیے حرم کی حدود میں یوم نحر سے قبل جانور ذبح کرے تو کیا یہ آدمی ایسا کرنے سے حلال ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دمِ احصار کے ذبح کے لیے صرف حرم کی حدود کا ہونا ضروری ہے اگرچہ یوم نحر سے قبل ہو، اس لیے صورتِ مسئولہ میں اس محصر کا احرام سے حلال ہونا درست ہے۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: فیجوز عند ابی حنیفۃؒ ذبح الھدی قبل یوم النحر لاطلاق النص ولأنہ لتعجیل التحلل۔ وقال الصاحبان لایجوز الذبح للمحصر بالحج الّا فی یوم النحر کدم التمتع والقِران وعلی الرای الاوّل ھو الراجح یکون زمان ذبح الھدی مطلق الوقت لایتوقف بیوم النحر سواءٌ کان الاِحصار من الحج أم عَنِ العُمْرَۃ۔[2]
(الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج ۳ ص۲۹۲ باب الھدی۔ امازمان ذبح الھدی)

حج سے واپسی کے بعد دم اپنے وطن میں ادا کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص پر دم لازم آئے اور اس کے پاس قربانی کے لیے پیسے نہ ہوں تو کیا یہ شخص واپس آکر اپنے وطن میں دم دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو قربانی (دم) ایامِ حج میں حج کی وجہ سے یا جنایات کی وجہ سے حاجی پر

---

[1] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ولایجوز الأکل من بقیۃ الھدایا لانھا دماء کفاراتٍ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۲۸۰ کتاب الحج۔ باب الھدی)
وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۸۹ کتاب الحج۔ باب الھدی۔

[2] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ولایجوز دم الاحصار الا فی الحرم ویجوز ذبحہ قبل یوم النحر عند ابی حنیفۃؒ وقالا لایجوز الذبح للمحصر بالحج الا فی یوم النحر۔
(الھدایۃ علیٰ صدر فتح القدیر ج۳ ص۵۵ باب الاحصار)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۵۶ الباب الثانی عشر فی الاحصار۔

لازم آئے تو ان ھدایا کا حدودِ حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، حدودِ حرم سے باہر اُن کا ذبح کرنا جائز نہیں، اس لیے یہ شخص اپنے وطن میں ذبح کرنے کے بجائے حرم میں ہی ذبح کرے گا۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی : ولا یجوز ذبح الهدایا الا فی الحرم لأن الهدی اسم لما یهدی الی مکان و مکانه الحرم۔ (الفقه الاسلامی وَاَدِلَّتُهٗ ج ۳ ص۳۰۷ خامسًا مکان ذبح الهدی)[1]

دمِ جنایات کے لیے وقت یا دن کا مشروط ہونا

سوال:۔ کیا دمِ جنایات کے لیے کوئی وقت یا دن شرعًا مقرر ہے یا کہ جس وقت اور جب چاہے ادا کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ حج میں نقصان کے جبیرہ (ازالہ) کے لیے جو دم لازم ہوتا ہے شرعًا اس کے ادا کرنے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ حاجی جب اور جس وقت چاہے ادا کر سکتا ہے۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی : ویجوز ذبح بقیة الهدایا ای وقت شاء لانها دماء کفارات فلا یختص بیوم النحر لانها وجبت لجبر النقصان۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج ۳ ص۳۰۷ خامسًا مکان ذبح الهدی وزمانه)[2]

منیٰ میں قربانی پر عدمِ قدرت کی صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟

سوال:۔ اگر حاجی منیٰ میں قربانی کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کو کیا کرنا چاہیئے، شرعًا اس کا کوئی بدل ہے؟

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: لایجوز ذبح الهدایا الا فی الحرم۔ لقوله تعالیٰ: فِیْ جَزَاءِ الصَّیْدِ هَدْیًا بَالِغَ الکعبة۔۔۔۔ ولان الهدی اسم لما یهدیٰ الی مکانٍ و مکانه الحرم۔ (الهدایة ج ۱ ص۲۸۱ باب الهدی)
وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق ج ۲ ص۹۰ باب الهدی۔

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ : ویجوز ذبح بقیة الهدایا فی ای وقت شاء ولنا ان هٰذه دماء کفارات ولا یختص بیوم النحر لانها لما وجبت بجبر النقصان کان التعجیل بها اَولیٰ لارتفاع النقصان به من غیر تاخیر بخلاف دم المتعة والقران لانه دم نسك۔
(الهدایة ج ۱ ص۲۸۱ کتاب الحج، فصل فی الهدی)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۲۶۱ الباب السادس عشر فی الهدی۔

الجواب: منیٰ میں قربانی پر عدم قدرت کی وجہ سے قربانی کے بدلے میں ایامِ حج میں تین روزے اور حج سے فارغ ہوکر گھر آجانے کے بعد سات روزے رکھنے لازمی ہیں، یاد رہے کہ یہاں عدم قدرت سے مراد منیٰ میں قربانی کرنے پر قادر نہ ہونا ہے اگرچہ اپنے وطن میں قادر ہو۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: فان لم یجد المتمتع الھدی ینتقل الی صیام ثلاثۃ ایام فی الحج وسبعۃ اذا رجع الی وطنہ وتعتبر القدرۃ علی الھدی فی موضعہ فمتی عدمہ فی موضعہ جاز لہ الانتقال الی الصیام وان کان قادراً علیہ فی بلدہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۳ ص۳۰۲ باب الھدی) [1]

بینک کے ذریعے قربانی کرنا جائز ہے

سوال: آجکل بعض حجاج حکومتی بینکوں میں قربانی کے پیسے جمع کرا دیتے ہیں اور بینک والے اُن کی طرف سے قربانی کرتے ہیں، جبکہ اس طریقہ میں تقدیم وتاخیر اور نہ کرنے کا خطرہ بھی رہتا ہے، تو کیا ان شبہات کے ہوتے ہوئے بینک کے ذریعے قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قربانی کرنا ایسا عمل ہے جس میں نیابت درست ہے اس لیے بینک کی معرفت قربانی کرنے سے قربانی کا فریضہ ادا ہو جائے گا، مگر اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ حلق اور قربانی میں تقدیم وتاخیر نہ ہو ورنہ حنفیہ کے نزدیک دمِ جنایت لازم آئے گا اسی طرح قربانی میں جانور کا ذبح کرنا ضروری ہے صرف قربانی کے پیسے جمع کرا دینے سے ذمہ فارغ نہ ہوگا، لہٰذا مذکورہ شبہات کے ہوتے ہوئے بینک کے ذریعے قربانی نہ کرائی جائے بلکہ خود قربانی کر کے حلال ہو جائے۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: والاولیٰ بالاتفاق ان یتولی الانسان ذبح الھدی بنفسہ ان کان یحسن ذلک لانہ قربۃ والعمل بنفسہ فی القربات اولیٰ لما فیہ من زیادۃ الخشوع..... وان ذبح الھدی غیر صاحبہ اجزأہ والمستحب ان یشھد ذبحہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۳ ص۳۰۹ باب الھدی سادساً ذبح الھدی) [2]

---

[1] قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَۃٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۶)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۳۸ کتاب الحج۔ تفسیر الھدی۔

[2] قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: والاولیٰ ان یتولیٰ ذبحھا بنفسہ اذا کان یحسن ذلک..... الا ان الانسان قد لا یھتدی لذلک ولا یحسنہ فجوزناہ تولیۃ غیرہ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۲۸۱ باب الھدی)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۹۰ باب الھدی۔

باب العمرۃ

(عمرہ کے مسائل واحکام)

عمرہ کے بعد سر منڈانے کا حکم

سوال:۔ عمرہ ادا کرنے کے بعد سر کو منڈانا ضروری ہے یا نہیں اگر سر نہ منڈائے تو کیا گنہگار ہوگا؟

الجواب:۔ عمرہ میں با قاعدہ حلق یا قصر واجب ہے اس کو ترک کرنا یا حرم سے باہر جاکر حلق کرنا موجب دم ہے۔

کما فی الھندیۃ: اما واجباتھا فالسعی بین الصفا والمروۃ والحلق او التقصیر۔ (الفتاوی الھندیہ ج۱ ص۲۳۷)

وقال ایضاً: وتجب شاۃ بتاخیر النسك عن مکانہ کما اذا خرج من الحرم وحلق رأسہ سواء کان الحلق للحج او للعمرۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۴۷۔ الباب الثامن فی الجنایات۔ الفصل الخامس) [1]

متعدد عمرے کرنے کی صورت میں حلق کیسے کیا جائے؟

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے عمرہ کرنے کے بعد حلق کرلیا، اس کے بعد جب دوسرا عمرہ کیا تو چونکہ اس کا سر پہلے سے محلوق تھا، اب یہ شخص کیا کرے، سر پر اُسترہ پھیرلے یا ویسے ہی چھوڑدے؟

الجواب:۔ جب ایک عمرہ ادا کرنے کے بعد حلق کرلیا جائے تو دوسرے اور تیسرے عمرے کی ادائیگی کے بعد سر پر صرف اُسترہ ہی پھیر دے جو کہ قائم مقام حلق کے ہوگا۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ:۔ واذا جاء وقت الحلق ولم یکن علی رأسہ شعر بان کان حلق قبل ذلك او بسبب آخر ذکر فی الاصل انہ یجری موسی علی رأسہ۔ (الفتاوی تاتارخانیہ ج۲ ص۵۴۳ الفصل الرابع عشر فی الحلق والقصر) [2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: وغیرھما واجب وفی ردالمحتار اراد بالغیر من المذکورات ھنا وذلك اقل اشواط الطواف والسعی والحلق او التقصیر۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۷۳ کتاب الحج، مطلب فی احکام العمرۃ)

ومثلہٗ فی تاتارخانیۃ ج۲ ص۵۲۶ الفصل الثامن فی بیان وقت الحج والعمرۃ۔

[2] قال فی الھندیۃ:۔ واذا جاء وقت الحلق ولم یکن علی رأسہ شعر بان کان حلق قبل ذلك او بسبب آخر ذکر فی الاصل انہ یجری موسی علی رأسہ۔ (الفتاوی الھندیہ ج۲ ص۲۳۱ الباب الثالث فی الاحرام۔)

عمرہ اور مزدوری

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید عمرہ کے ویزہ سے سعودی عرب جانا چاہتا ہے، عمرہ کے بعد اگر وہ وہاں مزدوری کرے تو کیا اسلام میں یہ اقدام جائز ہو گا یا نہیں؟

الجواب:- یہ طریقہ کار قانونی جرم تو ہے اسلامی جرم نہیں، جیسا کہ حج و عمرہ کے لیے جاتے وقت تجارت کا ارادہ کرنا اسلامی جرم نہیں، اس لیے زید کا عمرہ کے ویزہ سے سعودی عرب جانے کے بعد وہاں مزدوری کرنا درست ہے۔[1]

لما فی قوله تعالیٰ: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ قال ابن العربی: أی فی مواسم الحج المسئلة الثانية فی هذا دليل علی جواز التجارة فی الحج للحاج مع اداء العبادة۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۳۶ سورة البقرة)

بسلسلہ مزدوری جدہ جانے والے پر عمرہ واجب نہیں

سوال:- ایک شخص جدہ میں ملازمت کے سلسلہ میں رہتا ہے تو کیا اس پر عمرہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- جدہ چونکہ حرم کعبہ کی حدود سے خارج ہے اور خارج حرم میں جانے سے عمرہ واجب نہیں ہوتا، لہٰذا جدہ جانے والے پر عمرہ واجب نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: اما لو قصد موضعا من الحل کخلیص وجدة حل له مجاوزتہ بلا احرام۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۷۷ کتاب الحج، مطلب فی المواقیت)[2]

حج کی بجائے عمرہ ادا کرنا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص پر حج فرض ہے لیکن اُس نے حج کی بجائے عمرہ

---

[1] قال الشیخ ابن نجیمؒ: وتجرید السفر عن التجارة احسن ولو اتجر لا ینقص ثوابه کالغازی۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۰۹ کتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ۱ ص ۲۲۰ کتاب المناسك، الباب الاول فی تفسیر الحج۔

[2] قال العلامة العالم بن العلاء الانصاریؒ: رجل دخل بستان بنی عامر وفی التجرید وغیرہ لحاجته فله ان یدخل مکة بغیر احرام۔ (الفتاویٰ التاتارخانیه ج ۲ ص ۴۷۷ الفصل الرابع فی ما یحرم علی المحرم)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ۱ ص ۲۲۱ الباب الثانی فی المواقیت۔

ادا کیا، تو کیا اس سے فریضۂ حج ساقط ہوا یا نہیں؟

الجواب:۔ حج ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے جو خاص وقت میں مخصوص مقامات کی زیارت و افعال کا نام ہے اسلئے عمرہ ادا کر لینے سے حج کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ ایسا کرنے والے کو حج کرنا ضروری ورنہ مستحقِ وعید ہے۔

عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ملک زادًا وراحلة تبلغه الی بیت اللہ ولم یحج فلا علیه ان یموت یھودیًا اونصرانیًا۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص۲۲۲ کتاب الحج) [۱]

دن میں متعدد عمرے کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا ایک دن میں ایک سے زائد عمرے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عمرہ کی ادائیگی کے لئے شریعتِ مقدسہ نے کسی وقت یا تعداد کا تعین نہیں کیا بلکہ ایک شخص دن میں جتنے عمرے ادا کر سکتا ہے کر لے اس میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔

وفی الھندیة: ووقتھا جمیع السنة إلا فی خمسة ایام تکرہ فیھا العمرة لغیر قارن و اما رکنھا فالطواف واما واجبتھا فالسعی بین الصفا والمروة والحلق او التقصیر۔

(الفتاوی الھندیة ج ۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرۃ) [۲]

شوال اور ذیقعدہ میں عمرہ ادا کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اشہرِ حج میں عمرہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر کسی نے عمرہ کر لیا تو کیا اس پر دم لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ ایامِ تشریق، عرفہ اور عید کے دن کے علاوہ تمام سال میں عمرہ کرنا جائز ہے چاہے اشہرِ حج ہوں یا غیر اشہرِ حج۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ووقت العمرۃ السنة کلھا۔ وفی الھدایة والعمرۃ

---

[۱] قال ابن الھمامؒ: بشرائط نوعان ولو ملکه مسلماً فلم یحج حتی افتقر حیث یتقرر الحج فی ذمته دیناً علیه۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۳۲۰ کتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ فی الھندیة ج ۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسیر الحج۔

[۲] لما قال الحصکفیؒ: وھی احرام وطواف وسعی وحلق او تقصیر فالاحرام شرط..... وجازت فی کل سنة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۷۲،۲۷۳ مطلب فی احکام العمرۃ)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج ۲ ص۵۲۵ الفصل الثامن فی بیان وقت الحج والعمرۃ۔

لا تفوت ولٰكن تكره فى يوم عرفة وايام التشريق ۔ (الفتاوٰى التاتارخانية ج ۲ ص ۵۲۵ الفصل الثامن فى بيان وقت الحج والعمرة) ؎۱

سوال :۔ کیا رمضان شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ ادا فرمایا ہے، اگر ادا فرمایا ہے تو وہ رمضان شریف کی کون سی تاریخ تھی ؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں کوئی عمرہ نہیں کیا

الجواب :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں کوئی عمرہ نہیں کیا ہے، البتہ رمضان شریف میں عمرہ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے ۔

قال البراء ابن عازب: اعتمر النبى صلى الله عليه وسلم عمرتين قبل ان يحج فلم يحتسب لعمرة الحديبية كذا فى الصحيحين وكلهن فى ذيقعدة على ما هو الحق ۔ (فتح القدير ج ۳ ص ۱۳۷ باب العمرة) ؎۲

سوال :۔ عمرہ اور طواف کا ثواب اگر کسی زندہ آدمی کو بخشا جائے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں ؟

زندہ آدمی کیلئے طواف اور عمرہ کرنا

الجواب :۔ زندہ آدمی کے لیے عمرہ اور طواف کا ثواب بخشا جائز ہے اس کی مشروعیت میں کوئی اختلاف نہیں ۔

قال ابن عابدين ؒ تحت هذه العبارة بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره اى سواء كانت صلوٰة اوصوماً اوصدقة اوقرأة اوذكراً اوطوافاً اوحجاً اوعمرة اوغير ذلك ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۵ مطلب فى اهداء ثواب الاعمال للغير) ؎۳

؎۱ قال الحصكفى ؒ: (وجازت كل سنة) وندبت فى رمضان (وكرهت) تحريما يوم عرفة واربعة بعدها ۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۷۳ مطلب احكام العمرة)

وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج ۱ ص ۲۳۷ الباب السادس فى العمرة ۔

؎۲ قال العلامة ابن عابدين ؒ: وندب فى رمضان وقد اعتمر النبى صلى الله عليه وسلم اربع عمرات كلهن بعد الهجرة فى ذيقعدة على ما هو الحق وتمام فيه ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۷۳ مطلب احكام العمرة)

وَمِثْلُهٗ فى التاتارخانية ج ۲ ص ۵۲۶ كتاب الحج ۔ باب العمرة ۔

؎۳ قال ابن نجيم ؒ: فان من صام اوصلى اوتصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة، كذا فى البدائع ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۵۹ باب الحج عن الغير)

وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فى الحج عن الغير ۔

حج بدل کے بعد کسی کے ایصالِ ثواب کیلئے عمرہ کرنے کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی حج بدل کے لیے گیا، حج بدل ادا کرنے کے بعد اُس نے اپنے والد مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے عمرہ ادا کیا، تو کیا اس کا یہ عمرہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ حج بدل کرنے والے پر ادائیگیٔ حج تک اپنے آمر کے فرمان کے مطابق ارکانِ حج ادا کرنے لازمی ہیں تاکہ آمر کے حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آئے، صورتِ مسئولہ میں اُس نے چونکہ پہلے حج بدل ادا کیا اور پھر ایصالِ ثواب کیلئے عمرہ کیا اس طرح اس نے آمر کے حکم کی مخالفت نہیں کی اس لیے اس کا یہ عمرہ صحیح ہے۔

قال عالم بن العلا الانصاریؒ: ابن سماعة عن محمدؒ المأمور بالحج اذا حج عن الآمر ثم احرم بعمرة ینفق من مال نفسه ما دام معتمراً فاذا انصرف من مال آمر۔ (الفتاویٰ التاتارخانیہ ج۲ ص۵۴۷ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر) [1]

بیوی کی طرف سے عمرہ کرنا

سوال :۔ کیا صحت مند آدمی کی طرف سے عمرہ ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں، بیوی کی طرف سے خاوند کے عمرہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ عمرہ اور نفلی حج ہر شخص چاہے صحت مند ہو یا غیر صحت مند، اور بیوی یا کسی اور خاتون کی طرف سے ادا کرتے ہیں کوئی قباحت نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: بعبادة ماله جعل ثوابها لغیره (ای سواء کانت صلوٰة اوصوماً او صدقة اوقراءة اوذکراً اوطوافاً اوعمرة وغیر ذٰلك۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۵۹۵ مطلب فی اِهداء ثواب الاعمال للغیر) [2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: ولو امره بالعمرة فاعتمر ثم حج عن نفسه لم یکن مخالفاً بخلاف ما اذا حج اوّلاً ثم اعتمر۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۰۱ مطلب شروط الحج عن الغیر عشرون)
وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج۳ ص۶۳ باب الحج عن الغیر۔

[2] قال ابن نجیمؒ: فان من صام اوصلی او تصدق وجعل ثوابه لغیره من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابها الیهم عند اهل السنة والجماعة کذا فی البدائع۔
(البحرالرائق ج۳ ص۵۹ باب الحج عن الغیر)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد تلبیہ کتنی مرتبہ پڑھنا ضروری ہے؟

سوال:۔ عمرہ کے لیے احرام باندھنے کے بعد کتنی مرتبہ تلبیہ پڑھنا چاہیئے، کیا شرعاً اس کے لیے کوئی تعداد مقرر ہے؟

الجواب:۔ عمرہ یا حج کے لیے احرام باندھنے کی نیت کرنے کے بعد ایک مرتبہ تلبیہ پڑھنا شرط ہے اور تین مرتبہ پڑھنا مستحب امر ہے۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: ثم لبی دبر صلوٰته ناویًا بها الحج وهي لبّیك اللّٰهم لبّیك، لبّیك لا شریك لك لبّیك، ان الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك۔ وزاد فیها ولا تنقص۔ قال شارح التنویر: (ولا تنقص) ای منها فانها مکروه ای تحریما لقولهم انها مرة شرط والزیادة سنة ویکون مسیئًا بترکها وبترك رفع الصوت بها۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المختار ج ۲ ص۴۸۲ فصل فی الاحرام) [۱]

عمرہ فرض ہے یا واجب یا سنّت؟

سوال:۔ عمرہ فی نفسہ کیا حکم رکھتا ہے، فرض ہے یا واجب یا سنت ہے؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں زندگی میں ایک بار عمرہ کرنا سُنتِ مؤکدہ ہے فرض نہیں۔

قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائریؒ: المالکیة والحنفیة قالوا العمرة سُنة مؤکدة فی العمر مرّة لا فرض لقوله صلی اللّٰه علیه وسلم الحج مکتوب والعمرة تطوع۔

(کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۱ ص۶۸۴ مبحث العمرة) [۲]

---

[۱] لما فی الهندیة: وله رکن وشرط (فالرکن) ان یوجد منه فعل من خصائص الحج وهو نوعان (احدهما قول) بان یقول لبّیك اللّٰهم لبّیك، لبّیك لا شریك لك .... الخ وهی مرّة شرط والزیادة سُنة۔ الخ
(الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۲۲۱، ۲۲۲ کتاب المناسك۔ باب الثالث فی الاحرام)

[۲] وفی الهندیة: العمرة عندنا سُنة ولیست بواجبة ویجوز تکرارها فی السنة الواحدة (ووقتها) جمیع السنة الا خمسة ایام وتکره فیها العمرة لغیر القارن کذا فی فتاوٰی قاضیخان، وهی یوم عرفة ویوم النحر وایام التشریق والاظهر من المذهب ماذکرنا ولکن مع هٰذا لو اداها فی هٰذه الایام صح ویبقی محرمًا بها فیها کذا فی الهدایة۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرة)
ومثلهٗ فی رد المحتار ج ۲ ص۱۵۱ مطلب احکام العمرة۔

کن ایّام میں عُمرہ کرنا منع ہے؟

سوال:- سال کے کون کون سے دنوں میں عمرہ کرنا جائز نہیں؟

الجواب:- احناف کے ہاں عمرہ سال بھر میں صرف پانچ دن کرنا مکروہ ہے: (۱) یوم العرفہ (۲) یوم النحر (۳) اور عید الضحیٰ کے بعد تین دن۔

قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائریؒ: قال الحنفیۃ: یکرہ الاحرام بالعمرۃ تحریماً فی یوم عرفۃ قبل الزوال وبعدہ علی الراجح وکذلک یکرہ الاحرام بھا فی یوم عید النحر وثلاثۃ ایّام بعدہ۔ (کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج۱ ص۶۸۵ کتاب الحج، ارکان العمرۃ) [۱]

عمرہ کے کتنے ارکان ہیں

سوال:- اگر کوئی شخص عمرہ کرنا چاہتا ہو تو اس کیلئے کیا کیا کرنا ضروری ہے یعنی عمرہ کے ارکان کیا ہیں؟

الجواب:- احناف کے ہاں عمرہ کے لیے ایک رکن (طواف) ایک شرط (احرام) اور سعی بین الصفا والمروۃ اور حلق یا قصر واجبات میں شامل ہیں، عمرہ کرنے والے کے لیے ان امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائریؒ: الحنفیۃ قالوا للعمرۃ رکن واحد ھو معظم الطواف اربعۃ اشواط اَمّا الاحرام فھو شرط لھا واَمّا السعی بین الصّفا والمروۃ فھو واجب کما تقدم فی الحج ومثل السعی الحلق او التقصیر فھو واجب۔

(کتاب الفقہ علی مذاھب الاربعۃ ج۱ ص۶۸۵ کتاب الحج۔ ارکان العمرۃ) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللہ:- العمرۃ سنۃ وتصح فی جمیع السّنۃ، وتکرہ یوم عرفۃ ویوم النحر وایّام التشریق۔

(مراقی الفلاح علی نور الایضاح ص۶۰۸ کتاب الحج فی فصل العُمرۃ)

وَمِثْلُہٗ فی شرح الوقایۃ ج۱ ص۲۵ کتاب الحج۔

[۲] لما قال العلامۃ قاضی خان رحمہ اللہ:- ورکن العمرۃ شیئان الاحرام والطواف بالبیت وواجبھا شیئان السعی بین الصفا والمروۃ والحلق ولیس علیہ ماسوٰی ذٰلک من رمی الجمار۔

(فتاوٰی قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج۱ ص۳۰۱ فصل فی العمرۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرۃ۔

ایامِ تشریق میں عمرہ کرنے کا حکم

سوال :۔ اگر کوئی شخص ایامِ تشریق میں عمرہ کرے تو کیا اس کا عمرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب :۔ اگرچہ عید الاضحیٰ اور ایامِ تشریق میں عمرہ کرنا شرعاً ممنوع یعنی مکروہ تحریمی ہے، تاہم اگر ایامِ تشریق یا یوم النحر میں عمرہ کیا جائے تو کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا ہو جائے گا۔

قال العلامۃ عبد اللہ بن مودود الموصلیؒ : تکرہ یوم عرفۃ والنحر وایام التشریق.......... ولو اداھا فیھا جاز مع الکراھیۃ کصلاۃ التطوع فی الاوقات الخمسۃ المکروۃ۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص۱۵۷ فصل فی العمرۃ۔) لہ

ارکانِ عمرہ میں تقدیم و تاخیر کا حکم

سوال :۔ اگر کوئی شخص عمرہ کے طواف اور سعی کے بعد حلق کرنے کی بجائے پہلے زیرِ ناف بالوں کی صفائی کرے اور پھر حلق کرے تو کیا اس پر دم لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب :۔ جس طرح حج کے ارکان و واجبات میں ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے اور تقدیم و تاخیر کی وجہ سے دم لازم آتا ہے، تو اسی طرح عمرہ میں بھی ترتیب کا خیال رکھا جائے اگر کہیں ترتیب ساقط ہو جائے تو دم دینا لازم ہوگا۔

لما قال المفتی عبد الرحیم لاجپوری : ہاں دم واجب ہوگا، پہلے سر منڈا کر پھر مونچھ یا دیگر مواضع کے بال کٹوانا چاہئیں، الٹا کرنے سے دم لازم آئے گا، فتاویٰ اسعدیہ میں ہے۔ (سوال) فی رجل اھل بعمرۃ وطاف وسعی وحلق احد ابطیہ ثم حلق راسہ وحلق البطیہ الاخر ماذا یجب علیہ افتونا۔ (الجواب) یجب علیہ دم والصورۃ ماشرح۔ (فتاوی رحیمیۃ ج ۲ ص۵۲ کتاب الحج)

لہ وفی الھندیۃ: جمیع السنۃ الآخمسۃ ایام تکرہ فیھا العمرۃ لغیر القارن وھی یوم عرفۃ والنحر وایام التشریق و الاظھر من المذھب ما ذکرنا ولکن مع ھذا لو اداھا فی ھذہ الایام صح۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرۃ)

باب فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(روضۂ اقدس کی زیارت کے بیان میں)

حج یا عمرہ میں روضۂ اقدس کی زیارت کیلئے جانا لازمی ہے

سوال: جو شخص حج یا عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو کیا اس پر روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ جانا لازمی ہے؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بارے میں فقہاء کرام کے تین اقوال ہیں بعض مندوب کہتے ہیں، بعض واجب اور بعض واجب کے قریب کے قائل ہیں۔ علامہ شامیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تیسرے قول کو ترجیح دی ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: وشرح المختار انہا قریبۃ من الوجوب لمن لہ سعۃ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۲ باب الھدی) [1]

زیارتِ روضۃ النبیؐ کے وقت کیا کرنا چاہیئے؟

سوال: جو شخص روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے جانا چاہتا ہو تو مدینہ منورہ داخل ہونے سے قبل اُسے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب: جو شخص زیارۃِ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیئے کہ کثرت سے دُرود پڑھے اور جب مدینہ طیبہ کی حدود یعنی شہر کی دیواریں نظر آنے لگیں تو درود شریف پڑھ کر یہ دعا مانگے: اللھم ھٰذا حرم نبیّك فاجعلہ وقایۃ لی من النار وأمانا من العذاب وسوء الحساب، اور مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے قبل غسل کر کے، اچھا لباس زیب تن کر کے خوشبو لگا کر تواضع اور وقار کے ساتھ داخل ہو کر یہ دعا پڑھے: بِسْمِ اللّٰہِ وعلیٰ ملّۃِ رسول اللّٰہ،

---

[1] قال العلامۃ عبد اللہ بن مودود الموصلیؒ: اذھی من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجۃ الواجبات فانہٗ صلی اللہ علیہ وسلم حرص علیھا وبالغ فی الندب الیھا۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۱۷۵ فصل فی زیارۃ النبی)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوی ج ۲ ص ۱۶۹ کتاب الحج۔

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ الخ

لما قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلیؒ: ینبغی لمن قصد زیارة قبر النبی صلی الله علیه وسلم ان یکثر الصلوٰة علیه فقد جاء فی الحدیث انه یبلغه ویصل علیه فاذا عاین حیطان المدینة یصلی علیه ویقول اللّٰهم هٰذا حرم نبیّك فاجعله وقایة لی من النار وأمانا من العذاب وسوء الحساب ویغتسل قبل الدخول او بعدہ ان امکنه ویتطیب ویلبس احسن ثیابه فهو اقرب الی التعظیم ویدخلها متواضعا علیه السکینة والوقار ویقول بسم الله وعلیٰ ملّة رسول الله رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ.... الی آخر الآیة ۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۱۷۵ فصل فی زیارة قبر النبیؐ) [1]

زیارت روضۃ الرسولؐ کیلئے مسجد نبوی میں داخلہ کے وقت دو رکعت پڑھنا

سوال: جو شخص زیارت روضۃ الرسولؐ کیلئے مسجد نبوی میں داخل ہو تو کیا وہ دو رکعت نماز پڑھے یا نہیں؟

الجواب: جو شخص زیارت کے لیے مسجد نبوی میں داخل ہو تو اُسے چاہیئے کہ پہلے دو رکعت نماز اگر ممکن ہو تو منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس طرح پڑھے کہ منبر کے ستون اُسکے دائیں طرف آجائیں ورنہ جہاں بھی موقع ملے نماز ادا کرے اور پھر سلام کیلئے روضۂ اطہر پر حاضر ہو۔

لما قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلیؒ: ثم یدخل المسجد فیصلی عند منبرہ صلی الله علیه وسلم رکعتین یقف بحیث یکون عمود المنبر بحذاء منکبه الایمن فهو موقفه صلی الله علیه وسلم وهو بین قبرہ ومنبرہ۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۱۷۵ فصل فی زیارة النبی صلی الله علیه وسلم) [2]

---

[1] وفی الهندیة: اذا توجه الی الزیارة یکثر من الصلوٰة والسلام علی النبی صلی الله علیه وسلم مدة الطریق..... واذا عاین حیطان المدینة یصلی علیه ویقول اللهم هٰذا حرم نبیك فاجعله وقایة لی من النار وأمانا من العذاب وسوء الحساب ویغتسل قبل الدخول او بعدہ ان امکنه ویتطیب ویلبس احسن ثیابه ویدخلها متواضعاً علیه السکینة والوقار۔ (الفتاوی الهندیه ج ۱ ص ۲۶۵ کتاب الحج، خاتمہ فی زیارۃ قبر النبیؐ)

[2] وفی الهندیة: ویصلی عند منبرہ رکعتین یقف بحیث یکون عمود المنبر بحذاء منکبه الایمن وهو موقفه علیه السلام وهو بین قبرہ ومنبرہ ثم یسجد شکراً لله تعالیٰ۔

(الفتاوی الهندیه ج ۱ ص ۲۶۵ کتاب الحج، خاتمہ فی زیارۃ قبر النبیؐ)

حرمِ نبویؐ کی زیارت کے وقت کیا کرنا چاہیئے

سوال:۔ روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مسجد نبوی میں داخل ہو تو کیا کرنا چاہیئے ؟

الجواب:۔ دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد جب قبر شریف کی زیارت کے لیے جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے قبلہ رُخ مواجہہ شریف سے تین چار ذراع (گز) دور اس طرح آرام سے کھڑا ہو جیسا کہ نماز کے لیے کھڑا ہوا جاتا ہے، اور یہ تصور کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں اور اس کے آنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہے اور آپؐ اس کے کلام کو سن رہے ہیں، اور پھر آہستہ سے سلام پیش کرے۔

لما قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلیؒ: ثم ينهض فيتوجه الى قبره صلى الله عليه وسلم فيقف عند رأسه صلى الله عليه وسلم مستقبلا للقبلة يدنو منه قدر ثلاثة أذرع او اربعة ولا يدنو منه اكثر من ذلك.....ويقف كما يقف فى الصلوٰة ويمثل صورته الكريمة البهية صلى الله عليه وسلم كانه نائم فى لحده عالم به يسمع كلامه۔ قال النبى صلى الله عليه وسلم من صلى عند قبرى سمعته وفى الخبر انه وكل بقبره ملك يبلغه سلام من سلم عليه من أمته.....ويقول السلام عليك يارسول الله۔ الخ (الاختيار لتعليل المختار ج ۱ ص۱۷۵ فصل فى زيارة النبى صلى الله عليه وسلم) [1]

قانوناً حجاز میں مدّتِ قیام کم ہونے کی وجہ سے حاجی مدینہ طیبہ نہ جاسکے تو کیا اس کا حج متاثر ہوگا یا نہیں؟

سوال:۔ اگر ملکی قانون کی وجہ سے حج کے ویزے میں وقت کم ہونے کی وجہ سے حاجی مدینہ طیبہ نہ جاسکے تو کیا اس کا حج متاثر ہوگا یا نہیں ؟

---

[1] وفى الهندية: ثم ينهض فيتوجه الى قبره صلى الله عليه وسلم فيقف عند رأسه مستقبل القبلة ثم يدنو منه ثلاثة أذرع او أربعة ولا يدنو منه أكثر من ذلك ولا يضع يده على جدار التربة فهو أهيب وأعظم للحرمة ويقف كما يقف فى الصلوٰة ويمثل صورته الكريمة البهية كانه نائم فى لحده عالم به يسمع كلامه ثم يقول اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نبى الله الخ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۶۵ كتاب الحج خاتمه فى زيارة قبر النبىؐ)

الجواب:۔ جس کو روضۂ اقدس کی زیارت کرنے کی طاقت و قدرت ہو تو اس پر زیارت روضۂ اقدس کے لیے جانا قریب الی الوجوب (حکماً واجب) ہے، البتہ اگر کسی قانونی اور عذرِ شرعی کی وجہ سے نہ جا سکے تو اس کا حج کامل اور صحیح ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ:۔ وزیارۃ قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم مندوبۃ بل قیل واجبۃ لمن لہ سعۃ ویبدأ بالحج لو فرضاً ویخیر لو نفلاً مالم یمر بہ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵۲ باب الھدی) لہ

اُسطوانۃ ابولبابۃ کے پاس دو رکعت پڑھنے کا حکم

سوال:۔ کیا اُسطوانہ ابولبابہ کے پاس دو رکعت پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فارغ ہو کر مستحب یہ ہے کہ اُسطوانہ ابولبابہ کے قریب دو رکعت نماز ادا کی جائے اور اپنے لیے مغفرت کی دعا کی جائے۔

قال العلامۃ عبد اللہ بن مودود الموصلی رحمہ اللہ: ثم یأتی اُسطوانۃ ابی لبابۃ الّتیْ ربط نفسہ فیھا حتی تاب اللہ علیہ وھی بین القبر والمنبر ویصلی رکعتین ویتوب الی اللہ تعالیٰ ویدعو بما شاء۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۷ فصل زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ؎۲

لہ قال العلامۃ عبد اللہ بن مودود الموصلی رحمہ اللہ:۔ اذ ھی من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجۃ الواجبات فانہ صلی اللہ علیہ وسلم حرص علیھا وبالغ فی الندب إلیھا فقال من وجد سعۃ ولم یزرنی فقد جفانی۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۵ فصل فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ومثلہ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۶ ص۵۸۱ مسائل حج۔

؎۲ وفی الھندیۃ: ثم یأتی اُسطوانۃ ابی لبابۃ التی ربط نفسہ فیھا حتی تاب اللہ علیہ وھی بین القبر والمنبر فیصلی رکعتین ویتوب الی اللہ ویدعو بما شاء۔

[الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۶۶ کتاب الحج
خاتمۃ فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم]

روضۂ اطہر کی زیارت کے وقت صلوٰۃ وسلام کا طریقہ

سوال :۔ جب کوئی شخص روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہو تو وہ کن الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پیش کرے، اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب :۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی توفیق عطا فرمائے تو اسے چاہیئے کہ وہ روضۂ اطہر پر مواجہ شریف کے سامنے نہایت ادب واحترام سے کھڑا ہو جائے اور یہ تصور کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں آرام فرما رہے ہیں اور یہ بھی خیال کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کر رہا ہے، اس کے بعد درمیانی آواز سے مؤدبانہ لہجے میں ان الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پیش کرے۔

السلام علیك ایها النبی ورحمة الله۔ السلام علیك یاخیر خلق الله۔ السلام علیك یاخیرة الله من خلق الله ۔ السلام علیك یاحبیب الله۔ السلام علیك یاسید ولد آدم۔ السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته ۔ یارسول الله انی اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له واشهد انك عبده ورسوله۔ اشهد انك بلغت الرسالة وادیت الامانة ونصحت الامة وکشفت الغمة فجزاك الله خیرًا جزاك الله عنا افضل ما جزی نبیًا عن امته۔ اللهم اعط لسیدنا عبدك ورسولك محمد الوسیلة والفضیلة والدرجة الرفیعة وابعثه مقامًا محمودا الذی وعدته انك لا تخلف المیعاد وانزله المنزل المقرب عندك انك سبحانك ذوا الفضل العظیم ۔

(قرة العینین الشهیر بفتاوی حرمین ص۳۰۴)

کتاب
النکاح

هو الذي خلقكم من

نفس واحدة وجعل منها

زوجها ليسكن اليها

باب آداب النّکاح وشرائطہ

(نکاح کے آداب وشرائط)

خطبہ نکاح سے پہلے پڑھنا چاہیئے

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ نکاح (ایجاب وقبول) کے بعد خطبہ پڑھا جاتا ہے، کیا خطبہ ایجاب وقبول سے قبل پڑھنا چاہیئے یا بعد میں؟

الجواب:۔ نکاح باہمی رضامندی سے ایجاب وقبول کا نام ہے، البتہ نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا ایک استحبابی عمل ہے اس لیے نکاح سے پہلے خطبہ پڑھا جائے بعد میں پڑھنا صحیح نہیں۔

قال الحصکفیؒ: ویندب اعلانہ وتقدیم خطبۃ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۸ کتاب النکاح)[1]

لفظ "نکاح" کے بجائے "بیع" کا لفظ کہنے سے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر نکاح کے وقت لفظ نکاح کے بجائے بیچنے وغیرہ کے الفاظ کہہ دیئے جائیں تو ان الفاظ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: خرید وفروخت اور بیچنے وغیرہ کے الفاظ جب نکاح کی نیت سے استعمال کیے جائیں تو نکاح بلا اختلاف صحیح ہے۔

قال ابن نجیمؒ: فینعقد النکاح بلفظ الھبۃ والعطیۃ والصدقۃ والملک والتملیک والجعل والبیع والشراء علی الأصح۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۵ کتاب النکاح)[2]

---

[1] قال ابن نجیم رحمہ اللہ، وفی المجتبیٰ یستحب ان یکون النکاح ظاھراً وأن یکون قبلہ خطبۃ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۱ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وأدلتہٗ ج۷ ص۱۲۲ البحث الخامس، مندوبات عقد النکاح)

[2] قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ: وکل ما تملک بہ الرقاب) کالجعل والبیع والشراء فانّہ ینعقد بھا ...... ثم قال ھذا حاصل ما فی الفتح وملخصہ أنہ لا بدفی کنایات النکاح من النّیۃ مع قرینۃ أو تصدیق القابل للموجب وفھم الشھود المراد اعلامھم بہ. (رد المحتار ج۳ ص۱۸ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۱ الباب الثانی فیما ینعقد بہ النکاح ومالا ینعقد بہ)

نکاح کے لیے عورت کی زبان پر اعتماد کرنا

سوال:- ایک لڑکی نے بیان دیا کہ میں بالغ ہوچکی ہوں اور اس سے پہلے میرا کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہوا ہے، تو کیا اُس کے اِس اقرار پر اُس سے نکاح کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر عورت کا بیان غلبۂ ظن کے لئے مفید ہو تو اس کے قول پر اعتماد کیا جاسکتا ہے ایسی حالت میں اس سے نکاح درست رہے گا بشرطیکہ بالغہ عاقلہ ہو۔

قال ابن عابدینؒ: قالت ارتدت زوجی بعد النکاح وسعہ أن یعتمد علی خبرھا و یتزوجھا وإن اخبرت بالحرمۃ بأمر عارض بعد النکاح من رضاع طاری اونحو ذلک فان کانت ثقۃ اونحو ذلک فان کانت ثقۃ أولم تکن ووقع فی قلبہ صدقھا فلا بأس بأن یتزوجھا۔ (ردالمحتار ج۲ ص۶۲۹) [۱]

"رشتہ منظور ہے" سے نکاح کے انعقاد کا حکم

سوال:- لڑکی کے والد نے لڑکے کو دیکھتے وقت کہا کہ مجھے یہ رشتہ منظور ہے، تو کیا یہ الفاظ کہنے سے نکاح منعقد ہوگیا یا نہیں؟

الجواب:- اگر لڑکی کے والد نے ایجاب وقبول کی مجلس میں باقاعدہ گواہوں کے سامنے یہ الفاظ کہے ہوں تو شرعاً نکاح منعقد ہوچکا ہے، اگر لڑکی نابالغ ہے تو خیارِ فسخ بھی حاصل نہیں اور اگر بالغ ہے تو نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہے، اور اگر ان الفاظ سے فقط وعدۂ نکاح مقصود ہو تو پھر شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوا۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ اذا لم ینو الاستقبال) قال فی شرح الطحاوی لو قال ھل اعطتنیھا فقال أعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔

(ردالمحتار ج۳ ص۱۱ کتاب النکاح) [۲]

---

[۱] قال الحصکفیؒ: وحاصلہ أنہ متی أخبرت بأمر محتمل فان ثقۃ أووقع فی قلبہ صدقھا لا بأس بتزوجھا وان بأمر مستنکر لا۔ مالم یستفسرھا۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۵ ص۲۹۸)

ومثلہ فی البحرالرائق ج۳ ص۱۰۹ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات۔

[۲] قال الحصکفی رحمہ اللہ: وینعقد تلبسا بایجاب من احدھما وقبول من الآخر۔

(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۳ ص۹ کتاب النکاح)

ومثلہ فی البحرالرائق ج۳ ص۸۳ کتاب النکاح۔

بغیر گواہوں کے ایجاب وقبول سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال:۔ اگر کسی بالغ لڑکی اور لڑکے کے درمیان گواہوں کے بغیر ایجاب وقبول ہو جائے تو کیا یہ شرعی نکاح متصور ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح کے انعقاد کے لیے باقاعدہ دو گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے، اس لیے اگر مجلس نکاح میں گواہوں کے بغیر ایجاب وقبول ہو جائے تو بے سود ہے، شرعاً ایسے معاہدۂ نکاح کو نکاح نہیں کہا جا سکتا۔

قال ابن نجیم المصریؒ: وهو الاشهاد فلم یصح بغیر شهود لحدیث الترمذی البغایا اللاتی ینکحن انفسهن من غیر بینة ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۸ کتاب النکاح) [۱]

اثباتِ نکاح کیلئے شہادت بالتسامع کافی ہے

سوال:۔ کیا نکاح کے ثبوت کیلئے ان لوگوں کی گواہی قبول ہو سکتی ہے جو نکاح کے وقت حاضر نہ ہوں بلکہ دوسروں سے نکاح کی خبر سُنکر گواہی دیں؟

الجواب: اثباتِ نکاح کے لیے جو گواہی دی جاتی ہے اُس کے لیے گواہوں کا مجلسِ نکاح میں حاضر ہونا ضروری نہیں بلکہ ثبوتِ نکاح کے لیے شہادت بالتسامع بھی کافی ہے بشرطیکہ اتنے لوگوں سے نکاح کے انعقاد کی سماعت ہو چکی ہو جن کا جھوٹ بولنے پر اتفاق کرنا متصوّر نہ ہو۔

قال فی الهندیة: الشهادة بالشهرة والتسامع تقبل فی اربعة اشیاء بالاجماع وهی النکاح والنسب والموت والقضاء کذا فی المحیط السرخسی ۔ (الفتاوی الهندیه ج۳ ص۲۵۷) [۲]

---

[۱] وهو حدیث صحیح روی مرفوعاً وموقوفاً قاله العثمانیؒ۔ (اعلاء السنن ج۱۱ ص۱۷)

قال فی الهندیة: ومنها الشهادة۔ قال عامة العلماء انها شرط جواز النکاح هکذا فی البدائع۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح۔ الباب الاول فی تفسیره شرعاً)

ومثله فی فتاوی قاضی خان علیٰ هامش الهندیة ج۱ ص۳۳۱، ۳۳۲ فصل فی شرائط النکاح۔

[۲] قال الکاسانیؒ: فلا تطلق الشهادة بالتسامع إلا فی اشیاء مخصوصة وهی النکاح والنسب والموت فله تحمل الشهادة فیها بالتسامع من الناس وان لم یعاین بنفسه ۔ (بدائع الصنائع ج۶ ص۲۶۶)

ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۸۹ کتاب النکاح۔

نکاح کی اجازت لیتے وقت گواہ بنانا مستحب ہے

سوال:۔ عورت سے نکاح کی اجازت طلب کرتے وقت گواہوں کی موجودگی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت سے نکاح کی اجازت طلب کرتے وقت دو گواہوں کی موجودگی مستحب ہے البتہ نکاح پڑھاتے وقت دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ: ولا یشترط الاشهاد علی التوکیل۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۸۹ کتاب النکاح)[1]

بذریعۂ دف نکاح کا اعلان کرنا

سوال:۔ نکاح کا اعلان دف کے ذریعے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح کی تشہیر و اعلان سنت ہے بشرطیکہ دیگر ممنوعاتِ شرعیہ سے خالی ہونے کی صورت میں دف کے ذریعے نکاح کا اعلان کرنا جائز ہے۔

روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اعلنوا ھٰذا النکاح......الخ
(مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص۲۷۲ کتاب النکاح)[2]

جوان بیٹیوں کو گھر میں رکھ کر بلا عذرِ شرعی اُن کا نکاح نہ کرنا

سوال:۔ کیا جوان بیٹیوں کو گھر میں رکھنے اور بلا کسی شرعی رکاوٹ کے اُن کے نکاح نہ کرنے سے سرپرست یا والد کی شرعی حیثیت متأثر ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کفو ملنے کی صورت میں جوان بیٹیوں کا نکاح جلد از جلد کر دینا ضروری ہے تاہم

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: واعلم انه لا تشترط الشهادة علی الوکالة بالنکاح بل علی عقد الوکیل وانما ینبغی أن یشهد علی الوکالة اذا خیف جحدا لمؤکل إیاها۔ (رد المحتار ج ۳ ص۹۵ باب الاکفاء، مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح)
وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۵۶ کتاب النکاح فصل ومنها العذر۔

[2] قال الشیخ الطوریؒ: وعن الحسن بن زیاد لا بأس بأن یکون فی العرس دف یضرب به یشتهر ویعلن النکاح.....وفی الذخیرة لا بأس بضرب الدف فی العرس والولیمة والاعیاد۔ (تکملة البحر الرائق ج ۸ ص۱۸۹ کتاب الکراهیة قبل فصل فی اللبس)

موزوں رشتہ کی تلاش میں تاخیر ہوجانا ممنوع نہیں اور اس سے سرپرست یا والد کی شرعی حیثیت متأثر نہیں ہوتی، البتہ موزوں رشتہ ملنے کی صورت میں سازگار حالات کے باوجود بیٹیوں کو رسمی غیرت کی وجہ سے نکاح سے محروم رکھنا زیادت علی الشرع کے مترادف ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ۔ (سورۃ النور آیت ۳۲)

قال ابن عابدینؒ: ویزوجها کفوًا فان خطبها الکفو لا یؤخرها وهو کل مسلم تقی۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۲۸۵ کتاب النکاح)[1]

رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھانا جائز ہے

سوال:۔ ایک بالغہ لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے کر دیا تو رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھانا کیسا ہے؟

الجواب:۔ بالغہ عورت کے نکاح کا حکم یہ ہے کہ جب دوسرا کوئی شخص (سرپرست یا والد) اس کا نکاح کسی سے کر دے اور اس کی خبر پہنچے پر وہ اُسے رَد نہ کرے بلکہ رضامندی ظاہر کرے تو نکاح درست ہے، تاہم رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھانا جائز اور مُستحسن ہے۔

قال فی الهندیة: لا یجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من أب وسلطان بغیر إذنها بکرا کانت او ثیبًا فإن فعل ذلک فالنکاح موقوف علی إجازتها فإن اجازته جاز۔ وإن ردته بطل کذا فی السراج الوهاج ولو ضحکت البکر عند الاستئمار او بعد ما بلغها الخبر

---

[1] وعلی رضی اللہ عنه مرفوعًا: ثلاث لا تؤخر: اَلصَّلٰوةُ إِذَا أَتَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْأَيِّمُ، إِذَا وَجَدَتْ لها كفوًا۔ اخرجه الترمذی والحاکم باسناد ضعیف۔ قلت حسنه السیوطی فی الجامع الصغیر وصححه الحاکم والذهبی کلاهما فی المستدرک۔

(اعلاء السنن ج ۱۱ ص۶۷ فصل فی الکفاءة۔ باب مراعاة الکفاءة وجواز النکاح)

وعن عمر بن الخطابؓ وَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی التوراة مکتوب من بلغت ابنته اثنتی عشرة سنة ولم یزوجها فاصابت اثما فاثم ذلک علیه۔ رواه البیهقی فی الشعب۔ (مشکوٰة المصابیح ج ۲ ص۲۷۱ کتاب النکاح)

فهو رضا۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۸۷ الباب الرابع فی الاولیاء) [1]

منگنی ہو جانے کے بعد کسی لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرانا

سوال:۔ ایک لڑکی کی باقاعدہ منگنی ہو چکی ہے جبکہ اُس نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلیا ہے، کیا یہ دوسرا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ منگنی کی مجلس میں باقاعدہ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول نہ ہُوا ہو تو یہ فقط وعدۂ نکاح ہے نکاح نہیں، لہٰذا اس لڑکی کا کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے، البتہ وعدے کی خلاف ورزی کرنا مروت کا تقاضا نہیں جسکی وجہ سے گناہ لازم ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله اذا لم ینووا الاستقبال) قال فی شرح الطحاوی لو قال هل أعطتنیها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔ (ردّ المحتار ج ۳ ص۱۱ کتاب النکاح) [2]

صرف وعدۂ نکاح سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال:۔ بعض علاقوں میں منگنی کی رسومات کی ادائیگی پر کافی مالی اخراجات کیے جاتے ہیں لیکن کوئی باقاعدہ ایجاب وقبول نہیں ہوتا ہے، کیا ایسی رسومات کی ادائیگی کو نکاح کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح نام ہے گواہوں کے سامنے باقاعدہ ایجاب وقبول کرنے کا، چونکہ منگنی کی جملہ رسومات میں باقاعدہ طور پر ایجاب وقبول کا اہتمام نہیں ہوتا صرف رشتہ دینے یا

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: فإن استاذنها هو أی الولی وهو السنة أو وکیله أو رسوله أو زوّجها ولیها وأخبرها رسوله أو فضولی عدل فسکتت عن ردّه مختارة أو ضحکت غیر مستهزءة أو تبسمت أو بکت بلا صوت .... فهو إذن۔ (ثم قال بعد أسطر) ولذا استحسنوا التجدید عند الزفاف لأن الغالب اظهار النفرة عند فجاة السماع۔ (الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج ۳ ص۶۰ کتاب النکاح)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۱۱۱ کتاب النکاح۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: وینعقد ملتبسا بایجاب من أحدهما وقبول من الآخر۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۳ ص۹ کتاب النکاح)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۸۳ کتاب النکاح۔

لینے کا وعدہ ہوتا ہے، اس لیے صرف ان رسومات کے ادا کرلینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور نہ اس پر شرعی ازدواجی احکام جاری ہوں گے۔

قال ابن عابدینؒ : (تحت قوله اذا لم ینو الاستقبال) قال فی شرح الطحاوی لو قال هل أعطیتنیها فقال أعطیت إن کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۱۱ کتاب النکاح) ؎۱

بالغہ عورت سے زبردستی کئے گئے نکاح کا حکم

سوال :۔ اگر کسی عورت سے زبردستی ایجاب وقبول کرایا جائے تو کیا جبر و اکراہ سے کئے گئے ایجاب وقبول سے شرعاً نکاح منعقد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ اگر عاقلہ بالغہ عورت سے زبردستی ایجاب وقبول کرایا جائے تو چونکہ اس میں من وجہ اس عورت کی رضامندی شامل ہے اس لیے اس صورت میں شرعاً نکاح منعقد ہوجائے گا۔

قال العلامة ابن عابدینؒ : (تحت قوله لیتحقق رضاهما) ای لیصدر منهما ما من شأنه ان یدل علی الرضاء إذ حقیقة الرضاء غیر مشروطة فی النکاح لصحته مع الاکراه والهزل۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۱ کتاب النکاح) ؎۲

بالغہ عورت کو نکاح کیلئے مجبور نہیں کیا جاسکتا

سوال :۔ کیا کسی عاقلہ بالغہ عورت کو شادی پر مجبور کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے زبردستی اس کا نکاح کسی مرد سے کردیا جس سے وہ عورت انکاری ہو تو یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

الجواب :۔ نکاح مسلمان مرد وعورت کی باہمی رضامندی سے منعقد ہوتا ہے، اس میں

؎۱ قال ابن نجیمؒ : لو قال هل أعطیتنیها فقال أعطیتك ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۸۳ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۲۶۷ کتاب النکاح الباب الاول فی تفسیره شرعاً۔ الخ

؎۲ وقال الطوریؒ : وفی المبسوط فکل تصرف یصح مع الهزل کالطلاق والعتاق والنکاح یصح مع الاکراه۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۷۵ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی الفقه الاسلامی وأدلّته ج ۷ ص ۷۹ کتاب النکاح۔

کسی بالغہ عورت کو شرعاً مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ نکاح میں اس کی رضامندی ضروری ہے بغیر اسکی رضامندی کے اگر نکاح کیا جائے تو وہ نکاح شرعاً منعقد نہیں ہو گا ۔

قال ابن نجیمؒ : (تحت قول صاحب الکنز) ولا تجبر بکر بالغة علی النکاح أی لا ینفذ عقد الولی علیها بغیر رضاها عندنا. انتهی (البحرالرائق ج۳ ص۱۱۷ کتاب النکاح، باب الاولیاء والاکفاء) لہ

بالغہ کی اجازت سے والد کا کرایا ہوا نکاح ناقابل فسخ ہے

سوال:۔ باپ نے اپنی بالغہ بیٹی کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے ایک نابالغ لڑکے سے کر دیا اور نکاح کے بعد اس نے بیٹی کو خبر دی کہ میں نے تیرا نکاح فلاں لڑکے سے کر دیا ہے، اس پر اسکی بیٹی نے صرف یہ کہا کہ کم از کم مجھ سے تو پوچھ لیتے ، اسکے بعد وہ خاوند کے گھر چلی گئی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ نکاح نافذ ہے، اور وہ عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ بالغہ بیٹی کے نکاح کے لیے باپ کو بیٹی سے اجازت لینا ضروری ہے، اگر لاعلمی میں باپ نے بالغہ بیٹی کا نکاح کر دیا اور پھر باپ نے جب اپنی بالغہ بیٹی کو اس نکاح کی خبر دی اور اس نے رد نہیں کیا تو یہ نکاح اب لازم اور منعقد ہے اور بالغہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی تاہم اگر وہ پہلے سے رد کرتی تو اسکو یہ حق حاصل تھا ۔

قال صاحب الکنز : فإن استأذنها الولی فسکتت أو ضحکت أو زوجها فبلغها الخبر فسکتت فهو إذن ۔ (کنزالدقائق ج۲ ص۱۱۱ کتاب النکاح)

لہ قال فی الهندیة : لا یجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها بکرا کانت او ثیبا ۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۸۷ کتاب النکاح)

وقال العلامة العثمانی رحمه الله : روی عن ابن عباسؓ ان جاریة بکرا أتت النبی صلی الله علیه وسلم فذکرت أن اباها زوجها وهی کارهة فخیرها النبی صلی الله علیه وسلم ۔ (رواه الامام أحمد ورجاله ثقات) وقال ابن القطان صحیح ۔ (درایة ص۲۲۱) ۔ (إعلاء السنن ج۱۱ ص۶۷ کتاب النکاح)

۲ قال ابن نجیمؒ : والسنة أن یستأمر البکر ولیها قبل النکاح .... وإن زوجها بغیر استئمار فقد أخطأ السنة و توقف علی رضاها انتهی فهو محمل النهی فی حدیث مسلم لا تنکح الأیم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن قالوا یارسول الله وکیف إذنها قال ان تسکت : فهو لبیان السنة للاتفاق علی أنها لو حرمت بالرضاء بعد العقد نطقا فانه یجوز ۔ (البحرالرائق ج۳ ص۲۸۳ کتاب النکاح ۔ باب الاولیاء والاکفاء) ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۸۷ الباب الرابع فی الاولیاء ۔

نکاح کا شرعی حکم

سوال: شریعتِ مقدسہ میں نکاح کرنے کا کیا حکم ہے؟ فرض ہے، واجب ہے یا سُنّت؟

الجواب: نکاح کرنا تمام انبیاء کرام کی سُنّت ہے، جو شخص نکاح کے جملہ حقوق ادا کر سکتا ہو تو اس کو نکاح کر لینا چاہیئے۔ اور اگر شہوت کا غلبہ ہو تو واجب جبکہ خوفِ زنا کے وقت فرض ہو جاتا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویکون ای النکاح واجب عند التوقان فان تیقن الزناء الا بہ فرض، نہایۃ، وھذا ان ملک المھر والنفقۃ والا فلا اثم بترکہ، بدائع، ویکون سنۃ مؤکدۃ فی الاصح۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۷ تا ۳۵۹ کتاب النکاح)[1]

نکاح نفلی عبادت سے بہتر ہے

سوال: کیا احناف کے ہاں نکاح کرنا افضل ہے یا نفل عبادت کرنا؟

الجواب: حنفیہ کثر اللہ سوادہم کے ہاں جو شخص بیوی کے نان ونفقہ کی طاقت رکھتا ہو تو اس کے لیے نکاح کرنا نفلی عبادت کرنے سے افضل ہے، البتہ شوافع کے ہاں نفلی عبادت نکاح سے افضل ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قالوا ان الاشتغال بہ ای بالنکاح افضل من التخلی لنوافل العبادات ای الاشتغال بہ وما یشتمل علیہ من القیام بمصالحہ ولعفاف النفس عن الحرام وتربیۃ الولد ونحو ذلک۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۵۵ کتاب النکاح)[2]

اسلام میں بیک وقت تعدادِ ازواج کا حکم

سوال: اسلام نے ایک مرد کے لیے بیک وقت کتنی بیویاں جمع کرنے

---

[1] وقال فی الھندیۃ: واما صفتہ فھو انہ فی حالۃ الاعتدال سُنّۃ مؤکدۃ وحالۃ التوقان واجب وحالۃ خوف الجور مکروہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۶۷ کتاب النکاح، فصل اوّل)

[2] قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: وعلی ھذا الاصل بنی اصحابنا من قال منھم ان النکاح فرض او واجب لان الاشتغال بہ مع اداء الفرائض والسنن اولی من التخلی لنوافل العبادات مع ترک النکاح وھو قول اصحاب الظواھر۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۲۹ کتاب النکاح)

کی گنجائش رکھی ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے ایک مرد کے لیے بشرطِ عدل و مساوات ایک وقت میں چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے، ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کو حرام و ناجائز قرار دیا ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فانکحوا ما طاب لکم۔ ای تزوجوا ما بمعنی من النساء مثنیٰ وثلٰث ورُبع (ولا تزیدوا علیٰ ذٰلک) ۔ (تفسیر جلالین ص۶۹ سورۃ البقرۃ) [۱]

دوسری شادی کیلئے پہلی بیوی کی اجازت کا مسئلہ

سوال:۔ کیا دُوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام میں مرد کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ ان کے درمیان عدل و مساوات قائم رکھ سکتا ہو، اس کے علاوہ کسی بھی شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وصح نکاح اربع من الحرائر والاماء فقط للحر لا اکثر۔
(الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۰۰ باب المحرمات) [۲]

خطبۂ نکاح کے دوران باتیں کرنا گناہ ہے

سوال:۔ اگر قاضی نکاح کا خطبہ پڑھ رہا ہو اور لوگ آپس میں باتوں میں مشغول ہوں تو کیا وہ لوگ گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وصح نکاح اربع من الحرائر والاماء فقط للحر لا اکثر وله التسری بما شاء ما الاماء ۔ (الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۰۰ فصل فی المحرمات)

ومثلہٗ فی الهدایۃ ج۲ ص۷ کتاب النکاح۔

[۲] قال العلامۃ المرغینانیؒ: وللحر ان یتزوج اربعًا من الحرائر والاماء ولیس له ان یتزوج اکثر من ذٰلک، لقوله تعالیٰ: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔

(الهدایۃ ج۲ ص۷ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی تفسیر جلالین ص۶۹ سورۃ البقرۃ ۔

الجواب: ہر خطبہ چاہے وہ نکاح کا ہو یا عیدین وجمعہ کا، سُننا واجب ہے، اور جو شخص وجوب کو قصداً ترک کرے تو گنہگار ہوگا، اسی طرح خطبۂ نکاح کے دوران باتیں کرنے والے لوگ بھی گنہگار ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبۃ نکاح وخطبۃ عید وضم علی المعتمد۔ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص ۷۶۹ کتاب النکاح) لہ

عدالتی نکاح (کورٹ میرج) کا شرعی حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی اور لڑکے نے اپنے ورثاء اور اولیاء کو بتائے بغیر چھپکے سے عدالت میں جاکر کورٹ میرج (نکاح) کرلیا، جبکہ مجلس نکاح میں سرکاری خطیب صاحب کے علاوہ صرف دو اور آدمی بطور گواہ موجود تھے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس نکاح سے لڑکا لڑکی ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں یا نہیں؟

الجواب: احادیثِ مبارکہ میں ذکر ہے کہ عقدِ نکاح خوب ظاہر کرکے علی الاعلان کیا جائے، چھپکے سے بغیر گواہوں کے نکاح کرنے کو شریعتِ مقدسہ نے باطل قرار دیا ہے۔ چونکہ صورتِ مسئولہ کے مطابق اس نکاح میں لڑکے لڑکی کے علاوہ سرکاری خطیب اور دو آدمی اور بھی بطور گواہ شریک تھے اس لیے یہ نکاح جائز اور درست ہے مگر کراہت سے خالی نہیں تاہم اس عقدِ نکاح کے بعد دونوں ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں۔

کما قال العلامۃ ظفر احمد العثمانیؒ: (الجواب) نکاح سرکہ ممنوع وباطل است آن است کہ دو شاہدین علاوہ ناکح ومنکوحہ نباشد واگر شاہدین یا شہود حاضر باشند ایں چنیں نکاح نکاح سرکہ باطل نباشد اما خالی از کراہت نباشد۔ لان السنۃ فی النکاح الاعلان ولذا شرع لہ الدف ونحوہ وفی الحدیث الفرق بین الحلال والحرام الدف ولان فیہ القاء نفسہ فی التہمۃ ویتہمہ بالزنا من لم یعلم بالنکاح والحدیث اتقوا مواضع التہم۔ (امداد الاحکام ج ۲ ص ۲۳۷)

بالغ اولاد کا نکاح کرنا والدین کی ذمہ داری ہے

سوال: عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ والدین کا یہ فرض ہے کہ

لہ قال العلامۃ ابن الہمام رحمہ اللہ: وھٰذہ فروع تتعلق بالمحل وقد مناھا فی باب صفۃ الصلوٰۃ ویتعین ان لایخلی عنہا مظنتہا یحرم فی الخطبۃ الکلام وان کان امراً بمعروف اوتسبیحاً والاکل والشرب والکتابۃ۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۷ کتاب النکاح)

جب اولاد بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کریں، کیا واقعی یہ بات صحیح ہے؟

الجواب:۔ احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بیٹا یا بیٹی بالغ ہوجائے تو والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کی شادی کا انتظام کریں، اور اگر بغیر کسی شرعی عذر کے نہ کیا اور وہ کسی معصیت میں مبتلا ہوگئے تو والدین بھی اس گناہ میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے، اس لیے عوام الناس کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔

عن ابی سعید وابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ من ولد له ولد فلیحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فلیزوجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثماً فانما اثمه علی ابیه۔

(مشکوٰۃ ج ۲ ص۲۷۱ کتاب النکاح۔ باب الولی) [۱]

بیوہ کے نکاحِ ثانی کا حکم

سوال:۔ پٹھانوں میں یہ رواج ہے کہ جس بیوہ کا چھوٹا بچہ ہو تو اس کے لیے نکاحِ ثانی کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے، تو کیا بیوہ عورت کا چھوٹے بچے کی وجہ سے نکاحِ ثانی نہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح کرنا یا نہ کرنا انسان کا ذاتی عمل ہے، بیوہ کو عدتِ وفات کے بعد دوسرا نکاح کرنے کی شرعاً اجازت ہے اس کو رواج یا رسم کی وجہ سے نہ روکا جائے، تاہم اگر کوئی بیوہ عورت اپنی اولاد کی پرورش کے لیے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ان امرأة قالت یارسول اللہ ان ابنی هذا کان بطنی له وعاء وثدی له سقاء وحجری له حواء وان اباه طلقنی واراد ان ینزعه منی فقال علیه السلام انت احق به مالم تنکحی۔ رواه احمد وابوداؤد

(مشکوٰۃ ج ۲ ص۲۹۳ کتاب النکاح) [۲]

---

[۱] وعن عمر بن الخطاب وانس بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی التوراۃ مکتوب من بلغت ابنته عشرة سنة ولم یزوجها فاصابت اثماً فاثم ذلک علیه رواهما البیهقی فی شعب الایمان۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص۲۷۱ کتاب النکاح۔ باب الولی)

[۲] وفی الهندیة: ولو تزوجت الام بزوج آخر وتمسک الصغیرة معها ام الام فی بیت الراب فللاب ان یاخذها منها صغیرة عند جدة تخون حقها فلعما تها ان تأخذها منها اذا طهرت خیانتها۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانة)

لڑکیوں کے نکاح میں بلاوجہ تاخیر کرنا گناہ ہے

سوال:۔ بعض لوگ مالدار داماد نہ ملنے کی وجہ سے لڑکیوں کی شادیوں میں تاخیر کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ احادیثِ مبارک میں نکاح میں تعجیل کی ترغیب دی گئی ہے، جس کی وجہ سے بالغ لڑکے لڑکیوں کا نکاح جلدی کرنا چاہیئے، محض دنیاوی اغراض اور رسم و رواج کی وجہ سے تاخیر کرنا موجبِ گناہ ہے۔

قال علیہ السلام: من ولد لہٗ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیتزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثماً فانما اثمہ علیٰ ابیہ۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۲۷۱ کتاب النکاح) ؎۱

کیا لڑکی کو از خود نکاح کا حق حاصل ہے

سوال:۔ اگر والدین نے اس بات کی وصیت کی ہو کہ ان کی لڑکی کا نکاح فلاں مرد سے کر دیا جائے لیکن کسی وجہ سے لڑکی اُس مرد سے نکاح نہیں کرتی تو کیا لڑکی کو ایسا کرنے کا حق حاصل ہے؟

الجواب:۔ بالغ مرد و عورت اپنے نفس کے خود حقدار ہیں، صورتِ مسئولہ میں اگر کسی وجہ سے لڑکی والدین کی وصیت پر عمل نہیں کرتی تو اس کو یہ حق حاصل ہے دُوسری جگہ نکاح اس سے متاثر نہ ہوگا، اور اگر لڑکی نابالغ ہو تو یہ حق اُس کے ورثاء کو حاصل ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر یستاذنہا ابوھا فی نفسہا واذنہا صماتہا۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۰ باب الولی فی النکاح واستیذان المرأۃ) ؎۲

؎۱ قال علیہ السلام: من بلغت ابنتہ اثنتی عشرۃ سنۃ ولم یزوجہا فاصابت اثماً فاثم ذٰلک علیہ۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۲۷۱ کتاب النکاح)

؎۲ قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: (فنفذ نکاح حرۃ مطلقۃ بلا) رضا (ولی) والاصل ان کل من تصرف فی مالہ تصرف فی نفسہ وما لا فلا (ولہ اذا کان عصبۃ الاعتراض فی غیر الکفء) .... (ویفتی) فی غیر الکفؤ (لعدم جوازہ اصلاً) وھو المختار للفتوٰی (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقۃ ثلاثاً نکحت غیر کفء الخ

(الدر المختار مع ردّ المحتار ج۲ ص۳۲۲ کتاب النکاح۔ باب الولی)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۲۹۳ باب فی الاولیاء والاکفاء۔

مجلسِ نکاح میں لڑکی کا نام لینا

سوال:۔ کیا نکاح کے انعقاد کے وقت لڑکی کا نام مجمع کے سامنے لینا ضروری ہے یا کہ بغیر نام لیے بھی نکاح صحیح ہو جائے گا؟

الجواب:۔ نکاح کے انعقاد کے لیے لڑکی کا امتیاز ضروری ہے، یہ امتیاز چاہے نام سے حاصل ہو یا اشارے سے یا دیگر صفات سے حاصل ہو جائے جس کے بعد کوئی کوئی شبہ نہ رہے، صرف نام لینا ضروری نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قلتُ وظاھرہ انھا لوجرت المقدمات علی معیّنۃ وتمیزت عند الشھود ایضاً یصح العقد وھی واقعۃ الفتوٰی لان المقصود نفی الجھالۃ وذٰلک حاصل بتعینھا عند العاقدین والشھود وان لم یصرح باسمھا۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۴۳۷ کتاب النکاح) [1]

نکاح میں ایجاب وقبول کا تین بار دہرانا ضروری نہیں

سوال:۔ ہمارے علاقے کے نکاح خوان حضرات نکاح باندھتے وقت ایجاب وقبول کے الفاظ تین مرتبہ دہراتے ہیں، کیا یہ امر مستحب ہے یا ضروری ہے؟

الجواب:۔ نکاح کا انعقاد نفس ایجاب وقبول کے صرف ایک مرتبہ کرنے سے ہو جاتا ہے، تین مرتبہ دہرانا ضروری نہیں اور نہ یہ امر مستحب ہے۔

قال المرغینانیؒ: وینعقد بلفظین یعبر باحدھما عن الماضی وبالآخر عن المستقبل ان یقول زوّجنی فیقول زوجتک ۔۔۔۔ الخ (الھدایۃ ج۲ ص۲۸۵ کتاب النکاح) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: لا بد من تمییز المنکوحۃ عند الشاھدین لتنتفی الجھالۃ فان کانت حاضرۃ متنقبۃ کفی الاشارۃ الیھا ۔۔۔۔۔۔ ان کانت المرأۃ فی البیت وحدھا جاز النکاح لزوال الجھالۃ۔

(البحر الرائق ج۳ ص۸۸ کتاب النکاح)

[2] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وینعقد بایجاب وقبول وضعًا للمضی او احدھما ۔ الخ

(کنز الدقائق علی ھامش بحر الرائق ج۳ ص۸۱ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۰ کتاب النکاح ۔ الباب الثانی فیما ینعقد بہ النکاح ۔ الخ

ثیبہ (مطلقہ) عورت سے نکاحِ ثانی کیلئے اجازت بالقول کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت کا پہلے نکاح ہوچکا ہو پھر شوہر نے اُسے طلاق دیدی ہو تو کیا دوسرے نکاح کے لیے اُس سے اجازت بصورتِ سکوت صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ ثیبہ عورت جب دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہو تو اجازت دیتے وقت زبان سے کہنا ضروری ہے اس کا سکوت وغیرہ اجازت کے قائم مقام نہیں، یہ حکم صرف باکرہ لڑکی کے ساتھ مختص ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الثیّب احق بنفسہا من ولیہا والبکر یستاذنہا ابوہا فی نفسہا واذنہا صماتہا۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۰ باب الولی فی النکاح واستیذان المرأۃ) [۱]

زفاف (پہلی ملاقات) کے وقت دُعا پڑھنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! زفاف کے وقت کون سی دُعا پڑھنی چاہیئے ؟

الجواب:۔ جب کوئی آدمی شادی کرے تو پہلی ملاقات میں سُنّت یہ ہے کہ بیوی کے پیشانی کے بال پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دُعا مانگے اور پھر بِسْمِ اللہ پڑھ کر یہ دُعا مانگے: اللّٰھم انّی اسئلک خیرھا وخیرًا جبلت علیہ واعوذ بک من شرّھا و شرّ ما جبلت علیہ۔ اور جب جماع کا ارادہ ہو تو یہ دُعا پڑھے: بسم اللہ اللّٰھم

---

[۱] قال العلّامۃ علاؤالدین الحصکفی رحمہ اللہ: (فنفذ نکاح حرّۃ مکلفۃ بلا) رضا (ولی) والاصل ان کل مَنْ تصرف فِی مالہ تصرف فی نفسہ وما لا فلا (ای لولی اذا کان عصبۃٌ الاعتراض فی غیر الکفء)...... (ویفتی) فی غیر الکفء (بعدم جوازہ اصلاً) وھو المختار للفتوٰی (لفساد الزمان) فلا تحل مطلّقۃ ثلاثاً نکحت غیر کفءٍ الخ۔

(الدر المختار مع ردّ المحتار ج۲ ص۳۲۲ کتاب النکاح۔ باب الولی)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۲۹۳ باب فی الاولیاء والاکفاء۔

جَنّبنا الشیطٰن وجنب الشّیطٰن ما رزقتنا ۔

عن ابن عباسٍ رضی اللہ عنہما قال قال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم امّا لو احدھم یقول حین یأتی اھلہ بسم اللہ اللّٰھمّ جنّبنی الشّیطٰن وجنّب الشّیطٰن ما رزقتنا ثمّ قدر بینھما فی ذٰلک او قضی ولدٌ لم یضرّہٗ شیطٰنٌ اَبَدًا ۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص۷۷۶ کتاب النکاح ۔ باب مایقول الرجل اذا اتی اھلہ) لہ

نکاح کے وقت بھول کر کسی دوسری عورت کا نام لینا

سوال :۔ نکاح کے انعقاد کے وقت وکیل نے غلطی سے اصل لڑکی کے نام کی بجائے اس کی دوسری بہن کا نام لیا ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب نکاح کس کے ساتھ منعقد ہوگا؟

الجواب :۔ مجلسِ نکاح میں جب کوئی ممیّز اشارہ وغیرہ نہ ہو جس کی وجہ سے اصل لڑکی دوسروں سے الگ ہو، صورتِ مسئولہ میں وکیل نے جس لڑکی کا نام لیا ہے تو نکاح اُسی کے ساتھ ہوا ہے، اس لیے اب اصل لڑکی کی بہن کو طلاق دے کر اس کے ساتھ نکاح باندھا جائے ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ : غلط وکیلھا بالنکاح فی اسم ابیھا بغیر حضورھا لم یصح للجھالۃ وکذا لو غلط فی اسم ابنتہ الا اذا کانت حاضرۃ واشار الیھا فیصح ولو لہ بنتان اراد تزویج الکبریٰ فغلط فسماھا باسم الصغریٰ صح للصغریٰ خانیہ ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۲ ص۴۵ کتاب النکاح) ؎۲

لہ اخرج امام الترمذی رحمہ اللہ : عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو ان احدکم اذا اتی اھلہ قال بسم اللہ اللّٰھم جنبنا الشیطٰن وجنب الشیطٰن ما رزقتنا فان قضی اللہ بینھما ولدًا لم یضرہ الشیطان ۔ (الجامع الترمذی ج ۱ ص۲۰۶ ابواب النکاح ۔ باب ما جاء فیما یقول اذا دخل علیٰ اھلہ)

؎۲ قال العلامۃ قاضی خانؒ : امرأۃ وکلت رجلا بان یزوجھا فزوجھا وغلط فی اسم ابیھا لا ینعقد النکاح اذا کانت غائبۃ ۔ رجل لہ ابنۃ واحدۃ واسمھا عائشۃ فقال الاب وقت العقد زوجت منک ابنتی فاطمۃ لاینعقد النکاح بینھما ولو کانت المرأۃ حاضرۃ فقال الاب زوجتک ابنتی فاطمۃ ھٰذہ واشار الیٰ عائشۃ وغلط فی اسمھا وقال الزوج قبلت جاز النکاح ۔

(فتاویٰ قاضیخان علیٰ ھامش الھندیۃ ج ۱ ص۳۲۴ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الاحکام ج ۲ ص۲۲۶ کتاب النکاح ۔

بیوی کو خاوند کے پاس جانے سے روکنا

سوال: جناب مفتی صاحب! میری شادی کے کچھ عرصہ بعد سسرال والوں نے میری بیوی کو اپنے پاس روک رکھا ہے اور اُسے میرے گھر آنے نہیں دیتے۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب: جب ایک مرتبہ کسی لڑکی اور لڑکے کا نکاح ہو جائے تو وہ لڑکی شوہر کے تابع ہے والدین کو شرعاً یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کو بلاوجہ روکیں، تاہم شوہر کو بھی بیوی کے حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ "فتاویٰ دارالعلوم دیوبند" میں لکھتے ہیں:۔

"الجواب:۔ بے وجہ لڑکی کو شوہر کے گھر نہ بھیجنے کا والدین کو کچھ حق نہیں ہے، والدین دختر بسبب روکنے اپنی دختر کے گنہگار ہیں، ان کو لازم ہے کہ اس سے توبہ کریں اور لڑکی کو اسکے شوہر کے پاس بھیجیں اور لڑکی کو لازم ہے کہ اس بارہ میں وہ والدین کی اطاعت نہ کرے اور شوہر کی فرمانبرداری کرے کیونکہ اس بارہ میں شوہر کی اطاعت زوجہ کو کرنا مقدم ہے۔" فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۸ ص ۳۵۷ کتاب النکاح)[1]

رخصتی میں تاخیر کا حکم

سوال: ایک لڑکی کا نکاح صغر سنی میں ہوا تھا، اب وہ تیرہ سال کی عمر کو پہنچ چکی ہے لیکن اس کے والدین ابھی تک رخصتی سے انکار کر رہے ہیں، کیا شرعاً اُن کو یہ حق حاصل ہے؟

الجواب: رخصتی کیلئے عمر کی کوئی قید نہیں لیکن جب لڑکی جماع کے قابل ہو جائے تو شوہر اس کو اپنے گھر لاسکتا ہے والدین کو منع کرنے کا حق نہیں اور اگر لڑکی جماع کے قابل نہ ہو تو اس صورت میں رخصتی سے منع کیا جاسکتا ہے۔

قال ابن عابدینؒ: وقد صرحوا عنه بان الزوجة اذا كانت صغيرة لا تطيق الوطی لا تسلم الی الزوج حتی تطیقه والصحیح انه غیر مقدر بالسن بل یفوض الی القاضی بالنظر الیها من سمن او هزال۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۴۹ باب القسم)[2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: قالوا للزوج ان یسکنها حیث احب ولکن بین جیران صالحین۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۹۱۴ باب النفقة)

[2] وفی الهندیة: واذا نقد الزوج المهر وطلب من القاضی ان یأمر ابا المرأة بتسلیم المرأة فقال ابوها انها صغیرة لا تصلح للرجال ولا تطیق الجماع وقال الزوج بل هی تصلح وتطیق ینظرون کانت ممن تخرج اخرجها واقفرها وینظر الیها وان صلحت للرجال امر بدفعها الی الزوج وان لم تصلح لم یأمره۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۲۸۷ الباب الرابع فی الاولیاء)

ومثله فی البحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۹ کتاب النکاح، باب الاولیاء والاکفاء۔

بیوی کو وطن سفر میں ساتھ لے جانے کا مسئلہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میں بسلسلۂ روزگار لندن میں مقیم ہوں، میں نے پاکستان میں ایک جگہ شادی کی، اب میں بیوی کو اپنے ساتھ لندن لے جانا چاہتا ہوں مگر میرے سسرال والے اس کو میرے ساتھ نہیں جانے دیتے، کیا میں شرعاً اس کو ساتھ لے جاسکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر آپ کی بیوی آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہو تو اُس کے والدین یا دیگر رشتہ داروں کو منع کرنے کا کوئی حق نہیں اور اگر آپ کی بیوی ہی آپ کے ساتھ جانا نہیں چاہتی ہو تو مفتیٰ بہ رائے کی رُو سے اُسے ساتھ جانے کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: لکن فی النھر والذی علیہ العمل فی دیارنا انہ لایسافر بھا جبراً علیھا وجزم بہ البزازی وغیرہ وفی المختار وعلیہ الفتویٰ۔

(الدرالمختار علیٰ ھامش ردالمحتار ج۲ ص۴۹۵ باب المھر) [۱]

مفقود الخبر کی موت کی خبر کا مسئلہ

سوال:۔ ایک شخص کئی سالوں تک غائب رہا، کافی مدّت کے بعد کسی نے یہ اطلاع دی کہ فلاں شخص فوت ہوچکا ہے اور میں اس کے جنازہ میں بھی شرکت کرچکا ہوں (جبکہ حقیقت میں وہ زندہ تھا) اس اطلاع کے بعد اس کی بیوی نے عدتِ وفات گذار کر دوسری شادی کرلی، اب وہ شخص زندہ واپس آگیا ہے تو یہ عورت کس کی بیوی شمار ہوگی؟

الجواب:۔ کسی آدمی کے زیادہ مدت غائب رہنے سے نکاح متاثر نہیں ہوتا اور نہ خبرِ وفات کی شہرت سے نکاح ختم ہوتا ہے، اس صورتِ مسئولہ میں یہ عورت بدستور پہلے خاوند کی بیوی ہے تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولو ان امرأۃ اخبرھا ثقۃ ان زوجھا الغائب مات عنھا او طلقھا ثلاثاً او کان غیر ثقۃ واتاھا بکتاب من زوجھا بالطلاق الخ

---

[۱] قال المرغینانیؒ: وقیل لایخرجھا الی بلد غیر بلدھا لان الغریب یوذی وفی قری المصر القریبۃ لاتتحقق الغربۃ۔ وقال ابن الھمامؒ: فی شرح ھذہ العبارۃ وافتی کثیر من المشائخ بقول الفقیہ لان النص مقید بعدم المضارۃ بقولہ تعالیٰ: وَلَا تُضَارُّوهُنَّ، بعد اسکنوھن والنقل الیٰ غیر بلدھا مضارۃ۔ الخ (فتح القدیر ج۳ ص۲۵۰ باب المھر)

فلا بأس بان تعتد ثم تتزوج ۔ (الهداية ج۴ ص۴۵۳ کتاب الکراھیة) لہ

نکاح میں نان ونفقہ نہ دینے کی شرط لگانا

سوال: ۔ اگر کوئی شخص بوقتِ نکاح یہ شرط لگائے کہ میں بیوی کے نان ونفقہ کا ذمہ دار نہ ہوں گا، کیا شرعاً یہ شرط درست ہے؟ اور اگر اس شرط پر نکاح ہو گیا تو شوہر بیوی کے نان ونفقہ سے مبرّا ہو گا یا نہیں؟

الجواب: ۔ شریعتِ مقدسہ میں ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو وہ ناقابلِ عمل اور باطل ہے، اور اس شرط پر کیا گیا نکاح فی ذاتہ جائز اور درست ہے، اور شرط کالعدم ہونے کی وجہ سے شوہر پر بیوی کے جملہ حقوق مثلاً نان ونفقہ وغیرہ لازم ہوں گے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: تحت قوله والنكاح) كتزوجتك على ان لا يكون لك مهر فيصح النكاح ويبطل الشرط ۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۱۶، ۳۱۷ کتاب النکاح) ؎

ٹیلیفون پر نکاح کا حکم

سوال: ۔ اگر مجلسِ نکاح میں ایجاب وقبول ٹیلیفون کے ذریعے ہو جبکہ نکاح کے گواہ اور حاضرینِ مجلسِ نکاح اس ایجاب وقبول کو سُن بھی لیں تو کیا اِس سے نکاح ہو جائے گا؟

الجواب: ۔ آجکل ٹیلیفون سیٹ کئی قسم کے ملتے ہیں مثلاً (۱) وہ ٹیلیفون سیٹ جس سے

لہ وفي الهندية: امرأة غاب زوجها فاتاها مسلم غير ثقة بكتاب الطلاق من زوجها ولا تدري انه كتابه ام لا الا ان اكبر رائيها انه حق فلا بأس ان تعتد ثم تتزوج ۔ كذا في محيط السرخسي: اذا غاب الرجل عن امرأته فاتاها مسلم عدل فاخبرها ان زوجها طلقها ثلاثاً اومات عنها فلها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر ۔ (الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۱۲ الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج۸ ص۵۰۶ کتاب النکاح ۔

؎ قال الشيخ مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ: مايبطل الشرط ويصح العقد مثل ان يشترط ان لا مهر لها وان لا ينفق عليها وان لا يطاها او شرط على المرأة ان تنفق عليه او تعطيه شيئاً فهذه الشروط كلها باطلة والعقد صحيح ۔ (اوجز المسالك ج۲ ص۲۶۵ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوی قاضی خان علی هامش الهندية ج۱ ص۳۳۱ فصل في النكاح على الشرط ۔

صرف ایک آدمی آواز سن سکتا ہے۔ (۲) وہ ٹیلیفون سیٹ جن کے ذریعے بات کرنے والے ایک دوسرے کی تصویر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ (۳) وہ ٹیلیفون سیٹ جن کے ذریعے بات چیت کرنے والوں کی آواز حاضرین مجلس بھی سن سکتے ہیں۔ اوّل الذکر میں نکاح منعقد نہ ہوگا، اس لیے کہ گواہوں کے لیے ایجاب وقبول کا ایک ساتھ سننا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے اور آخیرین میں چونکہ شہادت کے تمام تقاضے پورے ہوسکتے ہیں لہٰذا نکاح درست ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وشرط حضور شاهدين حرين او حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معًا على الأصح۔ (الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج۲ ص۲۷۲ کتاب النکاح) [1]

بالغ اولاد کی شادی کرنا والدین کا فرض ہے

سوال:۔ ہمارے پٹھانوں میں یہ رواج ہے کہ جب بیٹا یا بیٹی بالغ ہو جائے تو کہتے ہیں کہ یہ باپ کے فرائض میں سے ہے کہ وہ ان کی شادی کا انتظام کرے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب:۔ جب اولاد بالغ ہو جائے اور اسکے کفو کی لڑکی یا لڑکا مل جائے تو یہ باپ کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے کہ وہ ان کی شادی کا بندوبست کرے اور اس میں دیر کرنا مناسب نہیں۔

عن ابی سعید و ابن عباسٍ قالا قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من ولد له ولد فيحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوّجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثمًا فانما اثمه على ابيه۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۲۷۱ باب الولی) [2]

---

[1] وفی الهندية: ومنها سماع الشاهدين كلامهما معًا هٰكذا فی فتح القدير فلا ينعقد بشهادة نائمين اذا لم يسمعا كلام العاقدين۔ الخ

(الفتاوٰی الهندية ج۱ ص۲۶۸ کتاب النکاح، الفصل الاوّل)

[2] عن عمر بن الخطاب وانس بن مالك (رضی الله عنهما) عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: فی التوراة مكتوبٌ من بلغت ابنته اثنتی عشرة سنة ولم يزوجها فاصابت اثمًا فاثمُ ذٰلك عليه۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۲۷۱ باب الولی)

قوتِ گویائی سے محروم شخص کے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا قوتِ گویائی سے محروم شخص کا نکاح اشارے سے منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ بہت سارے احکامات میں اشارہ قائم مقام ملفوظ ہوتا ہے، اس لیے اگر نکاح کے معاملے میں فریقین یا ایک فریق بات کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ ایجاب وقبول اشارے سے کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ اشارہ رشتۂ زوجیت کے انسلاک کو واضح کرتا ہو۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: کما ینعقد النکاح بالعبارۃ ینعقد بالاشارۃ من الاخرس اذا کانت اشارتہ معلومۃ الخ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۳۱ فصل اما رکن النکاح)[۱]

وکیل کے ذریعے تحریری ایجاب سے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا مجلسِ نکاح میں فریقین کا حاضر ہونا اور زبانی ایجاب وقبول کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر کسی کی طرف سے مجلسِ نکاح میں تحریری صورت میں بغیر اس کی موجودگی کے ایجاب پیش کیا جائے اور فریقِ ثانی گواہوں کے سامنے اُس ایجاب کو قبول کرے تو کیا اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ دونوں عاقدین یا ان کے وکلاء مجلسِ نکاح میں موجود ہوں لیکن اگر کوئی فریق خود یا اس کا وکیل نہ ہو مگر اس کی طرف سے ایجاب مستند تحریری شکل میں موجود ہو اور فریقِ ثانی گواہوں کی موجودگی میں قبول کا اظہار کرے تو نکاح درست ہوگا۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: ولو ارسل الیہا رسولاً وکتب الیہا بذٰلک کتاباً فقبلت بحضرۃ شاہدین سمعا کلام الرسول وقرأۃ الکتاب جاز ذٰلک لاتحاد المجلس من حیث المعنی۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۳۳ فصل اما شرائط النکاح)[۲]

---

[۱] قال ابن عابدینؒ، فان کان الاخرس لایکتب وکان لہ اشارۃ کعرف فی طلاقہ ونکاحہ و شرائہ وبیعہ فہو جائز۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۲۱ کتاب الطلاق)

[۲] وفی الہندیۃ: ولو ارسل الیہا رسولاً وکتب الیہا بذٰلک کتاباً فقبلت بحضرۃ الشاہدین سمعا کلام الرسول وقرأۃ الکتاب جاز ذٰلک لاتحاد المجلس من حیث المعنی۔ (الفتاوٰی الہندیۃ ج۱ ص۲۶۹ کتاب النکاح۔ باب الاوّل)

نکاح کے لیے قاضی کا لانا ضروری نہیں

سوال:۔ کیا نکاح پڑھانے کے لیے قاضی یا نکاح رجسٹرار وغیرہ کو مجلسِ نکاح میں لانا ضروری ہے کہ وہ نکاح پڑھائیں یا یہ کہ مرد وعورت کو باہم ایجاب وقبول سے گواہوں کے سامنے نکاح باندھنے کی اجازت ہے؟

الجواب:۔ جب عاقدین باہم گواہوں کے سامنے ایک مرتبہ ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح منعقد ہوجاتا ہے، انعقادِ نکاح کے لیے رجسٹرار یا قاضی کو نکاح پڑھانے کے لیے بلانا ضروری نہیں اور نہ مروجہ نکاح نامے کو پُر کرنا لازم ہے تاہم فسادِ زمانہ اور قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے نکاح نامہ پُر کرنا مستحسن ہے۔

قال العلامة المرغیناني رحمه الله: النکاح ینعقد بالایجاب والقبول بلفظین یعبر بهما عن الماضي...... ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور الشاهدین حرین عاقلین بالغین مُسلمین رجلین ورجل وامرأتین الخ۔ (الهدایة ج۲ ص۲۸۵،۲۸۶ کتاب النکاح)[1]

نکاح نامہ پُر کرنے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ آجکل پورے ملک میں یہ رواج ہے کہ نکاح کے وقت نکاح نامہ فارم لازمی پُر کرنا ہوتا ہے، کیا انعقادِ نکاح کے لیے شرعاً یہ فارم پُر کرنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ نکاح عاقدین کے ایجاب وقبول کا نام ہے جبکہ یہ دو گواہوں کے سامنے کیا جائے، انعقادِ نکاح کے لیے قاضی کے پاس نکاح نامہ فارم پُر کرنا، اسٹامپ لکھوانا شرعاً ضروری نہیں، تاہم آجکل کے حالات کے پیشِ نظر قانونی گرفت سے بچنے کے لیے نکاح نامہ فارم پُر کرنا مستحسن ضرور ہے۔

قال العلامة المرغیناني رحمه الله: النکاح ینعقد بالایجاب والقبول یعبر بهما عن الماضي...... ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاهدین حرین

---

[1] قال داماد افندی رحمه الله: وینعقد بایجاب عن الزوج اوعن الزوجة وقبولٍ من الأخر کلاهما بلفظ الماضي...... وشرط سماع کل واحدٍ من العاقدین..... وحضور شاهدین حرین اوحرٍ وحرتین عاقلین بالغین مسلمین سامعین معًا لفظهما۔
(دُرر المنتقی علی هامش مجمع الانهر ج۱ ص۳۱۷ و ۳۲۰ کتاب النکاح)

عاقلين بالغين مسلمين رجلين او رجل وامرأتين ۔ الخ (الهداية ج ۲ ص ۲۸۵/۲۸۶ کتاب النکاح) [۱]

ایجاب نامے پر دستخط کردینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال :- اگر کوئی شخص کسی عورت سے دھوکہ سے اسٹامپ دستخط کرائے جس میں نکاح پر ایجاب وقبول درج ہو، تو کیا نفس تحریر سے نکاح منعقد ہوگا یا نہیں جبکہ عورت نے زبان سے قبول نہ کیا ہو ؟

الجواب :- شریعتِ اسلامی میں نکاح دو گواہوں کے سامنے زبانی ایجاب و قبول کا نام ہے نفسِ تحریر سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله : فلو كتب تزوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد بحر ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۸ کتاب النکاح) [۲]

ایجاب وقبول میں مطابقت ضروری ہے

سوال :- اگر ایجاب وقبول میں بظاہر مطابقت نہ ہو تو کیا اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب :- ہر معاملہ میں ایجاب وقبول کے اندر مطابقت ضروری ہے، اگر دونوں میں مطابقت نہ ہو تو معاملہ صحیح نہ ہوگا، اسی طرح اگر نکاح کے ایجاب وقبول میں بھی مطابقت نہ ہو تو نکاح درست نہ ہوگا ۔

كما قال العلامة الحصكفيؒ : وينعقد النكاح بايجاب من احدهما وقبول من الآخر وضعا للمضى لان الماضى ادل على التحقيق كزوجت نفسى او بنتى او موكلتى منك و بقول الآخر تزوجت الخ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب النکاح) [۳]

---

[۱] قال العلامة داماد افندیؒ : وينعقد بالايجاب من الزوج او من الزوجة وقبول من الآخر كلاهما بلفظ الماضى .... وشرط سماع كل واحد من العاقلين .... وحضور شاهدين حرين او حر وحرتين عاقلين بالغين مسلمين سامعين معاً لفظهما ۔ الخ (درر المنتقى على هامش مجمع الانهر ج ۱ ص ۳۱۷، ۳۲۰ کتاب النکاح)

[۲] قال العلامة ابن نجيمؒ : افاد المصنف أن انعقاد النكاح بكتاب احدهما يشترط فيه سماع الشاهدين قرأة الكتاب مع قبول الآخر ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۸۹ کتاب النکاح)

[۳] وفى الهندية : ومنها ان لا يخالف القبول الايجاب فاذا قال الآخر زوجتك ابنتى على الف درهم فقال الزوج قبلت النكاح ولا اقبل المهر كان باطلاً ۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۶۹ کتاب النکاح الباب الاول)

نکاح میں نابینا شخص کی گواہی

سوال:۔ اگر نکاح کی مجلس میں دو گواہ تو موجود ہوں مگر نابینا (بصارت سے محروم) ہوں تو کیا ان کی گواہی سے نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء احناف کے ہاں نکاح کے گواہوں میں چار شرائط کا ہونا ضروری ہے: (۱) حریت (۲) عقل (۳) بلوغ (۴) اسلام۔ چونکہ بینا ہونا ان شرائط میں داخل نہیں لہٰذا نکاح کے معاملہ میں ان کی گواہی احناف کے ہاں درست ہے۔

لما قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وشرط فی الشاهد اربعة امور الحرية والعقل والبلوغ والاسلام۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۹۵ کتاب النکاح)[۱]

مجلسِ نکاح میں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے

سوال:۔ کیا مجلس انعقادِ نکاح میں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مجلس انعقادِ نکاح میں ماسوائے مالکیہ کے تمام ائمہ کے ہاں گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے، گواہوں کی موجودگی کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔

قال العلامة صدر الشريعةؒ: وحضور حرين او حر وحرتين مكلفين مسلمين سامعين معًا لفظهما۔ (شرح الوقاية ج ۲ ص ۹ کتاب النکاح)[۲]

زانی اور مزنیہ کا نکاح پڑھانے والے پر کوئی عتاب نہیں

سوال:۔ اگر بے خبری میں نکاح خوان زانی اور مزنیہ کا نکاح پڑھا دے تو کیا نکاح خوان پر کوئی عتاب ہوگا یا نہیں؟

---

[۱] قال العلامة المرغینانیؒ: ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين او رجل وامرأتين۔ (الهداية ج ۲ ص ۲۸۶ کتاب النکاح)

ومثله فی شرح الوقاية ج ۲ ص ۹ کتاب النکاح۔

[۲] قال العلامة المرغینانیؒ: ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين او رجل وامرأتين۔ (الهداية ج ۲ ص ۲۸۶ کتاب النکاح)

ومثله فی الهندية ج ۱ ص ۲۶۹ کتاب النکاح۔ الباب الاول۔

الجواب:۔ زانی اور مزنیہ کا آپس میں نکاح کرنا صحیح ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وصح نکاح حبلیٰ من زنا الیٰ قولہ وان حرم وطؤھا ودواعیہ حتیٰ تضع الیٰ قولہ لونکحہا الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقاً۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار ج۲ ص۳۱۶ فصل فی المحرمات مطلب فیما لو زوج المولیٰ امتہ)[1]

لہٰذا جب زانی اور مزنیہ کا آپس میں نکاح کرنا جائز ہے تو پھر نکاح پڑھانے والے (نکاح خواں) پر بھی کوئی عتاب نہیں ہوگا۔

نکاح میں صرف آمین کہہ کر قبول کرنا درست ہے

سوال:۔ نکاح پڑھتے وقت مولوی صاحب کے اس قول کے جواب میں کہ میں نے فلاں کی بیٹی فلانہ کو اتنے حق مہر کے عوض آپ کے نکاح میں دیدی تو لڑکے نے جواب میں "قبول ہے" کی بجائے تین بار "آمین" کہا، تو کیا اس سے نکاح ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ آمین کا لفظ قبول کا فائدہ دیتا ہے اس لیے صورتِ مسئولہ میں لڑکے کا ایجاب کے مقابلے میں آمین کہنے سے نکاح درست ہے اور مہر لازم ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وعبارۃ الفتح لما علمنا ان الملاحظۃ من جہۃ الشرع ثبوت الانعقاد ولزوم حکمہ جانب الرضاء فعدینا حکمہ الی کل لفظ یفید ذٰلک الخ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۲۸۷ کتاب النکاح، مطلب التزوج بارسال کتاب الخ)[2]

---

[1] قال العلامۃ المرغینانیؒ: وان تزوج حبلیٰ من زنا جاز النکاح ولا یطأھا حتیٰ تضع حملہا الخ۔ (الہدایۃ ج۲ ص۲۹۱،۲۹۲ فصل فی بیان المحرمات)۔

ومِثلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۰۶ فصل فی المحرمات۔

[2] وفی الھندیۃ: امرأۃٌ قالت لرجل زوجت نفسی منک فقال الرجل بخدا وندکاری پذیرفتم یصح النکاح ولو لم یقل الرجل ذٰلک لکنہٗ قال لہا شاباش ان لم یقل بطریق الطنز یصح النکاح۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۷۲ الباب الثانی فیما ینعقد بہ النکاح ومالا ینعقد)

ومِثلُہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۲ ص۳ کتاب النکاح۔ الفصل الاول فی جواز النکاح والاجازۃ۔

نکاح پر اظہارِ مسرت کے بعد ناراضگی کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حاجی محمد اسلم نے اپنی لڑکی نور جہاں کی منگنی مسمیٰ بشیر محمد ولد سلطان محمد سے آج سے تقریباً آٹھ سال پہلے کی، اور اس وقت مظفر اللہ ولد محمود خان، محمد قریش ولد مقدر، اسرار محمد ولد نوارے، عثمان غنی اور دیگر افراد کی موجودگی میں مسماۃ نور جہاں کے والد حاجی محمد اسلم نے یہ الفاظ کہے کہ "میں نے اپنی بیٹی نور جہاں کی شادی بشیر محمد ولد سلطان محمد سے کر دی" اور فضل محمد ولد سلطان محمد (جو کہ دولہا کا بھائی ہے) نے اسی وقت گواہوں کے سامنے بطور وکیل یہ الفاظ کہے کہ: "میں نے اپنے بھائی بشیر محمد ولد سلطان محمد کے لیے قبول کیا" اور سات تولہ سونا حق مہر مقرر کیا گیا، اس کے بعد مٹھائی وغیرہ بھی تقسیم کی گئی لیکن رواج اور عرف کی وجہ سے یہ کاروائی تحریر میں نہ لائی جاسکی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:۔

(۱) قرآن وسنت کی رُو سے مندرجہ بالا الفاظ کہنے سے یہ نکاح منعقد ہوا ہے یا نہیں؟ حالانکہ مذکورہ لڑکی نور جہاں کو اس کاروائی کی خبر کر دی گئی تھی اور وہ راضی بھی تھی، جبکہ پٹھانوں کے رواج کے مطابق سونے کی انگوٹھی بطور نشانی اُسے پہنا دی گئی۔

(۲) اب اتنا عرصہ گذرنے کے بعد چند ماہ پہلے مسماۃ نور جہاں دختر حاجی محمد اسلم نے کہا کہ میں خوش نہیں ہوں حالانکہ اس سات آٹھ سال کے عرصے میں وہ برابر خوشی کا اظہار کرتی رہی اس کے بعد مسماۃ نور جہاں نے اپنے والد کی مرضی اور اسے اطلاع کیے بغیر چوری چھپے مسمیٰ خالد سے نکاح کر لیا اور سرکاری کاغذات میں بھی نکاح رجسٹرڈ کرا لیا ——— اب عرض یہ ہے کہ حاجی محمد اسلم جو کہ دُلہن کا والد ہے (اور اب بھی بقائمی ہوش وحواس ہے) نے عدالت میں یہ گواہی دی ہے کہ میں نے اپنی بیٹی نور جہاں کا نکاح تقریباً آٹھ سال پہلے مسمیٰ بشیر محمد ولد سلطان محمد سے کر دیا تھا۔ تو اس کے باوجود قرآن وسنت کی روشنی میں نور جہاں کا نکاح مسمیٰ خالد سے منعقد ہو گیا ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ لڑکی اس طریقہ سے والد کی مرضی کے بغیر اپنا سابقہ نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ (۱) شریعتِ محمدی میں نکاح جانبین کی طرف سے باہمی ایجاب وقبول کو کہا جاتا ہے چاہے یہ ایجاب وقبول عاقدین کے وکلاء کے مابین ہوں یا خود عاقدین ایک دوسرے سے ایجاب وقبول کر لیں تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لما فی الدر المختار: وینعقد

ملبسًا بایجاب من احدھما وقبول من الآخر وضعًا للمضی ..... الخ

(الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب النکاح)

(۲) اور گواہوں کی موجودگی اور حق مہر کا تقرر بھی نکاح کی شرائط میں سے ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وشرط حضور شاھدین حرین او حر و حرتین مکلفین الخ۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۷۲ کتاب النکاح)

ولقوله تعالیٰ: وابتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین۔ الآیة

(۳) اور جب ایک عورت کا نکاح اس کی خوشی اور رضامندی سے کسی مرد سے کر دیا جائے یا بغیر اس کے علم کے کر دیا جائے اور اس کی خبر ہونے کے بعد وہ اُسے رَدّ نہ کرے بلکہ اس پر خاموش رہے یا رضامندی کا اظہار کر دے تو اس کے بعد عورت کا نکاح سے انکار ناقابلِ مسموع ہوگا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فان استاذنھا ھو ای الولی اووکیله او رسوله او زوجھا ولیھا واخبرھا رسوله او فضولیٌ عدل فسکتت او ضحکت غیر مستھزأة او تبسمت او بکت بلا صوت فھو اذن۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۹ کتاب النکاح)

ان جملہ مقدمات کے بعد صورتِ مسئولہ کے مطابق حاجی محمد اسلم کی بیٹی نور جہاں کا نکاح بشیر محمد ولد سلطان محمد کے ساتھ منعقد ہو چکا ہے اور شرعاً یہ لڑکی اس کی منکوحہ ہے لہٰذا خالد کے ساتھ اس کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا ہے اور خالد کا نکاح منکوحة الغیر کے ساتھ نکاح ہے جو بنصِ قرآنی ممنوع ہے۔

لقوله تعالیٰ: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ۔ (سورة النساء آیت ۲۴)

قال العلامة الحصکفیؒ: واما النکاح منکوحة الغیر ومعتدته ..... لانه لم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلاً۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۵۹ باب العدة)

نکاح کے انعقاد کو صفحۂ قرطاس پر لانا شرعاً ضروری نہیں ہے بلکہ صرف گواہوں کی موجودگی شرط ہے لہٰذا مسماة نور جہاں بنت حاجی محمد اسلم شرعاً بشیر محمد ولد سلطان محمد کی منکوحہ ہے اور مسمی خالد سے اس کا نکاح کالعدم ہے اور اسی طرح مسماة نور جہاں کا بشیر محمد ولد سلطان محمد سے نکاح کے لیے اجازت دینے کے بعد نکاح پر عدم رضامندگی کا اظہار کرنا بھی ناقابلِ تسلیم ہے۔

حلفاً نکاح کا وعدہ کرنے کی شرعی حیثیت

سوال :- جناب مفتی صاحب! میں ایک شخص کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی، ایک دفعہ مجھے اکیلا دیکھ کر قرآن مجید لے کر وہ میرے پاس آگیا اور مجھے ڈرا دھمکا کر کہنے لگا کہ اس پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ تم مجھ سے شادی کرو گی، میں نے خوف کی وجہ سے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر ہاں کہہ دیا، کیا ایسا کرنے سے میرا اس شخص کے ساتھ نکاح ہو گیا ہے یا میں آزاد ہوں؟ میں اب بھی اس کو دیکھنا نہیں چاہتی، اگر میں نے یہ گناہ کیا ہے تو قرآن و سنت کی روشنی میں اس کا کفارہ بھی بتائیں، میں دعاگو رہوں گی۔ (ایک دکھی بیٹی)

الجواب :- سوال میں مذکورہ الفاظ نکاح کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ وعدۂ نکاح ہے اور اگر یہ الفاظ الفاظِ نکاح ہوتے تو پھر بھی نکاح نہ ہوتا، کیونکہ مستفتیہ کے بیان کے مطابق یہ بات بغیر گواہوں کے ہوئی ہے۔ لہٰذا آپ آزاد ہیں، البتہ بظاہر یہ معاملہ حلف و قسم کا ہے اس لیے حنث کی صورت میں کفارہ دینا پڑے گا۔

خطبہ پر خطبہ کا حکم

سوال :- ایک شخص کے ساتھ ایک عورت کا رشتہ طے ہو گیا ہے اب دوسرے لوگوں کا اس عورت کے ساتھ رشتہ کی بات کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب :- جب کسی عورت کا ایک جگہ رشتہ طے پا جائے تو جب تک لڑکے اور لڑکی کے رشتہ دار اس رشتہ سے اعراض نہ کریں تو دوسرے لوگوں کے لیے اس عورت سے رشتہ کی بات کرنا شرعاً جائز نہیں، اس سے شرع کی مخالفت لازم آتی ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : إیاکم والظن فإن الظن أکذب الحدیث ولا تجسسوا ولا تحسسوا ولا تباغضوا وکونوا إخوانا ولا یخطب الرجل علی خطبة أخیه حتی ینکح او یترک۔

(صحیح البخاری کتاب النکاح ج ۵ ص ۱۹۷۶) [1]

---

[1] قال ابن عابدینؒ : ولا یخطب مخطوبة غیرہ لأنہ جفاء وخیانة۔
(رد المحتار ج ۳ ص ۹ کتاب النکاح)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۸۱ کتاب النکاح۔

بوقتِ نکاح چھوہارے پھینکنا سُنّت ہے

سوال:۔ نکاح کے وقت چھوہارے پھینکنا سُنت ہے یا کہ حاضرینِ مجلسِ نکاح میں فرداً فرداً تقسیم کرنا افضل ہے۔

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک اور فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلسِ نکاح کے شرکاء میں فرداً فرداً چھوہارے تقسیم کرنے کی بجائے پھینکنا سنت ہے۔

ذکر العلامہ ظفر احمد العثمانیؒ: انّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم حضر فی املاک (أی نکاح) فأتی بطباق علیہا جوز ولوز وتمر فنثرت فقبضنا ایدینا فقال ما بالکم لا تأخذون فقالوا لانک نہیت عن النہبیٰ فقال انما نہیتکم عن نہبی العساکر خذوا علی اسم اللہ فجاذبنا وجاذبناہ۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص۱۱ کتاب النکاح، باب الولیمۃ)[۱]

اغواء سے نکاح متاثر نہیں ہوتا

سوال:۔ ایک عورت کو اغواء کرکے اغواکنندہ نے اس سے دوسرا نکاح کرلیا، تو کیا دوسرے نکاح سے عورت کے پہلے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ جب ایک مرتبہ کسی عورت کا نکاح کسی مرد سے ہوجائے تو یہ عورت اس مرد کی بیوی ہے، اب اس کا کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا ناجائز ہے اور اس سے پہلا نکاح متاثر نہیں ہوگا جب تک خاوند اس کو طلاق نہ دے۔

لما فی الہندیۃ: لا یجوز للرجل ان یتزوّج زوجۃ غیرہ وکذلک المعتدۃ۔
(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۲۸۰ الباب الثالث فی بیان المحرمات)[۲]

---

[۱] لما فی خیر الفتاویٰ: سوال:۔ شادی کے موقع پر چھوہارے پھینکنا سُنّت ہے یا تقسیم کرنا سُنّت ہے؟
الجواب: صورتِ مسئولہ میں شادی کے موقع پر چھوہارے پھینکنا سُنّت ہے۔
(خیر الفتاویٰ ج ۴ ص۵۸۵ کتاب النکاح، باب متفرقات النکاح)

[۲] قال عالم بن علاء الانصاریؒ: ولا یجوز نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدۃ الغیر عند الکل۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۲ ص۱۱ کتاب النکاح، فی بیان ما یجوز عن الانکحۃ وما لا یجوز)
وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص۳۰۰ فصل فی المحرمات۔

سول میرج کا شرعی حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو مسلمان یورپین ممالک میں "سول میرج" کے ذریعے شادی کرتے ہیں، شریعتِ اسلامیہ میں ایسے مسلمانوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور کیا اس نظریہ کو شریعتِ اسلامیہ قبول کرتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کرتی تو ان کی جو اولاد پیدا ہوتی ہے اسلامی معاشرے میں اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے اور اس کو کس نظر سے قبول کرنا ہے اگر نہیں کرتا تو ایسے میاں بیوی کا اسلامی معاشرے میں کیا درجہ رہ جاتا ہے، اس کے علاوہ اگر وہ "سول میرج" کے بعد اسلامی قواعد و ضوابط کے مطابق دوبارہ تجدیدِ نکاح کرلیں تو پھر ان کی پوزیشن کیا ہوگی؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ میں چونکہ "سول میرج" کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ "سول میرج" کس طریقہ پر کیا جاتا ہے، تاکہ شرعی نکاح اور سول میرج کا مقابلہ کرکے اس جواز اور عدم جواز پر کچھ اظہارِ خیال کیا جاسکتا۔ تاہم اپنی معلومات کی حد تک شرعی طریقہ کے مطابق ازدواجی سلسلے کے چند اصول قانونی شکل میں پیش کیے جاتے ہیں، اگر سول میرج ان اصولوں کے مطابق ہو تو اس کو نکاح تسلیم کیا جائے اور اس پر تمام وہ احکام جاری ہوں گے جو کہ شرعی نکاح پر جاری ہوتے ہیں، اور اگر "سول میرج" ان اصولوں کے مخالف ہو تو شریعتِ اسلامی اس کو "نکاح" تسلیم نہیں کرے گی، اور ایسے میاں بیوی سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ولدالزنا شمار کی جائے گی۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ مطلق نکاح قطع نظر متناکحین کے بالغ یا نابالغ ہونے سے آیا دُنیا کا کام ہے یا دین کا، تاکہ اس سے یہ سمجھنا آسان ہو کہ اس میں تصرّف کرنا یہ تصرّف فی الدنیا ہے یا فی الدین! سو اس کا ایک معیار رہے، وہ یہ کہ جس کا شریعت میں تاکیدی یعنی وجوبی یا ترغیبی یعنی استحبابی حکم کیا گیا ہو یا اس پر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو، تو وہ دین کا کام ہے۔ پھر اگر اس کے ترک کرنے پر کوئی وعید یا ناراضگی بھی وارد ہوئی ہو تو وہ فرض ہے یا واجب، اور جس کے ترک پر کوئی وعید یا ناراضگی وارد نہ ہوئی ہو تو وہ مستحب ہے، اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ دنیا کا کام ہے، اگرچہ اس کے متعلق جو احکام

وارد ہوں وہ احکام ہر حال میں دین ہی ہیں، اور جس اعتقاد یا عمل سے ان احکام میں تغیر ہوتا ہو وہ تغیر فی الدین ہے ـــــ اب نکاح کو اس معیار پر منطبق کر کے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ دین کا کام ہے، کہ بعض حالات میں اس کا تاکیدی اور بعض میں ترغیبی حکم بھی ہے، اور اس پر ثواب کا وعدہ بھی ہے اور اس کے ترک پر مذمت اور شناعت بھی فرمائی گئی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وانکحوا الایامیٰ منکم (سورۃ النور ع۱۱) تم میں سے جو بے نکاح عورتیں ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔ وغیرھا من الآیات والاحادیث۔

علماء امت اور ائمہ کے اقوال سے بھی اس کے امرِ دینی ہونے کا اثبات موجود ہے، دُرِّ مختار میں ہے: لیس لنا عبادۃ شرعت من عہد آدم علیہ السلام الی الآن ثم تستمر فی الجنۃ الا النکاح والایمان۔ اس میں نکاح کے عبادت ہونے کی تصریح ہے، اور عبادت بھی ایسی کہ تمام شرائع میں مشترک اور عبادت کے دینی کام ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، اگرچہ اس کے استمرار فی الجنۃ پر بعض نے کلام کیا ہے لیکن باقی دوسرے اجزاء سب کے نزدیک مسلّم ہیں ـــــ اور شامی میں لکھا ہے: وقدمہ علی الجہاد الیٰ قولہ وکذا علی العتق والوقف والاضحیۃ وان کانت عبادات ایضاً لانہ اقرب الی الارکان الاربع حتیٰ قالوا ان الاشتغال بہ افضل من التخلی لنوافل العبادات ای الاشتغال بہ وما یشتمل علیہ من القیام بمصالحہ واعفاف النفس عن الحرام وتربیۃ الولد ونحو ذلک اھ

دیکھئے اس عبارت میں کس شدّ و مد کے ساتھ نکاح کی فضیلتِ دینیہ کو بیان کیا گیا ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نکاح ایک امرِ دینی ہے اور ہر ایک دینی کام کے لیے شریعت نے کچھ اسلوب اور طریقے بیان کیے ہیں، نکاح کے لیے بھی ضرور ارکان اور شرائط ہوں گے، جن کے مطابق اگر کیا جائے تو اس کو نکاح کہا جائے گا اور اس پر سب نتائج درست مرتب ہوں گے، اور اگر ان شرائط اور ارکان کے مطابق نہ کیا جائے تو اس کو شرعاً نکاح نہیں کہا جائے گا اور اسلامی معاشرہ میں اس کی کوئی وقعت نہ ہو گی اور بجائے بہتر نتائج کے بدنتائج اس پر مرتب ہوں گے ـــــ اس مقصد کے حصول اور اس مشکل کے حل

کے لیے جب ہم اپنی شریعتِ اسلامی کی کتابوں کی تتبع اور تلاش کرتے ہیں، تو کتابوں میں اس کے متعلق ایک مستقل بحث "کتاب النکاح" کی شکل میں موجود ہے جس کا مطالعہ کرنے سے شرعی نکاح کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ شریعتِ اسلامی کے فقہاء کرام نے شرعی نکاح کی تفسیر یوں بیان کی ہے: ھو عقد یفید ملك المتعة ای حل استمتاع الرجل من امرأة لم یمنع من نکاحها مانع شرعی۔ الدر المختار ج ۳ ص ۳ کتاب النکاح
یعنی یہ مرد اور عورت کے درمیان ایک ایسا ربط و تعلق قائم کرنا ہے کہ جس سے آدمی کو عورت سے اور عورت کو آدمی سے نفع حاصل کرنا حلال ہو جاتا ہے۔ جن الفاظ سے یہ خاص ربط و تعلق پیدا ہو جاتا ہے وہ نکاح کے ارکان ہیں۔ کسی چیز کا رکن اس کو کہتے ہیں کہ اس چیز کی ذات کا دار و مدار اسی پر ہو۔ و اما رکنہ فالایجاب والقبول کذا فی الکافی۔ والایجاب ما یتلفظ بہ اولاً من ای جانب کان والقبول جوابہ۔ ھکذا فی العنایۃ۔ یعنی شرعی نکاح کا انعقاد ایجاب و قبول سے ہوتا ہے، چاہے یہ ایجاب و قبول خود مرد و عورت کر لیں، اگر خوفِ فتنہ نہ ہو یا بذریعہ اولیاء یا وکیل یا فضولی کے ہو جائے۔ اب اس ایجاب و قبول کے معتبر اور مسلّم ہونے کے لیے چند شرائط ہیں جن پر اس ایجاب و قبول کے معتبر ہونے کا توقف ہے۔ واما شروطہ فمنها العقل والبلوغ والحریۃ فی العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ینعقد نکاح المجنون والصبی الذی لا یعقل والاخیران شرط النفاذ فان نکاح الصبی العاقل یتوقف نفاذہ علیٰ اجازۃ ولیہ ھکذا فی البدائع۔ وفیها المحل القابل وھی المرأۃ التی احلها الشرع بالنکاح کذا فی النھایۃ۔ ومنها سماع کل من العاقدین کلام صاحبہ ھکذا فی فتاوی قاضی خان۔ ومنها الشهادۃ قال عامۃ العلماء انها شرط جواز النکاح ھکذا فی البدائع ومنها سماع الشاھدین کلامهما معاً، ھکذا فی فتح القدیر۔ ومنها رضا المرأۃ اذا کانت بالغۃ بکراً کانت او ثیباً ومنها ان یکون الایجاب والقبول فی مجلس واحد۔۔۔ الخ ومنها ان لا یخالف القبول الایجاب ومنها ان یضیف النکاح

الی کلّھا او ما یعبر من الکل .... الخ۔ ومنھا ان یکون الزوج والزوجۃ معلومین فلو زوج بنتہ ولہٗ بنتان لا یصح الا اذا کانت احداھما متزوجۃ فینصرف الی الفارغۃ کذا فی انھما لفائق والکل۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۸۵ تا ص ۲۸۷ کتاب النکاح)

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ ایجاب وقبول کرنے والا عاقل بالغ اور آزاد ہو۔ اس میں اوّل شرط یعنی عقل شرط انعقاد ہے، اس لیے کہ مجنون اور صبی غیر عاقل کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، اور آخیر دو شرط بلوغ وحریت شرائط ہیں نفاذِ نکاح کے کیونکہ اگر لڑکا عاقل ہو تو اس کا نکاح منعقد تو ہو جاتا ہے مگر اجازتِ ولی پر موقوف ہوتا ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ جس عورت کے ساتھ نکاح ہو رہا ہے وہ محلِ صالح ہو یعنی وہ عورت محرماتِ شرعیہ سے نہ ہو بلکہ شریعتِ مطہرہ نے نکاح میں لینا اس کا حلال کیا ہو، اور یہ کہ نکاح کرنے والے متعاقدین ایک دوسرے کی بات سن لیں۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ یہ ایجاب وقبول روبروئے گواہان کے ہو جس کو شہادت کہتے ہیں۔

عام علماء نے یہ لکھا ہے کہ شہادت جوازِ نکاح کے لیے شرط ہے، اگر ایجاب و قبول ہو جائے مگر روبروئے گواہاں کے نہ ہو تو یہ نکاح ہی نہیں ــــ اور یہ بھی شرط ہے کہ شاہدین (گواہان) دونوں متعاقدین کی بات سُن لیں۔ اگر عورت بالغہ ہو، چاہے باکرہ ہو یا ثیّبہ، تو اس کی رضامندی اور اجازت لینا بھی ضروری ہے، اور یہ کہ ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں ہوں، اور یہ کہ قبول ایجاب سے مخالف نہ ہو، اور یہ کہ نکاح کی اضافت اس کے کل بدن کی طرف ہو یا ایسے جزء کی طرف جس کو کل بدن سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ زوج اور زوجہ دونوں معلوم ہوں، مجہول نہ ہوں۔

ان شرائط اور ارکان کے علاوہ نکاح میں بعض امور ایسے ہیں جو سُنن اور مستحبات کے درجہ میں ہیں جن پر عمل کرنے سے اس ازدواجی سلسلہ میں خیر و برکت پیدا ہوتی ہے۔ فقہ اسلامی کی معتبر کتاب "درمختار" میں ہے: ویندب اعلانہٗ وتقدیم

خطبة ـ وفی الشامی: لحدیث الترمذی اعلنوا ھذا النکاح وجعلوہ فی المساجد۔ (الحدیث) والمراد من تقدیم الخطبة ما یذکر قبل اجراء العقد من الحمد والتشھد وانھا لا تتعین بالفاظ مخصوصة وان خطب بما ورد فھو احسن۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعلانِ نکاح مستحب ہے، اور اسی طرح ایجاب و قبول کرنے سے قبل خطبہ پڑھنا جو حمد و شہادت پر مشتمل ہو مستحب ہے ــــ آگے لکھتے ہیں: وکونه فی المسجد یوم جمعة بعاقد رشید وشھود عدل والاستدانة له والنظر الیھا قبله وکونھا دونه سنًا وحسبًا وعزًا ومالًا وفوقه خلقًا وادبًا وورعًا وجمالًا ــــ مگر یہ تمام امور ایسے ہیں کہ جن سے اس ازدواجی سلسلہ میں مزید استحکام اور خیر و برکت پیدا ہوتی ہے، اور یہ امور شرائط اور ارکان نہیں ہیں کہ جن کے نہ ہونے سے نکاح صحیح نہ ہوگا بلکہ یہ مستحب امور ہیں جن کا لحاظ رکھنا نہ رکھنے سے بہتر ہے۔

اس تمام تفصیل کو مدنظر رکھ کر شرعی نکاح کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے، اور اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ "سول میرج" (جو یورپ وغیرہ میں مسلمان لوگ کرتے ہیں) اور "شرعی نکاح" میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے کہ دونوں میں کچھ فرق نہیں تو فبہا و نعمت، اور اگر جواب اثبات میں ہے کہ دونوں میں کچھ فرق ہے تو سول میرج کو ہرگز شرعی نکاح نہیں کہا جا سکے گا۔ ہاں اگر بعد میں مذکورہ بالا شرائط کے مطابق تجدیدِ نکاح کر لیں تو درست ہوگا، ورنہ حرام کاری سے جو گندگی معاشرہ میں پھیلتی ہے وہ اس کا لازمی نتیجہ ہوگا۔ عقلِ سلیم، فطرتِ اسلامی اور شریعتِ اسلامیہ مرد و عورت کے ایسے بے باکانہ اور اصولِ دین کے خلاف ملنے کو ہرگز تسلیم نہیں کرے گا۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم وعلمه اتم واحکم
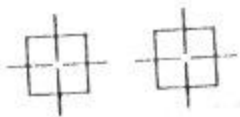
حضرت آدم علیہ السلام کے نکاح کے گواہوں کی تحقیق

سوال:۔ حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح کس جگہ ہوا اور کس نے یہ نکاح کیا، نیز اس کے گواہ کون تھے اور حقِ مہر کیا مقرر ہوا؟

الجواب:۔ اس مسئلہ کے متعلق وحی (قرآن و حدیث) میں کوئی تفصیل نہیں ملتی اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کو وحی کے ذریعہ سے اذنِ استمتاع ملا جیسا کہ ہمیں گواہوں کے رُوبرو ایجاب و قبول کرنے سے اذن ملتا ہے۔ البتہ حق مہر کے متعلق بعض روایات میں آیا ہے کہ پیغمبرِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا حقِ مہر قرار دیا گیا۔ کما فی الصاوی وغیرہ فلیراجع۔

لما قال العلامة احمد الصاوی المالکی رحمہ اللہ: وقد خلقت بعد دخوله الجنة نام فلما استيقظ وجدها فاراد ان يمد يده اليها فقالت له الملٰئكة مه يا آدم حتى تؤدى مهرها وما مهرها فقالوا ثلاث صلوات او عشرون صلاة على سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم۔

(الصاوی ج ۱ ص ۲۲ سورة البقرة)

باب من یجوز بها النکاح ومن لا یجوز

(کن عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے اور کن کے ساتھ ناجائز ہے)

خنثیٰ مشکل سے نکاح کا حکم

سوال:۔ خنثیٰ مشکل سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح کے لیے محلِ نکاح ہونا ضروری ہے خنثیٰ مشکل چونکہ محلِ نکاح نہیں اس لیے خنثیٰ مشکل سے نکاح جائز نہیں؟

قال الحصکفیؒ :ای حل استمتاع الرجل من إمرأة لم یمنع من نکاحها مانع شرعی فخرج الذکر والخنثی المشکل۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۱ کتاب النکاح) [۱]

بانجھ عورت سے نکاح کرنا

سوال:۔ بانجھ عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بانجھ عورت سے نکاح کرنے میں چونکہ بعض منافع حاصل ہوتے ہیں اس لیے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم نکاح سے چونکہ اعلیٰ مقصود افزائش نسل ہے اس لیے بانجھ عورت کے علاوہ کسی صحیح اور قابلِ اولاد عورت سے نکاح کرنا افضل ہے۔

بوب الامام النسائی فی سننه "کراهیة تزویج العظیم" وذکر تحته حدیثاً عن معقل بن یسارؓ قال جاء رجل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال اصبت إمرأة ذات حسب ونسب إلا أنها لا تلد أفأتزوجها فنهاه ثم أتاه الثانیة فنهاه ثم أتاه الثالثة فنهاه وقال تزوجوا الولود الودود فإنی مکاثر بکم۔ (سنن النسائی ج۶ ص۵۴) [۲]

---

[۱] قال ابن نجیم المصریؒ :۔وفی العنایة محله إمرأة لم یمنع من نکاحها مانع شرعی فخرج الذکر للذکر والخنثی مطلقاً۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۲ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح۔ الباب الاوّل فی تفسیرہ شرعاً۔

[۲] قال الشیخ خلیل احمد السهارنفوریؒ : (تحت حدیث معقل بن یسار جاء رجل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ) وهذا یدل علیٰ أن النهی ما کانت للتحریم بل کان مبنی النهی المکاثرة فی الأخرة وهی لا تقتضی التحریم ۔(بذل المجهود ج۱۰ ص۱۵)

ومثلهٗ فی نیل الاوطار ج۶ ص۱۱۰ تا ۱۱۲ وعون المعبود ج۶ ص۴۵

پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرنا شرعاً جرم نہیں

سوال:۔ ملکی قانون کے اعتبار سے دوسری شادی کے لیے خاوند کو اپنی پہلی بیوی سے بذریعہ یونین کونسل اجازت لینا ضروری ہے اور پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کرنا عائلی قوانین کی رُو سے جرم سمجھا جاتا ہے، کیا از روئے شرع بھی یہ جُرم ہے؟

الجواب:۔ پہلی بیوی کے جملہ حقوق کی رعایت کرتے ہوئے دوسری شادی کرنا خاوند کا انفرادی حق ہے اس میں پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں اور نہ کسی یونین کونسل کو اس میں واسطہ بنانا ضروری ہے، ایسا کرنا قانونی تقاضا تو ہو سکتا ہے شریعتِ اسلامی کا نہیں۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ [1] (الآیۃ)

قال العلامۃ طاہر البخاریؒ: رجل له امرأة أراد أن يتزوج امرأة أخرى إن خاف أن لا يعدل لا يسعه وإن لم يخف جاز۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۴۶ کتاب النکاح)

زانی اور مزنیہ کے درمیان نکاح

سوال:۔ زانی اور مزنیہ کے درمیان رشتۂ نکاح قائم ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زانی اور مزنیہ کے درمیان نکاح ہو سکتا ہے، شرعاً اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔

قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: أما تزوج الزانی فجائز اتفاقاً وتستحق النفقة عند الکل ويحل وطؤها عند الکل کما في النهاية۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۰۶ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) [2]

---

[1] عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن غیلان بن سلمة الثقفی اسلم وله عشر نسوة فی الجاهلیة فأسلمن معه فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أمسك اربعاً وفارق سائرهن۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجة۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۷۴ باب المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۶۵ کتاب النکاح، فصل الجمع فی الوطئ۔

[2] قال الحصکفی رحمہ اللہ: ولو نکحها الزانی حل وطؤها اتفاقاً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۴۹ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۶۹ کتاب النکاح، فصل ان لا یکون بها حمل۔

حاملہ عورت سے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حاملہ عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر کوئی عورت نکاح سے حاملہ ہو تو وضع حمل تک اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اگر زنا سے حاملہ ہو تو اگرچہ نکاح کرنا جائز ہے لیکن اگر اُسی زانی سے نکاح ہو گیا ہو تو اُس کے لیے جماع بھی جائز ہے اور اگر کسی اور سے نکاح ہو گیا ہو تو اس شخص کے لیے وضع حمل تک جماع ممنوع ہے۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: ومنها ان لا یکون بها حمل ثابت النسب فان کان لا یجوز نکاحها..... وعلی هذا یخرج ما اذا تزوج امرأۃ حاملاً من الزنا انه یجوز فی قول ابی حنیفۃؒ ومحمدؒ ولکن لا یطؤها۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۹ کتاب النکاح۔ فصل ومنها ان لا یکون بها حمل) [1]

سوتیلی ماں کی بیٹی سے نکاح کا مسئلہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ سوتیلی ماں کی بیٹی جو اس کے پہلے شوہر سے ہو، کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر اور کوئی ذریعۂ حرمت موجود نہ ہو تو سوتیلی ماں کی بیٹی سے نکاح کرنا ازروئے شرع جائز ہے۔ صورتِ مسئولہ میں بظاہر چونکہ کوئی ایسی صورت نہیں اس لیے سوتیلی ماں کی بیٹی جو اسکے پہلے شوہر سے ہو، سے نکاح جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وأما بنت زوجۃ أبیه أو ابنه فحلال۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۳۱ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات) [2]

---

[1] وقال ابن نجیمؒ: ای وحل تزوج الحبلی من الزنا ولا یجوز تزوج الحبلی من غیر الزنا..... أما تزوج الزانی فجائز اتفاقاً وتستحق النفقۃ عند الکل ویحل وطؤها عند الکل کما فی النهایۃ۔

(البحر الرائق ج۳ ص۱۰۶ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج۳ ص۴۸ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات۔

[2] وقال الشیخ وهبۃ الزحیلی: والمحرم بهذه الآیۃ هو زوجۃ الأب فقط أما بنتها أو أمها فلا تحرم علی الابن۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج۷ ص۱۳۲ حرمۃ القرابۃ الخ)

وَمِثْلُہٗ فی منحۃ الخالق علی هامش البحر الرائق ج۳ ص۹۴ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات۔

مخطوبۃ الأب سے نکاح جائز ہے

سوال:- ایک شخص نے کسی عورت سے باقاعدہ نکاح نہیں کیا صرف نکاح کا پیغام دیا ہے، اب اس شخص کے فوت ہو جانے کے بعد اس شخص کا بیٹا اس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:- اگر اس مرد اور عورت کا باقاعدہ ایجاب وقبول نہیں ہوا ہے تو اس صورت میں اس مرد کے اعراض کرنے یا فوت ہو جانے کے بعد اس کا بیٹا اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے، اس لیے کہ یہ عورت اس شخص کے باپ کی منکوحہ نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله مصاهرة) وتحرم موطوءات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنا والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح. (ردالمحتار ج۳ ص۲۸ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات)[1]

بیوہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے

سوال:- جو عورت بیوہ ہو جائے اس سے نکاح کرنے میں شرعاً کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب:- جب کوئی دوسری وجہ حرمت موجود نہ ہو تو بیوہ عورت سے نکاح درست ہے، شریعت مقدسہ میں کہیں بھی بیوہ عورت سے نکاح ناجائز ہونے کا کوئی ذکر نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے باقی تمام ازواج مطہرات بیوہ یا مطلقہ تھیں، اس لیے بیوہ عورت سے نکاح کرنے کو منحوس جاننا زیادت علی الشرع ہے۔

قال اللہ سبحانه وتعالیٰ: "وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ الخ" والأيامى جمع الأيّم من النساء من لا زوج لها بكرا كانت او مطلّقة أو أرملة. (معجم لغة الفقهاء ص۹۹)[2]

---

[1] قال ابن نجيمؒ: أي ينعقد النكاح أي ذلك العقد الخاص ينعقد بالإيجاب والقبول حتى يتم حقيقة في الوجود. (البحر الرائق ج۳ ص۸۱ کتاب النکاح)

ومثله في البدائع الصنائع ج۲ ص۲۲۹۹ کتاب النکاح۔ فصل رکن النکاح۔

[2] وعن انس رضي الله عنه قال من السنة إذا تزوج الرجل البكر على امرأته أقام عندها سبعا وقسم وإذا تزوج الثيب على إمرأته أقام عندها ثلاثا.

(نصب الراية ج۳ ص۲۱۵ کتاب النکاح۔ باب القسمة)

ومثله في ردالمحتار ج۲ ص۴۳۴ کتاب النکاح۔

سوتیلی ساس سے نکاح کرنا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ سوتیلی ساس سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- دو رشتہ دار عورتوں کا ایک شخص کے نکاح میں جمع ہونا تب حرام ہے جب دونوں میں سے ہر ایک مرد فرض کر کے دوسری اس کے لیے حرام ہے، چونکہ صورت مسئولہ میں صرف ایک جانب سے حُرمت ہے دوسری جانب سے نہیں، اس لیے سوتیلی ساس سے نکاح جائز ہے اگرچہ اس کی سوتیلی بیٹی اس کے نکاح میں پہلے سے موجود ہو۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فجاز الجمع بین إمرأة وبنت زوجها ..... لأنه لو فرضت المرأة ذکراً لم یحرم بخلاف عکسه ۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردالمختار ج۳ ص۳۹ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [۱]

سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- سوتیلی ماں کی بہن اور اس مرد کے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں جس کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان نکاح جائز نہ ہو، اور یہ عورت نہ محرمات علی التابید اور نہ محرمات غیر مؤبد میں شامل ہے، اس لیے سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح درست ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ: والمحرمات علی التابید ثلاثة انواع محرمات بالقرابة والمحرمات بالمصاهرة ومحرمات بالرضاع ۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۲۵۶ کتاب النکاح فصل ان تکون المرأة محللة) [۲]

---

[۱] قال فی الهندیة: ویجوز (الجمع) بین المرأة وبنت زوجها فان المرأة لو فرضت ذکراً حلت له تلك البنت بخلاف العکس ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۷۷ فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات ۔

[۲] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: أسباب التحریم انواع قرابة مصاهرة رضاع جمع ملك شرك إدخال أمة علی حرة فهی سبعة ذکرها المصنف بهذا الترتیب وبقی التطلیق ثلاثا وتعلق حق الغیر بنکاح أو عدة ذکرهما فی الرجعة ۔

{ الدر المختار علیٰ صدر ردّ المحتار ج۳ ص۲۸
کتاب النکاح، فصل فی المحرمات }

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۷۳ الباب الثالث فی المحرمات ۔

بیوی کی وفات کے چند دن بعد اس کی بہن سے نکاح کرنا

سوال:۔ جب کسی شخص کی بیوی فوت ہو جائے تو اس کی وفات کے ایک یا دو دن بعد وہ اس کی بہن سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ خاوند کے لیے بیوی کا سوگ منانے کی ضرورت نہیں اور نہ اس پر عدت ہے، اس لیے بیوی کے فوت ہونے کے فوراً بعد اس کی بہن سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ :۔ (تحت قوله ولو من طلاق بائن)۔۔۔۔(فرع) ماتت امرأة له التزوج بأختها بعد یوم من موتها۔ کما فی الخلاصة عن الاصل۔ وکذا فی المبسوط لصدر الاسلام والمحیط السرخسی۔ (رد المحتار ج ۳ ص۳۸ کتاب النکاح ،فصل فی المحرمات) [1]

عدتِ وفات میں کیے گئے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر ایک عورت خاوند کی وفات کے بعد چار ماہ کے اندر اندر دوسرے آدمی سے نکاح کرے تو یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ طلاق یا وفات کی عدت میں کیا گیا نکاح کالعدم رہے گا عدت گزرنے کے بعد جو نکاح پڑھایا جائے اس کا اعتبار ہو گا۔

قال العلامة الکاسانی رحمه الله :۔ ومنها ان لا تکون معتدة الغیر لقوله تعالیٰ :"وَلَا تعزموا عقدة النکاح حتیٰ یبلغ الکتاب اجله" أی ماکتب علیها من التربص ثم قال وسواء کانت العدة عن طلاق او عن وفات الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۶۸، ۲۶۹ کتاب النکاح فصل ان لایکون بها حمل) [2]

---

[1] وقال فی الهندیة : ویجوز لزوج المرتدة اذا لحقت بدار الحرب تزوج أختها قبل انقضاء عدتها کما اذا ماتت ۔ (الفتاوی الهندیه ج ۱ ص۲۷۹ القسم الرابع المحرمات بالجمع)
وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۲ ص۶ الفصل الثانی فیمن یکون محلا للنکاح وفیما لایکون ۔

[2] قال فی الهندیة : لا یجوز للرجل ان یتزوّج زوجة غیره وکذلك المعتدة کذا فی السراج الوهاج سواء کانت العدة عن طلاق او وفات الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۸۰ کتاب النکاح ۔الباب الاول القسم السادس المحرمات التی یتعلق الخ)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص۴۲ کتاب النکاح فصل فی المحرمات ۔

سوتیلی ماں غیر مدخولہ سے نکاح حرام ہے

سوال:۔ کیا سوتیلی ماں سے نکاح درست ہے جبکہ والد نے دخول نہ کیا ہو؟

الجواب:۔ جس عورت کے ساتھ باپ کا عقد نکاح ہو جائے چاہے باپ نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو بیٹے کا اس عورت سے نکاح کرنا بنص قرآنی حرام ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ: (تحت قولہ مصاھرۃ) وتحرم موطوٰات آبائہ واجدادہ وإن علو ولو بزنا والمعقودات لھم علیھن بعقد صحیح۔

(ردّ المحتار ج ۳ ص۲۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) ؎۱

ساس اور بہو دونوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا

سوال:۔ کیا کسی عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی (بہو) کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق ان عورتوں میں ایسا کوئی رشتہ نہیں جو حُرمتِ اجتماع کا باعث بنے اس لیے اس عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی (بہو) کے درمیان جمع کرنا جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: فجاز الجمع بین امرأۃ وبنت زوجھا أو إمرأۃ ابنھا۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص۳۶ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: أما حلیلۃ الأب فبقولہٖ تعالیٰ: "وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ" فتحرم بمجرد العقد علیھا۔

(البحر الرائق ج ۳ ص۹۲ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۶۰ کتاب النکاح، فصل الفرقۃ الرابعۃ۔

؎۲ قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: فی بحثٍ: "لانہٗ لو جاز نکاح إحداھما علیٰ تقدیر مثل المرأۃ وبنت زوجھا أو إمرأۃ ابنھا فانہٗ یجوز الجمع بینھما عند الأئمۃ الاربعۃ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۹۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۲۷۷ القسم الرابع المحرمات بالجمع۔

نانی اور نواسی کو ایک نکاح میں جمع کرنا | **سوال:۔** کیا کوئی شخص ایک عورت اور اس کی نواسی کو ایک نکاح میں جمع کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نواسی اور نانی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، اس کے لیے فقہاء نے ایک قاعدہ تحریر فرمایا ہے کہ دو عورتوں میں سے کسی ایک کو مذکر (مرد) فرض کرکے اگر ان کا نکاح آپس میں جائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: حرم الجمع وطأ بملك یمین بین إمرأتین أیتهما فرضت ذکرًا لم تحل للاخریٰ أبدا۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص ۳۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) [۱]

پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا | **سوال:۔** کیا سگی پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں شرعاً جمع کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ پھوپھی اور بھتیجی کے درمیان ایسا رشتہ ہے کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک کو بھی مرد فرض کرلیا جائے تو دوسری کا نکاح اس سے جائز نہیں اس لیے ان دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا شرعاً جائز نہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: حرم الجمع بین إمرأتین إذا کانتا بحیث لو قدرت إحداهما ذکرًا حرم النکاح بینهما أیتهما کانت المقدرة ذکرًا کالجمع بین المرأة وعمتها..... لحدیث مسلم لا تنکح المرأة علیٰ عمتها۔ الخ (البحر الرائق ج ۳ ص ۹۷ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) [۲]

دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا حکم | **سوال:۔** ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح کیا ہوا ہے، اب وہ اس عورت کو طلاق

---

[۱] قال ابن نجیم المصریؒ رحمہ اللہ:۔ للاصل الذی بینا ان کلّ إمرأتین لو کانت إحداهما ذکرا والاخریٰ أنثیٰ لم یجز للذکر ان یتزوّج الانثیٰ فانه یحرم الجمع بینهما۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۹۵ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب النکاح۔ فصل ان لا یقع نکاح المرأة۔

[۲] قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله وایتهما فرضت) أی ایة واحدة منهما فرضت ذکرًا لم یحل للاخریٰ کالجمع بین المرأة وعمتها الخ۔ (ردّ المحتار ج ۳ ص ۳۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب النکاح، فصل ان لا یقع نکاح المرأة۔

دیئے بغیر اس کی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس آدمی کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ ایک عورت کا کسی شخص کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی سگی بہن سے سے یہ شخص نکاح نہیں کر سکتا ہے جو کہ بنصِ قرآنی حرام ہے، ایسا کیا ہوا نکاح کالعدم ہے گا۔

قال العلامة الکاسانیؒ: لا خلاف فی أن الجمع بین الأختین فی النکاح حرام لقوله تعالیٰ: "وأن تجمعوا بین الاختین معطوفاً" علی قوله عزوجل: حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ أُمَّهَاتُکُمْ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۲ کتاب النکاح، فصل ان لا یقع النکاح المرأة) [1]

والدہ کو بیوی سمجھ کر ہاتھ لگانے کے اثرات

سوال:۔ رات کے وقت بے خبری کی حالت میں زید نے اپنی والدہ کو بیوی سمجھ کر شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو کیا زید کی والدہ اس کے والد پر حرام ہو گئی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر زید نے اپنی والدہ کو شہوت کی حالت میں بلا حجاب ہاتھ لگایا ہو اور زید کے والد کو یہ معاملہ معلوم ہو اور اس کی تصدیق کرتا ہو تو اب یہ عورت اپنے خاوند پر حرام ہے ورنہ حرام نہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: وارادبحرمة المصاهرة المحرمات الاربع، حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسباً ورضاعاً وحرمة اصولها وفروعها علی الزانی نسباً ورضاعاً کما فی الوطأ الحلال۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [2]

ساس کے ساتھ نکاح کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ساس کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

---

[1] قال فی الهندیة: فإنه لا یجمع بین الاختین ولا بوطء ملک یمین۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۷ القسم الرابع المحرمات بالجمع)

ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۹۵ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات۔

[2] قال فی الهندیة: لو ایقظ زوجته لیجامعها فوصلت یده الی بنت منها فقرصها بشهوة وهی ممن تشتهی یظن أنها أمها حرمت علیه الأم حرمة مؤبدة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۴ فصل فی المحرمات)

وقال ایضاً: ثم المس انما یوجب حرمة المصاهرة إذا لم یکن بینهما ثوب۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۵ فصل فی المحرمات)

الجواب: ساس کے ساتھ نکاح کرنا قطعی حرام ہے اگرچہ بیوی کو طلاق دے دی ہو یا وہ وفات پا گئی ہو، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں محرمات کی فہرست میں بیوی کی ماں کو بھی ذکر کیا ہے، ارشادِ ربانی ہے: وَاُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ..... الخ۔ (سورۃ النساء آیت ۔)

قال علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: اسباب التحریم انواع قرابة مصاهرة۔ قال ابن عابدینؒ: مصاهرة کفروع نسائه المدخول بهن او نزلن وامهات الزوجات وجد اتهن بعقد صحیح وإن علون۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۳۸ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [1]

سوتیلی ماں کی بیٹیوں سے نکاح کرنا

سوال: اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر فارغ کر دیا ہو تو کیا اس مطلقہ کے پہلے خاوند سے جو بیٹیاں ہیں اُن کے ساتھ دوسرے شوہر کی پہلی بیوی کے بیٹوں سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حرمتِ نکاح کے لیے مابین جزئیت کا رشتہ ہونا ضروری ہے، صورتِ مسئولہ میں بظاہر حرمت کی ایسی کوئی خاص وجہ نہیں پائی جاتی جس سے حرمتِ نکاح ثابت ہو سکے بلکہ فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں بھی نسبی بھائی کی نسبی بہن سے نکاح کا جواز ثابت ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں کیا گیا نکاح درست ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وتحل اُخت اُخیه رضاعاً.....وکذا نسباً بأن یکون لأخیه لأبیه اخت لأم۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۱ کتاب النکاح، فصل فی الرضاع) [2]

---

[1] قال ابن نجیم المصری رحمه الله: تحت قول الماتن وأم إمرأته بیان لما ثبت بالمصاهرة۔ لقوله تعالیٰ: "وَاُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ" أطلقه فلا بین کونه إمرأته مدخولا بها أولا وهو المجمع علیه عند الأئمة الأربعة۔

(البحر الرائق ج۳ ص۹۳ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۵۸ کتاب النکاح، فصل النوع الثانی فالمحرمات۔

[2] قال ابن نجیم المصری رحمه الله: أی تحل اخت اخیه نسباً بان یکون له أخ من أب له أخت من أمه فانه یجوز له التزوج بها۔

(البحر الرائق ج۳ ص۲۲۷ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

فیملی کورٹ سے تنسیخ نکاح کے بعد نکاح ثانی کا حکم

سوال:۔ آجکل حکومت کے قائم کردہ فیملی کورٹس سے اگر کوئی عورت تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرے جبکہ شوہر اسے طلاق نہیں دینا چاہتا بلکہ وہ اس کو رکھنے کا خواہشمند ہو تو کیا اس طرح تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد عورت کا دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ نے طلاق کا حق صرف شوہر کو دیا ہے، اس کے علاوہ کسی اور کو یہ حق نہیں، اسلئے فیملی کورٹس شرعاً اسکی مجاز نہیں کہ کسی عورت کو بلاعذر شرعی خاوند سے جدا کرے، لہٰذا اگر کوئی عورت بلاعذر شرعی فیملی کورٹ سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرلیتی ہے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے دوسری جگہ نکاح کرنا باطل ہے کیونکہ یہ عورت شرعاً پہلے شوہر کی منکوحہ ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔ (البقرہ آیت ۔)

قال العلامۃ شوکانیؒ: (تحت ھذہ الآیۃ) فیکون الذی بیدہ عقدۃ النکاح حقیقۃ ھو الزوج لانہ ھو الذی الیہ رفعہ بالطلاق۔ (تفسیر فتح القدیر ج ۱ ص۲۲۷) [۱]

طلاقِ مغلظہ میں بغیر حلالہ کے تجدیدِ نکاح کرنے کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلے کے ایک آدمی نے تین گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاق مغلظہ دیں، اب چند دنوں کے بعد بغیر حلالہ شرعی کے بذریعہ جرگہ اس نے تجدیدِ نکاح کرلی ہے، کیا اس طرح میاں بیوی کا تجدید نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں بغیر حلالہ شرعی کے اس عورت کا سابقہ شوہر سے نکاح کرنا باطل ہے اور یہ دونوں بحیثیت میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں، ان کا بذریعہ جرگہ تجدیدِ نکاح کرنا باطل ہے، جب تک عورت حلالہ شرعی نہ کرے

---

[۱] قال العلامۃ ابن رشد المالکیؒ: الاصل ان الطلاق لیس بید احد سوی الزوج او من یوکلہ الزوج۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص۸۱ کتاب الطلاق۔

ومثلہٗ فی مقدمات ابن رشدؒ ج ۲ ص۳۸۲ کتاب طلاق السنۃ۔

پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی ۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (سورۃ البقرہ آیت ۲۳۰) [1]

مطلقہ عورت کا وضع حمل سے قبل نکاح ثانی کرنا

سوال:۔ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو اس حالت میں طلاق دے کہ وہ اس سے دو تین ماہ کی حاملہ ہو اور پھر یہ عورت وضع حمل سے پہلے دوسری جگہ نکاح کرے تو کیا اس عورت کا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ ایسی مطلقہ عورت جو کہ حاملہ ہو اور حمل بھی ثابت النسب ہو، کا نکاح ثانی کرنا باطل ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں اس مطلقہ کا نکاح وضع حمل سے قبل باطل ہے لہٰذا اس عورت کو وضع حمل کے بعد دوبارہ نکاح باندھنا چاہیئے ۔

وفی الهندیة: وحبلى ثابت النسب لا یجوز نکاحها اجماعاً۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۸۰، کتاب النکاح ،القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر) [2]

مُتعہ کی شرعی حیثیت

سوال: مُتعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟ کیا واقعی امام مالک رحمہ اللہ مُتعہ کے جواز کے قائل تھے ؟

الجواب:۔ ابتداء اسلام میں مُتعہ جائز تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اسلئے اہل السنۃ والجماعت کے ہاں مُتعہ بالاتفاق حرام ہے ۔ اگرچہ ھدایہ میں امام مالک رحمہ اللہ کی طرف جواز کا قول

---

[1] وفی الهندیة: وان کان الطلاق ثلاثاً فی الحرة وثنتین فی الامة لم تحل حتّٰی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها ۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۷۳ ۔الباب السادس فی الرجعة ۔ فصل فیما تحل به المطلقة وما یتصل به)

ومثله فی الدرالمختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۵۸۳ باب الرجعة ،مطلب فی العقد علی المبانة ۔

[2] قال العلامة ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ: ومنها ان لا یکون بها حمل ثابت النسب من الغیر فان کان لا یجوز نکاحها وان لم تکن معتدة ...... لوجود حمل ثابت النسب ..... الخ ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۹ کتاب النکاح ۔فصل ومنها ان لا یکون بها حمل)

ومثله فی البحرالرائق ج۳ ص۱۰۶ اوائل کتاب النکاح ۔

ہے لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے، یہاں کاتب یا ناسخ ھدایہ سے غلطی ہوئی ہے ۔

قال العلامة شیخ زادہؒ: واعلم ان نکاح المتعۃ قد کان مباحًا بین ایام خیبر وایام فتح مکۃ الا انہ صار منسوخًا باجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حتی لو قضی بجوازہ لم یجز ولو اباحہ صار کافرًا ۔۔۔۔ فعلی ھذا یلزم عدم ثبوت ما نقل من اباحتہ عند مالکؒ ۔ الخ

(مجمع الانھر ج ۱ ص۳۳۱ کتاب النکاح ۔ باب المحرمات) [۱]

نکاح مؤقت کی تعریف

سوال:۔ نکاح مؤقت کسے کہتے ہیں؟ اور شریعتِ مقدسہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نکاح مؤقت کی تعریف یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی دو گواہوں کے سامنے ایک معین مدت مثلاً ایک یا دو ماہ وغیرہ کے لیے نکاح کریں، اس قسم کا نکاح شرعًا باطل ہے، تاہم اگر نکاح ایسی مُدت مقرر کر دی جائے کہ جہاں تک دونوں یا ایک کا جینا محال ہو تو ایسا نکاح جائز اور صحیح ہوگا۔

قال العلامة شیخ زادہؒ: ولا یصح نکاح المتعۃ والموقت والفرق بینھما ان یذکر فی الموقت لفظ النکاح او التزویج مع التوقیت ۔۔۔۔ وعن الامام اذا وقتا وقتًا لا یعیشان الیہ کمائۃ سنۃ او اکثر یکون صحیحًا ۔ (مجمع الانھر ج ۱ ص۳۳۱ کتاب النکاح، باب المحرمات) [۲]

عیسائی اور یہودی عورت سے نکاح

سوال:۔ کیا موجودہ دور کی عیسائی یا یہودی عورت سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح کرنا اگرچہ

---

[۱] قال العلامة المرغینانیؒ: ونکاح المتعۃ باطل وھو ان یقول لامرأۃ اتمتع بک کذا مدۃ بکذا من المال وقال مالکؒ ھو جائز لانہ کان مباحًا فیبقی الا ان یظھر ناسخہ قلنا ثبت النسخ باجماع الصحابۃؓ ۔ الخ (الھدایۃ ج ۲ ص۲۹۲ کتاب النکاح)

ومِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج ۳ ص۱۵۰ کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات ۔

[۲] قال العلامة المرغینانیؒ: والنکاح الموقت باطل مثل ان یتزوج امرأۃ بشھادۃ شاھدین عشرۃ ایام ۔ الخ (الھدایۃ ج ۲ ص۲۹۲ کتاب النکاح)

ومِثْلُہٗ فی شرح الوقایۃ ج ۲ ص۲ کتاب النکاح ۔

مرخص ہے لیکن ان کے ساتھ نکاح کرنے سے اگر کسی مسلمان کا عقیدہ اور مذہب متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔

کما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وصح نکاح کتابیۃ وان کرہ تنزیہاً مومنۃ بنبی مرسل مقرۃ بکتاب منزل وان اعتقد واالمسیح الٰہا۔ وقال ابن عابدینؒ: ففی الفتح ویجوز تزوج الکتابیات والاولیٰ ان لا یفعل ولا یأکل ذبیحتھم الا للضرورۃ وتکرہ الکتابیۃ الحربیۃ اجماعاً لافتتاح باب الفتنۃ من امکان التعلق المستدعی للمقام معہا فی دار الحرب۔ (رد المحتار ج۳ ص۴۵ کتاب النکاح۔ مطلب مہم فی وطء السراری الخ) ؎۱

مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح

سوال:۔ ایک مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم مرد کے ساتھ جائز نہیں، خواہ یہ نکاح طوعاً ہو یا کرہاً، خواہ یہ غیر مسلم اہلِ کتاب سے یا غیر اہلِ کتاب سے ہو۔

لقولہ تعالیٰ: ولا تنکحوا المشرکین حتّٰی یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۱) ؎۲

قادیانی عورت سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ اہلِ کتاب عورت سے تو مسلمان مرد نکاح کرسکتا ہے تو کیا ایک قادیانی عورت

؎۱ قال ابن نجیمؒ: وحل تزوج الکتابیۃ۔ لقولہ تعالیٰ: والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب ...... والاولیٰ ان لا یتزوج کتابیۃ ولا یأکل ذبائحھم الا للضرورۃ وفی المحیط یکرہ تزوج الکتابیۃ الحربیۃ لان الانسان لا یأمن ان یکون بینھما ولد فینشاء علیٰ طبائع اھل الحرب۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰۳ فصل فی المحرمات)۔

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۱۳۵ فصل فی المحرمات۔

؎۲ قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ: ومنھا اسلام الرجل اذا کانت المرأۃ مسلمۃ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۷۱ فصل کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۸۲ کتاب النکاح۔

سے بھی مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ قادیانی چونکہ باجماع امت مُرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اس لیے ان سے کسی قسم کا رشتہ ناطہ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ جس طرح کسی قادیانی سے مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا ایسے ہی کوئی مسلمان شخص کسی قادیانی عورت سے نکاح نہیں کرسکتا، اس لیے کہ قادیانی اہلِ کتاب کے حکم میں نہیں بلکہ مُرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

کما قال شیخ الاسلام برھان الدین المرغیناتی رحمہ اللہ: ان تصرفات المرتد علیٰ اقسام نافذ بالاتفاق کالاستیلاء والطلاق لانه لا یفتقر الیٰ حقیقة الملك وتمام الولایة وباطل بالاتفاق کالنکاح والذبیحة لانه یعتمد الملة۔ (الھدایة ج۲ ص۶۰۳ باب المرتد) [1]

خاوند کے مُرتد ہو جانے سے نکاح کا حکم

سوال :۔ میاں بیوی دونوں مسلمان تھے اور خوشگوار زندگی گذار رہے تھے کہ اچانک خاوند قادیانیوں کا شکار ہو کر مُرتد ہو گیا جبکہ عورت دینِ حق یعنی اسلام پر قائم ہے، ایسی حالت میں اس عورت کو کیا کرنا چاہیئے ؟

الجواب :۔ قادیانی چونکہ مُرتد کے حکم میں ہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں خاوند کے مُرتد ہو جانے سے مسلمان بیوی سے اس کا گذشتہ نکاح ختم ہو گیا ہے۔ ایسی حالت میں یہ عورت عدّت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

قال الحصکفی رحمہ اللہ: وارتداد احدھما ای الزوجین فسخ عاجل۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۵ باب نکاح الکافر) [2]

لاعلمی میں قادیانی سے نکاح کا حکم

سوال :۔ ایک مسلمان عورت کا نکاح لاعلمی میں کسی قادیانی سے ہو گیا، یعنی نکاح کے وقت مرد نے

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ: والمرتدة لایجوز نکاحھا مع احد وکذلك المرتد لایجوز نکاحه مع احد۔ (فتاویٰ تاتارخانیة ج۳ ص۸ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۳ ص۳۳ باب المرتد۔

[2] وقال فی الھندیة: ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بینھما کذا فی الکافی۔ (الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۳۳۹ الباب العاشر فی نکاح الکفار)

وَمِثْلُهٗ فی الھدایة ج۲ ص۳۴۸ فصل فی النکاح الکافر۔

اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا لیکن نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ یہ شخص قادیانی ہے، اندریں صورت یہ نکاح منعقد ہوا ہے یا نہیں ؟

الجواب: ۔ قادیانی چونکہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اس لیے جس شخص کا قادیانی ہونا قطعی اور یقینی ہو تو اس کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح شرعاً جائز نہیں اور لاعلمی میں کیا ہوا نکاح کالعدم رہے گا۔

کما فی الھندیۃ: ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقۃ بغیر طلاق فی الحال۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۳۳۹ الباب العاشر فی نکاح الکفار) [1]

شیعہ عورت سے سُنّی مرد کے نکاح کا حکم

سوال: ۔ جو شیعہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہو اور حضرت جبریل سے غلطی صادر ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو اور صحبتِ ابوبکر صدیقؓ کا منکر ہونے کے ساتھ ساتھ قذفِ عائشہؓ کا قائل ہو اور قرآنِ مجید کو منحرف سمجھتا ہو تو ایسے شیعہ مرد کے ساتھ سُنّی عورت یا سُنّی مرد کے ساتھ شیعہ عورت کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: ۔ جو روافض قطعیاتِ اسلام کے خلاف کوئی عقیدہ رکھتے ہوں وہ کافر ہیں مثلاً حضرت علیؓ کی الوہیت اور حضرت عائشہؓ پر قذف کا قائل ہونا، جو قرآنِ کریم کی نصِ قطعی کے خلاف ہے، اور حضرت جبریلؑ سے غلطی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں اور صحبتِ ابوبکر صدیقؓ کے منکر ہوں تو اس قسم کے گمراہ فرقہ کے لوگوں سے رشتہ مناکحت سے احتراز و اجتناب لازم ہے اور ایسے لوگوں کا حکم مُرتد کی طرح ہے اور مُرتد کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

کما فی الھندیۃ: ویجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا..... واحکامھم احکام المرتدین۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۲ ص۲۶۴) [2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: وارتد احدھما ای الزوجین فسخ عاجل۔ (الدر المختار ج۲ ص۲۵۴ کتاب النکاح)
وَ مِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۳۴۸ کتاب النکاح۔

[2] قال العلامۃ عالم بن العلاء انصاریؒ: یجب اکفار الروافض فی قولھم لرجع الاموات الی الدنیا..... وھؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین۔ (فتاوی تاتارخانیہ ج۵ ص۵۳۸ کتاب احکام المرتدین)
وَ مِثْلُہٗ فی الفتاوی قاضیخان علی ھامش الھندیۃ ج۶ ص۳۱۸ باب المرتد۔

لاعلمی میں رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

سوال: اگر کہیں لاعلمی اور غلطی سے رضاعی بہن بھائی کا نکاح غلطی سے ہوجائے اور سال دو سال کے بعد رضاعت کا علم ہوجائے تو دونوں میں جدائی ہوجائے گی یا دونوں کا نکاح برقرار رہے گا؟

الجواب: صورتِ مرقومہ کے مطابق اگرچہ رضاعی بہن سے نکاح شرعاً حرام ہے مگر جب نکاحِ فاسد سے دونوں کا ملاپ ہوجائے تو مہر واجب ہوجاتا ہے، لہٰذا یہ عورت شوہر سے مہر لینے کی حقدار ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد بالوطء لابغیرہ۔
(الدرالمختار علیٰ ہامش ردالمحتار ج۲ ص۴۸۱،۴۸۲ باب المہر) [1]

غیر مسلم عورت کو جبراً مسلمان کرکے اس سے نکاح کرنا

سوال: افغانستان میں روس کی آمد کے بعد جب جہاد شروع ہوا تو بعض مجاہدین نے روسی عورتوں کو جبراً مسلمان کرکے اُن کے ساتھ نکاح کیا، کیا ان عورتوں کا اسلام معتبر ہے؟ اور ان کے ساتھ نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جب کسی کافر کو اسلام پر مجبور کیا جائے اور وہ کلمۂ شہادت پڑھ لے تو وہ مسلمان متصوّر ہوگا۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں روسی عورتوں کا اسلام لانا اور بعض مجاہدین کا ان کے ساتھ نکاح کرنا دونوں صحیح ہے۔

لما قال العلامۃ فخرالدین الشهیر بقاضی خانؒ: واذا اجبرالکافر علی الاسلام فاسلم صح اسلامہ فان ارتدّ بعد ذٰلک یجبر علی الاسلام ولا یقتل۔
(فتاویٰ قاضی خان ج۴ ص۴۱۶ باب الاکراہ)

کسی عورت کا جِنّ مرد سے نکاح کرنا

سوال: اگر کوئی عورت کسی جِنّ مرد سے اپنا نکاح کرالے تو کیا یہ نکاح شرعاً جائز

---

[1] وفی الهندیۃ: ولو تزوّج امرأۃ فقالت امرأۃ ارضعتکما...... واذا فارقها...... وان کان بعد الدخول بها فالافضل للزوج ان یعطیها کمال المهر والنفقۃ والسکنیٰ۔
(الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۳۴۷ کتاب الرضاع)

ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ میں نکاح کرنے کے لیے دونوں کا ایک جنس ہونا ضروری ہے، مختلف الاجناس میں نکاح جائز نہیں، اس لیے جن مرد سے اس عورت کا نکاح شرعاً جائز نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وفی الاشباہ عن السراجیۃ لاتجوز المناکحۃ بین بنی آدم والجن وانسان ای لاختلاف الجنس ومفاد المفاعلۃ انہ لایجوز للجنی ان یتزوج انسیۃ ایضاً...... عن شرح الملتقی عن زواھر الجواھر الاصح انہ لایصح نکاح آدمی جنیۃ کعکسہ لاختلاف الجنس فکانوا کبقیۃ الحیوانات۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۱ اوائل کتاب النکاح) [1]

بھائی کی بیوی سے ناجائز تعلقات کے نکاح پر اثرات

سوال: اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی بیوی سے ناجائز تعلقات رکھتا ہو اور وہ اس ناجائز عمل پر رنگے ہاتھوں پکڑا بھی گیا ہو تو کیا اس سے اس کے بھائی کی بیوی کا نکاح متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: دیور سے ناجائز تعلقات قائم کرنے سے شوہر کا نکاح متاثر نہیں ہوگا بلکہ وہ تا حال اُس کی منکوحہ ہے، تاہم اگر شوہر اس کو طلاق دے کر الگ کرنا چاہتا ہو تو کر سکتا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ولو زنت امرأۃ رجل لم تحرم علیہ وجاز لہ وطؤھا عقب الزنا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۶ فصل فی المحرمات) [2]

---

[1] قال العلامۃ علی بن عثمان سراج الدین رحمہ اللہ: لایجوز المناکحۃ بین بنی آدم والجن والانسان الماء لاختلاف الجنس اذا مس بشھوۃ تثبت حرمۃ المصاھرۃ۔ (الفتاوٰی السراجیۃ ص ۴۳ کتاب النکاح باب نکاح المحارم)

[2] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: یحل بالاتفاق للزانی ان یتزوج بالزانیۃ التی زنی بھا فان جاءت بولد۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۱۴۸، کتاب النکاح، المرأۃ الحامل من الزنا... الخ)

جنسی کمزوری کی صورت میں نکاح کرنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ جنسی طور پر کمزور ہوتے ہیں اور بیوی کے حقوق ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتے لیکن اس کے باوجود وہ شادی کر لیتے ہیں، تو ایسے شخص کے لیے نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ شادی کرنا ہر اُس مسلمان مرد کے لیے سُنّت جو نان ونفقہ اور حقوقِ زوجیت پورا کر سکتا ہو، لہٰذا جو شخص یہ حقوق ادا نہیں کر سکتا اُس کے لیے نکاح کرنا جائز نہیں، کرنے کی صورت میں مرد گنہگار ہوگا۔

قال العلامة الحصکفیؒ : ویکون سنة مؤکدة فی للاصح فیأثم بترکه وثیاب ان نوی تحصینًا وولدًا حال الاعتدال الی القدرة علیٰ وطءٍ ومهرٍ ونفقةٍ ۔ الخ

قال العلامة ابن عابدینؒ : رتحت قوله الی القدرة علیٰ وطءٍ) الی الاعتدال فی التوقان ان لا یکون بالمعنیٰ المار فی الواجب والفرض وهو شدة الاشتیاق وان لا یکون فی غایة الفتور کالعنین ------ بان یکون بین الفتور والشوق وزاد المهر والنفقة لان العجز عنهما یسقط الفرض فیسقط السنیة بالاولیٰ الخ

رالدر المختار مع الرد المختار ج۳ ص۷ کتاب النکاح رمطلب کثیرًا مّا تبساهل فی اطلاق المتجر علی السنّة) [1]

کسی اسلامی ملک میں مسلمان ہونے والی شادی شدہ عورت سے نکاح کرنے کا طریقہ

سوال:۔ اگر کسی اسلامی مُلک میں کوئی شادی شدہ غیر مسلم عورت اسلام قبول کرے تو کیا اس عورت کے ساتھ بغیر عدت گذارنے ہوئے کسی مسلمان مرد کے لیے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت اسلام قبول کرے تو یہ عورت اوّلاً عدالت میں اپنے اسلام لانے کا قصہ پیش کرے، اور عدالت اس کے غیر مسلم شوہر پر اسلام پیش کرے گی، اب اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو عدالت عورت کو تنسیخِ نکاح

---

[1] ومثلهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح۔ الباب الاوّل۔

کی ڈگری جاری کرے گی اور یہ عورت عدتِ طلاق گذار کر کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے، اس کے علاوہ بغیر عدالتی فیصلے اور مرورِ عدت کے نکاح نہیں کر سکتی۔

قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ: واذا اسلمت المرأة وزوجها كافر عرض القاضي عليه الاسلام فان اسلم فهي امرأته وان ابى فرّق بينهما وكان ذلك طلاقاً عند ابي حنيفة ومحمد رحمهم الله

(الهداية ج ۲ ص۳۲۵ باب نكاح اهل الشرك) ؎۱

ماموں کی بیوہ سے نکاح کا حکم

سوال: سگے ماموں کی بیوہ سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حقیقی ماموں کی بیوہ کے ساتھ بعد از اختتامِ عدت نکاح کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ اب ان کے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں جو حرمت کا سبب ہو۔

لما قال الله تعالىٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ (سورۃ النساء آیت ۲۴) ؎۲

؎۱ قال ابن الهمامؒ: اذا احد الزوجين اللذين هما مجوسيان او الزوجة عنها مجوسية والزوج كتابي او الزوجة من الكتابيين او الزوجة الكتابية والزوج قائم فان ابى فرق بينهما۔ (فتح القدير ج ۳ ص۲۸۸ باب نكاح اهل الشرك)

وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج ۱ ص۳۳۷ الباب العاشر فى نكاح الكفار۔

وَمِثْلُهٗ فى الفتاوى التاتارخانية ج ۳ ص۱۸۱ كتاب النكاح. باب نكاح الكفار۔

؎۲ قال العلامة علاؤ الدين الكاسانيؒ: والمحرمات على التابيد ثلاثة انواع محرمات بالقرابة ومحرمات بالمصاهرة ومحرمات بالرضاع، امّا النوع الاول فالمحرمات بالقرابة سبع فرق الاُمّهات والبنات والعمّات ...... قال الله تعالىٰ: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ الآية۔ وفى الصفحة الثانية وتحل له بنت العمّة والخالة وبنت العمّ والخال لان الله تعالىٰ ذكر المحرمات فى اية التحريم ثمّ اخبر سبحانهٗ وتعالىٰ انّهٗ احل ما وراء ذلك بقوله وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (الآية) الخ

(بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۵۶، ۲۵۷ فصل ومنها ان تكون المرأة محللة)

وَمِثْلُهٗ فى الهداية ج ۲ ص۲۸۷ فصل فى بيان المحرمات۔

بھانجی کی بیٹی سے نکاح کا حکم

سوال:۔ زید زینب کا علاتی بھائی ہے، زینب کی بیٹی رقیہ ہے، رقیہ کی بیٹی کلثوم ہے، تو کیا زید کا نکاح کلثوم کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اپنے والدین کے کسی بھی فروع (یعنی اولاد جس درجے میں بھی ہو) سے نکاح کرنا درست نہیں، لہٰذا زید کا نکاح کلثوم کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفروع ابویه وان نزلن فتحرم بنات الاخوة والاخوات وبنات اولاد الاخوة والاخوات وان نزلن۔ (الدرالمختار علیٰ ہامش ردالمحتار ج۲ صـ۳۰ فصل فی المحرمات) [۱]

بہنوئی کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کا حکم

سوال:۔ بہن کے شوہر کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بھائی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ بہن کے شوہر کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کرے کیونکہ اس لڑکی میں اس بھائی کی نسبت حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ بعد ذکر المحرمات: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ۔ سورۃ النساء آیت ۲۴ [۲]

---

[۱] وفی الهندیة: القسم الاول المحرمات بالنسب وهن الاُمّهات والبنات والاخوات ....الیٰ قوله واما الاخوات فالاُخت لابٍ والاُمّ والاُخت لاب والاُخت لامٍ وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ صـ۲۷۳ الباب الثالث فی بیان المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ صـ۲۸۷ فصل فی بیان المحرمات۔

[۲] قال العلامة الکاسانیؒ: والمحرمات علی التابید ثلاثة انواع محرمات بالقرابة ومحرمات بالمصاهرة ومحرمات بالرضاع اما النوع الاول فالمحرمات بالقرابة سبع فرق الامّهات والبنات والعمّات والخالات وبنات الاخ وبنات الاخت ..... وفی الصفحة الثانیة۔ وتحل له بنت العمة والخالة وبنت العم والخال لان الله تعالیٰ ذکر المحرمات فی آیة التحریم ثم اخبر سبحانه وتعالیٰ انّه احلّ ما وراء ذٰلك بقوله واحلّ لکم ما وراء ذٰلکم الآیة الخ

(بدائع الصنائع ج۲ صـ۲۵۶، ۲۵۷ فصل ومنها ان تکون المرءة محللة)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ صـ۲۸۷ فصل فی بیان المحرمات۔

ایک جگہ منگنی کر دینے کے بعد لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ کرنا

سوال:۔ اگر ایک لڑکی کی کسی جگہ منگنی ہو جانے کے بعد اس کے والدین اس کا نکاح کسی دوسری جگہ کر دیں، تو کیا اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر منگنی کے موقع پر صحیح اور شرعی طریقے سے ایجاب وقبول ہو چکا ہو تو اس کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنا درست نہیں، اور اگر ایجاب وقبول نہ ہوا ہو تو یہ منگنی صرف وعدۂ نکاح ہے نکاح نہیں اِس صورت میں دوسری جگہ نکاح درست ہے لیکن وعدہ خلافی کی وجہ سے گنہگار ضرور ہوں گے۔

قال ابن عابدینؒ : لو قال هل اعطتنيها فقال اعطيت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔ اھ (ردالمحتار ج ۲ ص ۲۸۷ کتاب النکاح) [1]

کسی لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کا ایک مرد کے نکاح میں آنا

سوال:۔ ایک شخص نے کسی لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کو اپنے نکاح میں جمع کیا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ کیا یہ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ میں داخل ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ جَمْعَ بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ کی پہچان کے لیے فقہاء کرام نے جو قاعدہ مقرر کیا ہے کہ دونوں میں سے جس کو بھی مرد تصور کر کے دوسرے کے ساتھ اس کا نکاح صحیح نہ ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکی کو مرد تصور کر کے سوتیلی ماں کا تو منکوحۃ الاب کی وجہ سے نکاح صحیح نہیں مگر سوتیلی ماں کو مرد تصور کرنے کے بعد لڑکی سے نکاح کے عدمِ جواز پر کوئی دلیل نہیں، اس لیے یہ صورت اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ میں داخل نہیں، دونوں ایک شخص کے نکاح میں جمع کی جا سکتی ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ : حرم الجمع وطاء بملک یمین بین

---

[1] وفی الهندیۃ : ولو قال تزوجینی نفسك فقبلت العقد، ان لم يقصد به الاستقبال، هکذا فی النهر الفائق ۔ (الفتاوی الهندیۃ ج ۱ ص ۲۷۰ الباب الثانی فیما ینعقد به النکاح) ومِثلُهٗ فی تبیین الحقائق ج ۲ ص ۹۶ کتاب النکاح ۔

امرأتين ايتهما فرضت ذكرًا لم تحل للأخرى ابدًا ...... فجاز الجمع بين امرأة وبنت زوجها او امرأة ابنها الخ۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۰۹ فصل في المحرمات) [1]

مذاق میں کیا گیا نکاح منعقد ہو جاتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی لڑکی اور لڑکا دونوں آپس میں مذاق ہی مذاق میں گواہوں کے روبرو نکاح کے ایجاب وقبول کر لیے، اب لڑکا کہتا ہے کہ تم نے میرے ساتھ نکاح کیا ہے اس لیے تم میری بیوی ہو، جبکہ لڑکی کا دعویٰ ہے کہ وہ تو مذاق کر رہی تھی میرا ارادہ نکاح نہ تھا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مذاق ہی مذاق میں کیا گیا نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی میں چند امور ایسے ہیں کہ جن میں مذاق اور حقیقت دونوں مساوی ہیں جن میں سے ایک نکاح بھی ہے، اس لیے نکاح خواہ مذاق ہی مذاق میں کیوں نہ کیا جائے منعقد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں یہ لڑکی اب اس لڑکے کی منکوحہ ہے لڑکی کا دعویٰ باطل ہے۔

لقوله عليه الصلوٰة والسلام: ثلاث جدهن جد وهزلهن جد الطلاق والعتاق والنكاح۔ (مشكوٰة ص ۲۸۴ باب الخلع والطلاق) [2]

چھوٹی بچی اور بچے کے نکاح کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں دِیر کے علاقہ میں والدین چھوٹے چھوٹے بچوں کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ وہ ابھی تک کچھ بھی نہیں سمجھتے ہیں، کیا ان بچوں کا نکاح جائز ہے؟ کیا یہ چھوٹے بچوں پر ظلم تو نہیں؟

---

[1] في الهندية: ويجوز بين امرأة وبنت زوجها۔ (الفتاوىٰ الهندية ج ۱ ص ۲۷۷ الباب الثاني في بيان المحرمات، القسم الرابع المحرمات بالجمع)

[2] عن ابي هريرة: قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث جدهن جد وهزلهن جد۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۲ باب ما جاء في الجد والهزل في الطلاق)
ومثله في الترمذي، باب ما جاء في الجد والهزل في الطلاق۔

الجواب: شریعتِ اسلامی میں جب بچے کا ولی اس کا نکاح کردے تو نکاح صحیح ہے نابالغ کے سمجھنے کی ضرورت نہیں صرف ولی کا سمجھنا ہی کافی ہے اور نہ یہ بچوں پر ظلم ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: يجوز نكاح الصغير والصغيرة اذا زوجهما الولى بكراً كانت الصغيرة او ثيباً۔

(الهداية ج۲ ص۲۹۵ باب الاولياء) [۱]

ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اگر کوئی شخص ایک عورت سے شادی کرے اور اس عورت کے ساتھ پہلے شوہر سے ایک لڑکا بھی ہے جس کی پرورش اس زوجِ ثانی نے کی، اب اگر یہ لڑکا اپنی بیوی کو طلاق دیدے یا وہ فوت ہو جائے، تو کیا یہ شخص اپنے ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ربیب یا متبنی حقیقی یا رضاعی بیٹوں کی طرح نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے یہ مربی (منہ بولا باپ) شادی کر سکتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: (تحت قوله، واما بنت زوجة ابيه وابنه فحلال) ولا تحرم زوجة الربيب ولا زوجة الراب۔

(رد المحتار ج۲ ص۳۰۳ فصل فى المحرمات) [۲]

عدت کے دوران سالی سے نکاح کرنا صحیح نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر عدت

---

[۱] وفى الهندية: لولى الصغير والصغيرة ان ينكحهما وان لم يرضيا بذلك سواء كانت بكراً او ثيباً۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۸۵ كتاب النكاح۔ الباب الرابع فى الاولياء)

وَمِثْلُهُ فى الدر المختار ج۳ ص۵۵ كتاب الولى۔

[۲] وفى الهندية: ولا تحرم حليلة الابن المتبنى على الاب المتبنى۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۷۴ الباب الثالث فى بيان المحرمات۔ القسم الثانى المحرمات بالصهرية)

وَمِثْلُهُ فى الهداية ج۲ ص۲۸۸ كتاب النكاح۔ فصل فى بيان المحرمات۔

کے دوران ہی اس کی بہن سے نکاح کرے، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب: چونکہ عدت کے اندر عورت شوہر کے نکاح میں من وجہ داخل ہے اس لیے اس دوران بیوی کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ تاہم اگر عدت کے بعد نکاح کرنا چاہتا ہو تو کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: والجمع نكاحاً وعدة ولو من طلاق بائن۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۳۰۸ فصل فى المحرمات) [۱]

منکوحہ کی بیٹی سے نکاح کرنا

سوال: ایک شخص نے کسی مطلقہ یا بیوہ سے نکاح کیا، اس عورت کی سابقہ خاوند سے ایک جوان بیٹی بھی ہے جبکہ اس شخص نے دخول سے قبل ہی اس کو طلاق دیدی، اور اب وہ اس کی بیٹی سے نکاح کرنے کا خواہشمند ہے، تو کیا اس شخص کا اپنی مطلقہ کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: منکوحہ کی بیٹی سے نکاح شرعاً حرام ہے مگر یہ حرمت دخول یا خلوتِ صحیحہ کے ساتھ مشروط ہے، اگر یہ شرط پائے جانے سے قبل طلاق واقع ہو جائے تو منکوحہ مطلقہ کی بیٹی سے نکاح کرنا مرخص ہے ورنہ خلوتِ صحیحہ یا دخول کی صورت میں نکاح ناجائز وحرام ہے۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ خلوتِ صحیحہ یا دخول کی شرط مفقود ہے اس لیے اس شخص کا اس لڑکی سے نکاح درست ہے۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله: ولا بام امرأته دخل بها او لم يدخل، لقوله تعالى: وامهات نسائكم من غير قيد الدخول ولا بنت امرأته التى دخل بها لثبوت قيد الدخول بالنص سواء كانت فى حجره او فى حجر غيره۔

(الهداية ج۲ ص۲۸۷ كتاب النكاح۔ فصل فى المحرمات) [۲]

---

[۱] قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: واذا طلق امرأته طلاقاً بائناً او رجعياً لم يجز له ان يتزوج باختها حتى تنقضى عدتها۔

(الهداية ج۲ ص۲۸۹ كتاب النكاح۔ فصل فى بيان المحرمات)

ومثله فى الهندية: الباب الثالث فى بيان المحرمات۔ القسم الرابع المحرمات بالجمع۔

[۲] قال الله تعالى: وربائبكم التى فى حجوركم من نسائكم اللتى دخلتم بهن۔ (سورة البقرة ع ـــ)

باپ کی سوتیلی بیٹی سے نکاح جائز ہے

سوال :۔ باپ کی دوسری بیوی کی بیٹی سے جبکہ وہ بیٹی اس بیوی کے پہلے خاوند سے ہو نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ باپ کی دوسری بیوی کی بیٹی جوکہ اس کے پہلے خاوند سے ہو اُس سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ : (وا ما بنت زوجة ابیه او ابنه فحلال) قال ابن عابدینؒ : وکذا بنت ابنهما الخ. (الدرالمختار مع ردالمحتار ج ۲ ص ۳۰۲،۳۰۳ کتاب النکاح ،فصل فی المحرمات)[1]

بیٹے کی مزنیہ سے نکاح کا حکم

سوال :۔ ایک لڑکے کے کسی لڑکی کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں، اب چند دن قبل دونوں رنگے ہاتھوں پکڑے گئے ،علاقائی جرگہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کا اسی لڑکے سے نکاح کردیا جائے لیکن لڑکا کسی صورت میں بھی اس سے نکاح کے لئے تیار نہیں ، جبکہ لڑکے کا باپ کہتا ہے کہ میں اس لڑکی سے شادی کے لیے تیار ہوں -اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا لڑکے (زانی) کے باپ کا نکاح اس لڑکی (مزنیہ) سے جائز ہے یا نہیں ؟ فقہ حنفی کی رُو سے جواب عنایت فرمائیں ؟

الجواب :۔ فقہ حنفی کی رُو سے زنا بھی سببِ مصاہرت ہے۔ لہٰذا اگر واقعی لڑکے نے اس لڑکی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا ہو تو یہ لڑکی لڑکے کے باپ کی بمنزلہ بہو (منکوحۃ الابن) کے ہے جبکہ بہو سے نکاح کرنا شرعاً جائز نہیں ،اسی وجہ سے بیٹے کی مزنیہ سے اس کا باپ نکاح نہیں کرسکتا۔

لما فی الھندیۃ :کذا تحرم المزنی بھا علیٰ اٰباء الزانی واجدادہ وان علوا وابنائہ وان سفلوا.کذا فی فتح القدیر. (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱ کتاب النکاح.الباب الثالث)[2]

---

[1] قال العلامة صدرالشھید رحمہ اللہ : و تحل اخت اخیه رضاعاً کما تحل نسبا کاخ من الاب له اخت من امه تحل لاخیه من ابیه۔

(شرح الوقایة ج ۲ ص ۶۸،۶۹ کتاب النکاح)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ : وحرم ایضاً بالصھریة اصل مزنیة۔قال ابن عابدینؒ :تحته حرمة المرأة علیٰ اصول الزانی وفروعه نسبًا و رضاعًا۔

(الدرالمختار علیٰ ھامش ردالمحتار ج ۲ ص ۳۸۴ کتاب النکاح)

بیٹے کی ساس سے نکاح کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرا سسر فوت ہو چکا ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اب میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیوہ ساس کا نکاح اپنے باپ سے کر دوں تاکہ ہم مشترکہ طور پر ان کی دیکھ بھال کر سکیں، تو کیا شرعاً ان دونوں کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق دونوں کے مابین کوئی ایسا رشتہ نہیں جو کہ موجبِ حُرمت ہو، اس لیے ان دونوں کا نکاح شرعاً جائز ہے، اور اُمید ہے کہ اس کارِ خیر پر آپ کو منجانب اللہ اجر بھی ملے گا۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: ولا تحرم ام زوجة الابن ۔ (رد المحتار جلد ۲ صـ ۳۸۳ کتاب النکاح)[1]

نومسلمہ عورت سے عدت ختم ہونے سے قبل نکاح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت اسلام قبول کر لے تو کیا عدت گذارنے سے قبل اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کوئی غیر مسلمہ شادی شدہ عورت اسلام قبول کرلے اور اس کا خاوند غیر مسلم ہو تو اس کا نکاح از خود ختم ہو جاتا ہے، اب اگر وہ عورت دار الحرب میں ہو تو صرف تین حیض گذار کر کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے، اور اگر دار الاسلام میں ہو تو تفریقِ قاضی کے بعد دوبارہ نکاح کیلئے تین حیض گذارنا لازمی ہے، بدون اس کے نکاح جائز نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمه الله: ولو اسلم احدهما ان احد المجوسین او امرأة الکتابی ثمة ای فی دار الحرب و ملحق بها کالبحر الملح لم تبن حتی تحیض ثلاثاً وتمضی ثلاثة اشهر قبل اسلام الآخر اقامة لشرط الفرقة مقام السبب ۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ صـ ۲۹۰ کتاب النکاح)

---

[1] قال العلامة مفتی عبد الرحیم رحمه الله: الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً! زید کا باپ زید کی زوجہ کی ماں یعنی باپ اپنے بیٹے کی خوشدامن سے نکاح کر سکتا ہے یہ رشتہ حرام نہیں ہے ۔ {فتاویٰ رحیمیة ج ۱ صـ ۱۹۴ کتاب النکاح}

باب المھر

(حق مہر کے احکام و مسائل)

رخصتی سے قبل طلاق دے کر لڑکی والوں کو کچھ رقم دینا

سوال:۔ یہاں ایک لڑکے کا نکاح ہوا لیکن کسی وجہ سے رخصتی نہ ہوسکی بلکہ لڑکے نے بیوی کو طلاق دے دی، اب اگر یہ لڑکا لڑکی والوں کو کچھ رقم دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر ہوا ہو تو طلاق قبل الدخول کی صورت میں نصف مہر مسمیٰ لازم ہے اور اگر مہر مقرر نہ ہوا ہو تو متعہ دینا لازمی ہے، تاہم اگر لڑکے والے اپنی طرف سے مہر مسمیٰ کے علاوہ کچھ رقم لڑکی یا اس کے رشتہ داروں کو بطور ہدیہ دیدیں تو بہتر ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ومن سمى مهراً عشرة فما زاد فعليه المسمى ان دخل بها او مات عنها .... وان طلقها قبل الدخول والخلوة فلها نصف المسمى ...... قال وان تزوجها ولم يسم لها مهراً او تزوجها على ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها ...... ولو طلقها قبل الدخول بها فلها المتعة۔

(الهداية ج ۲ ص۳۰۴ باب المهر) [1]

---

[1] قال الله تبارك وتعالىٰ: (لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً). (وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ) وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ)۔ (سورة البقره پ۲ آيت ۲۳۶)

وَمِثْلُهٗ فِي الهندية ج ۱ ص۳۰۳ كتاب النكاح، باب المهر۔

مہر کی کم از کم مقدار

سوال: شریعتِ اسلامی میں مہر کی کم از کم مقدار کتنی ہے اور اس کی قیمت کیا ہوگی؟

الجواب: مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے جس کی وزنی مقدار تقریباً ۳۵ گرام چاندی ہے یا اس کی قیمت رائج الوقت قیمت کے اعتبار سے ہے۔

قال فی الھندیۃ: اقل المھر عشرۃ دراھم مضروبۃ او غیر مضروبۃ حتی یجوز وزن عشرۃ تبرًا و ان کانت قیمتہ اقل۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۳۰۲ الفصل الاول فی بیان ادنی مقدار المھر) [1]

مہر فاطمی کی مقدار

سوال: جناب مفتی صاحب! مہرِ فاطمی (حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے حق مہر) کی مقدار کیا ہے؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صاحبزادیؓ کا حق مہر ۴۸۰ درہم ہے جو کہ موجودہ نظامِ اوزان کے مطابق ۱.۴۶۹۶. ۶۳ کلو چاندی کا وزن بنتا ہے یا رائج الوقت کرنسی کے حساب سے اس کی قیمت کا اعتبار ہے۔

قال عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما علمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکح شیئًا من نسائہ ولا انکح شیئًا من بناتہ علی اکثر من ثنتی عشرۃ اوقیۃً ھذا حدیث حسن صحیح۔ (ترمذی ج۱ ص۱۶۵ باب ما جاء فی مھور النساء) [2]

حلالہ کے بعد نکاح میں مہر مقرر کرنا لازمی ہے

سوال: جو شخص طلاقِ مغلظہ کے بعد حلالہ شرعی کرکے دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہو تو اس کو دوبارہ مہر مقرر کرنا ضروری ہے یا کہ سابقہ مہر ہی کفایت کرجائے گا؟

---

[1] قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: واما بیان ادنی المقدار الذی یصلح مھرًا فادناہ عشرۃ دراھم او ما قیمتہ عشرۃ دراھم۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۷۵ فصل واما بیان ادنی المقدار)

[2] وذکر الامام ابوداؤد السجستانیؒ: عن ابی العجفاء قال خطبنا عمرؓ فقال الا لا تغالوا بصدق النساء فانھا لو کانت مکرمۃً فی الدنیا او تقوًی عند اللہ کان اولاکم بھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما اصدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرأۃ من نسائہ ولا اُصدقت امرأۃ من بناتہ اکثر من ثنتی عشرۃ اوقیۃً۔ (ابوداؤد ج۱ ص۲۹۴ باب الصداق)

الجواب:۔ مہر کے تقرر کا تعلق نکاح باندھنے کے ساتھ ہے، جب بھی نکاح باندھا جائے گا تو مہر مقرر کیا جائے گا چاہے اپنی مطلقہ سے حلالہ شرعی کے بعد نکاح کرنا ہو یا کسی اور عورت سے نکاح کرنا ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دوبارہ مہر مقرر کرنا ہوگا ورنہ مہرِ مثل لازم ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وكذا يجب مهر المثل فيما اذا لم يسم مهرًا اونفی ان وطئ الزوج اُمّ مات عنها اذا لم يتواضيا على شئ يصلح مهرًا والا فذلك الشئ هو الواجب۔
(الدر المختار على هامش ردّ المحتار ج۲ ص۳۶۳ باب المهر) [1]

متعدد ازواج کی صورت میں مہر میں مساوات کا مسئلہ

سوال: جناب مفتی صاحب! ہم نے سنا ہے کہ جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان برابری شرعاً ضروری ہے، تو کیا مہر میں بھی برابری ضروری ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے حقوقِ نسواں کا خیال رکھ کر مرد کو ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان مساوات کا حکم دیا ہے لیکن یہ مساوات کھانے پینے، لباس، رہائش اور رات گذارنے میں ہے، مہر میں یہ تساوی جاری نہ ہوگا، اس لیے مہر مقرر کرنا صرف مرد کا کام نہیں بلکہ باہمی رضامندگی کا مسئلہ ہے، اس لیے متعدد بیویوں کے درمیان مہر میں تفاوت موجبِ گناہ نہیں ہے۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: يجب عليه التسوية بين الحرتين او الامتين في المأكول والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۳۴ باب القسم) [2]

---

[1] قال العلامۃ قاضی خانؒ: المهر يتكرر بالعقد مرة وبالوطئ اخرى يتكرر بهما۔
(فتاوی قاضیخان على هامش الهندية ج۱ ص۳۹۲ فصل فی تكرار المهر)

[2] قال العلامۃ قاضیخانؒ: وما يجب على الازواج للنساء العدل والتسوية بينهن فيما يملك وهو البيتوتة عندها للصحبة والمؤانسة لا فيما لا يملك۔
(الفتاوی قاضیخان على هامش الهندية ج۱ ص۴۳۹ فصل فی القسم)
ومثله فی بدائع الصنائع ج۲ ص۳۳۲ فصل ومنها وجوب العدل بين النساء۔

حق مہر میں نقدی کے بجائے زمین وغیرہ دینا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقہ میں یہ دستور ہے کہ لوگ حقِ مہر میں نقدی کے بجائے مکان، زمین یا سونے کے زیورات دیتے ہیں، کیا نقد رقم کی جگہ مذکورہ اشیاء دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حقِ مہر میں ہر وہ چیز دینا جائز ہے جو بذاتِ خود مال ہو۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ مذکورہ اشیاء بھی مالِ متقوم ہیں اس لیے ان اشیاء کو مہر میں دینا جائز ہے۔

وفی الهندية: المهر انما يصح بكل ماهو مال متقوم۔ (الفتاوی الہندیہ ج۱ ص۳۰۲ الفصل الاوّل فی بیان ادنیٰ مقدار المهر و بیان مایصلح مهرًا.....) لـه

انعقادِ نکاح کے بعد حقِ مہر میں زیادتی کرنا

سوال:۔ کیا انعقادِ نکاح کے بعد شوہر مہر میں زیادتی کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کرے تو کیا بیوی اُس زیادتی کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس طرح نکاح سے قبل حقِ مہر میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے اسی طرح نکاح کے انعقاد کے بعد بھی شوہر مہر میں زیادتی کر سکتا ہے اور اس زیادتی کا مطالبہ عورت کا حق بن جائے گا۔

وفی الهندية: الزيادة فی المهر صحيحة حال قيام النكاح.......فاذا زادها فی المهر بعد العقد لزمته الزيادة كذا فی السراج الوهاج۔

(الفتاوی الهندية ج۱ ص۳۱۲ الفصل السابع فی الزيادة فی المهر والحطعنه وفيما يزيد وينقص) لـه۲

لـه قال العلامة ابوبكر الكاسانیؒ: منها ان يكون المسمى مالاً متقوماً۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۷۷ فصل واما بيان مايصح تسمية مهر)

لـه۲ قال العلامة ابن نجيم المصری رحمه الله: (تحت قوله وما فرض بعد العقد او زيد لا يتنصف).... دل وضع المسئلة على جواز الزيادة فی المهر بعد العقد وهی لازمة له بشرط قبولها فی المجلس على الأصح۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۴۸ باب المهر)

اپنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا

سوال:۔ جو شخص نکاح کے وقت اپنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرے تو اُس کے اِس عمل کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مہر کی تقرری میں اپنی حیثیت کو مدِنظر رکھنا چاہیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں زیادتی کو ناپسند فرمایا ہے، اس لیے حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا اچھا نہیں لیکن تقرر کے بعد شوہر کے ذمے ادا کرنا لازم ہو جائے گا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تغالوا صدقة النساء۔ (مشکوٰۃ ص۲۷۷ باب الصداق) [۱]

عورت مہر کا مطالبہ کس سے کرے گی

سوال:۔ یہاں صوبہ سرحد میں اکثر والدین بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیاں کراتے ہیں، تو کیا عورت مہر کا مطالبہ شوہر سے کرے گی یا سسر سے؟ (جس نے اس کا نکاح کرایا ہے)

الجواب:۔ مہر منفعتِ زوجیت کا عوض ہے جو شرعاً شوہر کے ذمے واجب ہوتا ہے، صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکے کے باپ نے مہر کا ضمان اپنے ذمے لے لیا ہو تو عورت سسر اور شوہر دونوں سے اس کا مطالبہ کر سکتی ہے بصورتِ دیگر مہر کا مطالبہ صرف شوہر سے ہو گا۔

وفی الهندیة: زوج ابنته الصغیرة او الکبیرة وهی بکر او مجنونة رجلاً او ضمن عنه مهرها صح ضمانه ثم هی بالخیار ان شاءت طالبت زوجها او ولیها ان کانت اهلاً لذلك ویرجع الولی بعد الاداء علی الزوج ان ضمن بامره۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۲۶ الفصل الرابع عشر فی ضمان المهر) [۲]

---

[۱] قال المفتی عزیز الرحمٰن رحمه اللہ: زیادہ مہر مقرر کرنا اچھا نہیں سمجھا گیا۔
(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۸ ص۲۴۱ مسائل واحکام مہر)

[۲] وقال العلامة الحصکفیؒ: (وتطالب أیاشاءت) من زوجها البالغ او الولی الضامن۔
{ الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۷
مطلب فی ضمان المهر }
ومثله فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۸ ص۲۴۴ مسائل واحکام مہر۔

عورت کے ورثاء شوہر سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں

سوال :۔ ایک عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی، طلاق کے بعد اس عورت کا نکاح دیور سے ہوگیا، اب وہ عورت وفات پاگئی ہے تو کیا عورت کے ورثاء دونوں شوہروں سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب :۔ نکاح کرنے کے بعد مہر عورت کا حق بن جاتا ہے جو کسی وقت بھی مطالبہ کرسکتی ہے چونکہ اس عورت نے دو مردوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا ہے لہٰذا اگر دونوں نے اس کی وفات تک حقِ مہر ادا نہ کیا ہو تو ان کے ذمے عورت کا مہر لازمی ہے، اس لیے وفات کے بعد عورت کے ورثاء دونوں سے مطالبہ کرسکتے ہیں ۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ : افاد انّ المہر وجب بنفس العقد ۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۵۸ باب المہر) لہ

مہر عورت کے ورثاء کو دیا جاسکتا ہے

سوال :۔ اگر کوئی عورت شوہر کے گھر فوت ہوجائے اور اُس کے والدین و دیگر رشتہ دار شوہر سے مہر کا مطالبہ کریں تو کیا مہر ورثاء کو دیا جاسکتا ہے یا شوہر ہی اس کا حقدار ہے ؟

الجواب :۔ اگر مہر شوہر کے ذمّے قرض ہو تو بیوی کی وفات کے بعد مہر بطریقہ میراث تقسیم ہوگا جس میں شوہر عورت کی اولاد اور والدین شریک ہیں، اس لیے کل مہر نہ تو شوہر کے پاس رہے گا اور نہ کل مہر عورت کے رشتہ داروں کو دیا جائے گا ۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ : ومنہا الارث من الجانبین جمیعاً لقولہ عزّوجلّ "ولکم نصف ما ترک ازواجکم" الیٰ قولہ عزّوجلّ : "ولہنّ الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بہا او دین" (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۳۲ فصل ومنہا الارث) ۲ہ

لہ قال العلامۃ الکاسانیؒ : المہر فی النکاح الصحیح یجب بالعقد لانہ احداث الملک والمہر یجب بمقابلۃ احداث الملک ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۷ فصل واَمّا بیان ما یجب المہر)

وَمِثْلُہٗ فی فتاویٰ قاضیخان علیٰ ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۳۹۲ فصل فی تکرار المہر ۔

۲ہ قال العلّامۃ المفتی عزیز الرحمٰنؒ : جو مہر ہندہ کا بذمّہ شوہر ہے اس میں نصف شوہر کو پہنچے گا اور نصف ہندہ کے والدین کو ملے گا، زید کو اپنے حصّہ کا اختیار ہے کہ خیرات کردے، والدین کا حصّہ ان کو دینا چاہیئے ۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۸ ص ۲۱۴ فصل اوّل مسائل واحکام مہر)

نابالغ لڑکے کی شادی کے مہر کا حکم

سوال: ایک آدمی نے بچپن میں اپنے لڑکے کی شادی کر دی تو اب بیوی کا حق مہر نابالغ شوہر پر واجب ہوگا یا سُسر پر؟

الجواب: مہر کے وجوب کے لیے بلوغ شرط نہیں اس کا تعلق نکاح سے ہے یعنی جس سے نکاح ہوا ہو اُس کے ذمّے مہر دینا واجب ہے چاہے بالغ ہو یا نابالغ، اگرچہ باپ ضامن بن سکتا ہے۔

وفی الهندیة: واذا زوج ابنه الصغیر امرأة وضمن عنه المهر وکان ذٰلک فی صحته جاز اذا قبلت المرأة الضمان واذا ادّی الاب ذٰلک ان کان الاداء فی حالة الصحة لا یرجع علی الابن بما ادّی استحسانًا الّا اذا کان بشرط الرجوع فی أصل الضمان۔

(الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۳۲۶ الفصل الرابع عشر فی ضمان المهر) لہ

بذریعہ جرگہ طلاق لینے کی صورت میں مہر کا مطالبہ کرنا

سوال: بعض عورتیں گھریلو ناچاقی کی وجہ سے شوہر سے بذریعہ جرگہ وغیرہ طلاق لے لیتی ہیں، تو کیا طلاق لینے کے بعد مہر کا مطالبہ کر سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب: اگر طلاق دیتے وقت شوہر نے مہر معاف کرنے کی شرط لگائی ہو اور عورت نے قبول کر کے شوہر سے طلاق لی ہو تو اُسے مہر کے مطالبہ کا حق نہیں رہتا اور اگر طلاق دیتے وقت ایسی کوئی شرط نہ لگائی گئی ہو اور نہ عورت نے مہر معاف کیا ہو تو مہر اس کا حق ہے اور وہ مطالبہ کر سکتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: افادان المهر وجب بنفس العقد... انما یتاکد لزوم تمامه بالوطء ونحوه (رد المحتار ج ۲ ص۳۵۸ باب المهر) لہ

لہ قال العلامة الحصکفیؒ: (وتطالب ایّا شاءت) من زوجها البالغ او الولی الضامن۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۳۸۷ مطلب فی ضمان الولی المهر)

لہ وفی الهندیة: امرأة قالت لزوجها اخلعنی او قالت خویشتن خریدم فقال الزوج مجیبًا لها انت طالق صار بمنزلة قوله خلعتُ هٰکذا ذکر فی النوازل والفتوٰی علی انه اراد به الجواب یکون جوابًا ولو قال فرختم بیک طلاق ویکون جوابًا بدون النیّة وبعد اسطر... وهل یبرء الزوج عن المهر اختلفوا فیما بینهم قال بعضهم لا یبرأ وهو الاصح۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۴۹۱ الفصل الاول فی شرائط الخلع وحکمه وما یتعلق به)

ومثلهٗ فی فتاوٰی دیوبند ج ۸ ص۲۱۵ مسائل واحکام مهر۔

جبراً مہر معاف کرانا

سوال:۔ اگر کوئی عورت جبر و اکراہ سے یا کسی دباؤ میں آکر حق مہر معاف کر دے تو کیا مہر معاف ہو جائے گا؟

الجواب:۔ بتقاضائے نصِ قرآنی مہر کی معافی کے لیے طیب نفس کا ہونا ضروری ہے جبر و اکراہ کے ساتھ معاف کرانے سے مہر معاف نہیں ہوتا۔

لقوله تعالیٰ: فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا۔

(سورۃ النساء آیت ۴) [1]

مقدارِ مہر میں اختلاف کا پیدا ہونا

سوال:۔ اگر کبھی میاں بیوی کے درمیان مہر کی مقدار میں اختلاف ہو جائے اور شرعی دلیل کسی کے پاس نہ ہو تو دونوں میں سے کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب:۔ نکاح کے معاملے میں اصل مہر مثل ہے، جب میاں بیوی کا مقدارِ مہر میں اختلاف پیدا ہو جائے اور دلیل کسی کے پاس نہ ہو تو اس متنازع صورت میں فیصلہ مہر مثل پر ہوگا۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وقالا يقضي بمهر المثل لحال حياة وبه يفتي۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۹۳ باب المهر) [2]

عدالت کے ذریعے مہر کم کروانا

سوال:۔ اگر کوئی شخص مفلس ہو اور بوقتِ نکاح لڑکی والوں نے مہر زیادہ مقرر کر دیا ہو، تو اب اگر وہ عدالت کے ذریعے مہر کو کم کروانا چاہے تو کروا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مہر کا تقرر میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے ہوتا ہے، تقرری کے بعد

---

[1] قال الشيخ المفتي محمد شفيع رحمه الله: دورِ حاضر میں چونکہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مہر ملنے والا نہیں ہے، اگر سوال کروں یا معاف نہ کروں تو بد دلی یا بدمزگی پیدا ہوگی، اس لیے بادلِ نخواستہ معاف کر دیتی ہیں، اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں۔ (معارف القرآن ج۲ ص۲۹۸ سورۃ النساء)

[2] وفي الهندية: اذا اختلف الزوجان في قدر المهر حال قيام النكاح عند ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ يحكم مهر المثل۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۳۱۹ الفصل الثاني عشر في اختلاف الزوجين في المهر)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۳۰۵ فصل واما حكم اختلاف الزوجين في المهر۔

جب مہر ایک مرتبہ متاکد ہو جائے تو بیوی کی رضامندی کے بغیر عدالت یا کوئی جرگہ وغیرہ نہ تو مہر کم کرا سکتے ہیں اور نہ ختم کر سکتے ہیں، شوہر پر اس کی ادائیگی لازم ہے۔

قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: فالمھر یتاکد باحد معانٍ ثلاثۃ ..... لایسقط بعد ذلک الا بالابراء۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۹۱ فصل بیان ما یتاکد بہ المھر) [۱]

تاجیل و تعجیلِ مہر میں عرف کا اعتبار ہے

سوال:۔ اگر بوقتِ نکاح مہر کی تاجیل و تعجیل کا کوئی ذکر نہ ہوا ہو تو کیا عورت مہر فوراً لینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب: جس مہر کی تاجیل و تعجیل کا ذکر بوقتِ انعقادِ نکاح نہ ہو تو اس صورت میں مہر عرف کا تابع ہو کر جتنا مال مؤجل دیا جاتا ہے تو اتنی مقدار میں عورت حقِ مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ولھا منعہ عن الوطء والسفر بھا ولو بعد وطءٍ وخلوۃ رضیتھما لاخذ مابین تعجیلہ او قدر مایعجل لمثلھا عرفاً وان لم یؤجل قال الحصکفیؒ: بہ یفتی لان المعروف کالمشروط۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۶۹ باب المھر) [۲]

رخصتی سے قبل شوہر کی وفات پر عورت پورے مہر کی حقدار ہے

سوال:۔ اگر کسی عورت کا شوہر رخصتی سے قبل وفات پا جائے تو کیا عورت پورے مہر کی حقدار ہوگی یا نہیں؟

---

[۱] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: واما المسمی فانما قام مقامہ للتراضی بہ ثم عرف المھر فی العنایۃ بانہ اسم للمال الذی یجب فی عقد النکاح علی الزوج فی مقابلۃ البضع اما بالتسمیۃ او بالعقد۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۵۷ باب المھر)

ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۳۰۳ الفصل الثانی فیما یتاکد بہ المھر والمتعۃ۔

[۲] قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: اذا کان المھر معجلاً بان تزوجھا علی صداق عاجل او کان مسکوتاً عن التعجیل والتاجیل لاحکم المسکوت حکم المعجل لان ھذا عقد معاوضۃ فیقتضی المساواۃ من الجانبین والمرأۃ لمیت حق الزوج فیجب ان یعین الزوج حقھا وانما یتعین بالتسلیم۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۸۸ فصل واما بیان مایجب بہ المھر و بیان وقت وجوبہ)

الجواب:۔ موت ایک ایسا حادثہ ہے کہ جس کی وجہ سے مہر متأکد ہو جاتا ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر رخصتی سے قبل کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت بوقتِ نکاح مقرر کردہ پورے مہر کی حقدار ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویتأکد عند وطء او خلوۃ صحت من الزوج او موت احدھما۔ الخ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المختار ج۲ ص۳۵۸ باب المہر)[1]

بیٹی کے حقِ مہر کی رقم سے جہیز کا سامان خریدنا

سوال: بعض علاقوں میں رواج ہے کہ باپ بیٹی کا مہر لے کر اُس سے بیٹی کے لیے جہیز کا سامان خریدتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ مہر کی رقم سے بیٹی کے لیے جہیز کا سامان خریدنا جائز ہے اور یہ سامان لڑکی کی ذاتی ملکیت تصور ہوگا، باپ کے اس قبضے سے شوہر کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

قال ابن عابدینؒ: وفیھا قبض الاب المھر وھی بالغۃ اولا وجھزھا او قبض مکان المھر عینا لیس لھا ان لا تجیز لان ولایۃ قبض المھر الی الاباء وکذا التصرف فیھا۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۰۸ باب المھر قبیل باب النکاح الرقیق)[2]

جہیز کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل ہم اکثر لوگوں سے یہ الفاظ سنتے رہتے ہیں کہ جہیز کی لعنت ہمارے سروں پر سوار ہے۔ تو کیا واقعی ایک لعنت ہے؟ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایک باپ جب اپنی بیٹی کے لیے کہیں شادی کا ارادہ رکھتا ہو تو سنت یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق کچھ نہ کچھ سامان بیٹی کو جہیز میں دینا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو شادی کے موقع پر جہیز دیا تھا۔ تاہم اپنی وسعت سے زیادہ کام کرنا مناسب نہیں۔

---

[1] قال فی الھندیۃ: والمھر یتأکد باحد معان ثلاثۃ الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۳۰۳ الفصل الثانی فیما یتأکد بہ المھر والمتعۃ)

[2] قال العلامۃ المفتی عزیز الرحمٰنؒ: لڑکی کے سامان کے لیے باپ کو مہر کا کچھ حصہ لے کر اس میں صرف کرنا جائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۸ ص۲۴۳ مسائل و احکام مہر)

عن عليؓ: انّ رسول الله صلی الله علیه وسلم: لما زوّجه فاطمةؓ بعث معها بخميلة ووسادة أدمٍ حشوها ليف ورحائين وسقائين ...... الحديث (الاصابة ج۴ ص۳۷۹)

حضرت علیؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں جب نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کی شادی میرے ساتھ کی تو جہیز میں ساتھ ایک چادر اور ایک گدا جس کے اندر کھجور کے پتے بھرے تھے اور ۲ دو چکیاں اور ۲ دو مشکیں بھیجی تھیں۔ (امداد الاحکام جلد ۲ ص۳۷۱ باب المہر) ۱

جہیز کے سامان کی ملکیت کا حکم

سوال:- لڑکی کے والدین جو جہیز کا سامان اپنی بیٹی کو شادی کے موقع پر دیتے ہیں، یہ سامان کس کی ملکیت ہے؟ لڑکی کی یا شوہر کی؟

الجواب: یہ تو جہیز کا سامان دینے والے کی نیّت پر موقوف ہے، اگر اُس نے لڑکے کو دیا ہو تو اس کی ملکیت ہے اور اگر لڑکی کو دیا ہو تو اُس کی ملکیت ہے۔ چونکہ یہ سامان لوگ عموماً اپنی بیٹی کو دیتے ہیں اسلئے عدم نیّت کی صورت میں یہ سامان لڑکی کا متصور ہوگا۔

قال فی الهندیة: لو جهز ابنته وسلمه الیها لیس له فی الاستحسان استردادہ وعلیه الفتوٰی..... واذا بعث الزوج الی اهل زوجته اشیاء عند زفافها منها دیباج فلمّا زفت الیه اراد ان یسترد من المرأة الدیباج لیس له ذٰلك اذا بعث الیها علی جهة التملیك کذا فی الفصول العمادیة۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جهاز البنت) ۲

---

۱ عن علیّ رضی الله عنه قال: جهّز رسول الله صلی الله علیه وسلم فاطمةؓ فی خمیل وقربة ووسادة حشوها اذخر۔ (سنن النسائی ج ۲ ص۹۲ جهاز الرجل ابنته)

۲ وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله: "سئل" فیما اذا زوّج ابنته البالغة وجهّزها بجهاز سلمه منها فی صحتهما ثمّ ماتا عنها وعن ورثة غیرها یریدون قسمة الجهاز بینهم مع البنت فهل لیس له ذٰلك. الجواب "نعم"

(تنقیح الحامدیة ج ۱ ص۲۶ مسائل الجهاز)

ومثله فی جامع الفصولین جلد ۱ ص۱۹۲ فی الفصل العشرون فی دعوی النکاح۔

مہر معاف کرنے کے بعد دوبارہ مطالبہ کرنا

سوال:۔ یہاں ہمارے گاؤں میں ایک عورت نے شوہر کو اپنا حق مہر معاف کر دیا تھا، اب کسی گھریلو ناچاقی کی وجہ سے نوبت طلاق تک پہنچ گئی ہے، تو کیا یہ عورت دوبارہ اپنے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کوئی عورت برضا و رغبت ایک مرتبہ اپنا حق مہر معاف کر دے تو اس کو دوبارہ مطالبہ کا حق حاصل نہیں رہتا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں عورت کا دوبارہ مطالبہ کرنا صحیح نہیں۔

وفی الهندیة:۔ للمرأة ان تهب مالها لزوجها من صداق دخل بها زوجها أولم يدخل وليس لاحد من اوليائها اب ولا غيره الاعتراض عليها۔ (الفتاوی الهندیة ج۸ ص۳۱۶ الباب السابع فی المهر الفصل العاشر فی هبة المهر)[۱]

مہر معاف کرنے پر اولیاء کا اعتراض کرنا

سوال:۔ کیا عورت اپنے شوہر کو حق مہر معاف کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتی ہے تو کیا معاف کرنے کے بعد عورت کے باپ یا دیگر رشتہ داروں کا اعتراض معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی میں عورت اپنے مہر کی خود مالکہ ہے وہ اسکو جس طرح استعمال کر سکتی ہے چاہے شوہر کو معاف کرے یا کسی اور کو ہدیہ دیدے، باپ یا کسی اور رشتہ دار کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔

وفی الهندیة: للمرأة ان تهب مالها لزوجها من صداق دخل بها زوجها اولم يدخل وليس لاحد من اوليائها اب ولا غيره الاعتراض عليها۔ (الفتاوی الهندیة ج۸ ص۳۱۶ الباب السابع فی المهر الفصل العاشر فی هبة المهر)[۲]

خلوتِ صحیحہ کے بعد نامرد شوہر کامل مہر دے گا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں چند سال قبل ایک لڑکے کی شادی ہوئی، شادی کے بعد وہ نامرد ثابت ہوا جبکہ عورت نے رات کے وقت اپنے آپ کو

---

[۱] و [۲] قال العلامة الحصكفی رحمه الله: (وصح حطها) لكله او بعضه (عنه) قبل او لا الخ
قال العلامة ابن عابدين رحمه الله:۔ تحت هذه العبارة (وصح حطها) وقيد بحطها لان حط ابيها غير صحيح لو صغيرة ولو كبيرة توقف على اجازتها ولا بد من رضاها۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج۳ ص۱۱۳ باب المهر، مطلب فی حط المهر والابراء منه)
ومثله فی الهداية ج۲ ص۳۰۵ باب المهر۔

شوہر کے حوالے کر دیا تھا، تو کیا اب طلاق کے بعد عورت کو نصف مہر ملے گا یا کامل؟

الجواب:۔ مہر کی تاکید صرف دخول پر موقوف نہیں بلکہ عورت کا اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرنے پر بھی مہر مؤکد ہو جاتا ہے، صورتِ مسئولہ میں چونکہ عورت نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کیا ہے اس لیے وہ کامل مہر کی حقدار ہے۔

وفی الهندیة: وخلوة المجبوب خلوة صحیحة عند ابی حنیفة وخلوة العنین والخصی خلوة صحیحة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۳۰۵ الباب السابع فی المهر، الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر والمتعة) [1]

تجھے خُلع دیا ہے، سے سقوطِ مہر کا حکم

سوال:۔ اگر شوہر اپنی بیوی سے یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھے خلع دیا ہے مگر عوضِ خلع ذکر نہیں کیا، اور عورت اس کو قبول کرلے تو کیا اس سے مہر ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ خلع سے چونکہ میاں بیوی کے حقوق ساقط ہو جاتے ہیں، اب اگر عورت نے اپنا مہر وصول نہ کیا ہو تو خلع قبول کر لینے سے اس کا حقِ مہر شوہر کے ذمّے سے ساقط ہو جائے گا اور اگر وصول کیا ہو تو اس خلع کے عوض کچھ لازم نہ ہوا اور نہ عورت پر مہر واپس کرنا لازم ہے اسلئے کہ سوال میں بدلہ خلع مذکور نہیں۔

وفی الهندیة: واذا خالعها علی مالٍ مسمی معروف سوی الصداق فان کانت المرأة مدخولاً بها والمهر مقبوضاً فانها تسلم الی الزوج بدل الخلع ولا یتبع احدهما صاحبه بعد الطلاق بشیءٍ وان کان المهر غیر مقبوض فالمرأة تسلم الی الزوج بدل الخلع ولا ترجع علی الزوج بشیءٍ من المهر الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۴۸۹ الباب الثامن فی الخلع ... الخ) [2]

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغیناني رحمه الله: واذا خلا المجبوب بامرأته ثم طلّقها فلها کمال المهر عند ابي حنیفة رح وقال علیه نصف المهر لانه اعجز من المریض بخلاف العنین.....لان الحکم ادیر علی سلامة الآلة۔ الخ

(الهدایة ج۲ ص۳۰۶ باب المهر)

ومِثلُهٗ فی الدر المختار مع رد المحتار ج۳ ص۱۱۸،۱۱۷ باب المهر۔ مطلب فی احکام الخلوة۔

[2] قال العلامة قاضیخان رح: واما حکم المهر فان کانت المرأة مدخولة فقد قبضت المهر یلزمها البدل ولا یرجع احدهما علی صاحبه بشیءٍ فی قولهم۔ (فتاویٰ قاضیخان ج۲ ص۲۵۶ باب الخُلع)

ومِثلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۲ ص۱۰۱ الفصل الثالث فی الخُلع۔

لڑکے والوں سے شادی کا خرچہ لینا

سوال:۔ بعض لوگ لڑکی کا رشتہ دیتے کے بعد لڑکے والوں سے مختلف رسومات کے نام پر شادی کا خرچہ وغیرہ لیتے ہیں، تو کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ عقدِ نکاح میں لڑکی دینے کی وجہ سے لڑکے یا اس کے رشتہ داروں سے رسومات کے بہانے شادی بیاہ کا خرچہ لینا ناجائز اور حرام ہے، اگر پیسے لیے ہوں تو واپس کرنا لازمی ہے، تاہم اس سے نکاح متاثر نہیں ہوتا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله : ومن السحت ما یأخذہ الصهر من الختن بسبب بنته بطیب نفسه حتی لو کان بطلبه یرجع الختن۔

(ردّ المحتار ج ۵ ص۳۰۱ کتاب الخطر والاباحۃ، فصل فی البیع) [۱]

حق مہر کی قسمیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مہر کی کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں حق مہر کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:۔

(۱) **مہر مسمیٰ:** یہ وہ مہر ہے جو زوجین یا ان کے وکلاء نکاح کرتے وقت باہمی رضامندی سے مقرر کرتے ہیں۔

(۲) **مہر مثل:** یہ وہ مہر ہے جو عورت کے خاندان کی دیگر عورتوں مثلاً سگی بہنوں، پھوپھیوں اور چچازاد بہنوں کے مہر کے برابر مقرر کیا جائے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اصل مہر، مہرِ مثل ہے۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی : المهر عند الفقهاء نوعان مهر مسمیٰ ومهر مثل۔ اما المهر المسمیٰ فهو ما سمی فی العقد او بعد بالتراضی ..... اما مهر المثل فقد حدد الحنفیة بانه مهر امرأة تماثل الزوجة وقت العقد من جهة ابیها لا امها ان لم تکن من قوم ابیها کاختها وعمتها وبنت عمها فی بلدها وعصرها۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج ۷ ص۲۶۶ رابعاً انواع المهر)

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ : اخذ اهل المرأة شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یسترده لانه رشوة۔
(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص۳۹۷ مطلب انفق علیٰ معتدة الغیر)
ومثله فی الهندیة ج ۱ ص۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جهاز البنت۔

حق مہر خاوند کے ذمّہ واجب ہے

سوال:۔ نکاح باندھتے وقت اگر بالغ لڑکے کا باپ حق مہر میں مقرر شدہ مال کی ادائیگی کا وعدہ کرے مگر نا داری اور غربت کی وجہ سے ادا نہ کر سکے تو کیا خاوند کے ذمّے مہر دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صراحتاً یا عرفاً لڑکے کی طرف سے اجازت کی صورت میں مذکورہ حق مہر اس کے ذمہ واجب الاداء ہے، حقِ مہر کی ادائیگی کا اصل ذمہ دار خاوند ہے، تاہم اگر باپ نے بیٹے کی جگہ حق مہر میں کوئی چیز دے دی تو وہ حق مہر شمار ہوگا خاوند پر دوبارہ ادائیگی ضروری نہیں، اور اگر باپ وعدہ کرکے نہ دے سکے تو خاوند پر لازمی ہے کہ مقرر شدہ حق مہر ادا کرے۔

قال ابن نجیمؒ: أما ولی الزوج الکبیر فھو وکیل عنه کالاجنبی وکالته علیه وکالة استحبابٍ وحکم ضمان مھرہ کحکم ضمان الاجنبی فان ضمن عنه باذنه رجع والافلا۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۱۶۵ باب المھر) [1]

حق مہر کے بغیر نکاح کا حکم

سوال:۔ نکاح کے انعقاد کے وقت اگر ایجاب وقبول کے دوران حق مہر مقرر مقرر نہ کیا جائے تو کیا اس صورت میں نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حقِ مہر کا تقرر ضروریاتِ نکاح میں سے ہے رُکن نہیں، لہٰذا اگر مجلسِ نکاح میں گواہوں کے سامنے شرعی طریقہ پر نکاح پڑھا یا گیا ہو تو اگرچہ اس میں مہر کا ذکر نہ کیا جائے تب بھی نکاح درست ہے لیکن خاوند کے ذمہ دخول کے بعد مہرِ مثل کی ادائیگی لازم ہے۔

قال ابن نجیمؒ: (تحت قول الماتن) صح النکاح بلاذکرہ لأن النکاح عقد انضمام وازدواج لغة فیتم بالزوجین ثم المھر واجب شرعاً إبانة لشرف المحل فلا یحتاج إلی ذکرہ لصحة النکاح .... وذکر الأکمل والکمال أنه لاخلاف لاحد فی صحته بلا ذکر المھر۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۱۴۲ باب المھر) [2]

---

[1] قال فی الھندیة: ویرجع الولی بعد الأداء علی الزوج إن ضمن بأمرہ ھٰکذا فی التبیین۔
(الفتاوی الھندیہ ج ۱ ص۳۲۶ الفصل الرابع عشر فی ضمان المھر)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۲۱ باب المھر مطلب فی ضمان الولی المھر۔

[2] قال العلامة العثمانیؒ: عن علقمة قال أتی عبد اللہ فی إمرأة تزوجھا رجل ثم مات عنھا ولم یفرض لھا صداقا ولم یکن دخل قال فاختلفوا إلیه فقال أری لھا مثل مھر نسائھا ثم ذکر أن معقل بن سنان الأشجعی شھد أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قضی فی واقعة مثل ما قضیت۔ رواہ الخمسة وصححه الترمذی۔ (اعلاء السنن ج۱۱ ص۸۷) وقال فی الھندیة: وان تزوجھا ولم یسم لھا مھرا أو تزوجھا علی أن لا مھر لھا فلھا مھر مثلھا إن دخل بھا أو مات عنھا۔
(الفتاوی الھندیة ج ۱ ص۳۰۴ الفصل الثانی فیما یتأکد به المھر والمتعة)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۷۴ فصل ان لا یکون مجھولا جھالة۔

مقرر شدہ حق مہر میں اضافہ کرنا جائز ہے

سوال:۔ اگر خاوند کی طرف سے مقرر شدہ حق مہر میں کوئی اضافہ ہو جائے تو کیا عورت اس اضافے کی حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حق مہر میں اضافہ اور کمی دونوں شرعاً جائز ہیں اس لیے بیوی کے قبول کرنے کی صورت میں خاوند کی طرف سے مقرر شدہ مہر میں اضافہ درست اور نافذ ہے اور عورت اس کی مالکہ متصور ہوگی۔

قال فی الھندیۃ: الزیادۃ فی المھر صحیحۃ حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثۃ۔ کذا فی المحیط: فاذا زادھا فی المھر بعد العقد لزمتہ الزیادۃ۔ کذا فی السراج الوھاج: ھذا اذا قبلت المرأۃ الزیادۃ سواء کانت من جنس المھر أولا من زوج أو من ولی کذا فی النھر الفائق۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۳۱۲ الفصل السابع فی الزیادۃ فی المھر۔ الخ)[1]

خاوند سے حق مہر کے علاوہ لیے گئے مال کا حکم

سوال:۔ شادی سے پہلے لڑکی والوں کا لڑکے سے حق مہر کے علاوہ کچھ روپیہ وغیرہ لینا شرعاً کیسا ہے؟ کیا لڑکا شادی کے بعد یا پہلے اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شادی سے پہلے لڑکی کے والدین یا دوسرے اولیاء کے لیے حق مہر کے علاوہ لڑکے سے نقدی یا جنس کی شکل میں کچھ لینا حرام اور ناجائز ہے ایسا مال لڑکے کی ملکیت ہے اور وہ کسی وقت بھی اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: اخذ اھل المرأۃ شیئاً عند التسلیم فللزوج أن یستردہ لانہ رشوۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۶ آخر باب المھر)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: ودل وضع المسئلۃ علی جواز الزیادۃ فی المھر بعد العقد وھی لازمۃ لہ بشرط قبولھا فی المجلس علی الأصح۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۴۸ باب المھر)

[2] قال فی الھندیۃ: ولو اخذ اھل المرأۃ شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یستردہ لأنہ رشوۃ۔ (الفتاوی الھندیہ ج ۱ ص ۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جھاز البنت)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۱۸۶، ۱۸۷ باب المھر۔

حصولِ مہر کیلئے عورت اپنے آپ کو خاوند سے روک سکتی ہے

سوال :۔ حق مہر حاصل کرنے کے لیے عورت اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنے سے روک سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ اگر خاوند بیوی کو مہر معجل ادا نہ کرے تو مہر کے حصول کے لیے عورت اپنے آپ کو اُس وقت تک خاوند سے روک سکتی ہے جب تک وہ اُسے مہر ادا نہ کر دے۔

قال فی الهندية : فی کل موضع دخل بها أو صحت الخلوة وتأکد کل المهر لو أرادت أن تمنع نفسها لاستيفاء المعجل لها ذلك عنده خلافاً لهما ..... وقبل تسليم النفس لها ذلك بالاجماع۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۳۱۷ الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها بمهرها) [۱]

حق مہر قسط وار ادا کرنا جائز ہے

سوال :۔ اگر مہر کی مقدار زیادہ ہو کہ خاوند کیلئے یکمشت ادا کرنا مشکل ہو تو کیا اس کیلئے قسط وار ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ اگر عقدِ نکاح کے وقت تمام مہر یا بعض کا مؤجل یا معجل (یکمشت یا قسط وار) دینے کا فیصلہ ہوا ہو تو اس کے موافق عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال الحصکفیؒ :۔ ان لم یؤجل أو یعجل کله فکما شرط لأن الصریح یفوق الدلالة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۱۴۴ مطلب زمان الولی) [۲]

---

[۱] قال ابن عابدين رحمه الله : تحت قول الماتن ولها منعه من الوطأ وکذ الولی الصغيرة المنع المذکور حتی یقبض مهرها۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۱۴۳ مطلب فی منع الزوجة نفسها لقبض المهر)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۸ فصل یجب به المهر۔

[۲] قال فی الهندية : وإن بينوا قدر المعجل یعجل ذلك وان لم یبينوا شيئاً ینظر إلی المرأة والی المهر المذکور فی العقد أنه کم یکون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر فیجعل ذلك معجلا ولا یقدر بالربع ولا بالخمس وإنما ینظر الی المتعارف وان شرطوا فی العقد تعجیل کل المهر یجعل الکل معجلاً ویترك العرف۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۳۱۸ الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۱۷۸ باب المهر۔

تقلیلِ مہر مندوب ہے

سوال:۔ مہر میں کیا معیار ہونا چاہیئے، بعض علاقوں میں زیادہ مہر مقرر کرنا بڑائی اور عظمت وشرافت کی علامت سمجھا جاتا ہے جبکہ کئی علاقوں میں تقلیلِ مہر ثواب سمجھا جاتا ہے؟

الجواب:۔ لڑکے کی مالی حالت کو مدِنظر رکھ کر مہر مقرر کرنا چاہیئے، اگر لڑکے کی غربت معلوم ہونے کے باوجود زیادہ مہر مقرر کردیا جائے تو یہ لڑکے پر بےجا بوجھ لادنے کے مترادف ہے تاہم زیادہ سے زیادہ کے لیے کوئی خاص حد مقرر نہیں پھر بھی مہر ایسا ہونا چاہیئے جس کی ادائیگی لڑکے کے دائرہ اختیار میں ہو۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن أعظم النکاح برکة أیسرہ مؤنة ۔رواہ احمد (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۸۹ کتاب النکاح)[1]

تحدیدِ مہر جائز نہیں

سوال:۔ کیا حاکم وقت یا علاقے کے بڑوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مہر کثیر کی حد مقرر کریں کہ مثلاً کوئی بھی دس ہزار روپے سے زیادہ مہر نہیں باندھ سکتا، اور یہ اسلئے کیا جائے کہ لوگ مغالاۃ فی المہور (مہروں میں زیادتی) سے باز آجائیں؟

الجواب:۔ مہر کی حد اکثر اور تحدید قرآن وحدیث کی کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ بعض آیاتِ کریمہ سے تکثیر اور بعض دلائل سے اس کا اطلاق معلوم ومفہوم ہوتا ہے، لہٰذا حاکم وقت یا اہل حل وعقد کیلئے جائز نہیں کہ وہ مہر کی تحدید کریں، تاہم ذرائع ابلاغ بطورِ علم ووعظ عوام کے اندر اسکی تقلیل کی مسنونیت پر ترغیب دیں اور صاحبِ اقتدار طبقہ، علماء وحکام اس کا عملی نمونہ پیش کریں۔

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۝ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ ۔(سورۃ النساء)[2]

---

[1] وعن عائشة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال إن من یمن المرأۃ تیسر خطبتها وتیسر صداقها وتیسر رحمها، اخرجه الحاکم وغیرہ بسند حسن قاله الالبانی، (سلسلة الاحادیث الضعیفة ج ۳ ص ۲۴۴)

ومثلہ رواہ احمد واصحاب السنن الاربعہ والدارمی عن عمر رضی اللہ عنہ ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۷۷)

[2] قال الشیخ وھبة الزحیلی: وقد نبهت إمرأۃ إلی ھذہ الآیة حینما اراد عمر بن الخطاب تحدید المھور فنھی ان یزاد فی الصداق علی اربعمأۃ درھم وخطب الناس فیه..... فقالت له امرأۃ من قریش بعد نزوله من علی المنبر لیس ذلك الیك یا عمر فقال ولم؟ قالت لأن اللہ تعالیٰ یقول وآتیتم احداھن قنطارا فلا تأخذوا منه شیئا أتأخذونه بھتانا واثما مبینا، فقال عمر رض امرأۃ اصابت ورجل أخطأ ۔ ورواہ ابو یعلی فی الکبیر فقال اللھم غفرا کل الناس أفقه من عمر ثم رجع فرکب المنبر فقال أیھا الناس انی کنت نھیتکم أن تزیدوا النساء فی صدقاتھن علی اربعمأۃ درھم فمن شاء أن یعطی من ماله ما أحب۔ (الفقه الاسلامی وادلته، ج ۷ ص ۲۵۶)

ومثله فی الفتاویٰ الاسلامیة ج ۲ ص ۳۳۳ وابحاث ھیئة کبار العلماء ج ۲ ص ۳۰۹

جہیز کس کا حق ہے؟

سوال:۔ شادی کے وقت جو مال، سامان وغیرہ والدین لڑکی کے ساتھ اُس کے شوہر کے گھر بھیجتے ہیں یہ کس کا حق ہے؟ شوہر کا یا بیوی کا؟

الجواب:۔ والدین کی طرف سے شادی کے وقت جو سامان وغیرہ لڑکی کو دیا جاتا ہے اس کی اصل حقدار لڑکی ہی ہے خاوند کا اُس سامان کے ساتھ کچھ تعلق واسطہ نہیں۔

قال فی الهندية: لو جهز ابنته وسلمه اليها ليس له فی الاستحسان استرداده منها و عليه الفتوى۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جهاز البنت) [1]

مُطلّقہ مہر کی حقدار ہے

سوال:۔ ایک آدمی نے اپنی مدخولہ بیوی کو فاحشہ ہونے کی وجہ سے طلاق دے دی، تو کیا یہ عورت اب مہر کی حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دخول سے مہر مؤکد ہو جاتا ہے اس لیے بعد ازاں طلاق دینے سے حق مہر پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مطلقہ عورت شرعاً مہر کی حقدار ہے طلاق خواہ کسی بھی وجہ سے دی گئی ہو۔

قال فی الهندية: والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة، الدخول والخلوة الصحيحة وموت احد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شئ بعد ذلك الا بالابراء من صاحب الحق۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۰۴ الباب السابع فی المهر) [2]

خاوند کے مرنے کے بعد بھی بیوہ مہر کی حقدار ہے

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ رسم ہے کہ اگر خاوند مر جائے اور اُس کی بیوہ کسی دوسری جگہ شادی کرے تو اس کو پہلے خاوند سے مہر نہیں دیا جاتا کیا یہ شرعاً درست ہے؟

---

[1] قال العلامة الحصكفیؒ: جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد ولا لورثته بعده ان سلمها ذلك فی صحته بل تختص به۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۱۶۵ مطلب انفق علیٰ معتدة الغير)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۸۷ باب المهر۔

[2] قال الحصكفیؒ: ويتأكد عند وطأ او خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۱۰۲ باب المهر)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۴۳ باب المهر۔

الجواب: نکاح کے انعقاد کے بعد خاوند کے فوت ہو جانے سے بیوی کا حق مہر مؤکد ہو جاتا ہے اسلئے بیوہ مہر کی حقدار ہے خواہ وہ دوسری جگہ شادی کرے یا نہ کرے۔

قال فی الہندیۃ: والمہر یتأکد باحد معان ثلاثۃ الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین سواء کان مسمی او مھر المثل حتی لا یسقط منہ شئ بعد ذلک الا بالابراء من صاحب الحق۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۳۰۴ الباب السابع فی المہر) [۱]

طلاق قبل الدخول میں مہر کی مقدار

سوال: ایک منکوحہ عورت کو رخصتی سے پہلے طلاق دی گئی تو یہ عورت کتنے مہر کی حقدار ہے؟

الجواب: اگر کسی منکوحہ عورت کو خلوتِ صحیحہ اور جماع سے پہلے طلاق دی جائے تو وہ عورت مقررشدہ مہر کے نصف کی حقدار ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویجب نصفہ بطلاق قبل وطء او خلوۃ فلو کان علی ما قیمتہ خمسۃ کان لہا نصفہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۱۰۴ باب المہر) [۲]

مہر دینے کے لیے باپ کا بیٹے کی طرف سے ضامن ہونا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کا باپ گواہوں کے سامنے بیٹے کے حق مہر کی ادائیگی کا وعدہ کرے، اور گواہوں کے سامنے دستخط بھی کردے تو بیٹے کی وفات کی صورت میں لڑکی یا اُسکے والدین لڑکے کے باپ سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مذکورہ میں باپ بیٹے کی طرف سے مہر کا ضامن ہے، اگر عورت مہر معاف نہیں کرتی تو اس کے شوہر کے انتقال کے بعد عورت یا اس کے والدین لڑکے کے باپ سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وتطالب ای شاءت من زوجہا البالغ او الولی الضامن۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۷ باب المہر) [۳]

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویتأکد عند وطء او خلوۃ صحت من الزوج او موت احدھما۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۱۰۲ باب المہر۔ ومثلہ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۱۴۳ باب المہر۔

[۲] قال النسفیؒ: وبالطلاق قبل الدخول یتنصف۔ (کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق ج ۳ ص ۱۴۴ باب المہر)

[۳] قال العلامۃ المرغینانیؒ: واذا ضمن الولی المہر صح ضمانہ ثم المرأۃ بالخیار فی مطالبتہا زوجہا او ولیہا الخ۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۳۱۳ باب المہر)

باب الاولیاء والاکفاء

(ولایت اور کفو کے مسائل واحکام)

قریشی سادات کے کفو ہیں

سوال:۔ کیا غیر سید قریشی سادات کے کفو ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ قریش کے جملہ خاندان یعنی شعوب آپس میں برابر ہیں کسی کو دوسرے پر نکاح کے معاملے میں کوئی فوقیت حاصل نہیں، اس لیے قریشی سادات کا نکاح غیر سید قریشی سے جائز ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قول الحصکفیؒ) فقریش بعضہم اکفاء بعض اشار بہ الی انہ لاتفاضل فیما بینہم من الہاشمی والنوفلی والتیمی والعدوی وغیرہم ولھذا ازوج علی وھو ھاشمی ام کلثوم بنت فاطمۃ لعمر وھو عدوی۔ (ردّ المحتار ج۳ ص۸۶ باب الاکفاء) [1]

غیر عالم کا عالم دین کی لڑکی سے نکاح کرنا

سوال:۔ کسی عالم دین یا پیش امام کی لڑکی سے غیر عالم کا نکاح کرنا کیسا ہے؟ کیا جاہل آدمی عالم دین کی بیٹی کا کفو ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ علم یا جہالت کفو بننے کی صفات نہیں، اس لیے اگر کفایت کے دیگر اقسام موجود ہوں تو ولی کی رضامندی سے غیر عالم عالم دین کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے۔

قال العلامہ الکاسانیؒ:۔ لأن فی الکفاءۃ حقًا للاولیاء لانہم ینتفعون بذلک .... ولوکان التزویج برضاھم یلزم حتی لایکون لہم حق الاعتراض۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۸ فصل فی النکاح الذی الکفاءۃ) [2]

---

[1] قال فی الھندیۃ: فقریش بعضہم اکفاء لبعض کیف کانوا حتی ان القریشی الذی لیس بھاشمی کفاء للھاشمی۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۹۰ الباب الخامس فی الاکفاء)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۳ ج۳ ص۱۳۰ فصل فی الاکفاء۔ وبدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۹۔

[2] قال ابن نجیمؒ: تحت قول النسفیؒ ورضاء البعض کالکل أی ورضاء بعض الاولیاء المستوین فی الدرجۃ کرضاء کلہم حتی لایتعرض أحد منہم بعد ذلک۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۹ باب الاولیاء والاکفاء)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب الاولیاء۔

فاسق لڑکے کو صالح سمجھ کر رشتہ دینا

سوال:۔ ایک شخص نے بے دین لڑکے کو صالح سمجھ کر اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کردیا، نکاح کے بعد لڑکے کا فسق معلوم ہوا، تو اب نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر لڑکی نے بالغ ہونے کے بعد اس نکاح پر ناراضگی کا اظہار کیا ہو اور لڑکی کے خاندان کے اکثر افراد صالح ہوں تو یہ نکاح باطل ہے، دونوں کے درمیان تفریق کی جائے گی۔

قال ابن عابدینؒ: تحت قوله ان عرف لایصح النکاح) زوج بنته الصغیرة ممن ینکر انه یشرب مسکراً فاذا هو مدمن له فقالت لا أرضی بالنکاح ای بعد ما کبرت ان لم یکن یعرفه الأب بشربه وکان غلبة اهل بیته صالحین فالنکاح باطل لانه انما زوج علیٰ ظن انه کفء اھ۔ (ردّ المحتار ج۳ ص۶۷ باب الاولیاء) [۱]

غیر سیّد کا سیّد زادی سے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ کسی غیر سید کا نکاح سید زادی سے ہوسکتا ہے؟

الجواب:۔ اگر سیّدہ لڑکی کا باپ کسی غیر سید لڑکے کو رشتہ دینے میں عار محسوس نہیں کرتا ہو اور لڑکی بھی راضی ہو تو سیّد زادی کا نکاح غیر سید لڑکے سے کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

قال ابن نجیمؒ: تحت قول النسفیؒ (ورضاء البعض کالکل) أی ورضاء بعض الاولیاء المستوین فی الدرجة کرضاء کلهم حتیٰ لایتعرض احد منهم بعد ذٰلك۔

(البحر الرائق ج۳ ص۱۲۹ فصل فی الاکفاء) [۲]

---

[۱] قال فی الهندیة: رجل زوج ابنته الصغیرة من رجل علیٰ ظن انه صالح لایشرب الخمر فوجده الأب شریباً مدمنا وکبرت الابنة فقالت لا أرضی بالنکاح إن لم یعرف أبوها یشرب الخمر وغلبة اهل بیته الصالحون فالنکاح باطل وهٰذه المسئلة بالاتفاق کذا فی الذخیرة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۹۱ الباب الخامس فی الاکفاء)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۳۵ فصل فی الاکفاء۔

[۲] قال العلامة الکاسانیؒ: لأن فی الکفاءة حقا للاولیاء لأنهم یتضعون بذلك..... ولو کان التزوج برضاهم یلزم حتیٰ لایکون لهم حق الاعتراض۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۸ فصل فالنکاح الذی الکفاءة فیه شرط)

وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج۳ ص۸۴ فصل فی الاکفاء۔

مجنون اور دیوانہ عاقلہ عورت کا کفو نہیں ہوسکتا

سوال:۔ کیا مجنون اور دیوانہ شخص کسی عاقلہ عورت کا کفو ہوسکتا ہے اور ان دونوں کے درمیان نکاح درست ہے؟

الجواب:۔ جنون ایسی چیز ہے جو عار بننے کا سبب بنتا ہے اس لیے مجنون اور پاگل مرد راجح قول کے مطابق عاقلہ عورت کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، لہٰذا ان دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: قال فی النھر وقیل یعتبر لأنہ یفوت مقاصد النکاح فکان أشد من الفقر ودناءۃ الحرفۃ وینبغی اعتمادہ لأن الناس یعیرون بتزویج المجنون أکثر من دنیٔ الحرفۃ الدنیئۃ وفی البنایۃ عن المرغینانیؒ لایکون المجنون کفوًا للعاقلۃ وعند بقیۃ الائمۃ ھو من العیوب التی ینفسخ لھا النکاح۔

(منحۃ الخالق علی ھامش البحرالرائق ج ۳ ص۱۳۴ فصل فی الأکفاء)[1]

نکاح میں ولایت کی ترتیب

سوال:۔ نکاح میں ولایت کی ترتیب کیا ہے اور کون کس پر مقدم ہے؟

الجواب:۔ ولایتِ نکاح میں سب سے مقدم ولی ارث وحجب کی ترتیب سے عصبہ ہوتا ہے پھر اگر عصبہ نہ ہوں تو ماں ولی ہے۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: واما شرط التقدم فشیئان احدھما العصوبۃ عند ابی حنیفۃؒ فتتقدم العصبۃ علی ذوی الرحم سواء کانت العصبۃ أقرب أو أبعد..... وعند عدم العصبات تثبت الولایۃ لذوی الرحم الأقرب منھم یتقدم علی الأبعد۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۵ فصل شرط التقدم فشیئان)[2]

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: فی النھر عن المرغینانیؒ، المجنون لیس بکف للعاقلۃ۔

(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج ۳ ص۹۳ فصل الاکفاء)

[2] قال فی الھندیۃ: وعند عدم العصبۃ کل قریب یرث الصغیر والصغیرۃ من ذوی الارحام یملک تزویجھما فی ظاھر الروایۃ...... والاقرب عند ابی حنیفۃؒ الأم ثم البنت ثم بنت الابن الخ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۸۴ الباب الرابع فی الاولیاء)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج ۳ ص۱۲۴ باب الاولیاء والاکفاء۔

قریب کے ولی کی موجودگی میں بعید کا ولی نکاح کرے تو اس کا حکم

سوال: باپ کی موجودگی میں ایک نابالغ لڑکی کا نکاح اس کا چچا کر دے اور باپ اس پر ناراضگی کا اظہار کرے تو کیا یہ نکاح شرعاً صحیح ہے؟

الجواب:۔ قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دور کا رشتہ دار نکاح کر دے تو یہ نکاح قریبی رشتہ دار کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، اگر وہ اجازت دے تو نکاح درست ہے ورنہ اس نکاح کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے صورت مسئولہ میں چچا کا کیا ہوا نکاح باپ کی ناراضگی کی وجہ سے درست نہیں۔

قال ابن نجیمؒ: وأما اذا كان احدهما اقرب من الآخر فلا ولاية للابعد مع الاقرب الا اذا غاب غيبة منقطعة۔ (البحرالرائق ج ۳ ص ۱۱۹ باب الاولیاء والاکفاء) [۱]

باپ دادا کے علاوہ کسی ولی کا نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کر دینے کا حکم

سوال:۔ چچا نے اپنی نابالغہ بھتیجی کا نکاح ایک فاسق لڑکے سے کر دیا جبکہ لڑکی صالحہ، نیک سیرت ہے، تو کیا شرعاً یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فسق چونکہ عار بننے کا سبب ہے اسلئے صالح عورت کا فاسق مرد کفو نہیں اور باپ دادا کے علاوہ ولیوں کا نابالغ صالحہ عورت کا فاسق اور غیر کفو کے نکاح میں دینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ بالغ ہونے پر لڑکی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے چاہے تو نکاح ختم کر سکتی ہے

قال العلامة الكاسانيؒ: وأما إنكاح الأب والجد الصغير والصغيرة فالكفاءة فيه ليست بشرط للزومه عند أبي حنيفةؒ..... بخلاف إنكاح الأخ والعم من غير الكفء أنه لا يجوز بالاجماع لأنه ضرر محض۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۱۸ فصل فالنكاح الذي الكفاءة فيه شرط) [۲]

---

[۱] قال في الهندية: وان زوج الصغير او الصغيرة أبعد الأولياء فان كان الأقرب حاضر وهو من أهل الولاية توقف نكاح الأبعد على اجازته۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۸۵ الباب الرابع في الاولياء)

وَمِثْلُهُ في ردالمحتار ج ۳ ص ۸۱ باب الاولياء۔

[۲] قال النسفيؒ، ولو زوج طفله من غير كفء أو بغبن فاحش صح ولم يجز ذلك لغير الأب والجد۔ (البحرالرائق ج ۳ ص ۱۳۴ فصل في الاكفاء) وَمِثْلُهُ في ردالمحتار ج ۳ ص ۶۷ باب الاولياء۔

کسی ایک ولی کا اپنا حق ولایت استعمال کرنے سے دوسرے اولیاء کا حق ساقط ہو جاتا ہے

سوال: اگر کسی عورت کے متعدد اولیاء ہوں اور ان میں سے کسی ایک ولی کا اپنا حق استعمال کرنے سے نکاح کے بعد دوسرے اولیاء کو نکاح کے ردّ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی عورت کے متعدد اولیاء جب مرتبہ میں برابر ہوں تو جس ولی نے پہلا نکاح کرایا تو وہ درست ہے، دوسرے اولیاء کے ردّ کرنے سے نکاح باطل نہیں ہوگا۔

قال ابن نجیمؒ: ثم إذا اجتمع فی الصغیر او الصغیرۃ ولیان فی الدرجۃ علی السواء فزوجه احدهما جاز اجاز الاول او فسخ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۹ باب الاولیاء والاکفاء) [۱]

نابالغہ کا نکاح دادی کے کر دینے سے لڑکی کو خیار بلوغ کا حق ہے

سوال: دادی نے اپنی نابالغہ پوتی کا نکاح کر دیا تو بالغ ہونے پر لڑکی کو خیارِ بلوغ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ باپ یا دادا جب نابالغ کا نکاح کرائیں تو بعد البلوغ اس کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں، صورتِ مسئولہ میں چونکہ نکاح دادی نے کرایا ہے جس کو حقِ ولایت بھی حاصل نہیں اس لیے لڑکی بلوغ کے بعد خیارِ بلوغ کی وجہ سے فسخ نکاح کا حق رکھتی ہے تاہم نکاح فسخ کرنے کا حق قاضی/حاکم کے ذریعے ہوگا جس کے بعد لڑکی دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

قال النسفیؒ: ولهما خیار الفسخ بالبلوغ فی غیر الاب والجد بشرط القضاء۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۲۰ باب الاولیاء والاکفاء) [۲]

---

[۱] قال فی الهندیة: واذا اجتمع للصغیر والصغیرۃ ولیان مستویان کالاخوین والعمین فایهما جاز عندنا۔ کذا فی فتاوی قاضیخان۔ (الفتاوی الهندیہ ج ۱ ص ۲۸۴ الباب الرابع فی الاولیاء)

ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۸۱ باب الاولیاء۔

[۲] قال ابن عابدینؒ: وحاصله انه اذا کان المزوج للصغیر او الصغیرۃ غیر الاب والجد فلهما الخیار بالبلوغ او العلم به فان اختار الفسخ لا یثبت الفسخ الا بشرط القضاء۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۷۰ باب الاولیاء)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۲۸۵ الباب الرابع فی الاولیاء۔

کفائت میں مالداری کے اعتبار کا حکم

سوال:۔ چچا نے اپنی نابالغہ یتیم بھتیجی کا نکاح اپنے عدیم المال بیٹے سے کر دیا، تو کیا یہ نکاح شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بناء بر روایت مختار کفائت صحتِ نکاح کے لیے شرط ہے اور جن چیزوں میں کفایت شرط ہے ان میں سے ایک مال بھی ہے، پس صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکا مہر معجل اور محترف نہ ہونے کی صورت میں ایک ماہ کے نفقے پر قادر ہو اور لڑکی بھی بلوغ کے بعد راضی ہو تو نکاح درست ہے ورنہ نہیں۔

قال ابن عابدینؒ:۔ تحت قول الحصکفیؒ (الکفاءة معتبرة فی ابتداء النکاح للزومه اولصحته) وهذا بناءً علی ظاهر الروایة من ان العقد صحیح وللولی الاعتراض اما علی روایة الحسن المختارة للفتوی من انه لایصح فالمعنی معتبرة فی الصحة۔ انتهی۔ وقال الحصکفیؒ: ومالاً بأن یقدر علی المعجل ونفقة شهر لوغیر محترف۔ (ردّ المحتار ج۳ ص۸۴ باب الکفاءة)

شریعت میں بلوغ کی حد

سوال:۔ شریعت میں لڑکے اور لڑکی کی حدِ بلوغ کیا ہے؟

الجواب:۔ لڑکے میں بلوغ کی نشانی احتلام کا ہونا ہے اور لڑکی کے بلوغ کی علامت حیض کا آنا ہے، اگر یہ دونوں نشانیاں نہ ہوں تو مفتیٰ بہ قول کی رُو سے پندرہ سال پورے ہو جانے پر بلوغ کا حکم جاری کیا جائے گا۔

قال فی الهندیة: بلوغ الغلام بالاحتلام او الاحبال او الانزال والجاریة بالاحتلام او الحیض او الحبل کذا فی المختار: والسن الذی یحکم ببلوغ الغلام والجاریة اذا انتهیا الیه خمس عشرة سنة عند ابی یوسف ومحمد رحمهما الله تعالیٰ وهو روایة عن ابی حنیفةؒ وعلیه الفتوی۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۵ ص۶۱ الباب الثانی فی الحجر الفصل الثانی فی معرفة البلوغ)[۲]

---

[۱] وقال ابن نجیم المصریؒ: الفقیر لایکون کفؤاً للغنیة کبیرة کانت او صغیرة الا ان یکون عالماً او شریفاً۔ (الأشباه والنظائر ج۲ ص۱۶ کتاب النکاح)

وَمثلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۹ فصل ما تعتبر فیه الکفاءة۔

[۲] قال النسفیؒ: بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال..... والجاریة بالحیض والاحتلام والحبل...... ویفتیٰ البلوغ فیهما بخمسة عشرة سنة۔ (البحرالرائق ج۸ ص۸۵ باب الحجر)

وَمثلُهٗ فی البدائع الصنائع ج۷ ص۱۷۱ کتاب الحجر فصل حکم الحجر اما معرفة البلوغ۔

وکیل کے ذریعے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر لڑکا یا لڑکی اپنے نکاح کے لیے کسی کو وکیل بنائیں اور وہ ان کی طرف سے ایجاب قبول کرے تو اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح و انکاح ان امور میں سے ہے جن میں وکالت جائز ہے پس لڑکا یا لڑکی اپنے نکاح میں ایجاب و قبول کے لیے کسی کو وکیل بنا سکتے ہیں اور اس پر اکتفاء کرکے ان کا نکاح منعقد ہو گا۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ثم النکاح کما ینعقد بھذہ الالفاظ بطریق الإصالة ینعقد بھا بطریق النیابة بالوکالة والرسالة لأن تصرف الوکیل کتصرف المؤکل۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۳۱ فصل رکن النکاح)[۱]

نکاح میں نابالغ کی وکالت کا حکم

سوال:۔ کیا نکاح میں کسی نابالغ لڑکے کو وکیل بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نابالغ لڑکا جب عاقل اور ممیز ہو تو نکاح میں اسکی وکالت درست ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ: واما البلوغ والحریة فلیسا بشرط لصحة الوکالة فتصح وکالة الصبی العاقل الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۰ فصل الشرائط الوکالة)[۲]

نکاح میں کسی اجنبی کی توکیل کے لیے تصریح ضروری ہے

سوال:۔ بالغہ عورت سے اگر کوئی اجنبی شخص نکاح کی اجازت مانگے تو ایسی حالت میں عورت کا رونا یا خاموش رہنا اجازت کے مترادف ہے یا صراحتاً اجازت ضروری ہے؟

الجواب:۔ اجنبی شخص کا اجازت طلب کرنے وقت عورت کا رونا یا خاموش رہنا اجازت

---

[۱] قال فی الھندیة: یصح التوکیل بالنکاح وان لم یحضرہ الشھود۔ کذا فی التاتارخانیة۔ (الفتاوٰی الھندیة ج ۱ ص ۲۹۴ الباب السادس فی الوکالة بالنکاح)

ومِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج ۳ ص ۹۵ مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح۔

[۲] قال الشیخ النسفیؒ: صح التوکیل وھو اقامة الغیر مقام نفسہ فی التصرف ممن یملکہ اذا کان الوکیل یعقل العقد ولو صبیاً الخ۔ (البحر الرائق ج ۷ ص ۱۴۲ کتاب الوکالة)

ومِثْلُہٗ فی الھندیة ج ۳ ص ۵۶۳ کتاب الوکالة۔ الباب الاول۔

شمار نہیں ہوگی بلکہ اس میں تصریح بالقول (واضح الفاظ میں اجازت دینا) ضروری ہے۔

قال الحصکفیؒ: فان استاذنها غیر الاقرب کأجنبی أو ولی بعید فلا عبرة لسکوتها بل لا بد من القول کالثیب البالغة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۶۲ کتاب النکاح۔ باب الولی)[1]

نکاح میں عاقد کا خود وکیل بننا

سوال:۔ ایک عورت نے ایک مرد کو اختیار دیا کہ تم میری طرف سے وکیل ہو تم میرا نکاح اپنے نفس کے ساتھ باندھ لو، اس شخص نے دو گواہوں کے روبرو ایسا ہی کیا تو کیا اس طریقہ سے نکاح کا شرعاً انعقاد ہوجاتا ہے؟

الجواب:۔ عقد نکاح میں جیسا کہ ایک آدمی مرد عورت دونوں کی طرف سے وکیل بن سکتا ہے، ایسا ہی کوئی مرد ایک طرف سے اصیل اور دوسری طرف سے وکیل ہوکر نکاح کرسکتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں عورت نے جب اس مرد کو وکیل بنایا کہ اپنے نفس کے ساتھ میرا نکاح باندھ لو تو جب اس شخص نے روبرو گواہان نکاح باندھ لیا تو یہ نکاح درست اور صحیح ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: کما للوکیل الذی وکلته أن یزوجها من نفسه فان له ذلک فیکون اصیلاً من جانب وکیلاً من آخر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح۔ باب الاکفاء)[2]

خیار بلوغ میں عدالت سے نکاح فسخ کرائے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا

سوال:۔ ایک لڑکی جس کا نکاح بچپن میں اس کی ماں نے کسی سے کردیا تھا بلوغ کے بعد عدالت سے فسخ کرائے بغیر دوسری جگہ

---

[1] قال ابن نجیم المصری رحمه الله: تحت قول المتن: وإن إستاذنها غیر الولی فلا بد من القول کالثیب أی فلا یکفی لقلة الالتفات أی کلامه فلم یقع دلالة علی الرضا۔
(البحر الرائق ج۳ ص۱۱۵ کتاب النکاح۔ باب الاولیاء والاکفاء)
ومثله فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۱۲۷ باب الاولیاء والاکفاء۔

[2] قال ابن نجیم المصری رحمه الله: تحت قول الماتن، وللوکیل أن یزوج مؤکلته من نفسه والمراد بالوکیل الوکیل فی أن یزوجها من نفسه لما فی المحیط لو وکلته بتزویجها من رجل فزوجها من نفسه لم یجز۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۳۶ کتاب النکاح۔ فصل لابن العم ان یزوج الخ)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۹۵ الباب السادس فی الوکالة بالنکاح وغیرها۔

نکاح کیا تو کیا یہ نکاح درست ہے؟

الجواب :۔ جس لڑکی کو خیارِ بلوغ کا حق حاصل ہو بالغ ہونے کے بعد باقاعدہ عدالت سے فسخِ نکاح کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، عدالت سے فسخِ نکاح کی ڈگری حاصل کیے بغیر دوسری جگہ نکاح کا اعتبار درست نہیں، تنسیخِ نکاح کے لیے عدالت کا سہارا لینا ضروری ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ: (تحت یشترط القضاء للفسخ) وحاصلہ أنہ اذا کانت المزوج للصغیر او لصغیرۃ غیر الأب والجد فلہا الخیار بالبلوغ أو العلم بہ فإن اختار الفسخ لا یثبت الفسخ الا بشرط القضاء۔ (رد المحتار ج ۳ ص۷۰ کتاب النکاح، باب الولی، مطلب مہم ہل للعصبۃ تزویج الصغیر۔ الخ) لہ

وکیلِ نکاح کی شرائط

سوال :۔ جو نکاح وکیل کے ذریعے باندھا جائے تو اس کے انعقاد کے لیے وکیل میں کون کون سی شرائط ہونی چاہئیں؟

الجواب :۔ نکاح کا انعقاد وکلاء کے ذریعے ہو سکتا ہے بشرطیکہ وکلاء عاقل و بالغ ہوں ورنہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، تاہم اگر وکیل نابالغ ہو مگر اچھے بُرے اور نفع نقصان میں تمیز کر سکتا ہو تو ایسی صورت، حنفیہ کے نزدیک نکاح صحیح ہوگا۔

قال العلامۃ داماد افندیؒ: فیصح توکیل الحر البالغ العاقل بقرینۃ الاتی او المأذون الصبی او البالغ من جہۃ الولی او المولیٰ حرًا بالغًا او مأذونًا۔ (در المنتقی علی ہامش مجمع الانہر ج ۲ ص۲۲۲ کتاب الوکالۃ)

وفی مجمع الانہر: الصبی العاقل الذی اذن لہ الولی والعبد الذی اذن لہ المولیٰ ای یصح توکیل کل منہما۔ (مجمع الانہر ج ۲ ص۲۲۳ کتاب الوکالۃ) ۲ہ

لہ قال النسفیؒ: ولہما خیار الفسخ بالبلوغ فی غیر الأب والجد بشرط القضاء۔
(البحر الرائق ج ۳ ص۱۲۰ کتاب النکاح، باب الاولیاء والاکفاء)
وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص۲۸۵ الباب الرابع فی الاولیاء۔

۲ہ قال العلامۃ الحصکفیؒ ثم ذکر شرط التوکیل فقال اذا کان الوکیل یعقل ولو صبیًا او عبدًا محجورًا لا یخفی ان الکلام الآن فی صحۃ الوکالۃ۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۵ ص۵۱۱ کتاب الوکالۃ)
وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج ۵ ص۵۱۱ کتاب الوکالۃ۔

ولایت میں قریب وبعید کے ورثاء کا اعتبار

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں ایک یتیم بچی ہے جس کے اولیاء میں دادا اور دو چچے ہیں، بچی کے بالغ ہونے پر چھوٹے چچا نے باپ اور بڑے بھائی کی اجازت کے بغیر بچی کا ایک جگہ نکاح کر دیا، جب بچی کے دادا کو پتہ چلا تو اس نے یہ نکاح نامنظور کر دیا، تو کیا اس بچی کا نکاح صحیح ہے یا کہ دادا کے انکار کی وجہ سے اس کی حیثیت ختم ہو جائے گی؟

الجواب:۔ واضح ہو کہ اولیاء دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) قریب (۲) بعید۔ اگر کسی بچی کا نکاح اس کا ولیِ بعید بغیر اجازت ولیِ قریب کے کسی جگہ کر دے تو وہ نکاح ولی قریب کی اجازت پر موقوف ہو گا اگر وہ نافذ کر دے تو فبہا ونعما ورنہ ناجائز ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر دادا اجازت دیدے تو نکاح صحیح ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامۃ السرخسیؒ: فان زوجها الابعد والاقرب حاضرؒ توقف علیٰ اجازۃ الاقرب لان الابعد کالاجنبی عند حضرۃ الاقرب فیتوقف عقدہ علیٰ اجازۃ الولی۔ الخ

(المبسوط ج۴ ص۲۲۰ کتاب النکاح۔ باب نکاح الصغیر والصغیرۃ)[1]

مساوی ورثاء میں سے کسی ایک کا نابالغ لڑکی کا نکاح کرا دینے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی نابالغ لڑکی کا باپ فوت ہو جائے اور اس کے اولیاء میں تین چچا ہوں اور ان میں سے ایک چچا اس بچی کا نکاح کرا دے تو کیا یہ نکاح صحیح ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ لڑکی کے تینوں چچا رشتے میں مساوی ہیں اور قرابت میں تجزیہ بھی نہیں ہو سکتا ہے اس لیے راجح مذہب یہ ہے کہ تینوں چچا میں سے کوئی ایک چچا بھی لڑکی کا نکاح کرا دے تو جائز ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامۃ السرخسیؒ: واذا اجتمع فی الصغیرۃ اخوان لاب وام فایهما زوجها جاز عندنا........ علیٰ ان کل واحد منهما ینفرد بالعقد والمعنی فیہ ان سبب الولایۃ

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (قولہ والا) ای وان لم یستووا فی الدرجۃ وقد رضی الابعد فللاقرب الاعتراض۔ (رد المحتار ج۳ ص۳۲۳ کتاب النکاح۔ باب الولی)

وَمِثْلُہٗ فی درر المنتقی شرح الملتقی ج۱ ص۳۳۹ کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء۔

هو القرابة وهو غیر محتمل للوصف بالتجزی۔ الخ (المبسوط ج ۴ ص۲۱۸ کتاب النکاح ، باب نکاح الصغیر والصغیرۃ) لے

عدالت کے ذریعے نکاح فسخ کرانے سے حق مہر کا حکم

سوال:۔ ایک لڑکی نے از خود غیر کفو میں نکاح کرلیا اور ورثاء نے بذریعہ عدالت نکاح ختم کرالیا، تو کیا لڑکی اب مہر کی مالکہ ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں غیر کفو میں نکاح کے بعد اگر دخول ہوا ہو تو حق مہر شوہر کے ذمے لازم ہے اور عدم دخول کی صورت میں تفریق ہوجانے سے بیوی حق مہر کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔

وفی الهندیة :ولو تزوجت المرأة ونقصت من مهر مثلها فللولی الاعتراض علیها حتی یتم لها مهرها او یفارقها واذا فارقها قبل الدخول فلا مهر لها وان فارقها بعده فلها المسمی الخ (الفتاوی الهندیہ ج ۱ ص۲۹۳، ۲۹۴ الباب الخامس فی الاکفاء) ۲ے

عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کیے بغیر عورت کا دوسری جگہ نکاح کردینے کا حکم

سوال:۔ ایک لڑکی نے ورثاء کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلیا، بعد ازاں ورثاء اُسے اپنے گھر لے آئے اور اس کا نکاح کسی دوسرے مرد سے کردیا جبکہ انہوں نے عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری نہیں لی ہے، تو کیا یہ دوسرا نکاح صحیح ہے یا عدالت سے تفریق کرانا لازمی ہے؟

الجواب: بعض تفاریق ایسے ہیں کہ جن میں قضاء قاضی (یعنی بذریعہ عدالت تفریق کرانا) لازمی

لے قال العلامة ابن عابدینؒ : (قوله لثبوته لکل کملا) لانه حق واحدٌ لا یتجزأ لانهٗ ثبت بسبب لا یتجزأ ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۲۳ کتاب النکاح ، باب الولی)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۲۸۴ کتاب النکاح ، الباب الرابع فی الاولیاء ۔

۲ے قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ : واذا فسخ القاضی بینهما تکون هٰذه فرقة بغیر طلاق حتی لو لم یکن الزوج دخل بها فلا شئ لها من المهر وان کان قد دخل بها فلها ما سمی من المهر وعلیها العدۃ ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۳ ص۶۴ کتاب النکاح الفصل الخامس عشر فی الکفاءۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۳۵۲ باب الکفاءۃ۔

ہے ان میں سے ایک صورتِ مسئولہ بھی ہے لہٰذا مذکورہ عورت کا دوسرا نکاح اُس وقت تک صحیح نہیں جب تک عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری نہ لی جائے ۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحؒ: ثم الفرقة التی تختص بقضاء القاضی، ھی الفرقة بالجب واللعنة واللعان واباء الزوج الاسلام ۔ ھو طلاقٌ وبخیار البلوغ وعدم الکفاءة ونقصانٌ فی المھر فسخٌ ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۳ ص۲۸ کتاب النکاح، الفصل الحادی عشر فی معرفة الاولیاء) لہ

کفاءت ایک جانب سے ہوتی ضروری ہے

سوال:۔ کیا کفوت جانبین سے ہونی چاہیئے یا کہ صرف مرد کے لیے عورت کا کفو ہونا ضروری ہے؟

الجواب:۔ ائمہ کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نکاح میں صرف مرد کا عورت کا کفو ہونا ضروری ہے، باقی عورت کے لیے یہ شرط لازمی نہیں اس لیے کہ نکاح کے بعد بیوی شوہر کا کفو بن جاتی ہے ۔

قال العلامة الجزری رحؒ: انّ الکفاءة معتبرةٌ فی جانب الرجل لا فی جانب المرأة فللرجل ان یتزوج من یشاء ولو امةً اوخادمةً الخ ۔ (الفقہ علی المذاھب الاربعہ ج۴ ص۵۷، کتاب النکاح، مبحث الکفاءة فی الزواج) ۲ہ

کفوت کی شرائط

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کفاءت کے اندر کون سے امور داخل ہیں جن کی عدم موجودگی کی وجہ سے مرد عورت کے

لہ قال العلامة الحصکفی رحؒ: (ولہ) ای للولی (اذا کان عصبة) ۔۔۔ (الاعتراض فی غیر الکفء) فیفسخہ القاضی ویتجدد بتجدد النکاح الخ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۳۲۲ کتاب النکاح باب الولی)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیة ج۱ ص۲۹۲ کتاب النکاح ۔ الباب الخامس فی الاکفاء ۔

۲ہ قال العلامة وھبة الزحیلی: یری جمھور الفقھاء ان الکفاءة تطلب للنساء لا للرجال بمعنیٰ اَن الکفاءة تعتبر فی جانب الرجال للنساء، فھو حق فی صالح المرأة لا فی صالح الرجل ۔ الخ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۲۳۹ الفصل الخامس الکفاءة فی الزواج ۔ المبحث الرابع مَن تطلب الکفاءة فی جانبہ)

وَمِثْلُہٗ فی الاحوال الشخصیة ص۱۴۱ ۔ ۱۱۷ ۔ الجانب الذی تشترط فیہ الکفاءة ۔

کفو بننے سے نکل جاتا ہے؟

الجواب:۔ کفاءت کے بارے میں ائمہ اربعہؒ نے مختلف امور ذکر کئے ہیں مگر حنفیہ کے نزدیک اسلام، نسب، آزادی، پیشہ، دیانت اور مال جیسے امور کفوت میں داخل ہیں۔

قال العلامة الجزریؒ: انّ الکفاءۃ ھی مساواۃ الرجل للمرأۃ فی امور مخصوصۃ وھی ستٌّ: النسب، والاسلام، والحرفۃ، والحریۃ، والدیانۃ، والمال۔ الخ

(الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۴ ص۵۴ کتاب النکاح، مبحث الکفاءۃ فی الزواج) لہ

تفریقِ قاضی طلاق ہے یا فسخ؟

سوال: جناب مفتی صاحب! ہم نے استاذ سے سبق میں پڑھا ہے کہ عدم کفو کی بناء پر قاضی تفریق کرسکتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ تفریق بمنزلہ طلاق ہوگی یا فسخ؟ فقہاء احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

الجواب:۔ عدم کفاءت کی وجہ سے عدالت جو تفریق بین الزوجین کراتی ہے وہ بمنزلہ فسخ نکاح ہوگی بمنزلہ طلاق نہیں۔

وفی الهندیة: ولا یکون التفریق بذٰلک الّا عند القاضی، امّا بدون فسخ القاضی فلا ینفسخ النکاح بینهما وتکون هٰذه فرقةً بغیر طلاق حتّٰی لو لم یکن الزوج دخل بها فلا شیئ لها من المهر۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۲۹۲ الباب الخامس فی الاکفاء) ۲ہ

لہ قال الدکتور وهبة الزحیلیؒ: وفی اصطلاح الفقهاء: المماثلة بین الزوجین دفعاً للعار فی امورٍ مخصوصة هی عند المالکیة: الدین والحال (ای السلامة من العیوب التی توجب لها الخیار) وعند الجمهور: الدین والنسب والحریة والحرفة (او الصناعة) وزاد الحنفیة والحنابلة الیسار (او المال)

(الفقه الاسلامی وادلته ج ۷ ص۲۳۹ الفصل الخامس الکفاءة فی الزواج)

وَمِثْلُهٗ فی الاحوال الشخصیّة ص۱۳۵ کتاب النکاح۔ الجانب الذی تشترط فیه الکفاءة۔

۲ہ قال ابن عابدین رحمه الله: تحت هٰذه العبارة (قوله او یفرق القاضی) ولاتکون هٰذه الفرقة الّا عند القاضی وما لم یقض القاضی بالفرقة بینهما فحکم الطلاق والظهار والایلاء والمیراث باق..... وبعد اسطرٍ قال تحت قوله فلا مهر لها) لان الفرقة جاءت من قبل من له الحق وهی فسخٌ۔ الخ (الدر المختار مع ردّ المحتار ج ۲ ص۳۵۲ کتاب النکاح، باب الکفاءة)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوٰی قاضیخان ج ۲ ص۱۶۴ کتاب النکاح، فصل فی الکفاءة۔

کسی لڑکی کا غیر کفو میں اپنی مرضی سے نکاح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی لڑکی کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ جائے اور لڑکا پیشے کے اعتبار سے لڑکی کا کفو نہ ہو یعنی اس کا پیشہ قابلِ عار ہو، جبکہ لڑکی کے رشتہ داروں کو اس نکاح کا علم اُس وقت ہوا جب لڑکی کے ہاں اُس لڑکے سے ایک بچہ پیدا ہوا، تو کیا لڑکی کے ورثاء اب اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب:۔ عدم کفوئت کی وجہ سے مرورِ زمانہ سے اولیاء کا حق ساقط نہیں ہوتا، اِلّا یہ کہ اولیاء رضامندی ظاہر کر دیں، یا اُس مرد کا عورت سے بچہ پیدا ہو جائے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں بچے کی پیدائش کے بعد اولیاء کو کسی قسم کے اعتراض کا حق نہیں رہتا۔

قال العلامة الدکتور وھبة الزحیلی : ویثبت ھٰذا الحق عند الحنفیة للاقرب من الاولیاء العصبة فالاقرب، فاذا لم یرضوا فلھم ان یفرقوا بین المرأۃ وزوجھا مالم تلد او تحمل حملاً ظاھرًا فی ظاھر الروایة الخ ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۲۳۷ الفصل الخامس الکفاءۃ فی الزواج ۔ المبحث الثالث صاحب الحق فی الکفاءۃ) [۱]

کفوۃ میں وقت کا اعتبار ہے

سوال:۔ ایک شخص جو کہ نیک، پرہیزگار اور صاحبِ ثروت تھا، اُس نے ایک مالدار گھرانے میں شادی کی، چند سال بعد وہ آدمی دیوالیہ ہو گیا اور اب وہ ایک ایک پائی کا محتاج ہے، اور اس کے سسرال والے اپنی بیٹی کو اُس سے چھڑانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم ہمارے کفو نہیں رہے، یہ ہمارے لیے عار کا سبب ہے۔ کیا اتنی مدت گذرنے کے بعد اس بہانے وہ لوگ بذریعہ عدالت اپنی بیٹی کو آزاد کرا سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامیہ نے نکاح کے لیے اگرچہ کفو کا اعتبار کیا ہے مگر

---

[۱] قال العلامة عبد الرحمٰن الجزریؒ : انّ الکفاءۃ فی الامور المذکورۃ من حق الولی یشترط ان یکون عصبة ولو کان غیر محرم کابن عمّ یحل له زواجھا ۔۔۔۔ ثم اذا سکت الولی عن الاعتراض حتٰی ولدت المرأۃ فان حقه یسقط فی الکفاءۃ الخ ۔

(الفقه علی المذاھب الاربعة ج۴ ص۵۶ کتاب النکاح مبحث الکفاءۃ فی الزوج)

وَمِثْلُهٗ فی الاحوال الشخصیة للامام محمد ابوزھرۃ ص۱۴۲ والامن له حق الکفاءۃ ۔

یہ یاد رہے کہ اس کا اعتبار ایک خاص وقت میں کیا جائے گا اور جب وہ مُدت ختم ہو جائے تو پھر اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں لڑکی کے والدین کو اتنی مُدت کے بعد یہ حق حاصل نہیں اور نہ ہی عدالت میاں بیوی میں تفریق کرنے کی مجاز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ :۔ والکفاءۃ اعتبارھا عند ابتداء العقد فلایضر زوالھا بعدہ فلوکان وقتہ کفوأ ثم فجر لم یفسخ۔ الخ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۲ ص۳۲۵ کتاب النکاح۔ باب الکفاءۃ) [1]

گونگے شخص کا اشارے سے نکاح کرانا

سوال :۔ اگر کوئی گونگا آدمی اپنی بیٹی کا نکاح مجلسِ نکاح میں مخصوص اشارے سے کرائے تو کیا یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں ؟

الجواب :۔ گونگے شخص کا اپنے مخصوص اشاروں سے (جو صرف نکاح کیلئے مخصوص ہوں اور حاضرینِ مجلسِ نکاح بھی ان اشاروں سے نکاح مراد لیتے ہوں) بیٹی کا نکاح کرانا صحیح اور درست ہے۔

قال ابن نجیمؒ :الاشارۃ من الاخرس معتبرۃ قائمۃ مقام العبارۃ فی کل شیٔ الیٰ ان قال الافی الحدود ..... وقید فی اشارۃ الاخرس ان تکون معھودۃ والالا تعتبر۔ (الاشباہ والنظائر ج ۳ ص۴۵۴ فی بیان احکام الاشارۃ) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ :ولایخفی ان اعتبار ھذہ الکفاءۃ بین الزوج وأبیھا وان الظاھر اعتبارھا وقت الزوج۔ الخ

(البحر الرائق ج ۳ ص۱۳۳ کتاب النکاح۔ فصل فی الاکفاء)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی قاضی خان ج ۲ ص۱۶۳ فصل فی الکفاءۃ۔

[2] قال العلامۃ ابن الھمامؒ :(تحت قول صاحب الھدایۃ) وطلاق الاخرس واقع بالاشارۃ لانھا صارت مفھومۃ فکانت کالعبارۃ فی الدلالۃ استحساناً فیصح بھا نکاحہ وطلاقہ وعتاقہ وبیعہ وشراؤہ سواء قدر علی الکتابۃ اولا وھذا استحسانا بالضرورۃ۔ الخ

(فتح القدیر ج ۳ ص۳۴۸ کتاب الطلاق)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۲۴۸ کتاب الطلاق۔

بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرنا

سوال :۔ بعض علاقوں میں لڑکیوں کو پتہ تک نہیں ہوتا اور والدین اُن کا نکاح کرا چکے ہوتے ہیں، کیا بالغہ لڑکی کا نکاح اس کا باپ بغیر اس کی اجازت کے کرا سکتا ہے؟

الجواب :۔ شریعتِ اسلامیہ نے بالغہ حرہ لڑکی کو اپنے نفس کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے، اس لیے اگر کسی نے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرا دیا تو وہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ اجازت دے اور رضامندی کا اظہار کرے تو درست ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ : (سئل) فی بکر بالغۃ عاقلۃ رشیدۃ زوجها ابوها رجلاً بلا اذنها ولا وکالۃ عنها فردّت النکاح حین بلغها فوراً فهل یرتدّ بردّها والحالۃ هٰذہ (الجواب) نعم ۔ (تنقیح الحامدیۃ ج ۱ ص۳۰ کتاب النکاح، فی مسائل منثورۃ من ابواب النکاح) [۱]

بیوی کو کتنے دنوں کے بعد والدین کے گھر جانے کی اجازت ہے

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! شرعاً بیوی کو کتنے دنوں کے بعد والدین کے گھر جانے دینا چاہیئے؟ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو سالہا سال والدین کے گھر نہ جانے دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ شریعتِ مقدسہ نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ اگر ممکن ہو تو ہفتے میں ایک مرتبہ والدین کی زیارت کے لیے جا سکتی ہے یہ اس کا شرعی حق ہے، جو شخص ظلم و تعدی کے ساتھ اپنی بیوی کو والدین کی زیارت کے لیے جانے سے روکتا ہو تو وہ گنہگار ہے، تاہم اگر والدین کے گھر جانے سے فتنے کا اندیشہ ہو تو والدین کو چاہیئے کہ وہ خود بیٹی کو دیکھنے کے لیے آیا کریں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ : ولا یمنعها من الخروج الی الوالدین فی کلّ جمعۃ ان لم یقدرا علی اتیانها علی ما اختیارہ فی الاختیار فی هامشہ

---

[۱] قال العلامۃ فخر الدین المعروف بقاضی خانؒ : ولا یزوج البکر البالغۃ أبوها علی کرہ منها خلافاً للشافعیؒ ۔ (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیۃ ج۱ ص۳۵۸ فی الفصل الاولیاء)
ومثلہٗ فی الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۲۴ کتاب النکاح، معرفۃ الاولیاء۔

هٰکذا نعم ما ذکرہ الشارح ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۶۴ کتاب النکاح) لہ

سورہ کی رسم کا شرعی حکم

سوال:۔ پٹھانوں میں ایک رسم زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے کہ جب وہ کسی جھگڑے کے سلسلہ میں راضی نامہ کرتے ہیں تو اس میں فریقِ مخالف کو لڑکی نکاح میں دی جاتی ہے جس کو عرف میں سورہ کہا جاتا ہے ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کے معاملے میں اگر باپ اپنی نابالغ بیٹی دے دے تو کیا اس لڑکی کو بعد البلوغ خیار حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ ایک جاہلانہ رسم ہے، اس میں لوگ انتقام اس مظلوم لڑکی سے لیتے ہیں، گھر میں اس کو زرخرید باندی کی طرح رکھا جاتا ہے بلکہ معاشرہ میں بھی یہ معیوب سمجھا جاتا ہے لہٰذا ایسی مظلوم لڑکی کو باپ کے سوء اختیار کی وجہ سے خیارِ بلوغ حاصل ہے اگر وہ چاہے تو خیار استعمال کرکے الگ ہوسکتی ہے ۔

عن خنساء بنت خذام الانصاریۃؓ ان اباھا زوجھا وھی ثیب فکرھت ذٰلک فاتت رسول اللہ ﷺ فردّ نکاحہ ۔ (مختصر صحیح البخاری ج۲ ص۴۳۱ باب اذا زوج الرجل ابنتہ وھی کارھۃ فنکاحہ مردودٌ) ؎۲

لہ قال قاضی خان: ویجوز للزوج ان یأذن لھا بالخروج ولا یصیر عاصیا بالاذن ومنھا الخروج الی زیارۃ الوالدین وتعزیتھما وعیادتھما وزیارۃ المحارم ۔
(الفتاوی الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۱ ص۴۴۳ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی الاشباہ والنظائر ج۲ ص۱۰۹ کتاب النکاح ۔

؎۲ قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولا یجوز للولی اجبار البکر البالغۃ علی النکاح ۔ وبعد اسطر ولنا انھا حرۃ فلایکون للغیر علیھا ولایۃ الاجبار ۔ (الھدایۃ ج۲ ص۱ کتاب النکاح)

وقال ایضاً: واذا زوج الاب ابنتہ الصغیرۃ ونقص من مھرھا او ابنہ الصغیر وزاد فی مھر امرأتہ جاز ذٰلک علیھما ولا یجوز ذٰلک لغیر الاب والجد وھٰذا عند ابی حنیفۃؒ وقال لایجوز الحط والزیادۃ الا بما یتغابن الناس فیہ ومعنی ھٰذا الکلام انہ لایجوز العقد عندھما لان الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر فعند فواتہ یبطل العقد ۔ (الھدایۃ ج۲ ص۱۷ کتاب النکاح ۔ فصل فی الکفاءۃ)

بیٹی کا غیر کفو میں نکاح کروانا

سوال:۔ اگر باپ کسی دینی یا دنیاوی مصلحت کی خاطر اپنی بیٹی کا نکاح غیر کفو میں کر دیتا ہے جبکہ لڑکی بھی اس پر راضی ہے، تو کیا یہ نکاح صحیح ہے؟

الجواب: غیر کفو میں نکاح عیب و رسوائی کی وجہ سے قابل اعتراض ہے ورنہ فی نفسہٖ اس میں کوئی حرج نہیں، اس لیے اگر لڑکی بالغہ ہو اور وہ باپ کے اس فیصلے پر راضی ہو تو نکاح درست ہے۔

قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: اگر لڑکی بالغہ اور باکرہ ہے اور اس کا ولی غیر کفو سے نکاح کرتا ہے اور لڑکی اس پر خاموش رہے یا زبان سے اس کو منظور کرے تو نکاح صحیح ہے، غیر کفو سے نکاح کرنا اس صورت میں مضائقہ نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم

(امداد الاحکام ج۲ ص۳۲۳ کتاب النکاح) [۱]

غیر کفو میں نکاح پر اولیاء کا اعتراض

سوال:۔ آجکل بعض لڑکیاں کسی غیر کفو والے لڑکے کے ساتھ فرار ہو کر نکاح کر لیتی ہیں، کیا ایسی لڑکی کے اولیاء کو نکاح پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کوئی لڑکی از خود غیر کفو میں شادی کرے جو خاندان کیلئے ذلت و رسوائی کا باعث ہو تو لڑکی کے ورثاء کو اس نکاح پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: اذا زوجت المرأۃ نفسہا من غیر کفو فلاولیاء ان یفرقوا بینہما دفعًا للضرر العار عن انفسہم۔ (الھدایۃ ج۲ ص۲۹۹ کتاب النکاح۔ باب الاکفاء والاولیاء) [۲]

---

[۱] قال الکاسانیؒ: واما انکاح الاب والجد الصغیر والصغیرۃ فالکفاءۃ فیہ لیست بشرط للزومہ عند ابی حنیفۃؒ کما انہا لیست بشرط الجواز عندہ فیجوز ذلک ویلزم الصدورہ ممن لہ کمال النظر لکمال الشفقۃ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۸ فصل واما الثانی فالنکاح الذی) ـــ ومثلہ فی امداد الاحکام ج۲ ص۳۲۳ کتاب النکاح۔

[۲] قال الکاسانیؒ: حتی لو زوجت نفسہا من غیر کف عن غیر رضاء الاولیاء لایلزم وللاولیاء حق الاعتراض لان فی الکفاءۃ حقًا للاولیاء لانہم ینتفعون بذلک الا تری انہم یتفاخرون بعلو نسب الختن ویتعیرون بدناءۃ نسبہ فیتضررون بذلک فکان لہم ان یدفعوا الضرر عن انفسہم بالاعتراض۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۸ کتاب النکاح۔ فصل واما الثانی)

فاسق وفاجر لڑکا دیندار خاندان کی لڑکی کا کفو نہیں

سوال:۔ ایک نیک اور دیندار خاندان سے تعلق رکھنے والی لڑکی نے معاشرہ میں کسی فاسق وفاجر اور بے دین لڑکے کے ساتھ بلا رضا اولیاء کے از خود شادی کر لی، تو کیا اس شادی پر لڑکی کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو بھی شادی لڑکی کے خاندان والوں کے لیے عار کا باعث بنتی ہو تو اس پر لڑکی کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔ چونکہ فسق وفجور اور بے دینی بھی ایک عیب ہے جو نیک اور دیندار خاندان کے لیے باعثِ عار ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں لڑکی کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں فسق سے مراد وہ فسق ہے جو عار کا باعث بنے۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمه الله: حتی لو ان امرأة من بنات الصالحین اذا زوجت نفسها من فاسق کان للاولیاء حق الاعتراض ...... لان التفاخر بالدین احق من التفاخر بالنسب۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۲۱ کتاب النکاح۔ الفصل الثانی)[1]

ولایت میں ماں دادی سے مقدم ہے

سوال:۔ اگر کسی لڑکی کے آبائی رشتہ میں کوئی مرد نہ ہو تو کیا ولایت کا حق لڑکی کی دادی کو حاصل ہوگا یا اس کی ماں کو؟

الجواب:۔ جب کسی لڑکی کے آبائی رشتہ میں کوئی مرد نہ ہو تو ولایت کا حق اس لڑکی کی ماں کو حاصل ہے نہ کہ کسی اور کو۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فان لم تکن عصبة فالولایة للأم ثم لام الاب۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۷۸ باب الاولیاء)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: والظاهر ان الصلاح لو منها او من ابائهم کاف لعدم کون الفاسق کفأ لهم۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۳۲ کتاب النکاح۔ فصل فی الاکفاء والاولیاء)

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ثم عصبة مولی العتاقة ثم الأم ثم ذو الارحام الأقرب فالأقرب وهذا قول ابی حنیفةؒ وانه استحسان۔
(الفتاوی التاتارخانیة ج۳ ص۱۹ الفصل الحادی عشر فی معرفة الاولیاء)

ولی کی اجازت کے بغیر بالغ مرد اور عورت کے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا کسی بالغ مرد اور بالغ عورت کا نکاح بلا اجازت ولی کے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حنفیہ کے نزدیک بالغ مرد اور عورت اپنے نفس کے خود مختار ہیں اس لیے دونوں ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرا سکتے ہیں اور ایسا نکاح شرعاً صحیح اور درست ہوگا، لیکن موجودہ دور کے نازک حالات کو سامنے رکھ کر ولی سے اجازت لینا فتنہ و فساد ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔

قال المرغینانیؒ: وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم یعقد علیها ولی بکراً کانت او ثیباً عند ابی حنیفة وابی یوسف (رحمهما الله) فی ظاهر الروایة۔

(الهدایة ج۲ ص۲۹۳ باب فی الاولیاء والاکفاء) [1]

بالغہ کا اپنے کفو میں نکاح کرنا صحیح ہے

سوال:۔ اگر ایک بالغ لڑکی والدین کی رضامندی کے بغیر اپنے کفو میں نکاح کرلے تو کیا یہ نکاح صحیح ہے؟

الجواب:۔ ایک عاقلہ بالغہ لڑکی کے لیے والدین کی رضامندی کے بغیر اپنے کفو میں نکاح کرنا احناف کے ہاں درست ہے اس لیے کہ بالغہ لڑکی اپنے اختیار کی حقدار رہتی ہے۔

قال المرغینانیؒ: وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضائها وان لم یعقد ولیٌ۔۔۔۔ للولی الاعتراض فی غیر الکفو وعن ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ انهٗ لا یجوز فی غیر الکفو الخ۔ (الهدایة ج۲ ص۲۹۳ باب فی الاولیاء والاکفاء) [2]

---

[1] قال العلامة داماد افندیؒ: نفذ ای صح نکاح حرة احترازاً عن الامة لان نکاحها موقوفٌ علی إذنِ مولاها کتوقف نکاح الصغیرة والمجنونة والمعتوهة علی اذن المولی ولذا قال مکلفه بکراً کان او ثیباً بلا ولی ای ولو کان النکاح بلا اذن ولی وحضوره عند الشیخینؒ فی ظاهر الروایة لانها تصرف فی خالص حقها وهی من اهله لکونها عاقلةً بالغةً۔ الخ (درر المنتقیٰ شرح ملتقیٰ ج۲ ص۳۳۲ باب الاولیاء والاکفاء)

[2] وفی الهندیة: ثم المرأة اذا زوجت نفسها من غیر کفو صح النکاح فی ظاهر الروایة۔۔۔۔ ولکن للاولیاء حق الاعتراض وروی الحسن عن ابی حنیفةؒ ان النکاح لا ینعقد وبه اخذ کثیر من مشائخنا والمختار فی زماننا للفتوی روایة الحسن الخ۔ (الفتاوی الهندیة جلد۱ ص۲۹۲ الباب الخامس فی الاکفاء)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۱۱ باب الاولیاء والاکفاء۔

باب الرّضاع

(رضاعت کے مسائل)

رضاعی بھائی کی ماں سے نکاح کا مسئلہ

سوال: زید نے بکر کی ماں کا دودھ مدتِ رضاعت میں پیا ہے، اب بکر زید کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بکر کی ماں زید کی رضاعی والدہ ہے اور اس کی اولاد زید کے رضاعی بھائی بہن ہیں جن سے زید کا نکاح جائز نہیں، البتہ زید کی ماں کا اگر بکر کے ساتھ کوئی ایسا رشتہ نہ ہو جس سے حرمتِ نکاح ثابت ہو جائے اس لیے بکر کا نکاح زید کی حقیقی ماں سے جائز ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ: تحت قوله (وحرم به وإن قل فی ثلاثین شهراً ما حرم منه النسب إلا أم أخته وأخت ابنه) یعنی فانهما یحلان من الرضاع دون النسب، أطلق المضاف والمضاف إلیه ففی أم أخته ثلاث صور الأولى الأم رضاعاً والاخت نسباً بأن أرضعت أجنبیة أخته نسباً ولم ترضعه الثانیة عکسه ان یکون لاخته رضاعاً أم من النسب۔

(البحر الرائق ج۳ ص۲۲۳ کتاب الرضاع) [1]

رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے

سوال: رشیدہ نے خالد کی بیوی کا دودھ مدتِ رضاعت میں پیا ہے، کیا خالد کے بھائی بکر کا نکاح رشیدہ سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مذکورہ میں رشیدہ خالد کے بھائی (بکر) کی رضاعی بھتیجی ہے تو

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (وأم اخت) صادق بأن یکون کل منهما من الرضاع کأن یکون لك أخت من الرضاع لها أم أخرى من الرضاع أرضعتها وحدها وبأن تکون الأخت فقط من الرضاع لها أم نسبیة۔ (رد المحتار ج۳ ص۲۱۴ کتاب الرضاع)

ومثلهٗ فی الهندیة ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

جیسے نسبی (حقیقی) بھتیجی سے نکاح جائز نہیں اسی طرح رضاعی بھتیجی سے بھی رضاعی چچا کا نکاح ناجائز اور حرام ہے۔

عن ابن عباسؓ قال قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم الا تزوج ابنۃ حمزۃؓ قال انھا ابنۃ اخی من الرضاعۃ۔ (الصحیح البخاری ج۲ ص۷۶۴ کتاب النکاح، باب یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب)[1]

منکوحہ کا دودھ پینے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا

سوال:۔ اگر کسی نے اپنی بیوی کے پستان پر منہ رکھ کر قصداً یا سہواً دودھ پی لیا تو کیا اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے لیے مدتِ رضاعت (دو سال) کی عمر میں کسی عورت کا دودھ پینا ضروری ہے اور جو دودھ مدتِ رضاعت کے بعد پیا جائے اگرچہ حرام ہے مگر اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی، صورتِ مسئولہ میں خاوند کی عمر اگر دو سال سے زیادہ ہو تو نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا البتہ ایسا کرنا حرام ضرور ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: مص رجل ثدی زوجتہ لم تحرم۔ قال ابن عابدینؒ: تحتہ قید بہ احترازاً عما اذا کان الزوج صغیراً فی مدۃ الرضاع فانھا تحرم علیہ۔

(رد المحتار ج۳ ص۲۲۵ کتاب الرضاع)[2]

رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کا حکم

سوال:۔ رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً زید اور بکر رضاعی بھائی ہیں زید نے بکر کی ماں کا دودھ پیا ہے، اب بکر زید کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زید کی بہن اور بکر کے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں ہے جو حرمت کا سبب بنتے اس لیے بکر اپنے رضاعی بھائی کی سگی بہن سے نکاح کر سکتا ہے، البتہ زید

---

[1] قال الشیخ النسفیؒ: زوج مرضعۃ لبنھا منہ أب للرضیع وابنہ أخ وبنتہ أخت وأخوہ عم وأختہ عمۃ۔ (کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج۳ ص۲۲۶ کتاب الرضاع)
ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

[2] قال فی الھندیۃ: ولا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأۃ ویشربہ للدواء وفی شرب لبن المرأۃ للبالغ من غیر ضرورۃ اختلاف المتأخرین۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۵۵ الباب الثامن عشر فی التداوی الخ)

بکر کی نسبی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا اس لیے کہ یہ لڑکی زید کی رضاعی بہن ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وتحل أخت اخیه رضاعاً یصح اتصاله بالمضاف کان یکون له أخ نسبي له أخت رضاعية وبالمضاف إليه کان یکون لأخيه رضاعاً اخت نسباً وبهما وهو ظاهر۔ (الدر المختار علیٰ صدر المحتار ج ۳ ص۲۱۷ کتاب الرضاع) [1]

نکاح کے بعد رضاعت کے ثبوت کا حکم

سوال:۔ نکاح ہوجانے کے بعد اگر لڑکی کا والد کبھی رضاعت کا دعویٰ کردے تو کیا اس دعویٰ کو اعتبار دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ ثبوتِ رضاعت کے لیے حجتِ کاملہ ضروری ہے (جو دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں ہیں) صرف ایک مرد یا صرف دو عورتوں کا قول دعوئ رضاعت کے ثبوت کے لیے کافی نہیں، تاہم نکاح سے پہلے اگر ایک عورت کا بیان جو موجب ظنِ غالب ہو تو احتیاط اس میں ہے کہ اس کو اعتبار دے کر نکاح سے اجتناب کیا جائے، البتہ جہاں زوجین کسی عورت کے بیان پر اعتماد کرکے یقین کریں تو ایسی حالت میں انکی تصدیق گواہوں یا کسی گواہی کی محتاج نہیں۔

قال طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولا تجوز شهادة إمرأة واحدة على الرضاع اجنبية کانت أو أم أحد الزوجين، فان وقع فی قلبه صدق المخبر فالأفضل أن یتنزه قبل العقد وبعد العقد یسعها المقام معه حتی یشهد علی ذٰلک رجلان أو رجل وإمرأتان عدول ولا یقبل شهادة النساء وحدهن۔ (خلاصة الفتاوی ج ۲ ص۱۱ الفصل الرابع فی الرضاع) [2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: تحت قول النسفیؒ (وتحل أخت أخيه رضاعاً) یصح اتصاله بکل من المضاف والمضاف إليه وبهما کما قدمناه۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۲۲۷ کتاب الرضاع)

ومثله فی الهندية ج ۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

[2] قال ابن نجیمؒ: تحت قول النسفیؒ (ویثبت بما یثبت به المال) وهو شهادة رجلين عدلين أو رجل وإمرأتين عدول..... وان کان الخبر بعد النکاح وهما کبیران فالأحوط أن یفارقها روی ذٰلک عن رسول الله صلی الله علیه وسلم أنه أمر بالمفارقة۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۲۳۲ کتاب الرضاع)

ومثله فی رد المحتار ج ۳ ص۲۲۴ کتاب الرضاع۔

رضاعت کے ثبوت کے لیے ایک بار پستان چوسنا کافی ہے

سوال:۔ کیا رضاعت کے اثبات کے لیے پانچ مرتبہ پستان چوسنا ضروری ہے یا صرف ایک بار چوسنے سے رضاعت ثابت ہوگی؟

الجواب:۔ احناف کثر اللہ سوادہم کے نزدیک دودھ حلق کے اندر اُترنے سے حرمت ثابت ہوجاتی ہے، چاہے وہ ایک مرتبہ ہو یا پانچ مرتبہ، البتہ شوافع کے ہاں پانچ مرتبہ چوسنا ضروری ہے۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: قلیل الرضاع وکثیرہ سواءٌ اذا حصل فی مدت الرضاع یتعلق بہ التحریم قال الشافعی لایثبت التحریم الا بخمس رضعات۔
(الهداية ج۱ ص۳۲۹ کتاب الرضاع) [۱]

رضاعی بیٹی کی نسبی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال:۔ کیا رضیعہ کی نسبی بہن سے مرضعہ کا شوہر نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت میں رضیعہ کی طرف سے مرضعہ اور اس کے شوہر پر صرف رضیعہ اور اس کی بیوی اور اس کی اولاد حرام ہوتی ہے باقی کے ساتھ مرضعہ اور اس کے شوہر کا کوئی حرمت والا رشتہ نہیں اس لیے مرضعہ کا شوہر رضیعہ کی نسبی بہن سے نکاح کرسکتا ہے۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: وتجوز تزوج اخت ابنہ من الرضاع ولا یجوز ذٰلک من النسب۔ (الهداية ج۱ ص۳۳۰ کتاب الرضاع) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ صدر الشریعۃؒ: یثبت بمصۃ فی حولین ونصف لابعدہ...... عند الشافعی یثبت بخمس مصاتٍ۔ (شرح الوقاية ج۲ ص۶۴ کتاب الرضاع)
وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۰۲ کتاب الرضاع۔

[۲] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: ویحرم منہ ما یحرم من النسب.....الا ام اخیہ واختہ...... وقس علیہ اخت ابنہ وبنتہ۔ قال ابن عابدینؒ: تحت قولہ اخت ابنہ انما حرمت علیہ اخت ابنہ وبنتہ نسبًا لکونہ بنتہ اوبنت امرأتہ وھٰذا المعنی مفقود فی الرضاع۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۰۶ باب الرضاع)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۳ کتاب الرضاع۔

رضیعہ پر مرضعہ اور شوہر کے اصول وفروع حرام ہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رضیعہ یعنی دودھ پینے والے بچے پر مرضعہ یعنی دودھ پلانے والی عورت اور اس کے شوہر کی طرف سے کون کون سے رشتہ دار حرام ہو جاتے ہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت مرضعہ اور اس کے شوہر کی طرف سے رضیعہ پر اصول اور فروع دونوں حرام ہیں، یعنی مرضعہ کے آباؤ اجداد اور اس کی اولاد اور اسی طرح شوہر کے آباؤ اجداد مع اس کی اولاد کے حرام ہوں گے۔

قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب لحدیث الذی روینا۔ (الهداية ج ۱ ص ۳۳۰ کتاب الرضاع) [۱]

رضاعت پر اُجرت لینا جائز ہے

سوال:۔ کیا مرضعہ عورت رضاعت پر رضیعہ کے باپ یا ولی سے اجرت لے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رضاعت ایسا عمل ہے کہ اُس کے کرنے کی اُجرت کے جواز پر سب علماءؒ کا اتفاق ہے اس لیے مرضعہ رضاعت پر اجرت لے سکتی ہے شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لما فی الهندية: واجمعوا علی ان مدة الرضاع فی استحقاق اجرة الرضاع مقدر بحولین حتی ان المطلقة اذا طالبته بعد الحولین با جرة الرضاع فابی الاب ان یعطی لا یجبر ویجبر فی الحولین۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۳۴۳ کتاب الرضاع) [۲]

---

[۱] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: فیحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب۔
(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۵ باب الرضاع)

ومثلهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۲۲۲ کتاب الرضاع۔

[۲] قال العلامة فخر الدین قاضی خانؒ: واجمعوا علی ان مدة الرضاع فی استحقاق اجرة الرضاع علی الاب مقدر بحولین حتی ان المطلقة اذا طالبته بعد الحولین اجرة الرضاع فابی الاب ان یعطی لا یجبر و یجبر فی الحولین۔
(فتاوى قاضیخان علی هامش الهندية ج ۱ ص ۴۱۷ باب الرضاع)

عمر رسیدہ عورت کے پستان سے نکلنے والے سفید پانی سے رضاعت ثابت نہیں

سوال: اگر کسی بچے نے انتہائی بوڑھی عورت (جو سن ایاس کو پہنچ چکی ہے) کے پستان سے سفید پانی پیا ہو تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی بوڑھی عورت کے پستان سے سفید پانی نکل آئے جو دودھ جیسا نہ ہو تو اس کے پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی بچے نے سفید پانی پیا ہو تو حرمت نہیں ورنہ ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولبن بکر بنت تسع سنین فاکثر محرم والا لا جوھرۃ۔

قال ابن عابدینؒ: تحت ھٰذا القول ای وان لم تبلغ تسع سنین فنزل لھا لبن لا تحرم جوھرۃ لانھم نصبوا علیٰ ان اللبن لا یتصور الا ممن تتصور منہ الولادۃ فیحکم بانہ لیس لبناً کما لو نزل للبکر ماء اصفر لا یثبت من ارضاعہ تحریم کما فی شرح الوھبانیۃ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۳۳ باب الرضاع)

صرف دعویٰ کرنے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوگی

سوال:۔ اگر مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) یہ دعویٰ کرے کہ فلاں لڑکے کو میں نے دودھ پلایا ہے مگر اس پر گواہ نہیں، تو کیا صرف مرضعہ کے اس دعویٰ سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو کر لڑکے کا مرضعہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ رضاعت کے اثبات کے لیے شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے، اس لیے صرف مرضعہ کے دعویٰ سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی، البتہ اگر مرضعہ اپنے دعویٰ میں سچی ہو تو جتنا ہو سکے اجتناب بہتر ہے اگرچہ نکاح صحیح ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وحجتہ حجۃ المال وھی شھادۃ عدلین او عدل وعدلتین۔

قال ابن عابدینؒ: ولو احدھما المرضعۃ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۴۸ باب الرضاع) [1]

---

[1] قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولا یقبل فی الرضاع شھادۃ النساء منفردات وانما یثبت بشھادۃ رجلین او رجل وامرأتین۔ (الھدایۃ ج۲ ص۳۳۳ کتاب الرضاع)
ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۳۲ کتاب الرضاع۔

شوہر کا بیوی کے پستان چوسنے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال: عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ اگر شوہر بیوی کے پستان پر منہ رکھ کر اس کا دودھ چوس لے جو اُس کے حلق سے اُتر جائے تو اس شخص کا نکاح ٹوٹ جائے گا اور اس کی بیوی بمنزلہ ماں کے ہو جائے گی شرعاً اس کی حقیقت کیا ہے ؟

الجواب: حرمتِ رضاعت کے لیے مدتِ رضاعت کے اندر دودھ پینا لازمی ہے، اگر مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پیا جائے تو حرمت ثابت نہ ہوگی اس لیے عوام الناس کی یہ بات غلط ہے اور شوہر کا بیوی کا دودھ پینے سے نہ نکاح متاثر ہوگا اور نہ بیوی اس کی ماں بن سکتی ہے، تاہم مرد کے لیے بیوی کا دودھ پینا حرام ضرور ہے ۔

قال العلامة المرغيناني رحـ: ثم مدة الرضاع ثلثون شهراً عند أبي حنيفة رحـ وقالا سنتان وهو قول الشافعي رحـ ... قال النبي عليه السلام لا رضاع بعد حولين ۔ (الهداية ج ۲ ص ۳۲۹ كتاب الرضاع) [1]

رضاعی بیٹی کا مرضعہ کے سابقہ خاوند سے نکاح جائز ہے

سوال: ایک بچی نے کسی عورت مثلاً ہندہ کا بچپن میں دودھ پیا ہے، ظاہر ہے کہ اس بچی کا نکاح ہندہ کے موجودہ شوہر سے (جس کی وجہ سے اُسے یہ دودھ آیا ہے) تو جائز نہیں لیکن کیا یہ لڑکی ہندہ کے سابقہ شوہر کے لیے بھی حرام ہے یا نہیں ؟

الجواب: رضیعہ (بچی) پر مرضعہ کا وہ شوہر حرام ہے جس کی وجہ سے اُسے موجودہ دودھ آیا ہو، یہ شخص اب اس بچی کا رضاعی باپ ہے، اس کے علاوہ اگر ہندہ کا کوئی سابقہ خاوند ہو اور اُس کے ساتھ اس بچی کا کوئی رشتہ نہیں جو سبب حرمت کا بنے اس لیے ان دونوں کا نکاح صحیح ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے ۔

قال العلامة المرغيناني رحـ: لبن الفحل يتعلق به التحريم وهو أن ترضع المرأة صبية

---

[1] قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: وحولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبه يفتي كما في تصحيح القدوري ۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۳ باب الرضاع)

ومثله في فتح القدير ج ۳ ص ۳۰۹ كتاب الرضاع ۔

فتحرم هٰذہ الصبیۃ علیٰ زوجہا وعلیٰ اٰبائہ وابنائہ ویصیر الزوج الذی نزل لہا منہ اللبن ابا للمرضعۃ ۔ (الہدایۃ ج۲ ص۳۳۳ کتاب الرضاع) ؎۱

رضاعی بیٹے کی بیوہ سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ زید نے بچپن میں زینب کا دُودھ پیا ہے، اب جبکہ زید کا انتقال ہو گیا ہے تو کیا زید کا رضاعی باپ اس کی بیوہ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو بچہ کسی عورت کا دُودھ پی لے تو اس عورت کا شوہر جس سے یہ دُودھ ہے اُس بچے کا رضاعی باپ بن جاتا ہے، جس طرح سگے بیٹے کی بیوہ سے نکاح صحیح نہیں اسی طرح رضاعی بیٹے کی بیوہ سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں، اس لیے زینب کا شوہر زید کی بیوہ سے نکاح نہیں کر سکتا۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: لاحلال حلیلۃ الابن رضاعًا فانہا تحرم کالنسب بحر وغیرہ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۸۳ فصل فی المحرمات) ؎۲

نسبی بھائی کا رضاعی بہن سے نکاح کرنا

سوال:۔ زید نے ہندہ کے ساتھ بچپن میں اس کی ماں کا دُودھ پیا ہے، کیا ہندہ کا نکاح زید کے دُوسرے بھائی بکر سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت میں وہ رشتہ دار حرام ہو جاتا ہے جس میں جزئیت ثابت ہوتی ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ میں ہندہ کا زید کے ساتھ جزئیت کا رشتہ ثابت ہوا ہے اُسکے

؎۱ قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: (زوج مرضعۃ لبنہا منہ ابٌ للرضیع) بیان لان لبن الفحل یتعلق بہ التحریم لعموم الحدیث المشہور واذا ثبت کونہ ابا لہ لایحل لکل منہما موطؤۃ الاخر۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۲۶ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرّضاع۔

؎۲ قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: معناہ ان الحرمۃ بسبب الرضاع تعتبر بحرمۃ النسب فشمل حلیلۃ الابن والاب من الرضاع لانہا حرام بسبب النسب وکذا بسبب الرضاع۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

بھائی بکر کے ساتھ نہیں، اس لیے ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وتحل اخت اخیہ رضاعاً یصح اتصالہ بالمضاف کان یکون لہ اخ نسبی لہ اخت رضاعیۃ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۵۶۱ باب الرضاع) ؎۱

رضاعی باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا

سوال:۔ ایک لڑکے نے کسی شخص کی بیوی کا دودھ مدتِ رضاعت میں پیا تھا، اب وہ بالغ ہو چکا ہے اور اس شخص کی دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا یہ لڑکا اس شخص کی دوسری بیوی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ شخص اِس لڑکے کا رضاعی باپ ہے، تو جس طرح اپنے نسبی باپ کی موطوئہ سے نکاح کرنا جائز نہیں تو اسی طرح رضاعی باپ کی موطوءہ سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ مایحرم من النسب) معناہ ان الحرمۃ بسبب الرضاع معتبرۃ بحرمۃ النسب فشمل زوجۃ الابن والاب من الرضاع لانہا حرام بسبب النسب وکذا بسبب الرضاع وھو قول اکثر اھل العلم کذا فی المبسوط بحر۔

(رد المحتار ج۲ ص۵۵۷ باب الرضاع) ؎۲

غلطی سے کسی عورت کا دودھ پینے سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے

سوال:۔ اگر کوئی بچہ غلطی سے یا دھوکہ سے کسی عورت کا دودھ پی لے تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو گی یا نہیں؟

؎۱ قال المرغینانیؒ: ویجوز ان یتزوج الرجل باخت اخیہ من الرضاع لانہ یجوز ان یتزوج باخت اخیہ من النسب۔ (الھدایۃ ج۲ ص۳۳۰ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی شرح الوقایۃ ج۲ ص۶۷ کتاب الرضاع۔

؎۲ قال المرغینانیؒ: وامرأۃ ابیہ وامرأۃ ابنہ من الرضاع لایجوز ان یتزوجہا کما لایجوز ذٰلک من النسب۔ (الھدایۃ ج۲ ص۳۳۱ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

الجواب:۔ مدتِ شیرخواری میں جب بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوجائے گی چاہے بچے نے غلطی سے پیا ہو یا دھوکہ اور قصد و ارادہ سے۔

قال فخر الدین قاضی خانؒ: قلیل الرضاع وکثیرہ سواء عندنا...... کما یحصل الرضاع بالمص من الثدی یحصل بالصب والسعوط۔

(الفتاوی قاضی خان علی ہامش الهندیة ج ۱ ص۴۱۶،۴۱۷ باب الرضاع) [۱]

چمچہ سے بچہ کو دودھ دینا موجب رضاعت ہے

سوال:۔ اگر کسی بچے کو چمچہ کے ذریعے کسی عورت کا دودھ پلایا جائے تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ جب دودھ بچے کے حلق کے نیچے چلا جائے چاہے کسی بھی طریقے سے ہو تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی، چونکہ صورتِ مسئولہ میں دودھ حالتِ صغر میں بچے کے بدن میں پہنچ چکا ہے اس لیے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگئی ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: اذا اختلط اللبن بالماء واللبن هو الغالب تعلق به التحریم وان غلب الماء لم یتعلق التحریم۔ (الهدایة ج ۲ ص۳۳۱ کتاب الرضاع) [۲]

رضاعی بہن بھائی کا نکاح حقیقتِ حال معلوم ہونے کے بعد واجب التفریق ہے

سوال:۔ اگر ایک عورت کا نکاح لاعلمی میں کسی ایسے مرد سے ہوجائے جس نے بچپن میں اس کے ساتھ کسی عورت کا دودھ پیا تھا، کیا اب حقیقتِ حال کا علم ہونے کے بعد ان کے درمیان تفریق کرانی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ یہ دونوں آپس میں رضاعی بہن بھائی ہیں اسلئے ان دونوں کا نکاح شرعاً

---

[۱] قال العلامة ابن نجیمؒ: هو مص الرضیع من ثدی الآدمیة فی وقت مخصوص ای وصول اللبن من ثدی المرأة الی جوف الصغیر من فمه او انفه فی مدة الرضاع۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۲۲۱ کتاب الرضاع)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۳۴۲ کتاب الرضاع۔

[۲] قال العلامة ابن نجیمؒ: لو اختلط اللبن لماذکر یعتبر الغالب فان کان الغالب الماء لایثبت التحریم۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۲۲۸ کتاب الرضاع)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۳۴۴ کتاب الضاع۔

جائز نہیں ہے اور دونوں کے درمیان تفریق لازمی ہے جو نفسِ متارکت سے ثابت ہوسکتی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: (ولا) حل (بین الرضیعة وولد مرضعتها) ای التی ارضعتها (وولد ولدها) لانه ولد الاخ ۔۔۔ الخ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص۴۴۳ باب الرضاع)

وقال ایضاً: (فیحرم منه) ای بسببه (ما یحرم من النسب) ۔۔۔ الخ

(الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص۴۳۹ باب الرضاع) ؎۱

بلوغ کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں

سوال:۔ کسی عورت کے ساتھ ایک لڑکے نے زنا کے دوران اس کے پستان کو منہ میں لے کر اس کا دودھ پیا، کیا اب اس مزنیہ اور زانی کا آپس میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے لیے دو اڑھائی سال کے اندر اندر کسی عورت کا دودھ پینا ضروری ہے، اس مدت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہ ہوگی، لہٰذا اس زانی لڑکے کا نکاح مزنیہ سے جائز ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: مدت الرضاع ثلثون شهراً عند ابی حنیفةؒ۔ وقالا سنتان وهو قول الشافعیؒ ۔۔۔۔ وقال النبی علیه السلام لارضاع بعد حولین۔

(الهدایة ج ۲ ص۳۲۹ کتاب الرضاع) ؎۲

شک کی بنا پر رضاعت ثابت نہیں

سوال:۔ رات کے وقت ایک شیرخوار بچی نے کسی عورت کے پستان کو منہ میں لیا

؎۱ وفی الهندیة: یحرم علی الرضیع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب ۔۔۔۔۔ فالکل اخوة الرضیع واخواته واولادهم اولاد اخوته واخواته الخ۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع)

؎۲ قال العلامة الحصکفیؒ: هو حولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبه یفتی کما فی تصحیح القدوری ۔۔۔۔۔ ولا یصح الارضاع بعد مدته۔

(الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص۴۰۳/۴۰۴ باب الرضاع)

ومثله فی فتح القدیر ج ۳ ص۳۰۹ کتاب الرضاع۔

مگر اس بات کا یقین نہیں کہ آیا بچی نے دودھ پیا ہے یا نہیں، تو کیا اب اس بچی کا نکاح مذکورہ عورت کے لڑکے سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے ثبوت کے لیے یقینِ محکم کا ہونا ضروری ہے محض شک کی بناء پر حرمت ثابت نہ ہوگی، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ مذکورہ بچی کا نکاح اس عورت کے کسی بھی بیٹے کے ساتھ نہ کیا جائے۔

قال الشیخ ابن الہمامؒ: بان ادخلت الحلمۃ فی فم الصغیر وشکت فی الارتضاع لا تثبت الحرمۃ بالشك۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۰۴ کتاب الرضاع) [1]

مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پلانے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر کوئی عورت کسی کے بچے کو دوسال کے بعد اپنا دودھ پلائے تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے ثبوت کے لیے مدتِ رضاعت کے اندر اندر دودھ پینا یا پلانا ضروری ہے جو بنصِ قرآن دوسال ہے، لہٰذا اگر کوئی عورت کسی غیر کے بچے کو دوسال کے بعد دودھ پلائے تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

قال النبیّ علیہ السّلام: لارضاع بعد حولین۔ (الھدایۃ ج ۲ ص ۳۲۹ کتاب الرضاع) [2]

رضاعی ماں کی پوتی سے نکاح کرنے کا مسئلہ

سوال:۔ ایک لڑکے نے دوسال کی عمر سے پہلے اپنی دادی کا دودھ پیا تھا، اب وہ اپنے چچا کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا یہ لڑکی اس کے لیے حلال

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: فلو التقم الحلمۃ ولم یدرا دخل اللبن فی حلقہ ام لالم یحرم لان فی المانع شکًا۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المختار ج ۲ ص ۵۵۶ باب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۲۲۲ کتاب الرضاع۔

[2] قال الحصکفیؒ:۔ فی وقت مخصوصٍ ھو حولان ونصف عندہ وحولان فقط عندھما وھو الاصح فتح وبہ یفتی کما فی تصحیح القدوری...... ولم یصح الارضاع بعد مدتہ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المختار ج ۲ ص ۴۰۳، ۴۰۴ باب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج ۳ ص ۳۰۹ کتاب الرضاع۔

ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ لڑکی مذکورہ لڑکے کی رضاعی بھتیجی لگتی ہے، اور بھتیجی سے نکاح کرنا شرعاً درست نہیں لہٰذا یہ لڑکا چچا کی بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتا۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله: ويحرم من الرضاع ما يحرم من النسب للحديث الذی رويناه۔ (الهداية ج۲ ص۳۳۳ کتاب الرضاع) [1]

مدتِ رضاعت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مدتِ رضاعت کے اثبات کے لیے کتنا وقت مقرر ہے؟ یا یہ کہ جب بھی کوئی کسی عورت کا دودھ پی لے تو حرمتِ رضاعت ثابت ہو جاتی ہے؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے لیے جمہور علماء کے نزدیک دو سال کی مدت مقرر ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تیس مہینے یعنی اڑھائی سال مقرر ہے، لہٰذا اس مدت کے اندر اندر جب بھی والدہ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پیا جائے تو رضاعت ثابت ہو گی ورنہ نہیں۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله: مدة الرضاع ثلثون شهراً عند ابی حنيفةؒ وقالا سنتان وهو قول الشافعیؒ۔ (الهداية ج۲ ص۳۲۹ کتاب الرضاع) [2]

رضاعی بھانجی سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ اگر ایک عورت نے کسی لڑکے کو دودھ پلایا ہو اور اس عورت کی بیٹی نے کسی اور لڑکی کو دودھ پلایا ہو تو اس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بھانجی سے چاہے وہ حقیقی ہو یا رضاعی دونوں صورتوں میں نکاح جائز نہیں

---

[1] قال العلامة الحصكفی رحمه الله:۔ ويحرم منه ای بسببه ما يحرم من النسب۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۵ باب الرضاع)

ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

[2] قال العلامة الحصكفی رحمه الله:۔ هو حولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبه يفتی كما فی تصحيح القدوری۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۳ باب الرضاع)

ومثله فی فتح القدير ج۳ ص۳۰۹ کتاب الرضاع۔

چونکہ صورتِ مسئولہ میں یہ لڑکی اِس لڑکے کی رضاعی بھانجی لگتی ہے اس لیے ان دونوں کا نکاح شرعاً جائز نہیں۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله: ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب للحدیث الذی رویناہ۔ (الهدایة ج۲ ص۳۳۳ کتاب الرضاع) [1]

حرمت رضاعت صرف اسلام کا حکم ہے

سوال:- جناب مفتی صاحب! کیا حرمتِ رضاعت اسلام کے علاوہ دوسرے شرائع میں بھی نازل ہوئی تھی یا نہیں؟

الجواب:- اسلام دیگر منفردات کے علاوہ اس مسئلہ میں بھی منفرد مذہب ہے جس میں رضاعت کی وجہ سے بھی نسبی رشتہ جیسی حرمت بیان فرمائی گئی، اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں یہ حکم نہ تھا۔

قال الشیخ ابوزھرةؒ: انفردت الشریعة الاسلامیة من بین الشرائع السماویة القائمة الان یجعل الرضاع سبباً من اسباب التحریم۔
(الاحوال الشخصیة ص۸۳ التحریم بالرضاع)

اپنی والدہ اور نانی کا دودھ پینے سے ماموں کی اولاد سے نکاح کا حکم

سوال:- میرے بڑے بھائی اور ایک بہن نے اپنی والدہ اور نانی کا دودھ پیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر ہم اپنے کسی بھائی کا نکاح اپنے ماموں یا خالہ کی لڑکی سے کرنا چاہیں تو وہ شریعتِ مقدسہ کی رُو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- جس بھائی اور بہن نے نانی کا دودھ پیا ہے اس کا نکاح ماموں اور خالہ کی اولاد سے حرام ہے اور جس بھائی اور بہن نے نانی کا دودھ نہ پیا ہو تو اس کا نکاح خالہ اور ماموں کی اس اولاد سے درست ہوگا جس نے نہ نانی کا دودھ پیا ہو اور نہ اس بھائی اور بہن کی والدہ کا دودھ پیا ہو۔

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: ویحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۵ باب الرضاع)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فیحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب الا ام اخیه واخته واخت ابنه وبنته وجدة ابنه و بنته وام عمه وعمته الخ

(الدر المختار علیٰ هامش رد المختار ج۲ ص۴۳۹ کتاب النکاح - باب الرضاع)[1]

رضاعی خالہ سے نکاح کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! ایک لڑکے نے صغر سنی میں ایک عورت کا دودھ پیا ہے اب اُس کے والدین اُس عورت کی چھوٹی بہن سے اِس لڑکے کا نکاح کرنا چاہتے ہیں، کیا شرعاً اِن دونوں کا نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- قانونِ شریعت کی رُو سے جس عورت سے نکاح نسبی رشتے کے حوالے سے حرام ہے تو رضاعی رشتے کے حوالے سے بھی اس عورت سے نکاح جائز نہیں، صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ لڑکی چونکہ اس لڑکے کی رضاعی خالہ ہے اس لیے نسبی خالہ کی طرح رضاعی خالہ سے بھی نکاح ناجائز و حرام ہے، لڑکے کے والدین کو چاہیئے کہ وہ اس ارادے کو ترک کردیں۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمه الله: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب للحدیث الذی رویناه۔

(الهدایة ج۲ ص۳۳۳ کتاب الرضاع)[2]

---

[1] وفی الهندیة: وتثبت حرمة المصاهرة فی الرضاع حتیٰ ان امرأة الرجل حرام علی الرضیع وامرأة الرضیع حرام علی الرجل وعلیٰ هذا القیاس الا فی المسئلتین احدهما ان لا یجوز للرجل ان یتزوج اخت ابنه من النسب و یجوز فی الرضاع ۔ والمسئلة الثانیة لایجوز لرجل ان یتزوج ام اُخته من النسب و یجوز فی الرضاع ۔ الخ

(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: و یحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب ۔

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۲۰۵ باب الرضاع)

ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع ۔

باب فی حرمت المصاہرت

(حُرمت مُصاہرت کے احکام ومسائل)

ساس کو بغیر شہوت کے ہاتھ لگانا

سوال:۔ ایک شخص کا اپنی بیوی کو جگاتے وقت بیوی کے بجائے ساس کو ہاتھ لگ گیا اور دل میں جماع کا خیال تھا لیکن شہوت نہیں تھی، تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی؟

الجواب:۔ حرمتِ مصاہرت کے اثبات کے لیے لمس (چھونا) ضروری ہے جو کہ شہوت سے ہو اور جس لمس (چھونے) میں شہوت نہ ہو اُس سے حُرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے اس شخص پر بیوی حرام نہیں ہوگی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفی المس لا تحرم مالم تعلم الشهوة لان الاصل فی التقبیل الشهوة بخلاف اللمس۔ (الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۳ ص۳۶ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) ۱ھ

ساس کو شہوت سے دیکھنا

سوال:۔ اگر کسی نے اپنی ساس کو شہوت کی نگاہ سے دیکھا تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر فرج داخل کو شہوت کی نظر سے دیکھا ہو تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی ورنہ مطلق نظر شہوت سے حرمتِ مصاہرت کا اثبات نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله والمنظور الیٰ فرجها) قید بالفرج لأن ظاهر الذخیرة وغیرها أنهم اتفقوا علیٰ أن النظر لشهوة الیٰ سائر اعضائها لاعبرة به ماعدا الفرج۔ (ردالمحتار ج۳ ص۳۳ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) ۲ھ

۱ھ قال ابوالبرکات النسفیؒ: والزنا واللمس والنظر بشهوة یوجب حرمة المصاهرة۔ (کنز الدقائق علیٰ هامش البحرالرائق ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) ــــ قال ابن نجیمؒ: وقیل یکون اللمس عن غیر شهوة لم یوجب الحرمة۔ (البحرالرائق ج۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

۲ھ قال فی الهندیة:۔ لا تثبت بالنظر الیٰ سائر الاعضاء لابشهوة ولا بمس سائر الاعضاء لاعن شهوة بلاخلاف۔ کذا فی البدائع والمعتبر النظر الیٰ الفرج الداخل، هٰکذا فی الهدایة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۴ فصل فی المحرمات)

ساس سے زنا کرنے پر بیوی کے حرام ہونے کا حکم

سوال:۔ اپنی ساس سے زنا کا ارتکاب کرنے والے شخص کے لیے اس عورت کی بیٹی حلال رہے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص اپنی ساس سے زنا کرے یا شہوت کے ساتھ مس یا تقبیل کرے تو اس سے اُس عورت کی بیٹی ہمیشہ کے لیے زنا کے مرتکب داماد پر حرام ہوجاتی ہے۔

قال ابن نجیمؒ: واراد بحرمۃ المصاھرۃ المحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علیٰ اُصول الزانی وفروعہ نسبًا ورضاعًا وحرمۃ اُصولھا وفروعھا علی الزانی نسبًا ورضاعًا۔ کما فی الوطئ الحلال۔ (البحرالرائق ج۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح۔فصل فی المحرمات)[1]

بیٹی کو شہوت سے ہاتھ لگانے سے نکاح پر اثرات

سوال:۔ اگر کسی نے اپنی بیٹی کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو اس عمل سے اس کے نکاح پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ کیا بیوی اس کے لیے حرام ہوجائے گی یا حلال رہے گی؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص نے بیٹی کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا ہو اور درمیان میں کوئی ایسی چیز بھی حائل نہ ہو جو بیٹی کے بدن کی حرارت کے احساس سے مانع ہو اور نہ بیٹی کی عمر نو سال سے کم ہو تو اس صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت ہو کر لڑکی کی ماں اس شخص پر حرام ہوجائے گی، اور اگر مذکورہ شرائط میں سے ایک بھی موجود نہ ہو تو پھر حُرمت ثابت نہیں۔

قال فی الھندیۃ: فلو أیقظ زوجتہ لیجامعھا فوصلت یدہ إلیٰ بنتہ منھا فقرصھا بشھوۃ وھی ممن تشتھی یظن أنھا أمھا حرمت علیہ الأم حرمۃ مؤبدۃ کذا فی فتح القدیر..... ثمّ لا فرق فی ثبوت الحرمۃ بین کونہ عامدًا أو ناسیًا..... ثمّ المس إنّما یوجب حرمۃ المصاھرۃ إذا لم یکن بینھما ثوب أما إذا کان بینھما ثوب فإن کان رقیقا بحیث تصل حرارۃ الممسوس الی یدہ تثبت کذا فی الذخیرۃ..... والفتویٰ

---

[1] وفی الھندیۃ: فمن زنیٰ بإمرأۃ حرمت علیہ اُمھا وإن علت وإبنتھا وإن سفلت۔ (الفتاوی الھندیہ ج۱ ص۲۷۴ الباب الثالث فی المحرمات۔
وَمِثْلُہٗ فی ردّالمحتار ج۳ ص۳۲ کتاب النکاح۔فصل فی المحرمات۔

علی أن بنت تسع محل الشهوة لاما دونها۔ کذا فی معراج الدرایة ۔ انتھٰی

(الفتاوٰی الہندیہ ج ا ص۲۷۴ الباب الثالث فی المحرمات) لہ

زانی اور مزنیہ کی اولاد کے درمیان نکاح جائز ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اس مسئلہ کی وضاحت درکار ہے کہ زانی اور مزنیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے زنا سے حرمتِ مصاہرت کا اثبات چار گروہ میں کیا ہے جن میں صورتِ مسئولہ شامل نہیں ہے اس لیے زانی اور مزنیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح جائز اور درست ہے۔

قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : وأراد بحرمة المصاهرة المحرمات الاربع حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسبًا ورضاعًا وحرمة أصولها وفروعها علی الزانی نسبًا ورضاعًا کما فی الوطئ الحلال ویحل لأصول الزانی وفروعه أصول المزنی بها وفروعها۔

(البحر الرائق ج ۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات) ۲ہ

نابالغ لڑکے کا بالغہ سے زنا کرنے سے حُرمتِ مصاہرت کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی نابالغ لڑکا کسی بالغہ عورت سے زنا

لہ قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ : ولا فرق فیما ذکر بین اللمس والنظر بشھوة بین عمدٍ ونسیان وخطاء وإکراہ فلو ایقظ زوجته أو أیقظته هی لجماعها فمست یدہ بنتها المشتهاة أو یدها إبنه حرمت الأم أبدًا ۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج۳ ص۳۵ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات۔

۲ہ قال ابن عابدین رحمہ اللہ : (تحت قوله حرم ایضًا بالصهریة اصل مزنیته) .... ومثله ماقدمناہ قریبًا عن القهستانی عن النظم وغیرہ وقوله ویحل الخ ای کما یحل ذلک بالوطئ الحلال وتقییدہ بالحرمات الاربع مخرج لما عداها وتقدم آنفا الکلام علیه۔ (ردّ المحتار ج۳ ص۳۲ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوٰی الھندیة ج ا ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

کرے تو اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: زنا سے حرمتِ مصاہرت کے لیے لڑکے لڑکی کا بالغ ہونا ضروری ہے یا کم از کم دونوں کا مراہق ہونا شرط ہے، اس لیے وہ نابالغ لڑکا جو مراہق نہیں کے زنا کرنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔

قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وکذا تشترط الشھوۃ فی الذکر حتی لو جامع أربع سنین زوجۃ أبیہ لاتثبت الحرمۃ۔ وفی الذخیرۃ خلافہ وظاھر الأول أنہ یعتبر فیہ السن المذکور لھا وھو تسع سنین۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۹۹)

وقال ایضاً: المراھق کالبالغ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۰۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [۱]

بیٹے کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے

سوال: ایک لڑکے نے نکاح کیا لیکن وہ جماع کرنے پر قادر نہیں، اب اگر لڑکے کا باپ اُس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ اسلامی میں جب کوئی عورت ایک مرتبہ کسی شخص کے نکاح میں آجائے تو وہ عورت ہمیشہ کے لیے اس شخص کے باپ پر حرام ہو جاتی ہے، اس کے ساتھ کسی بھی صورت میں نکاح نہیں کر سکتا۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ۔ (سورۃ النساء ۴) [۲]

سوتیلے بیٹے سے زنا کرانے والی عورت اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے

سوال: اگر کوئی عورت اپنے سوتیلے بیٹے سے زنا کرائے تو کیا یہ عورت اب اپنے شوہر کے لیے حلال ہے یا حرام؟

---

[۱] قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ کبالغ) ..... وفی الفتح لومس المراھق وأقر أنہ بشھوۃ ثبتت الحرمۃ۔ (ردّ المحتار ج ۳ ص ۳۷ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

[۲] وفی الھندیۃ: وحلیلۃ الابن وابن الابن وابن البنت وان سفلوا دخل بھا الابن ام لا۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصھریۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج ۲ ص ۲۸۸ کتاب النکاح۔

الجواب:- جب کوئی عورت اپنے یا شوہر کے بالغ یا مراہق بیٹے سے جماع کرائے تو اس زنا کی وجہ سے اب یہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قال فی البحر اراد بحرمۃ المصاھرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسباً ورضاعاً وحرمۃ اصولھا وفروعھا علی الزانی نسباً ورضاعاً۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۴ فصل فی المحرمات) لہ

نابالغ لڑکے سے زنا کرانا حرمتِ مصاہرت کا سبب نہیں

سوال:- ایک عورت نے شدتِ شہوت کی وجہ سے ایک نابالغ لڑکے سے زنا کرایا، اب یہ عورت اس لڑکے کو اپنی بیٹی نکاح میں دینا چاہتی ہے، کیا ان دونوں کا نکاح جائز ہے؟

الجواب:- حرمتِ مصاہرت کے ثبوت میں وہ زنا قابلِ اعتبار ہے جس میں دونوں افراد بالغ یا مراہق ہوں، صورتِ مسئولہ میں چونکہ لڑکا مراہق بھی نہیں ہے لہٰذا حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں اس لیے دونوں (لڑکے اور لڑکی) کا نکاح جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:- فلو جامع غیر مراہق زوجۃ ابیہ لم تحرم۔
(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۹ فصل فی المحرمات) ۲ہ

فرج داخل کو دیکھنا موجب حرمتِ مصاہرت ہے

سوال:- کتبِ فقہ میں مذکور ہے کہ شہوۃ کی نظر سے دیکھنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے، جبکہ آجکل تو بازاروں میں اکثر اوباش قسم کے لڑکے

لہ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: والمحرمین واراد بحرمۃ المصاھرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسباً ورضاعاً وحرمۃ اصولھا وفروعھا علی الزانی نسباً ورضاعاً۔

(البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

۲ہ وفی الھندیۃ: وکذا نشترط الشھوۃ فی الذکر حتی لو جامع ابن اربع سنین زوجۃ ابیہ لا تثبت بہ حرمۃ المصاھرۃ کذا فی فتح القدیر۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۵ القسم الثانی فی المحرمات بالصھریۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۹۹ فصل فی المحرمات۔

لڑکیوں کو شہوت کی نظروں سے دیکھتے ہیں، تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: مطلقاً شہوت کی نظر سے دیکھنا حرمتِ مصاہرت کا سبب نہیں بلکہ کسی عورت کے داخلِ فرج کو بنظرِ شہوت دیکھنا سببِ حرمت ہے باقی دیگر اعضاء کو دیکھنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: والمنظور الی فرجہا الداخل۔

(الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المختار ج ۲ ص۳۸۶ باب المحرمات) [1]

کم سن بچی کو شہوت کیساتھ چھونا حرمتِ مصاہرت کا سبب نہیں

سوال: اگر کسی مرد نے ۷/۸ سال سے کم عمر کی بچی کو شہوت کے ساتھ چھوا تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: حرمتِ مصاہرت کے اثبات کے لیے لڑکی کا مشتہات ہونا ضروری ہے چونکہ ۷/۸ سال کی بچی مشتہات نہیں ہوتی، اس لیے مذکورہ صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وبنت سنہا دون تسع لیست بمشتہاۃ۔

(الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المختار ج ۲ ص۳۸۹ فصل فی المحرمات) [2]

---

[1] وفی الھندیۃ: والمعتبر النظر الی الفرج الداخل ھٰکذا فی الھدایۃ وعلیہ الفتویٰ ھٰکذا فی الظہیریۃ۔ الخ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصھریۃ)

ومِثلُہٗ فی الھدایۃ ج ۲ ص۲۷۹ کتاب النکاح۔

[2] وفی الھندیۃ: الفتویٰ علیٰ بنت تسع محل الشھوۃ لاما دونھا۔ کذا فی معراج الدرایۃ۔ قال الفقیہ ابواللیثؒ: مادون تسع سنین لاتکون مشتہاۃ وعلیہ الفتویٰ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۲۷۵ القسم الثانی فی المحرمات الصھریۃ)

ومِثلُہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۹۹ فصل فی المحرمات۔ کتاب النکاح۔

ساس سے زنا کے اقرار کے بعد انکار کی کوئی حیثیت نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں علاقائی جرگہ کے سامنے ایک شخص نے اقرار کیا کہ اس نے اپنی ساس کے ساتھ زنا کیا ہے مگر اب وہ اس بات سے منکر ہے، تو کیا اس عورت کی بیٹی اس شخص کے لیے حلال ہے یا حرام؟

الجواب:۔ بشرطِ صحتِ سوال ایک مرتبہ اقرار کرنے کے بعد اب اس کے انکار کا کوئی فائدہ نہیں، اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہوگئی ہے جب کہ اس کے انکار کی تصدیق نہ کرے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فی الخلاصة قیل لهٗ ما فعلت بام امرأتك فقال جامعتها تثبت الحرمة ولا یصدق انه کذب ولو هازلاً۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله ولا یصدق انه کذب الخ) ای عند القاضی اما بینه وبین الله تعالیٰ وان کان کاذباً فیما اقر لم تثبت الحرمة۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۹ فصل فی المحرمات) [1]

مزنیہ کافرہ کی بیٹی سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ یہاں لندن میں ایک مسلمان مرد کے ایک کافرہ عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے، اب وہ شخص توبہ کرکے اُس عورت کی مسلمان بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھونا یا اُس کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرنا موجبِ حرمتِ مصاہرت ہے، عورت چاہے مسلمان ہو یا کافرہ اِس حرمت کی وجہ سے ممسوسہ کے اصول وفروع چھونے والے پر حرام ہوجاتے ہیں، اِس لیے صورتِ مسئولہ میں مسلمان مرد کا نکاح اس ممسوسہ کافرہ کی مسلمان بیٹی سے جائز نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: واصل ممسوسة بشهوة ولو بشعر علی الرأس ..... وفروعهن مطلقاً۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۵ فصل فی المحرمات) [2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: قیل لرجل ما فعلت بأم امرأتك فقال جامعتها تثبت الحرمة ولا یصدق انه کذب وان کان هازلاً لان الاصرار لیس بشرط فی الاقرار لحرمة المصاهرة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

[2] وفی الهندیة: فمن زنیٰ بامرأة حرمت علیه امها وان علت وابنتها وان سفلت وکذا تحرم المزنی بها علیٰ اٰباء الزانی واجداده وان علوا وابنائه وان سفلوا کذا فی فتح القدیر..... کما تثبت هٰذه الحرمة بالوطء تثبت بالمس والتقبیل والنظر الی الفرج بشهوة کذا فی الذخیرة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصهریة) ومثلهٗ فی الهدایة ج۲ ص۲۸۹ کتاب النکاح۔

چھوٹے گاؤں میں جاری شدہ نماز جمعہ کو بند کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں ٹینگی (ہزارہ) میں تقریباً آٹھ سال سے نماز جمعہ پڑھی جارہی ہے، تبلیغ اور درود وسلام کا سلسلہ بھی جاری ہے، حال ہی میں ایک مولوی صاحب نے اس بستی کو چھوٹی بستی میں شمار کرکے عوام سے نماز جمعہ بند کرنے کو کہا بستی کے کوائف حسب ذیل ہیں: گھر تقریباً ۳۰۰۔ ووٹ ۸۰۰۔ مسجدیں ۸ ملحقہ ہیں۔ ایک عدد پرائمری سکول۔ ایک چھوٹا بازار۔ کل آبادی تقریباً ۴۰۰۰۔ ایک نمبردار۔ ایک پٹواری۔ ایک ممبر یونین کونسل۔ ایک چوکیدار۔ ایک سکول ماسٹر بھی ہے۔ یہ گاؤں یونین کونسل کی طرف سے ایک جدا وارڈ ہے، بستی کے تمام بالغ مرد اگر جمع ہو جائیں تو ایک بڑی مسجد میں نہیں سما سکتے۔ مندرجہ بالا کوائف کی روشنی میں شرعی حکم صادر فرمایا جائے کہ اگر واقعی بستی ھٰذا میں نماز جمعہ نہیں ہوسکتی اور آئندہ کے لیے ترک کی جاوے اور سابقہ کی قضاء ادا کی جائے؟

الجواب:۔ جناب کو معلوم ہوگا اور کتب فقہ میں ملاحظہ کیا ہوگا کہ ہمارے امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک میں صحت اور جواز جمعہ کے لیے دیگر شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ جگہ مصر ہو یا فناء مصر ہو، اگر وہ جگہ مصر یا فناء مصر نہ ہو، تو اگرچہ دوسرے شرائط ہوں پھر بھی امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہاں جمعہ جائز اور صحیح نہ ہوگا۔ تحدیدِ مصر میں اگرچہ فقہاء احناف آپس میں مختلف نظر آتے ہیں اور مصر کی مختلف تعریفیں فقہاء نے کی ہیں اُن میں سے ایک تعریف یہ ہے کہ مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا۔ اور دوسری تعریف جس کو ظاہر المذہب کہا گیا ہے یہ ہے: انہ کل موضع لہ امیر وقاضٍ یقدر علی اقامۃِ الحدود۔ (الدر المختار)

علامہ ابن عابدینؒ المعروف بہ شامی نے "شرح منیہ" سے جو حد صحیح نقل کی ہے اور جس کو صاحب ھدایہ نے اختیار کیا ہے، یہ ہے: انہ الذی لہ امیرٌ وقاضٍ ینفذ الاحکام ویقیم الحدود۔

بہرحال مصر کی تحدید کے بارہ میں اقوال بکثرت ہیں، بعض میں افراط ہے اور بعض میں تفریط، اور بعض اعدل واوسط ہیں، اور وہی احق بالقبول ہیں۔

صورت مسئولہ کے مطابق موضع مذکور ہر حال میں اعدل الاقاویل پر مصر میں تو داخل نہیں ہے لیکن فقہاء کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ قصبات وقریٰ کبیرہ بھی مصر کے حکم میں ہیں، چنانچہ

ردالمحتار جلد ا صہ ۷۴۸ میں بصراحت موجود ہے : وعبارة القهستاني وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها اسواق الى قوله لا يجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاضي ومنبر وخطيب ۔ اھ ــــ اور نظر بر حالت مذکورہ سوال موضع مذکورہ قری کبیرہ میں ضرور داخل معلوم ہوتا ہے ۔ اور کبیرہ وصغیرہ میں اگر ما بہ الفرق آبادی کی مقدار لی جائے تو اس کا مدار عرف پر ہوگا، اور عرف کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام وقت جوکہ حکمائے تمدن بھی ہیں چار ہزار کی آبادی والے گاؤں کو قصبہ میں شمار کرتے ہیں اور چار ہزار کے قریب بوجہ معتبر نہ ہوتے کسر کے حکم میں چار ہزار کے ہیں ۔ پس موضع مذکورہ اگر قصبہ نہیں ہے تو قریۂ کبیرہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے، اس بناء پر تو مناسب ہے کہ موضع مذکورہ میں جمعہ کا جائز ہونا مان لیا جاوے، لیکن فقہاء کرام نے قریہ صغیرہ اور کبیرہ میں ما بہ الفرق وہ صفات مراد لی ہیں جو عبارتِ مرقومہ میں کبیرہ وصغیرہ کی صفت میں وارد ہیں ۔ یعنی اسواق، حاکم، خطیب کا ہونا یا نہ ہونا، اس بناء پر موضع مذکور قریۂ کبیرہ میں داخل نہیں ہے اور یہاں جمعہ کا جائز ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ موضع مذکور میں ایک چھوٹا بازار ہے جو قریۂ صغیرہ کی نشانی ہے، مصر اور قریۂ کبیر میں کم از کم تین بازار ہونے چاہئیں ــــ محقق ابن الہمامؒ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاکم سے بڑا حاکم قاضی اور والی مراد ہیں جو وہاں مقیم ہوں، یہ صفت بھی موضع مذکور میں معدوم ہے اسلئے یہ جگہ قریہ صغیرہ ہونی چاہیئے اور جب قریہ صغیرہ ہوا تو پھر جوازِ جمعہ کے ساتھ چند مفاسد لاحق ہوتے ہیں کیونکہ پھر جمعہ کی نماز نفل ہوگی اور نفل تداعی کے ساتھ با جماعت بدعت و مکروہ ہیں، ظہر جو اصل فریضہ ہے اس کا ترک یا جماعت کا ترک لازم آتا ہے ۔ اس لیے ذاتی مشورہ یہ ہے کہ اکابرینِ دیوبند نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ایک قریہ صغیرہ میں عرصہ دراز سے جمعہ قائم ہو اور اُسے بند کرنے میں فساد کا خطرہ ہو تو اس کو فورًا بند نہ کیا جائے بلکہ جمعہ پڑھایا جائے اور لوگوں کو آہستہ آہستہ سمجھایا جائے کہ چونکہ یہ جگہ نہ مصر ہے نہ قریۂ کبیرہ، اور ہمارے مسلک میں ایسی جگہ جمعہ جائز نہیں اور خود گھر میں جاکر چار رکعت بہ نیت آخر ظہر پڑھ لیا کریں، اس طریقہ سے درست مسئلہ بھی واضح ہو جائے گا اور فساد بھی بپا نہ ہوگا ۔ فقط واللہ اعلم

خطبۂ جمعہ کے بارے میں چند سوالات

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین متدرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ :-

(۱) جمعہ کا خطبہ بدستور عربی زبان میں رکھا جائے یا عوام الناس کے سمجھنے کے لیے مقامی زبان میں رواج دیا جائے ؟

(۲) اگر خطبہ عربی زبان ہی میں باقی رکھا جائے تو جو لوگ عربی زبان نہ سمجھنے کا اشکال کرتے ہیں اس کا کیا حل ہے ؟

(۳) خطبہ میں سلطانِ وقت کا نام لانا چاہیئے یا نہیں ؟

الجواب :- اس مسئلہ پر کئی عرصہ پہلے علماء راسخین نے قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں اپنے فتاویٰ رسالوں کی شکل میں شائع کیے ہیں اور قوی دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ اگر جمعہ و عیدین میں خطبہ بجائے عربی کے اردو یا فارسی میں پڑھا جائے تو امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک قول میں خطبہ صحیح اور ادا نہ ہوگا اور جب خطبہ ادا نہ ہوگا تو نمازِ جمعہ بھی نہ ہوگی کیونکہ جمعہ کی ادائیگی کی شرائط میں سے خطبہ بھی ہے ۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ فتاویٰ دار العلوم دیوبند کے حصہ "عزیز الفتاویٰ" میں اس فتویٰ کے دلائل میں "درمختار" کی یہ عبارت پیش فرماتے ہیں ، والرابع الخطبة فیہ فلو خطب قبلہ وصلّی فیہ لم تصح ـ درمختار باب الجمعة کما صح لو شرع بغیر عربیة ـ الخ وشرط عجزہ وعلیٰ ھٰذا الخلاف الخطبة وجمیع اذکار الصلوٰة ـ درمختار و فی الشامی وعلیٰ ھٰذا الخلاف لو سبح فی الفارسیة فی الصلوٰة او دعا ـ الخ ای یصح عندہٗ لیکن ھیئاتی کراھة السل عاد بالاعجمیة الخ شامی باب صفة الصلوٰة وفی باب الجمعة من رد المحتار لم یقید الخطبة بالعربیة اکتفاء بما قدمہٗ فی باب صفة الصلوٰة من انھا غیر شرط ولو مع القدرة علی العربیة عندہٗ خلافاً لھما حیث شرطاھا الا عند العجز ـ الخ

ان عبارات سے واضح ہے کہ عربی زبان پر قدرت کے باوجود اردو یا فارسی وغیرہ میں خطبہ جمعہ پڑھنا صاحبینؒ کے نزدیک اور ان کے قول کے موافق صحیح نہیں ، اور امام صاحبؒ کے نزدیک اگرچہ خطبہ ادا ہو جائے گا مگر مکروہ تحریمی ہوگا ـ

اسی طرح مولانا محمد تمیم بن محمد المدراسی نے اس موضوع پر دو عدد رسالے زبدۃ التحقیقات[۱]، عمدۃ التحقیقات فی الکراھۃ الخطبۃ بغیر العربیۃ[۲] تالیف فرمائے ہیں، جن پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نے تقریظ لکھی ہے۔ نیز حضرت مفتی صاحب نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بنام "الاعجوبۃ" تحریر فرمایا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ تقریظ میں لکھتے ہیں: الخطبۃ بالعربیۃ سنۃ مؤکدۃ لمواظبۃ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یقال ان المواظبۃ تکون دلیل السنۃ اذا لم یکن ثمۃ دلیل الخصوص وکفی کونہ علیہ الصلوٰۃ والسلام عربیاً و کون لغتہ عربیۃ دلیل الخصوص فانا نقول ان الخلفاء الراشدون ومن سواھم من اصحابہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بلغوا مشارق الارض ومغاربھا وافتتحوا العرب والعجم ولم یثبت من احد منھم انہ خطب بغیر العربیۃ مع القدرۃ علیہ لما ثبت من کثیر من الصحابۃ معرفتھم بلغۃ العجم وقدرتھم علی الخطبۃ بھا کزید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یعلم اللسان العجمی والحبشی والرومی وکسلمان الفارسیؓ کان یعلم الفارسیۃ ومع ذلک لم یأمرھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالخطبۃ بلسان العجم مع مس الحاجۃ الیہ ومعرفتھم بہ فی شیء من الاحادیث علی انہ قد ثبت من الاحادیث الصحیحۃ والسیرۃ النبویۃ حضور العجمتین عندہ صلی اللہ علیہ وسلم وحدانا وجماعات وکانوا فی اول امرھم لا یعرفون العربیۃ فان کان تفھیم الخطبۃ الحاضرین من ضروریات الخطبۃ فقد مس الحاجۃ الی ترجمتھا بلسانھم ولم یفعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع القدرۃ علیہ باقامۃ الترجمان من جماعۃ الصحابۃ فعلم ان مواظبتہ علیہ السلام علی اللغۃ العربیۃ فی الخطبۃ لیس لمحض کونہ عربیاً وعلی سبیل جریان العادۃ کما ظنہ بعض الفضلاء بل کان ذلک مقصوداً منہ علیہ الصلوٰۃ والسلام والحاصل ان جعل الخطبۃ بالعربیۃ سنۃ مؤکدۃ۔

اسی تقریظ میں محدث الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ فی ارض اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے شرح مؤطا میں ذکر فرمایا ہے: ولمّا لاحظنا خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائہ رضی اللہ عنہم وهلم جرًا فنقحنا وجود اشیاء فیها الحمد والشهادتین والصلوٰة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والامر بالتقوٰی وتلاوة آیتہ والدعاء للمسلمین فی المشارق والمغارب بہ مع ان فی کثیر من الاقالیم کان المخاطبون اعجمیین۔

آگے امام نووی رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے "اذکار کتاب حمد اللہ تعالیٰ" میں ذکر کیا ہے: ویشترط کونها یعنی خطبۃ الجمعۃ وغیرها بالعربیۃ انتهی والحاصل ان اللغۃ العربیۃ فی الخطبۃ سنۃ مؤکدۃ عندنا ولکن ترک العربیۃ وجعلها بالعجمیۃ مکروہ تحریمًا وتارکها آثم ولاسیما المدمن علیہ۔

اس موقع پر صاحب تقریظ ایک اعتراض کو نقل کرکے اس کا دفعیہ بھی فرماتے ہیں: ولا یرد علینا ما نص علیہ فی ردّ المحتار من ان ترک الواجب مکروہ تحریمًا وترک السنّۃ تنزیهًا وایضًا صرح بہ الحلبی فی شرح المنیۃ حیث قال والمراد بها ما لزمہ ترک السنۃ وهو کراهۃ تنزیهۃ او ترک واجب وهو کراهۃ تحریم کما ذکرہ المصنفؒ فی رسالتہ هذہ زبدۃ التحقیقات وذلک لان الحکم بتنزیهیۃ الکراهۃ فی ترک السنّۃ انما هو اذا لم یخالطہ غیرہ من احداث بدعۃ او ادمان علی ترکها والا فالفقهاء مصرحون بکونہ آثمًا ضالًا۔ قال الشامیؒ فی اوائل سنن الوضوء وهی سنن المؤکدۃ القریبۃ من الواجب التی یضلل تارکها لان ترکها استخفاف بالدین۔ (ج ۱ ص ۹۶) ثم قال فی المضمضۃ والاستنشاق فلو ترکهما اثم علی الصحیح۔ (سراج) وقال فی الحلیۃ لعلہ محمول علی ما اذا جعل الترک عادۃ لہ من غیر عذر کما قالوا مثلہ فی التثلیث۔ (شامی ج ۱ ص ۱۰۸) وقال فی البدائع لان من لم یر سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ فقد ابتدع فیلحقہ الوعید۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۲) قلت والمراد بالوعید

قوله علیه السلام فی حدیث الاعرابی من زاد علی ھذا اونقص فقد تعدّی وَظلم۔ ومن ھذہ الجملۃ وضح ان تارک العربیۃ فی الخطبۃ آثمٌ مبتدع فانہٗ لایراہ سنۃً فالحاصل ان اختصاص اللغۃ العربیۃ فی الخطبۃ وان کان فی الاصل من السنن الا انہٗ لحق بترکہ امور آخر من ابداع بدعۃ وآثم الادمان علی ترک السنۃ و ترک البدعۃ واجب فجاء الوجوب من ھذا القبیل لا بمحض المواظبۃ علیہ و بالجملۃ فالحکم بوجوب العربیۃ و آثم تارکھا فی خطبۃ الجمعۃ وان ترجمتھا بغیر العربیۃ بدعۃ حق لا ریب۔

اسی طرح حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے "امداد الفتاوی" میں بھی تحریر فرمایا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: قرآن مجید اور خطبہ دونوں کا اصل مقصد ایک ہی ہے، چنانچہ خطبہ کو قرآن مجید میں ذکر اللہ فرمایا ہے۔ یہی لفظ ذکر قرآن مجید کے لیے فرمایا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ بلکہ قرآنِ مجید کے لیے لفظ ذکریٰ بمعنیٰ تذکیر بھی وارد ہے۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ ۝ پس اگر لفظ ذکر اس پر دال ہے کہ اس سے لوگوں کو ان کی زبان میں نصیحت کی جاوے تو چاہیئے کہ قرآنِ مجید کی جگہ بھی یا اس کے ساتھ نماز میں حاضرین کی زبان میں ترجمہ پڑھا جاوے بلکہ لفظ ذکریٰ اس پر زیادہ دال ہے، اور اگر قرآنِ مجید سے تفہیم ناس کو خارج نماز کے ساتھ مخصوص کیا جاوے اور نماز میں محض تلاوت کا حکم کیا جاوے تو خطبہ سے تفہیم ناس کو بھی خارج ہیئت خطبہ کہا جاوے مثلاً خطبہ سے قبل یا نماز کے بعد پھر ضرورتِ تفہیم کو حضرات صحابۂ کرامؓ ہم سے زیادہ جانتے تھے، اور روم و فارس اس وقت فتح ہو چکا تھا اور حضرات صحابۂ کرامؓ میں ان زبانوں کے جاننے والے بھی موجود تھے، پھر کیا وجہ کہ اُس وقت ایسا نہیں کیا گیا؟ پھر اگر سامعین میں آٹھ دس زبانوں والے ہوں تو کیا خطیب کے لیے یہ شرط ہوگی کہ وہ سب زبانوں کا ماہر ہو، اگر نہیں تو پھر دوسری زبانوں والوں کی کیا رعایت ہوئی؟ نیز اسی بحث میں حضرت تھانویؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ جمعہ کا خطبہ عربی زبان کے سوا کسی اور زبان میں پڑھنا خلافِ سُنتِ متوارثہ ہے اس لیے ممنوع ہے۔ انتھیٰ۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے "مجموعۃ الفتاویٰ" میں اس بارہ میں تفصیل سے کلام کیا ہے، چند عبارات حوالۂ قلم کی جاتی ہیں:۔

(سوال) خطبۂ جمعہ اردو زبان میں یا فارسی زبان میں یا اردو و فارسی اشعار میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور جو ہے تو کس کتاب میں مذکور ہے؟ بینوا وتوجروا

ھوالعلیم الخبیر۔

(جواب) خطبۂ جمعہ اردو زبان میں نثر ہو خواہ نظم اور اسی طرح فارسی زبان میں بھی نثر ہو یا نظم، وعلی ھذا القیاس۔ جو خطبہ کہ اس کی کچھ عبارات لغتِ عربی میں ہو اور کچھ زبان فارسی یا اردو وغیرہما میں نظم ہو یا نثر مکروہ بکراہت تحریمی ہے کیونکہ مخالف ہے سنتِ ھُدیٰ کے، اس لیے کہ پیغمبرِ خدا علیہ التحیۃ والثناء اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے علی الدوام خطبہ زبانِ عربی میں پڑھا ہے اور اس وقت کسی سے خطبہ پڑھنا غیر زبان عربی میں منقول نہیں ہے، جیسا کہ کتاب "آکام النفائس فی اداء الاذکار بلسان الفارس" میں مسطور ہے: وھذہٖ عبارتہ الکراھۃ انما ھی لمخالفۃ السنۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ قد خطبوا دائمًا دائمًا بالعربیۃ ولم ینتقل عن احد منھم انھم خطبوا خطبۃً ولو خطبۃ غیر الجمعۃ بغیر العربیۃ۔ انتہیٰ

اور یہ پوشیدہ نہ رہے کہ باعثِ احداث خطبہ غیر عربیہ کا نہیں ہے مگر نہ سمجھنا عجم کا عباراتِ عربیہ کو، حالانکہ یہ امر قرونِ ثلاثہ میں بھی موجود تھا، اس واسطے کہ جب اطرافِ مختلفہ میں بلاد و امصار مفتوح ہوئے اور اکثر مردمان فارس و حبش و رُوم وغیرہ کے مشرف بہ اسلام ہوئے، وہ لوگ مجالس شعائر اسلام مثل جمعہ وعید وغیرہما کے حاضر ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو بوجہ عدم وقوف لُغتِ عرب کے شعور فہم عبارات عربیہ کا نہ تھا بایں ہمہ کسی نے برعایت فہم اشخاص عربیہ عجمیہ کے غیر زبانِ عربی میں خطبہ نہ پڑھا، باوجودیکہ تعلیم و تفہیم کہ خطباء و علماء کی شان سے ہے مقتضی اس کی تھی، جبکہ ایسا نہ ہوا تو خطبہ عربیہ کے مکروہ ہونے میں جو ادنیٰ مرتبہ ضلالت کا ہے کچھ شک نہ رہا۔ الیٰ آخر ما قال واطال نوراللہ مرقدہٗ۔

محققین کی ان تصریحات کو مدنظر رکھ کر ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ وعیدین کا خطبہ بدستور عربی زبان میں رکھا جائے، اور اس کا دوسری زبان (مثل اردو یا فارسی وغیرہ) میں بدل دینا مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) آپ کے اس سوال کا جواب سوالِ اول کے جواب کے ضمن میں ہوگیا ہے تاہم اتنا لکھا جاتا ہے کہ خطبۂ عربی سے پہلے وعظ وتبلیغ کرنے میں یہ اشکال رفع ہو سکتا ہے، خاص خطبہ کے الفاظ کے معانی اور مطالب لوگوں کو سمجھانا اس وقت کوئی شرط نہیں ہے۔

(۳) خطبے میں کسی کا شخصی نام لانا شرط نہیں ہے، فقہاء اسلام خطبے کے متعلق جو تفصیل بیان فرماتے ہیں اس میں کہیں اس کا ذکر نظر سے نہیں گذرا، مشہور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ خطبہ کے شرائط میں سے ایک شرط خطبہ ہے۔ (ومنها الخطبة قبلها) ــــ آگے لکھتے ہیں: الخطبة تشتمل على فرض وسنة فالفرض شيئان الوقت الى قوله والثاني ذكر الله ــــ آگے لکھتے ہیں: واما سننها فخمسة عشر ــ خطبہ کی تفصیل میں بھی کہیں کسی بادشاہ کا شخصی نام ذکر کرنے کی تصریح نہیں ہے، علیحدہ بھی کوئی جزئیہ دستیاب نہیں ہو سکا، اس لیے بہتر یہی ہے کہ خطبے میں شخصی نام نہ لایا جائے، خطبہ میں اوصاف پر دُعا اور ترغیب وترہیب ہونی چاہیئے، جیسا کہ خطبوں میں اسلاف کا معمول رہا ہے کہ اُن کے خطبوں میں یہ الفاظ موجود ہیں: والسلطان المسلم ظلّ الله فى الارض من اهان سلطان الله فى الارض اهان الله۔

هٰذا ما عندى والله اعلم

عیدین کی نماز کتنے دنوں تک ادا کی جاسکتی ہے

سوال:۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کتنے دنوں تک ادا کی جاسکتی ہے؟

الجواب:۔ اگر عید الفطر کی نماز بوجہ شرعی مجبوری کے نہ پڑھائی جاسکے تو دوسرے دن پڑھی جاسکتی ہے اس کے بعد جائز نہیں اور عید الاضحیٰ کی نماز تین دن تک جائز ہے بشرطیکہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے ترک کی گئی ہو۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: ولو زالت الشمس يوم الفطر قبل ان يصلى صلوٰة العيد سقطت صلوٰة العيد ولا يصلى من الغد الا اذا تركوا بعذر فيصلى من الغد قبل الزوال وان زالت الشمس من الغد سقطت صلوٰة العيد سواء تركوها بعذر او بغير عذر وفى عيد الاضحىٰ اذا لم يصل من الغد حتى زالت الشمس يصلى بعد الغد قبل الزوال فاذا زالت الشمس فى آخر ايام النحر ولم يصل سقطت سواء كان بعذر او بغير عذر غير ان التاخير ان كان بعذر لا يلحقهم الاساءة وان كان بغير عذر فقد اساؤا۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج ۱ ص ۲۱۴ باب صلوٰة العيدين)[1]

✲ ✲

---

[1] وفى الهندية: وتؤخر صلوٰة عيد الفطر الى الغد اذا منعهم من اقامتها عذر بان غم عليهم الهلال و شهد عند الامام بعد الزوال او قبله بحيث لا يمكن جمع الناس قبل الزوال وصلاها فى يوم غيم فظهر انها وقعت بعد الزوال ولا تؤخر الى بعد الغد والامام لو صلاها مع الجماعة وفاتت بعض الناس لا يقضيها من فاتته خرج الوقت اولم يخرج واذا حدث عذر يمنع من الصلوٰة فى يوم الاضحىٰ صلاها من الغد وبعد الغد ولا يصليها بعد ذلك، ثم العذر ههنا لنفى الكراهة حتى لو اخروها الى ثلاثة ايام من غير عذر جازت الصلوٰة وقد اساؤا وفى الفطر للجواز حتى لو اخروها الى الغد من غير عذر لا يجوز۔

(الفتاوىٰ الهندية ج ۱ ص ۱۵۱ الباب السابع عشر فى صلوٰة العيد)

ومثله فى الطحطاوى حاشيه مراقى الفلاح ص ۴۳۹ باب صلوٰة العيدين۔

احکام ومسائل

عید و صدقۃ الفطر

دارالعلوم حقانیہ کے دارالافتاء کی طرف سے عوام الناس کے افادہ کے لیے احکام ومسائل کے عنوان سے ماہنامہ الحق میں وقتاً فوقتاً مضمون شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ذیل کا مضمون بھی ماہنامہ الحق میں شائع ہوچکا ہے۔ فتاویٰ کی مناسبت سے اسے یہاں بھی شامل کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

- یکم شوال کو شکرانے کے طور پر دو رکعت نماز عید ادا کرنا واجب ہے[1]
- عید کے دن غسل کیا جائے، مسواک کی جائے، عمدہ کپڑے جو میسر ہوں پہن کر خوشبو لگائی جائے بالوں کو تیل لگا کر کنگھا کیا جائے[2]
- صبح سویرے عیدگاہ جلد پہنچنے کی کوشش کی جائے اور نماز عید کے لیے جانے سے قبل کوئی میٹھی چیز کھالی جائے[3]
- عید کی نماز پڑھنے کے لیے ایک راستے سے جائے اور نماز کے بعد دوسرے راستے سے واپس آئے اور اگر ممکن ہو تو عیدگاہ پیدل چل کر جائے[4]
- راستے میں یہ تکبیریں آہستہ آہستہ پڑھے: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد[5]
- نماز عید سے پہلے کسی جگہ نوافل پڑھنا مکروہ ہے البتہ عید کی نماز کے بعد گھر آکر پڑھ سکتے ہیں[6]
- نماز عید میں صرف چھ تکبیریں زائد ہوتی ہیں، پہلی رکعت میں سبحانک اللھم کے بعد تین تکبیریں زائد ہاتھ چھوڑ کر اور دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے تین تکبیریں زائد ہاتھ چھوڑ کر کہی جاتی ہیں باقی نماز دوسری نمازوں کی طرح ہے، نماز کے بعد خطبہ سننا واجب ہے[7]

نماز عید کے متفرق مسائل

- عیدین کے خطبوں کی ابتدا تکبیر سے کرنا مستحب ہے پہلے خطبے میں نو مرتبہ تکبیر پڑھی جاتی ہے[8]
- عید کے دونوں خطبوں کے درمیان امام کے لیے تھوڑی دیر بیٹھنا مسنون ہے[9]

- عید کے دن عورتوں، مریضوں اور مسافروں کے لیے بھی نمازِ عید سے پہلے نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔[10]
- عیدین کی نمازِ عید گاہ میں ادا کرنا مسنون ہے، البتہ معذوروں کے لیے مساجد میں نمازِ عید ادا کرنا جائز ہے۔[11]
- نمازِ عید کا باجماعت ہونا شرط ہے لہٰذا اگر کسی وجہ سے نمازِ عید کی جماعت میں شریک نہیں ہو سکا تو تنہا نمازِ عید ادا نہیں کر سکتا، اسی طرح اگر کسی کی نمازِ عید کسی وجہ سے فاسد ہو گئی ہو تو اس کی قضا واجب نہیں ہے۔[12]
- اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے نمازِ عید پہلے دن نہ پڑھی جا سکے تو دوسرے دن نمازِ عید پڑھ لیں۔[13]
- اگر کسی کی واجب زائد تکبیریں چھوٹ گئی ہوں اور وہ امام کے ساتھ قیام میں آکر شریک ہوا تو نیت باندھ لینے کے بعد وہ سب سے پہلے تین زائد تکبیریں کہے خواہ امام نے قرأت شروع کر دی ہو یا نہ کی ہو۔[14]
- ایک شخص نماز کی دوسری رکعت کے رکوع میں آکر شریک ہوا تو ایسے موقع پر اگر اُسے یقین ہو کہ تین تکبیریں کہہ کر رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے گا تو وہ پہلے کھڑے ہو کر تینوں تکبیریں کہے اس کے بعد رکوع میں شریک ہو جائے۔ اگر ایسے شخص کو رکوع چھوٹ جانے کا خوف ہو تو وہ رکوع میں شریک ہو جائے اور سبحان ربی الاعلیٰ کی بجائے رکوع ہی میں زائد تکبیریں کہے مگر رکوع میں ہاتھ نہ اٹھائے۔[15]
- اگر تینوں تکبیریں پوری کرنے سے پہلے امام صاحب رکوع سے سر اٹھا لیں تو وہ بھی امام کی اقتدا میں کھڑا ہو جائے، جس قدر تکبیریں رہ گئی ہیں وہ معاف ہوں گی۔[16]
- اگر کسی کی ایک رکعت نمازِ عید جاتی رہے تو اس کو چاہیئے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ رکعت ادا کرے، سب سے پہلے قرأت کرے اس کے بعد زائد تکبیریں کہہ کر رکوع میں چلا جائے۔[17]
- اگر امام صاحب رکوع سے پہلے زائد تکبیریں کہنا بھول جائے اور رکوع کی حالت میں انہیں وہ تکبیریں یاد آئیں تو وہ حالت رکوع میں ہی تکبیریں کہہ لیں قیام کی طرف نہ لوٹیں تاہم اگر غلطی سے امام صاحب کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہو کر انہوں نے یہ زائد تکبیریں کہیں تو یہ صورت بھی جائز ہے نماز فاسد نہیں ہو گی۔[18]
- ہجوم کی کثرت کی وجہ سے عیدین کی نماز میں سجدۂ سہو معاف ہے۔[19]
- عیدین کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے لیکن اگر امام کسی مجبوری کی وجہ سے کھڑا

نہ ہو سکے تو بیٹھ کر خطبہ پڑھنا جائز ہے۔[20]

مستحب یہ ہے کہ جو شخص عید کی نماز پڑھائے وہی خطبہ بھی پڑھے، تاہم اگر امام کو کوئی شرعی عذر پیش آجائے تو دوسرا شخص بھی خطبہ دے سکتا ہے۔[21]

مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز طویل ہو اور خطبہ مختصر ہو، یعنی پوری نماز سے کم وقت میں خطبہ ختم ہو جائے۔[22]

صدقۃ الفطر

صدقۃ الفطر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس ضروریاتِ خانہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا اسی وزن کے روپے ہوں یا زیور ہوں یا مال وجائیداد یا تجارت کا مال ہو یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو یا اس وزن کے برابر اشرفیاں یا زیور ہو، یہ شرط نہیں کہ اس مال پر سال گذر چکا ہو، اگر کسی کے پاس بہت مال ہے لیکن قرض اس قدر ہے کہ اگر ادا کیا جائے تو ۵۲½ تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا اسباب باقی نہیں رہتا تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں۔ جس شخص کے پاس مذکورہ مال یا اس سے زیادہ ہو وہ اپنی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرے اور اپنی نابالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے بھی۔[23]

صدقۂ فطر ایک آدمی کا بوزن انگریزی پونے دو سیر گندم ہے یا اس کی قیمت، اور جو ۳½ سیر ہے، اپنے عزیز و اقارب سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ایک شخص کو کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر دیا جائے تو درست ہے اور اگر ایک آدمی کا صدقۂ فطر کئی محتاجوں کو دیدیا جائے تو بھی درست ہے۔ عید کی نماز سے پہلے ادا کر دینا بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ جس نے کسی عذر یا غفلت سے روزے نہیں رکھے اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے بشرطیکہ مذکورہ بالا مقدار کا مال رکھتا ہو۔ صدقۂ فطر مؤذن یا امام وغیرہ کو اُجرت میں دینا جائز نہیں۔ صدقۂ فطر مسجد کی تعمیر اور اس کے مصارف میں لگانا بھی درست نہیں۔

---

[1] قال العلامة المرغيناني رح: تجب صلوٰة العيد على كل من تجب عليه صلوٰة الجمعة۔ (الهداية ج۱ ص۱۵۱ باب العيدين)

[2]، [3] ندب يوم الفطر أكله حلوًا وترًا قبل خروجه الى صلوٰتها واستياكه واغتساله تطيبه ولبسه احسن ثيابه ولو غير ابيض.... ثم خروجه الى الجبانة۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۶۸ باب العيدين)

۴ـ جس راستے سے جائے اس کے سوا دوسرے راستے سے واپس آنا۔
(بہشتی زیور ص۱۰۱ عیدین کی نماز کا بیان)

۵ـ لما قال العلامۃ ابو بکر الحداد الیمنیؒ: ولا یکبر فی طریق المصلی عند ابی حنیفۃ یعنی جهراً اما سراً فمستحب وهذا فی یوم الفطر لان الاصل فی الثناء الاخفاء۔
(الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۱۲ باب العیدین)

۶ـ لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا يتنفل قبلها مطلقاً...... وكذا لا يتنفل بعدها فی مصلاها وان تنفل بعدها فی البیت جاز۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار جلد۲ ص۱۷۱ باب العیدین)

۷ـ لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویصلی الامام بهم رکعتین مثنیا قبل الزوائد وهی ثلاث تکبیرات فی کل رکعۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۷۲ باب العیدین)

۸ـ وفی الهندیۃ: ویستحب ان یفتتح الخطبۃ الاولی بتسع تکبیرات تتری والثانیۃ بسبع۔ (الفتاویٰ الهندیۃ ج۱ ص۱۵۰ باب العیدین)

۹ـ ویسن خطبتان...... بجلسۃ بینهما۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۱۷۸ باب العیدین)

۱۰ـ وہ عورتیں اور لوگ جو کسی وجہ سے نمازِ عید نہ پڑھیں ان کو قبل نماز عید کے کوئی نفل وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے۔ (بہشتی زیور ص۸۸ حصہ یازدہم)

۱۱ـ قال العلامۃ طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: والسنۃ ان یخرج الامام الی الجبانۃ ویستخلف غیره لیصلی فی المصر بالضعفاء والمرضی بناءً علی ان صلوٰۃ العیدین فی موضعین جائزۃ بالاتفاق۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۲۱۳ باب العیدین)

۱۲ـ وفی الهندیۃ: ولو صلاها مع بالجماعۃ وفاتت بعض الناس لا یقضیها من فاتته خرج الوقت او لم یخرج۔ (الفتاویٰ الهندیۃ ج۱ ص۱۵۲ باب العیدین)

۱۳ـ قال العلامۃ ابو البرکات النسفیؒ: وان فاتت مع الامام وتؤخر بعذر الی الغد فقط۔ (کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۲ ص۱۶۲ باب صلوٰۃ العیدین)

۱۴، ۱۵ـ لما فی الهندیۃ ولو انتهی رجل الی الامام فی الرکوع فی العیدین فانه یکبر للافتتاح قائما فان امکنه ان یأتی بالتکبیرات ویدرک فعل ویکبر علی رأی نفسه وان لم یمکنه رکع واشتغل بالتکبیرات ولا یرفع یدیه۔ (الفتاویٰ الهندیۃ ج۱ ص۱۵۱ الباب السابع عشر فی صلوٰۃ العیدین)۔

۱۶ لما فی الهندیة: ولو رفع الامام رأسه بعد ما أدی بعض التکبیرات فانه یرفع رأسه ویتابع الامام وتسقط عنه التکبیرات الباقیة۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۵۱ باب صلوٰۃ العیدین)

۱۷ ولو ادرکه فی القومة لایقضی فیها لانه یقضی الرکعة الاولی مع التکبیرات۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۵۱ باب العیدین)

۱۸ واذا نسی الامام تکبیرات العیدین حتی قرء فانه یکبر بعد القرأة او فی الرکوع مالم یرفع رأسه۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۵۱ الباب السابع عشر فی صلوٰۃ العیدین)

۱۹ لما فی الهندیة: الا مشائخنا قالوا لا یسجد للسهو فی العیدین والجمعة لئلا یقع الناس فی الفتنة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۲۸ باب العیدین)

۲۰ ومنها ان یخطب قائماً فالقیام سنة فلیس بشرط حتی لو خطب قاعداً یجوز عندنا۔
(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۶۳ باب الجمعة)

۲۱ قال العلامة الحصکفیؒ: لا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب لانهما کشیٔ واحد فان فعل بأن خطب صبی باذن السلطان وصلی بالغ جاز هو المختار۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۲ باب الجمعة)

۲۲ قال العلامة الکاسانیؒ: وعن عمر رضی الله عنه انه قال طولوا الصلوٰة وقصروا والخطبة۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۶۳ باب الجمعة)

۲۳ صدقة الفطر واجبة علی الحر المسلم اذا کان مالکا لمقدار النصاب فاضلاً عن مسکنه وثیابه واثاثه وفرسه وسلاحه وعبیده۔ اما وجوبها فلقوله علیه السلام فی خطبته ادوا عن کل حر وعبد صغیر او کبیر نصف صاع من بر او صاع من شعیر۔ رواه ثعلبة بن صعیر العدوی۔ (الهدایة ج ۱ ص ۱۹ باب صدقة الفطر)

۲۴ وزن انگریزی سے وزن صاع کا قریب آدھ پاؤ اور ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے اور نصف صاع پونے دو سیر ایک چھٹانک ہوتا ہے۔ (بہشتی زیور، باب صدقۃ الفطر)

کتاب
الجنائز

باب حقوق الزوجین

(خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق کے بیان میں)

میاں بیوی کے ایکدوسرے پر حقوق کا حکم

سوال:۔ ازروئے شرع بیوی پر خاوند کے اور خاوند پر بیوی کے کیا کیا حقوق ہیں ؟

الجواب:۔ خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے پر بہت سے حقوق ہیں جن کا ادا کرنا اور پورا کرنا ازروئے شریعت مطہرہ لازمی ہے' ان میں بعض حقوق مشترکہ ہیں اور بعض خاص ہیں' مثلاً مہر' نان نفقہ' کسوہ' مکان' اعفاف الزوجہ' عدل وانصاف وغیرہ بیوی کے حقوق منفردہ ہیں اور جائز امور میں خاوند کی اطاعت' اس کی امانت کی حفاظت (مثل عصمت کا تحفظ' مال واولاد وغیرہ کی حفاظت) خاوند کا حق تادیب اور عورت کا حیض ونفاس سے پاک ہونے پر جنابت کے لیے غسل کرنا اور دیگر خاوند کے حقوق منفردہ ہیں۔ اور ایک دوسرے سے حسن معاشرت' نرمی کا مظاہرہ اور ایک دوسرے کی تکلیف برداشت کرنا وغیرہ حقوق مشترکہ ہیں' لیکن خاوند کی ذمہ داریوں کی کثرت کیوجہ سے اس کا حق عورت پر زیادہ ہے ۔ ویدل علیہ ما یأتی ۔ قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (سورۃ النساء آیت ۳۴) وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸) وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (سورۃ النساء آیت ۱۹)

وَقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: وان لزوجک علیک حقاً۔ (صحیح بخاری ج ۵ ص ۱۹۹۵ کتاب النکاح)

واستوصوا بالنساء خیراً ۔ (صحیح بخاری ج ۵ ص ۱۹۸۷ کتاب النکاح) [1]

بیوی کا خاوند کے مال سے اپنا حق وصول کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کرے تو کیا اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ خاوند کے مال سے اپنا حق اس کی اجازت کے بغیر وصول کرے ؟

الجواب:۔ اگر خاوند کا بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کسی ایسی وجہ سے ہو جس میں عورت کے کسی جرم کا دخل نہ ہو تو نفقہ بوجہ لزوم عورت کا حق ہے اور وہ کسی بہانے سے خاوند کے مال سے

---

[1] وَانْظُرْ لِلتَّفْصِیْلِ: (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۲۸ کتاب النکاح ' و الفقہ الاسلامی وادلتہ' ج ۷ ص ۳۲۷ الی ۳۴۳ الفصل السابع حقوق الزواج وواجباتہ)

اپنا حق وصول کرسکتی ہے۔ تاہم اگر کہیں عورت کی نافرمانی کی وجہ سے خاوند نے اس کو نفقہ سے محروم کر رکھا ہو تو پھر عورت کی نافرمانی کی وجہ سے اس کا یہ حق باقی نہیں رہتا۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت إن هندة بنت عُتبة قالت یارسول اللہ إن اباسفیان رجل شحیح ولیس یعطینی مَایکفینی وولدی إلّا ما أخذت منه وهو لا یعلم فقال خذی ما یکفیك وولدك بالمعروف ۔متفقٌ علَیْهِ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص۲۹۰ کتاب النکاح) [1]

ایک بیوی سے زیادہ محبت رکھنا دوسری بیویوں کی حق تلفی نہیں

سوال:۔ اگر ایک آدمی کی تین یا چار بیویاں ہوں اور ان میں کسی ایک کی طرف اس کا قلبی میلان اور اس کے ساتھ محبت زیادہ ہو تو کیا اس سے دوسری بیویوں کی حق تلفی لازم آتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تین یا چار بیویوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی وجہ سے قلبی محبت زیادہ ہو اور دیگر حقوق میں سب کے ساتھ برابری اور عدل کرتا ہو تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں، شریعتِ مطہرہ کی نظر میں خاوند ایسے حقوق کا مکلف ہے جو اس کے دائرۂ اختیار میں ہوں جبکہ ایک سے زیادہ بیویوں میں سے کسی ایک کے ساتھ قلبی محبت اس کی قدرت سے باہر ہے۔

قال فی الھندیة: ومما یجب علی الازواج للنساء العدل والتسویة بینهن فیما یملکه والبیتوتة عندها للصحبة والمؤانسة لا فیما لا یملك وهو الحب والجماع۔
(الفتاویٰ الھندیة ج ۱ ص۳۴۰ الباب السابع عشر فی النفقات) [2]

---

[1] قال فی الھندیة: فی کل موضع کان للقاضی أن یقضی لها بالنفقة فلها ان تأخذ من مال الزوج ما یکفیها بالمعروف بغیر قضاء۔
(الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۵۵۰ الباب السابع عشر فی النفقات)
وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج ۴ ص۱۷۷-۱۹۶ باب النفقة۔

[2] قال الشیخ الکاسانی رحمه الله: وروی عن ابی قلابة أنّ النبیّ صلی الله علیه وسلم کان یعدل بین نساءه فی القسمة ویقول اللّٰهم هٰذه قسمتی فیما أملك فلا تؤاخذنی فیما تملك ولا أملك۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص۳۳۲ باب النفقات)
وَمِثْلُهٗ فی الدرالمختار علیٰ هامش ردّالمحتار ج ۲ ص۴۳۲ کتاب النکاح۔ باب النفقات۔

بیوی کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کرنا خاوند کی ذمہ داری ہے

سوال:- اگر بیوی خاوند کے اقارب (ماں باپ) کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے اور اپنے رہنے کے لیے علیحدہ مکان کا مطالبہ کرے تو کیا خاوند کے ذمہ لازم ہے کہ اس کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کرے؟

الجواب:- اگر بیوی کسی وجہ سے خاوند کے عزیز واقارب کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہو تو خاوند کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے لیے علیحدہ جگہ کا انتظام کرے یہ ضروری نہیں کہ کسی علیحدہ جگہ میں مکان بنانے کی تکلیف کرے بلکہ گھر کے اندر ہی اگر کوئی ایسا کمرہ بیوی کے لیے ہو جس میں کسی دوسرے کا عمل دخل نہ ہو تو پھر بھی اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ: وکذا تجب لہا السکنی فی بیت خالٍ عن أہلہ سوی طفلہ الذی لایفہم الجماع وأمتہ وأم ولدہا من غیرہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۷۱۹)[1]

خاوند بیوی کی رضامندی کے بغیر اسے کسی دوسرے ملک میں ساتھ نہیں لے جاسکتا

سوال:- ایک لڑکے اور لڑکی کے درمیان نکاح ہوگیا ہے، لڑکا کسی دوسرے ملک میں رہتا ہے اور وہ لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے جبکہ لڑکی اور اس کے والدین یہ نہیں چاہتے کہ لڑکی اس کے ساتھ دوسرے ملک چلی جائے، تو کیا خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیوی کو ساتھ لے جانے کے لیے طاقت استعمال کرے؟

الجواب:- اگر لڑکی اور اس کے والدین راضی نہ ہوں تو لڑکا لڑکی کو جبراً اپنے ساتھ کسی دوسرے ملک نہیں لے جاسکتا۔

قال فی الہندیۃ: وکثیر من المشائخ علیٰ أنہٗ لیس للزوج أن یسافر بہا فی زماننا

---

[1] قال ابن نجیمؒ: أی الإسکان للزوجۃ علیٰ زوجہا لان من کفایتہا فتجب لہا کالنفقۃ وقد أوجبہا اللہ تعالیٰ کما أوجب النفقۃ۔ بقولہٖ تعالیٰ: أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ۔ ای من طاقتکم مما تطیقونہ مِلکًا أَوْ إِجَارَۃً او عاریۃ اجماعًا واذا وجبت حقًا لہا لیس لہٗ أَنْ یشترک غیرہا لِأَنَّہَا تتضرر بہٖ...... ولوکان الخلاء مشترکا بعد أن غلقہ یخصہ ولیس لہا أَنْ تطالبہ بمسکن آخر۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۹۳،۱۹۴ باب النفقۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۵۵۶ الباب السابع فی النفقات۔

وإن أوفاها المهر ولكن بنقلها إلى القرى أين أحبّ وعليه الفتوىٰ ـ

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۳۱۷ الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها بمهرها) [۱]

بیوی سے ہمبستری کرنا کن اوقات میں جائز نہیں

سوال:۔ کیا بیوی سے جماع کے لیے کچھ ممنوعہ اوقات ہیں؟ جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز ظہر کے بعد، عید کے دن، شب برات وغیرہ اوقات ومواضع میں جماع کرنا منع ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب:۔ شرعی موانع (حیض ونفاس کی حالت) کے علاوہ جماع کے لیے مخصوص اوقات کے تعین اور بعض سے ممانعت کی کوئی شرعی دلیل نہیں۔ قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۔ (البقرہ آیت ۲۲۳)

قال الرازی رحمہ اللہ: اختلف المفسرون فی تفسیر قولہ أنّیٰ شئتم: والمشهور ما ذکرناه أنه یجوز للزوج أن یأتیها من قُبُلها ومن دُبُرها فی قُبُلها والثانی أن المعنی أی وقت شئتم من أوقات الحل یعنی إذا لم تکن أجنبیة أو محرمة أو صائمة أو حائضا... والخامس متی شئتم من لیل أو نهار۔ (تفسیر کبیر للرازی ج ۶ ص۶۸ سورة البقرة) [۲]

مباشرت کا طریقہ

سوال:۔ مباشرت کا صحیح طریقہ شرعاً کس طرح ہے؟

الجواب:۔ منہ اور دُبر سے اجتناب کیا جائے اور حیض ونفاس کی حالت میں ناف سے لیکر زانو تک بلاحائل نفع نہ لیا جائے، باقی تمام کیفیات جائز ہیں۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ: نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ۔ (البقرہ ۲۲۳)

---

[۱] قال ابن عابدینؒ: ثم ذکر عن الفقیهین أبی القاسم الصفار وأبی اللیث أنه لیس له السفر مطلقاً بلا رضاها لفساد الزمان لأنها لا تأمن علی نفسها فی منزلها فکیف إذا خرجت وأنه صرح فی المختار بأن علیه الفتوی وفی المحیط أنه المختار وفی الولوالجیة أن جواب ظاهر الروایة کان فی زمانهم أما فی زماننا فلا۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۹۱ باب النفقة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۱۲۹ باب النفقة۔

[۲] قال الکاسانیؒ: وللزوج أن یطالبها متی شاء إلا عند اعتراض أسباب مانعة من الوطء کالحیض والنفاس والظهار والاحرام وغیر ذلک۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۳۱ النفقات)

وَمِثْلُهٗ فی نیل الاوطار ج ۶ ص۲۲۵ باب النفقات۔

وقال الله عزّ وجل: فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ۔ (البقرہ ۲۲۲) [1]

جماع کے آداب

سوال: جماع کے کیا کیا آداب ہیں؟ وضاحت فرمائیں؟

الجواب: جماع سے مقصود اولاد اور تحصین الفرج ہو شہوت رانی مقصود نہ ہو، پردے کا اہتمام ہو، بالکل برہنہ نہ ہو، قبلہ رخ نہ ہو، جماع سے قبل ماثورہ دعائیں پڑھی جائیں، حالت جماع میں زیادہ باتیں نہ کی جائیں، جماع سے قبل ملاعبت وضم وتقبیل کی جائے، مرد عورت کے انزال کے بعد اُٹھے۔[2]

قال الله عزّ وجل: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔ (النساء ۲۴)

وقال النبيّ صلى الله عليه وسلم: لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَتٰى اَهْلَهٗ قال بسم الله اللهم جنبنا الشيطن وجنب الشيطن ما رزقتنا فقضي بينهما ولد لم يضره۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۶ کتاب الوضوء) [2]

---

[1] عن ابن عباسؓ قال جاء عمرؓ الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله هلکت قال وما الذی اهلکك قال حولت رحلی البارحة فلم یرد علیه شیئ قال فاوحی الله إلی رسوله هذه الایة: نساءکم حرث لکم فأتوا حرثکم أنّی شئتم۔ اَقبل وادبر واتقوا الدبر والحیضة۔ رواه احمد والترمذی وقال حدیث حسن غریب۔ (نیل الاوطار ج ۶ ص ۲۱۷) وذکر الشوکانی حدیث اخر۔ فلما قدم المهاجرون المدینة تزوج رجل إمرأة من الانصار فذهب یصنع بها ذلك فأنکرته علیه وقالت إنما کنا نؤتی علی حرف فاصنع ذلك وإلّا فاجتنبنی فسریٰ أمرهما حتی بلغ رسول الله صلی الله علیه وسلم فأنزل الله عزوجل: نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ۔ یعنی مقبلات ومدبرات ومستقلیات یعنی بذلك موضع الولد۔ (المرجع السابق)۔ وَمِثْلُهٗ فی تفسیر القرطبی ج ۳ ص ۹۳ سورة البقرہ۔

[2] قال النبی صلی الله علیه وسلم: اذا أتی أحدکم أهله فلیستتر ولا یتجردا تجردا لعیرین۔ رواه ابن ماجه۔ (نیل الاوطار ج ۶ ص ۳۴۴ کتاب النکاح، باب التسمیة والستر عند الجماع)

وَمِثْلُهٗ فی اعلاء السنن ج ۱۷ ص ۴۰۸ کتاب الحظر والاباحة۔

قال الدکتور وهبة الزحیلیؒ: للجماع آداب کثیرة ثابتة فی السنة النبویة منها ما یأتی تستحب التسمیة ویقرأ (قل هو الله احد) ویکبر ویهلل ویقول ولو مع الیأس عن الولد بسم الله العلی العظیم اللهم اجعلها ذریة طیبة إن کنت قدرت أن تخرج ذلك من صلبی اللهم جنبنی الشیطن وجنب الشیطن ما رزقتنی رواه ابوداؤد۔ وینحرف عن القبلة ولا یستقبل القبلة بالوقاع اکراما للقبلة وأن یتغطی نفسه هو وأهله بغطاء وأ لا یکونا متجردین فذلك مکروه کما سیأتی۔ وان یبدا بالملاعبة والضم والتقبیل وإذا قضی وطره فلیتمهل لتقضی وطرها فإن إنزالها ربما تأخر ویکره الإکثار من الکلام حال الجماع۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۳ ص ۵۵۵ الفصل السابع فی حقوق الزواج)

بیوی کے علاج معالجہ کا خرچہ کس کے ذمہ ہے

سوال:۔ شادی کے بعد بیماری کے دوران لڑکی کے والدین اس کے علاج معالجہ پر جو خرچ کریں تو کیا وہ یہ خرچہ خاوند سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ بیماری و مرض کے علاج کا خرچہ شرعاً خاوند کے ذمہ نہیں تاہم اگر خاوند تبرع کرے تو باعثِ اجر ہے۔

قال فی الهندیة: ولا یجب الدواء للمرض ولا أجرة الطبیب ولا الفصد ولا الحجامة۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۴۹ الباب السابع عشر فی النفقات)[1]

حاملہ بیوی سے جماع کرنے کا مسئلہ

سوال:۔ کیا بیوی سے حالتِ حمل میں جماع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر ضرر اور تکلیف پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو حاملہ بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے۔

قال فی الهندیة: وأما اذا أقر الزوج أن الحبل منه فالنکاح صحیح بالاتفاق وهو غیر ممنوع من وطئها۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۴۶ الباب السابع عشر فی النفقات)[2]

نابالغ بیوی سے جماع کرنا

سوال:۔ کیا خاوند اپنی نابالغ بیوی سے جماع کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ بیوی کے ساتھ جماع کرنے کے لیے عمر کی کوئی خاص قید نہیں بلکہ جب بھی منکوحہ میں جماع کے لیے قوتِ برداشت پیدا ہو اور اس سے جماع کرنے سے کسی بیماری کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی حالت میں نابالغ بیوی کے ساتھ جماع کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر بیوی کی حالت ایسی ہو کہ بالغ ہونے کے باوجود اس کی صحت جماع

---

[1] قال ابن عابدین رحمہ اللہ:۔ وعلیه ما تقطع به الصنان لا الدواء للمرض ولا أجرة الطبیب ولا الفصاد ولا الحجام۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۷۰۴ باب النفقة)
وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۷۷ باب النفقة۔

[2] قال ابن نجیمؒ: أما التزوج الزانی لها (للحاملة) فجائز اتفاقاً وتستحق النفقة عند الکل ویحل وطؤها عند الکل کما فی النهایة۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۰۶ باب النفقة)
وَمِثْلُهُ ردّ المحتار ج۲ ص۳۱۷ باب النفقة۔

کی اجازت نہیں دیتی ہو بلکہ جماع کرنے کی وجہ سے امراض پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو ان حالات میں منکوحہ کے بالغ ہونے کے باوجود اس سے جماع جائز نہیں۔

قال فی الھندیة: واکثر المشائخ علیٰ انہٗ لاعبرة للسن فی ھٰذا الباب وانما العبرة للطاقة إن کانت ضخمة سمینة تطیق الرجال ولا یخاف علیھا المرض من ذٰلک کان للزوج أن یدخل بھا وان لم تبلغ تسع سنین وان کانت نحیفة مھزولة لا تطیق الجماع ویخاف علیھا المرض لا یحل للزوج أن یدخل بھا وإن کبرسنھا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ صـ۲۸۷ الباب الرابع فی الاولیاء والضابطہ) ۱؎

حالتِ حیض میں منکوحہ سے جماع کے علاوہ استمتاع کرنا

سوال:۔ حالتِ حیض میں خاوند اپنی بیوی سے جماع تو نہیں کرسکتا لیکن اس کے علاوہ استمتاع کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ حیض ونفاس کی حالت میں خاوند کے لیے اپنی بیوی سے جماع کرنا ناجائز اور حرام ہے لیکن اس کے علاوہ "مافوق الازار" استمتاع میں کوئی حرج نہیں تاہم اگر استمتاع سے جماع تک نوبت پہنچنے کا احتمال ہو تو اس سے بھی بچنا چاہیئے، جبکہ وقوع فی الزنا سے بچنے کے لیے مافوق الازار استمتاع کا طریقہ اپنانا زیادہ محتاط ہے۔

قال فی الھندیة: ولہ أن یقبلھا ویضاجعھا ویستمتع بجمیع بدنھا ماخلا بین السرة والرکبة عند أبی حنیفةؒ وابی یوسفؒ۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ صـ۳۹ الفصل الرابع فی احکام الحیض والنفاس) ۲؎

بیوی سے استمناء بالید کرانا

سوال:۔ اگر بیوی حیض ونفاس یا دیگر امراض کی وجہ سے جماع کے قابل نہ ہو اور خاوند کو جماع کی ضرورت ہو تو کیا وہ بیوی کے ہاتھ

۱؎ قال ابن نجیمؒ: وفی الخلاصة واکثر المشائخ علیٰ أنہ لاعبرة للسن فیھما وانما المعتبر الطاقة۔ (البحر الرائق ج ۳ صـ۱۲۰ باب الاولیاء والاکفاء)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج ۲ صـ۳۲۹ و صـ۳۷۷ باب الاولیاء والاکفاء۔

۲؎ قال ابن نجیمؒ: ویمنع الحیض قربان زوجھا ماتحت ازارھا امّا حرمة وطئھا فمجمع علیھا لقولہ تعالیٰ: وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰی یَطْھُرْنَ ..... واما الاستمتاع بھا بغیر الجماع فمذھب ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ والشافعیؒ ومالکؒ یحرم علیہ مابین السرة والرکبة وھو المراد بما تحت الازار۔ (البحر الرائق ج ۱ صـ۱۹۷)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج ۱ صـ۴۴ کتاب الحیض۔

سے استمناء کراسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ ایسی حالت میں فعل حرام سے بچنے کا امکان ہو۔

الجواب:۔ مذکورہ اعذار کی وجہ سے اپنی بیوی سے استمناء بالید کرانا جائز ہے ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

قال ابن عابدین: ویجوز ان یستمنی بید زوجته وخادمته ولینظر ما سیذکرہ الشارح فی الحد وعن الجوهرة أنه یکرہ ولعل المراد به کراهة تنزیهیة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۰۹) ؎

بیوی کے برہنہ بدن کو دیکھنا

سوال:۔ کیا خاوند اپنی بیوی کا برہنہ بدن جماع کے وقت یا اس کے علاوہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قرآن کریم کے اندازِ بیان "هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ" سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان رشتۂ ازدواج کی وجہ سے پردہ کی کیفیت باقی نہیں رہتی، اس لیے میاں بیوی کے لیے ایک دوسرے کے بدن پر نظر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم فقہاء کرام نے شرمگاہ پر نظر ڈالنے سے اجتناب کرنے کو بہتر لکھا ہے۔

قال الطوری تحت قول النسفی: "وینظر الرجل الی فرج أمته وزوجته" یعنی عن شهوة وغیر شهوة۔ قال علیه الصلوٰة والسلام غض بصرك إلا عن زوجتك وامتك وما روی عن عائشة قالت کنت أغتسل أنا ورسول الله صلی الله علیه وسلم من إناء واحد۔

(البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹۳ کتاب الکراهیة۔ فصل فی النظر)

؎ قال ابن نجیم المصری رحمة الله: وهل یحل الاستمناء بالکف خارج رمضان إن أراد الشهوة لا یحل لقوله علیه السلام ناکح الید ملعون وإن أراد التسکین الشهوة یرجیٰ أن لا یکون علیه وبال۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۳ باب ما یفسد الصوم ما لا یفسد)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۲۰۳ الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد۔

؎۲ قال فی الهندیة: أما النظر الی زوجته ومملوکته فهو حلال من قرنها الی قدمها عن شهوة وغیر شهوة وهذا ظاهر إلا أن الأولیٰ أن لا ینظر کل واحد منهما إلی عورة صاحبه کذا فی الذخیرة۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۵ ص ۳۲۷ الباب الثامن فیما یحل للرجل النظر إلیه)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۱۹ کتاب الاستحسان۔

کتاب
الطلاق

الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان

باب شرائط الطلاق

(طلاق کی شرائط اور اسکے احکام و مسائل)

نکاح سے پہلے دی گئی طلاق کالعدم ہے

سوال:۔ ایک شخص نے خطبہ کے بعد نکاح سے قبل اپنے سسر کو خط لکھا کہ آپ کی بیٹی مجھ سے آزاد ہے اور مجھ پر طلاق ہے، کیا اس کے بعد ان دونوں کے درمیان نکاح جائز ہے؟

الجواب:۔ چونکہ طلاق قبل النکاح کالعدم ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں الفاظ لغو ہوکر بعد میں نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة الحصكفي:۔ فلغا قوله لاجنبية ان زرت زيداً فانت طالق فنكحها فزارت۔ وقال: لعدم الملك والاضافة اليه (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۵۳۷ کتاب الطلاق، مطلب التعليق المراد به المجازاة دون الشرط)۔ [1]

طلاق میں اضافت ضروری ہے

سوال:۔ ایک شخص کو طلاق دینے پر مجبور کرتے ہوئے ڈرایا دھمکایا گیا جس سے وہ شخص حواس باختہ ہوگیا اور طلاق دیتے وقت بیوی کا نام لے کر اس کے باپ کی جگہ دادا کی طرف نسبت کی، کیا والد کے نام میں غلطی سے طلاق پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق پر تلفظ کرتے وقت اکراہ مؤثر نہیں اس لیے جبر و اکراہ کے باوجود طلاق واقع ہوجاتی ہے، خاوند عموماً اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں باپ کی طرف نسبت نہ ہونے کے باوجود صرف عورت کا نام لینے سے طلاق واقع ہوجائے گی، ایسا ہی باپ کی جگہ دادا کی طرف نسبت کرنے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، بظاہر طلاق کے واقع

---

[1] وقال العلامة ابن نجيم: فلو قال لاجنبية ان زرت زيداً فانت طالق فنكحها فزارت لم تطلق لانه حين صدر لا يصح جعله ايقاعاً لعدم المحل۔

(البحر الرائق ج۴ ص۸ کتاب التعليق، تحت قوله فلو قال لاجنبية)

ومثله في فتح القدير ج۳ ص۴۲۶ کتاب الطلاق، باب الايمان في الطلاق۔

ہونے میں کوئی امر مانع نہیں ۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ : لوقال امرأۃ طالق اوقال طلقت امرأۃ ثلاثاً وقال لم اعن امرأتی یصدق ویفہم منہ انہ لولم یقل ذٰلک تطلق امرأتہ لان العادۃ ان من لہ امرأۃ انما یحلف بطلاقہا لابطلاق غیرہا۔ وقال: بخلاف مالوذکراسمہا واسم ابیہا اوامہا اوولدہا..... فقد صرحوا بانہا تطلق وانہ لوقال لم اعن امرأتی لایصدق قضاءً اذاکانت امرأتہ کما وصف ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۶۶ باب الصریح ،کتاب الطلاق)[1]

بیوی کو ڈرانے دھمکانے کیلئے طلاق کا لفظ کہنا

سوال :۔ کسی شخص نے بیوی کو ڈرانے دھمکانے کے لیے طلاق کا لفظ استعمال کیا جبکہ اسکی نیت طلاق کی نہ تھی، توکیا اس سے طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں ؟

الجواب :۔ طلاق کے لفظ صریح میں نیت وارادہ کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے، اس لیے جب بھی عورت کو یہ الفاظ استعمال کئے جائیں تو اس سے طلاق واقع ہوجائے گی ۔

قال النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام :ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والعتاق۔ (نصب الرایۃ ج۳ ص۲۹۳ کتاب الایمان)[2]

طلاق کے وقوع کے لیے خاوند کا بلوغ شرط ہے

سوال :۔ والد نے نابالغ بیٹے کا کسی بالغ لڑکی سے نکاح کردیا اب دونوں خاندانوں کے تعلقات اس حد تک خراب ہوگئے ہیں کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی ہے

---

[1] وقال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ : وکذا لولم ینسبہا الی ابیہا وانما نسبہا الی امہا اوولدہا تطلق۔ وقال: فقال ذٰلک وھو یعلم نسب امرأتہ اولایعلم طلقت امرأتہ ولایصدق قضاءوفیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ لایقع ان کان یعرف نسبہا وان کان لایعرف یقع دیانۃ ۔ (البحرالرائق ج۳ ص۲۵۳،۲۵۴ کتاب الطلاق)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق ۔

[2] وقال العلامۃ الحصکفیؒ :اوھازلا لایقصد حقیقۃ کلامہ۔ (الدرالمختارعلی ہامش ردالمحتار ج۲ ص۴۵۹ کتاب الطلاق ، مطلب فی المسائل التی تصح للاکراہ)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۳ ص۲۴۴ کتاب الطلاق ۔

اندریں صورت کیا نابالغ لڑکا طلاق دے گا یا اس کا والد اُس کی طرف سے طلاق دے کر عورت کو فارغ کرے گا؟

الجواب: ایسی صورت میں نابالغ خاوند خود طلاق نہیں دے سکتا کیونکہ طلاق کے وقوع کے لیے خاوند کا بلوغ شرط ہے اور نہ یہ لڑکا اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کر سکتا ہے، والد نابالغ بیٹے کا نکاح تو خود کرا سکتا ہے لیکن اس کی طرف سے طلاق دینے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ ایسی حالت میں عورت خاوند کے بلوغ کا انتظار کرے گی، البتہ اگر کہیں عصمتِ نفس یا نان نفقہ کا مسئلہ درپیش ہو تو پھر مجبور عورت حاکمِ وقت کی وساطت سے فسخ نکاح کی ڈگری حاصل کر سکتی ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ولا يقع الطلاق الصبي ولو مراهقاً۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۲ كتاب الطلاق)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: الطلاق لمن اخذ الساق۔

(ابن ماجة ص ۱۴۷ ابواب الطلاق) [۱]

نابالغہ کو دی گئی طلاق کا حکم

سوال: ایک شخص نے نابالغ لڑکی سے نکاح کیا اور ابھی وہ نابالغ تھی کہ اس نے طلاق بھی دے دی، کیا اس نابالغ لڑکی پر طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں؟

الجواب: وقوعِ طلاق میں منکوحہ کا اعتبار ہے چاہے منکوحہ بالغ ہو یا نابالغ، اس لیے نابالغ لڑکی پر طلاق کے وقوع میں کوئی شبہ نہیں لڑکی مطلقہ ہو جائے گی۔

قال العلامة ابن همامؒ: في بيان شرائط الطلاق، وفي الزوجة ان تكون منكوحة۔ (فتح القدير شرح الهداية ج ۳ ص ۳۲۶ كتاب الطلاق تحت شرطه) [۲]

---

[۱] وفي الهندية: ولا يقع طلاق الصبي وان كان يعقل۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۳۵۳، كتاب الطلاق، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه)

وَمِثْلُهُ في الهداية وفتح القدير ج ۳ ص ۳۴۳ كتاب الطلاق۔

[۲] قال العلامة التمرتاشيؒ: ومحله (اى الطلاق) المنكوحة۔

(تنوير الابصار على هامش رد المختار ج ۳ ص ۳۵۲ كتاب الطلاق، مطلب طلاق الدور)

وَمِثْلُهُ في البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ۳ ص ۲۳۷ كتاب الطلاق۔

مجنون کی طلاق کا حکم

سوال:- اگر ایک شخص مجنون ہو اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:- طلاق کے وقوع کے لیے خاوند کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے، چونکہ مجنون عقل کی نعمت سے محروم ہوتا ہے اس لیے مجنون اگر طلاق دیدے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

لما فی الهندیة: ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه)[1]

بے وقوف کی طلاق کا حکم

سوال:- کسی شخص میں بالغ ہونے کے بعد کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی بلکہ شروع ہی سے سادہ اور بھولا بھالا چلا آرہا ہے، والدین نے اس کی شادی کردی، دنیا کے جس کام پر اس کو لگایا جائے تو بڑی چستی سے وہ کام کرتا ہے لیکن دنیا کے کسی بھی رسم و رواج سے واقف نہیں، کھانے پینے یا کپڑے پہننے میں عام لوگوں کی طرح ہے، کیا ایسے شخص کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- ایسا شخص سفیہ ہے اور اسکی دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس کے تصرفات شرعاً معتبر ہیں، البتہ جو شخص فاسد التدبیر ہو اور اس کو اپنی باتوں کا اندازہ نہ ہو عموماً بیہودہ، بے ربط اور بے جوڑ باتیں کرتا ہو ایسا شخص معتوہ ہے جسکی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لما فی الهندیة: ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون وکذلك المعتوه لا یقع طلاقه۔ ایضاً۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه)[2]

بیہوشی کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال:- اگر ایک شخص حواس باختہ ہو کر ایسی کیفیت میں طلاق دے کہ اس کو یہ پتہ نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں یہاں تک کہ اس کو رات و دن کی تمیز بھی نہ ہو، تو کیا ایسے شخص کی دی گئی طلاق واقع

---

[1] قال العلامة صدر الشریعة: لا طلاق صبی ومجنون ونائم۔ (شرح الوقایه ج ۲ ص ۸۱ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق)
ومثله فی فتح القدیر ج ۳ ص ۳۵ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق۔

[2] وقال العلامة ابن عابدین: واحسن الاقوال فی الفرق بینهما ان المعتوه هو قلیل الفهم المختلط الکلام، الفاسد التدبیر لکن لا یضرب ولا یشتم بخلاف المجنون۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۴ کتاب الطلاق)
ومثله فی البحر الرائق شرح الکنز الدقائق ج ۳ ص ۲۴۹ کتاب الطلاق۔

الجواب :۔ طلاق دیتے وقت عقل وحواس کی موجودگی ضروری ہے، اگر کسی شخص کے حواس بیہوشی کی وجہ سے ختم ہوجائیں تو اس حالت میں دی ہوئی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: لایقع طلاق المولیٰ علی امرأۃ عبدہ والمجنون والمدھوش فتح وفی القاموس: دھش الرجل تحیر ودھش بالبناء للمفعول فھو مدھوش وادھشتہ اللہ ۔الخ (الدرالمختار علیٰ ھامش ردالمحتار ج۲ ص۴۶۳ کتاب الطلاق، مطلب طلاق المدھوش) [1]

معتوہ کی طلاق کا حکم

سوال :۔ جس شخص کو یہ پتہ نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، عموماً بے ربط اور بے جوڑ باتیں کرتا ہو، اگر ایسا شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو کیا اس کی طلاق واقع ہوجائے گی؟

الجواب :۔ طلاق دینے کے لیے عاقل بالغ ہونا ضروری ہے، صورتِ مسئولہ کے مطابق ایسے شخص کو فقہاء کرام "معتوہ" کہتے ہیں جس کی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی۔

قال العلامۃ التمرتاشیؒ: ولا یقع طلاق الصبیّ والمعتوہ ۔ (تنویرالابصار علیٰ ھامش ردالمحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الطلاق، تحت مطلب فی الحشیشۃ والافیون.... الخ) [2]

وسوسہ کی بیماری میں مبتلا شخص کی طلاق کا حکم

سوال :۔ ایک شخص جو کہ وسوسہ کی بیماری میں مبتلا ہو اور کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں ہمیشہ تردد رہتا ہو اور بسا اوقات کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر طلاق معلق کرتا ہو پھر اس کو طلاق معلق کرنے میں بھی وسوسہ اور شک پیدا ہوجاتا ہے، کبھی تو یہ گمان کرتا ہے کہ میں نے طلاق دی ہے اور کبھی طلاق نہ دینے کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے، جبکہ یقینی طور پر اس کو معلوم نہیں کہ اس نے طلاق دی ہے یا نہیں، تو ایسے شخص کی طلاق کی شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ طلاق کے وقوع کے لیے باقاعدہ قطع اور یقین ضروری ہے، جب تک

---

[1] وفی الھندیۃ: ولایقع طلاق الصبیّ وان کان یعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمی علیہ والمدھوش۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لایقع طلاقہ)
وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۳ ص۲۴۹ کتاب الطلاق۔

[2] وفی الھندیۃ: وکذلک المعتوہ لایقع طلاقہ ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لایقع طلاقہ)
وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر شرح الھدایۃ ج۳ ص۳۴۳ فصل ولایقع طلاق الصبیّ .... الخ۔

اس کو یقین نہ ہو تو شک اور وسوسہ کی بناء پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: علم انہ حلف ولم یدر بطلاق او غیرہ لغا کما لوشک اطلق ام لا۔ (الدر المختار علی ہامش ردّ المختار ج۲ ص۴۹۲ باب طلاق غیر مدخول بہا) [۱]

نشہ کی حالت میں طلاق کا حکم

سوال:۔ کیا نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نشہ کی حالت میں اگرچہ انسان حواس کھو بیٹھتا ہے لیکن نشہ بذات خود چونکہ غیر مشروع فعل ہے اس لیے اس سے طلاق زجراً واقع ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل..... ولو عبداً او مکرھاً او سکران۔ (الدر المختار علی ہامش ردّ المختار ج۲ ص۴۵۶ کتاب الطلاق، مطلب فی الاکراہ) [۲]

غصہ کی حالت میں طلاق دینا

سوال:۔ کیا غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق عموماً غصہ کی حالت میں دی جاتی ہے اس لیے غصہ کا ہونا طلاق پر اثر انداز نہیں ہوتا، تاہم اگر غصہ کی کیفیت اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کو کلام سمجھنے کی طاقت نہ رہے تو مدہوش کے حکم میں ہو کر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: والذی یظہر لی ان کلا من المدھوش والغضبان لا یلزم فیہ ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل یکتفی فیہ بغلبۃ الہذیان واختلاط الجد بالہزل کما ھو المفتی بہ فی السکران۔ (ردّ المختار ج۲ ص۴۶۳ تحت مطلب طلاق المدھوش، کتاب الطلاق) [۳]

---

[۱] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: سئل فی الرجل اذا شک انہ طلق امرأتہ ام لا فہل لا یقع علیہ الطلاق الجواب نعم لا یقع الطلاق۔ (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ ج۱ ص۳۷ کتاب الطلاق)

[۲] قال العلامۃ ابن الہمامؒ: وطلاق السکران واقع۔ (فتح القدیر ج۳ ص۳۴۵ فصل ویقع طلاقہ کل زوج اذا کان عاقلاً بالغاً ولا یقع طلاق الصبی والمجنون والنائم)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۳ ص۲۴۷ کتاب الطلاق۔

[۳] قال العلامۃ ابن ہمامؒ: ولا یقع طلاق الصبی والمجنون والمبرسم والمغمی علیہ والمدھوش کذلک۔ (فتح القدیر ج۳ ص۳۴۳ کتاب الطلاق، فصل ویقع طلاق کل زوج..... الخ

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۴۹ کتاب الطلاق۔

غافل کی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص نے کسی وجہ سے اپنے والد کو نکاح کرانے کی اجازت دی ہو مگر بعد میں وہ اپنی اجازت بھول گیا، جبکہ والد نے اس کا نکاح کر دیا تھا تو اس شخص نے اپنی اجازت کے بھول جانے پر لاعلمی کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ میری بیوی کو طلاق ہو، تو کیا اس کی طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا شخص غافل کے حکم میں داخل ہے اس لیے اسکی طلاق واقع نہیں ہو گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: او مخطئا بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علی لسانه الطلاق او تلفظ به غیر عالم بمعناه او غافلاً او ساهیاً او بالفاظ مصحفة یقع قضاءً فقط بخلاف الهازل واللاعب فانه یقع قضاءً و دیانة۔ (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار ج ۲ ص۴۶۱ کتاب الطلاق) ؎۱

حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دینا

سوال:۔ عن عبد الله ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه انه طلق امرأته وهی حائض علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فسأل عمر ابن الخطاب (رضی الله تعالیٰ عنه) رسول الله علیه عن ذٰلك فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم مره فلیراجعها ثم لیمسکها حتی تطهر ثم تحیض ثم تطهر ثم ان شاء امسك بعد ذٰلك وان شاء طلق قبل ان یمسها فتلك العدة التی امر الله ان تطلق لها النساء۔ (ابوداؤد ج ۱ ص۳۰۳ کتاب الطلاق۔ باب الطلاق فی الحیض)

مذکورہ بالا حدیث شریف کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ عبداللہ سے کہہ دو کہ وہ بیوی سے رجوع کرلے۔ اس واقعہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حالتِ حیض میں طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی شخص نے حیض کی حالت میں طلاق دے دی تو اس کے لیے رجوع کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وقوعِ طلاق کے لیے حیض مانع نہیں اس لیے اگر خاوند بیوی کو حیض کی حالت میں

؎۱ وقال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وافاد ان طلاق الهازل واللاعب والمخطئ واقع کما قدمناه لکنه فی القضاء واما فیما بینه وبین الله تعالیٰ فلا یقع علی المخطئ۔

(البحرالرائق ج۳ ص۲۵۸ باب الطلاق ای الفاظه فی اول الصفحه)

ومثلُهٗ فی فتح القدیر شرح الهدایة ج۳ ص۳۵۲ کتاب الطلاق۔

طلاق دے دے تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے تاہم حیض کی حالت میں چونکہ میاں بیوی کے درمیان عارضی دوری موجود رہتی ہے اس لیے حیض کی حالت میں طلاق دینا کراہت سے خالی نہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں یہ عارضی بُعد طلاق کا محرک بن کر ایک گھرانے کو اجاڑ دے۔ حضرت ابن عمرؓ کے واقعہ میں ممانعت میں یہی جذبہ کارفرما ہے۔

عن عبد اللہ ابن عمر انہ طلق امرأتہ وھی حائض علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسئال عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذٰلک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرہ فلیراجعھا ثم لیمسکھا حتی تطھر ثم تحیض ثم تطھر ثم ان شاء امسک بعد ذٰلک وان شاء طلق۔ (ابو داؤد ج ۱ ص۳۵۲ کتاب الطلاق۔ باب الطلاق فی الحیض)

ورنہ حضرت ابن عمرؓ کو رجوع کرنے کے حکم سے اندازہ ہوتا ہے کہ طلاق تو واقع ہوگئی تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم فرمایا تھا۔

وقال الحصکفیؒ:۔ والبدعی ثلاث متفرقۃ اوثنتان بمرۃ اومرتین فی طھر واحد لارجعۃ فیہ اوواحدۃ فی طھر وطئت فیہ اوواحدۃ فی حیض ...... الخ

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص۴۵۵ کتاب الطلاق واقسامھا ثلاثۃ ... الخ) [1]

طلاق کے لیے گواہ ضروری نہیں

سوال:۔ اگر ایک شخص بیوی کو گواہوں کے بغیر طلاق دیدے تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کا دارومدار خاوند کے تلفظ پر ہے، طلاق کا وقوع گواہوں کی موجودگی پر موقوف نہیں، بغیر گواہوں کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

وقال العلامۃ الحصکفیؒ: لان رکن الطلاق ھو اللفظ او ما یقوم مقامہ۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص۴۶۵ کتاب الطلاق۔ باب الصریح)

---

[1] وفی الھندیۃ: والبدعی من حیث الوقت ان یطلق المدخول بھا وھی من ذوات الاقراء فی حالۃ الحیض۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۳۴۹ کتاب الطلاق واما البدعی فنوعان)

ومثلہٗ فی فتح القدیر شرح الھدایۃ ج ۳ ص۳۲۹ کتاب الطلاق۔ باب طلاق السنۃ۔

[2] وقال الامام الکاسانیؒ: فرکن الطلاق ھو اللفظ الذی جعل دلالۃ علی معنی الطلاق لغۃ ..... اوما یقوم مقام اللفظ۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص۹۸ فصل واما بیان رکن الطلاق)

ومثلہٗ فی فتح القدیر ج ۳ ص۳۲۵ کتاب الطلاق۔

حمل مانع وقوعِ طلاق نہیں

سوال:۔ اگر طلاق دیتے وقت منکوحہ حاملہ ہو تو کیا حمل کی موجودگی سے طلاق کے وقوع پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ منکوحہ کا حاملہ ہونا وقوعِ طلاق کیلئے مانع نہیں جس طرح غیر حاملہ منکوحہ پر طلاق واقع ہوسکتی ہے اسی طرح حاملہ بیوی کو طلاق دینے سے طلاق واقع ہوسکتی ہے" تاہم حاملہ مطلقہ کی عدت وضع حمل سے ہوگی۔ لقولہ تعالیٰ: واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ (الطلاق ۴ م) لہ

حالتِ نفاس میں طلاق دینا

سوال:۔ کیا عورت کو نفاس کی حالت میں طلاق دینا جائز ہے؟ اور ایسی حالت میں عدت کیا رہے گی؟

الجواب:۔ حیض کی طرح نفاس کی حالت میں طلاق دینا اگرچہ صحیح نہیں لیکن بہرحال طلاق واقع ہوجاتی ہے تاہم جب حالتِ نفاس میں طلاق دی جائے تو یہ ایام عدت میں شمار نہیں ہونگے بلکہ مستقل تین حیض عدت شمار ہوں گے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: والنفاس کالحیض۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المختار ج۱ ص۴۲ کتاب الحیض) ۲ لہ

جھوٹی گواہی کی بنیاد پر طلاق کا ثبوت

سوال:۔ اگر ایک عورت جھوٹے گواہوں کا سہارا لے کر حاکم کی عدالت سے طلاق کی ڈگری حاصل کرلے جبکہ خاوند طلاق دینے سے بالکل بے خبر ہو، کیا ایسی جھوٹی گواہی کی بنیاد پر عورت آزادی کے زعم میں عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حقیقتِ حال کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، قاضی صرف گواہوں پر اعتماد کرکے فیصلہ کرتا ہے' اس لیے حاکم یا قاضی کو جب گواہوں کے جھوٹ کا علم نہ ہوا اور ان کے ظاہر پر اعتماد کرکے فیصلہ کرے تو اس سے طلاق ثابت ہوکر عورت مطلقہ متصور ہوگی، تاہم قاضی کو گواہی قبول

لہ قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: وان کانت حاملا فعدتہا ان تضع حملہا۔

(الہدایۃ ج۲ ص۴۲۳ باب العدۃ)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۲ فصل واما عدۃ الحیض... الخ۔

۲ لہ وقال العلامۃ ابن نجیمؒ: ولما کان المنع منہ فیہ لتطویل العدۃ علیہا کان النفاس کالحیض۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۴۳ کتاب الطلاق)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۳۴۸ کتاب الطلاق۔ مطلب تفسیر الطلاق ورکنہ وشرطہ۔

کرتے وقت احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

لما فی الهندیة : وکذٰلك لوقضٰی بالطلاق بشهادة الزور مع علمها حل لها التزوج باخر بعد العدة... الخ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۲۸۳ الباب الثالث فی بیان المحرمات القسم التاسع المحرمات بالطلقات) ؎۱

طلاق نامہ پر جبراً دستخط کرانا

سوال :- ایک شخص سے زبردستی طلاق نامہ لکھوایا گیا ، زبان پر تلفظ نہ کرنے کے باوجود اس نے دستخط بھی کر دیئے ، کیا اس حالت میں طلاق واقع ہو گی یا نہیں ؟

الجواب: جبر واکراہ سے طلاق پر تلفظ کروانے میں زبردستی مؤثر نہیں، ایسی حالت میں مکرہ کی طلاق واقع ہو گی البتہ تحریری طلاق میں نیت کا اعتبار ہے، اس لیے تحریری طور پر طلاق لکھوانے میں جب زبردستی ہو تو نیت نہ ہونے کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہو گی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ : وفی البحران المراد الاکراه علی التلفظ بالطلاق فلو اکره علی ان یکتب طلاق امراته فکتب لا تطلق ۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۲۱ کتاب الطلاق، مطلب فی الاکراه علی التوکیل بالطلاق والنکاح والعتاق) ؎۲

جبراً طلاق کا حکم

سوال :- اگر ایک شخص پر جبر واکراہ کر کے طلاق دلوائی جائے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی ؟

الجواب :- صورت مسئولہ کے مطابق احناف کے نزدیک مکرہ (جس پر جبر واکراہ کیا جائے) کی

؎۱ قال العلامة الحصکفیؒ : ولو قضی بطلاقها بشهادة الزور مع علمها بذٰلك نفذ وحل لها التزوج باخر بعد العدة ۔ وقال ابن عابدینؒ : قوله وبقولهما یفتی قال الکمال وقول الامام اوجه واستدل له بدلالة الاجماع ۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۱۹ باب المحرمات مطلب فیما لو زوج المولی امته .... الخ)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر علی الهدایة ج۳ ص۱۵۵ فصل فی بیان المحرمات ۔

؎۲ قال العلامة قاضی خانؒ : رجل اکره بالضرب او الحبس علی ان یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فکتب فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق ..... الخ

(الفتاوٰی الخانیة علی هامش الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۴۷۲ فصل فی الطلاق بالکتابة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۳۷۹ الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة ۔

طلاق واقع ہوتی ہے، لہٰذا عورت مطلقہ ہو جائے گی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج عاقل ..... ولو عبداً او مکرھا۔
(الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المختار ج ۲ ص۲۳۵ کتاب الطلاق) [۱]

بطورِ استہزاء دی ہوئی طلاق کا حکم

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو بغیر نیت کے استہزاءً طلاق دی اور یہ طلاق اس نے بار بار دہرائی، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صریح الفاظ طلاق میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں، نفس تلفظ سے طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے اگر کسی شخص نے بطورِ استہزاء بھی بیوی کو طلاق دیدی تو پھر بھی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر متعدد بار یوں اقدام کیا تو متعدد طلاق واقع ہوں گی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: بخلاف الھازل واللاعب فانہ یقع قضاءً و دیانۃ لان الشارع جعل ھزلہ بہ جدا۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المختار ج ۲ ص۶۲۵ کتاب الطلاق، مطلب فی الحشیشۃ والافیون والبنج) [۲]

کنکریاں پھینکنے کا اعتبار نہیں بلکہ الفاظِ طلاق معتبر ہیں

سوال: ایک شخص نے بیوی کو ایک مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے البتہ ہاتھ میں تین پتھر لے کر پھینکے ہیں، کیا ایسی حالت میں الفاظ کا اعتبار ہے کہ جس سے بیوی پر ایک طلاق واقع ہو یا کنکریوں کا اعتبار کر کے تین طلاق معتبر ہوں گی؟

الجواب: طلاق کے وقوع میں بنیادی حیثیت الفاظ کی ہے، پتھر پھینکنا بذاتِ خود کوئی طلاق

---

[۱] قال العلامۃ المرغینانی رحمہ اللہ: وطلاق المکرہ واقع۔ (الہدایۃ علیٰ صدر فتح القدیر ج ۳ ص۳۴۴ باب الطلاق)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۳۵۳ فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لا یقع طلاقہ۔

[۲] وفی الھندیۃ: وفی واقعات الناطفی رجل قال لامرأتہ انت طالق کذا تقع ثلاث کانہٗ قال انت طالق احد عشر کذا فی التاتارخانیۃ۔ (الفتاویٰ الھندیہ ج ۱ ص۳۵۶ الفصل الاول فی الطلاق الصریح)

وفیہ ایضاً: وطلاق اللاعب والھازل بہ واقع۔ (الفتاویٰ الھندیہ ج ۱ ص۳۵۳ فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لا یقع طلاقہ)

وَمِثْلُہٗ فی شرح الوقایۃ ج ۲ ص۶۸ کتاب الطلاق۔

نہیں، اس لیے اگر کسی نے بیوی کی طرف صرف پتھر پھینکے اور زبان پر کسی تلفظ سے باز رہا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، البتہ زبان پر تلفظ کرتے وقت پتھر پھینکنے سے مافی الضمیر کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اس لیے اگر تین پتھر پھینکتے ہوئے "تو طلاق ہے" کہہ دیا تو تین کی نیت کرتے ہوئے تین طلاق واقع ہو سکتی ہیں ورنہ ایک طلاق واقع ہو کر منکوحہ قابلِ رجوع ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وکذا لو القی ثلاثة احجار الیہا ولم یذکر لفظ الطلاق ونوی بہا الطلاق الثلٰث لم یقع لعدم الرکن وھو اللفظ والنیّة انما تصح فی الملفوظ او ما یقوم مقامہ۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الطلاق) ہـ

اشارہ سے طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو ہاتھ سے اشارہ کر کے طلاق دے دے تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ جبکہ زبان سے کچھ نہ کہے؟

الجواب:۔ اشارہ سے اس وقت طلاق واقع ہوتی ہے جب انسان بات کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو ورنہ تکلم پر قدرت کے باوجود صرف اشارہ کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الهندیة: ویقع طلاق الاخرس بالاشارہ۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۳۵۴ کتاب الطلاق، الباب الثانی، فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لا یقع طلاقہ) ۲ـہ

لـہ وفی الهندیة: ولو قالت لزوجها طلقتنی فاشار بثلاث اصابع واراد بذلك ثلاث تطلیقات لا یقع مالم یقل بلسانہ۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۳۵۷ الفصل الاوّل فی الطلاق الصریح)

قال الحصکفیؒ: انت طالق هٰکذا مشیرًا بالاصابع المنشورة وقع بعددہ۔ وفیہ: ولو لم یقل هٰکذا یقع واحدة .... ای بأن قال أنت طالق واشار بثلاث اصابع ونوی الثلاث ولم یذکر بلسانہ فانہا تطلق واحدة۔ (الدر المختار علٰی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۴۷ کتاب الطلاق)۔

ومثل هٰذا فی الهدایة علٰی صدر فتح القدیر ج۳ ص۳۸۷ فصل فی تشبیہ الطلاق ووصفہ۔
وَمِثْلُہٗ ذٰلك فی التاتارخانیة ج۳ ص۶۹۸ کتاب الطلاق۔

۲ـہ قال الحصکفیؒ: ویقع طلاق الاخرس بالاشارة یرید بہ الذی ولد وھو اخرس او طرأ علیہ ذٰلك ودام حتی صارت اشارتہ مفهومة والا لم تعتبر۔ (الدر المختار علٰی صدر ردّ المحتار ج۳ ص۲۳۹ کتاب الطلاق، مطلب فی الخنثیٰ والمجنون والنبج)
وَمِثْلُہٗ فی الخانیة علٰی هامش الهندیة ج۱ ص۴۷۲ کتاب الطلاق، فصل فی الطلاق بالکتابة۔

ھازل کی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنے بچے کے ساتھ مزاح کرتے ہوئے کہا کہ تیری ماں طلاق ہے جبکہ اس کا ارادہ طلاق دینے کا قطعاً نہیں تھا، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ صریح طلاق کے الفاظ میں نیت و ارادہ کا ہونا ضروری نہیں، ارادہ نہ ہونے کے باوجود مزاح میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں ایک طلاق واقع ہو گی، کیونکہ اس میں عدد کا ذکر نہیں۔ اور اگر کسی شخص نے ایسی حالت میں تین طلاق دی تو منکوحہ مطلقہ مغلظہ ہو گی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج عاقل ...... ولو ھازلاً۔
(الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۵۹ کتاب الطلاق۔ مطلب فی المسائل التی یقع مع الاکراہ)[1]

طلاق پر جھوٹی قسم کھانا

سوال:۔ اگر کسی شخص نے طلاق پر جھوٹی قسم اس طرح کھائی کہ اگر میں فلاں کام کے بارے میں جھوٹ بولوں، سچ نہ بولوں تو میری بیوی مجھ پر طلاق ہے پھر بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے جھوٹ بولا تھا اور وہ کام اس کی قسم سے پہلے متحقق ہو چکا تھا، اب اس شخص پر اس کی بیوی طلاق ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اس شخص پر بیوی طلاق ہے، البتہ اگر اس نے یہ الفاظ ایک مرتبہ کہے ہوں تو ایک طلاق واقع ہو گی اور اگر تین دفعہ تکرار کیا ہو تو پھر تین طلاق واقع ہوں گی۔

لما فی الھندیة: واما الحلف بالطلاق والعتاق وما اشبه ذٰلك فما یکون علیٰ امر فی المستقبل فھو کالیمین المعقودة وما یکون علیٰ امر فی الماضی فلا یتحقق اللغو والغموس ولکن اذا کان یعلم خلاف ذٰلك اولا یعلم فالطلاق واقع۔ (الفتاویٰ الھندیة ج۲ ص۵۲ کتاب الایمان، فی الباب الاول)[2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: ولم یشترط ان یکون جاداً فیقع طلاق الھازل به واللاعب للحدیث المعروف ثلاث جدھن جد وھزلھن جد ..... الخ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۴۴ کتاب الطلاق، تحت قوله: (ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۴۴ کتاب الطلاق، فصل فی ایقاع الطلاق۔

[2] قال العلامة التمرتاشیؒ: ان حلف علیٰ کاذب عمداً کواللہ ما فعلت کذا عالماً بفعله .... ویأثم بھا فتلزمه التوبة وثانیھا لغو۔ وقال العلامة الحصکفیؒ: تحت ھٰذا القول: لامؤاخذة فیھا الا فی ثلاث طلاق وعتاق ونذر اشباہ۔ (تنویر الابصار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۳ ص۱۵ کتاب الایمان۔ مطلب فی حکم الحلف بغیرہ تعالیٰ)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاویٰ البزازیة علیٰ ھامش الھندیة ج۴ ص۲۶۵ کتاب الایمان۔ فی الفصل الاول۔

طلاق کا وقوع ثبوت کا محتاج ہے

سوال:۔ ایک شخص پر اس کی ساس دعویٰ کرتی ہے کہ تم نے بیوی کو طلاق دے کر فارغ کر دیا ہے لیکن خاوند انکار کر رہا ہے، تو کیا ساس کے کہنے سے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر خاوند طلاق کا اقرار کرتا ہو تو کسی دوسرے کے ماننے کے بغیر بھی طلاق واقع ہو جائے گی لیکن جہاں کہیں خاوند طلاق سے منکر ہو تو وہاں پر ساس کا بیان ناکافی ہے، ایسی صورت میں طلاق تب ثابت ہوگی جب باقاعدہ دو گواہ پیش کئے جائیں۔ تاہم جہاں کہیں عورت کو یہ یقین ہو کہ خاوند نے اس کو طلاقِ ثلاثہ دے کر فارغ کر دیا ہے لیکن اس کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہ ہو اور خاوند انکاری ہو تو عورت کسی ذریعہ (خلع) سے خاوند سے فراغت حاصل کر سکتی ہے۔

كما في الهندية: سئل شيخ الاسلام ابو القاسم رحمه الله تعالىٰ عن امرأة سمعت من زوجها انه طلقها ثلاثاً ولا تقدر ان تمنع نفسها منه هل يسعها ان تقتله قال لها ان تقتله۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۷۵ كتاب الطلاق۔ الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة ومايتصل به في فصل فيما تحل به المطلقة) [۱]

طلاق کے ثبوت کے لیے ایک گواہ ناکافی ہے

سوال:۔ اگر خاوند پر عورت یا کسی اجنبی شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ تم نے بیوی کو طلاق دی ہے اور ایک شخص اس کی گواہی دے رہا ہے جبکہ خاوند اس کا انکار کر رہا ہو تو اس سے نکاح پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ ایسی حالت میں اگر مدعی طلاق کے پاس دو گواہ ہوں اور وہ گواہی دیں تو طلاق ثابت رہے گی، صرف ایک گواہ طلاق کے ثبوت کے لیے ناکافی ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ونصابها لغيرها في الحقوق سواء كان مالاً او غيره كنكاح

---

[۱] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: سمعت من زوجها انه طلقها ولا تقدر على منعة من نفسها الا بقتله لها قتله — وقال العلامة ابن عابدينؒ: قال في المحيط وينبغي لها ان تفتدي بمالها او تهرب منه وان لم تقدر قتلته۔ (الدر المختار على الرد المحتار ج۲ ص۵۹ باب الرجعة۔ وفي مطلب الاقدام على النكاح اقرار بمعنى العدة)
ومثلهٗ في الفتاوى التاتارخانية ج۳ ص۶۰۹ كتاب الطلاق روسائل الحلل وغيرهما۔

و طلاق رجلان اورجل وامرأتان۔ (الدرالمختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۴ ص ۴۱۳ کتاب الشہادات) ؎۱

بذریعہ ڈاک بھیجی گئی طلاق کا حکم

سوال :۔ اگر ایک شخص بغیر کسی گواہ کے بیوی کو ڈاک کے ذریعہ طلاق بھیجے تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب :۔ طلاق کے وقوع کے لیے گواہوں کا ہونا شرط نہیں جیسا کہ خاوند زبانی طور پر طلاق دے سکتا ہے تو تحریری طور پر بھی طلاق دینے کے لیے کوئی امر مانع نہیں، لہٰذا بغیر گواہوں کے بذریعہ ڈاک ارسال کی گئی طلاق سے بھی بیوی مُطلّقہ ہوجائے گی۔

لما فی الهندیة : رجل استکتب من رجل اخر الی امرأته کتابا بطلاقها وقرأه علی الزوج فاخذه وطواه وختم وکتب فی عنوانه وبعث به الی امرأته فاتاها الکتاب واقر الزوج انه کتابه فان الطلاق یقع علیها۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۷۹ کتاب الطلاق۔ الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة) ؎۲

طلاق نامہ پر لاعلمی میں دستخط کرنا

سوال :۔ اگر کسی شخص نے لاعلمی کی حالت میں طلاق نامہ پر دستخط کئے تو اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب :۔ طلاق بالکتابت میں نیت وارادہ ضروری ہے، اس لیے طلاق نامہ پر لاعلمی کی صورت میں دستخط کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الهندیة : کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع به الطلاق اذا لم یقر انه کتابه۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۷۹ کتاب الطلاق، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة) ؎۳

؎۱ وفی الهندیة : وشرط فیها شهادة رجلین او رجل وامرأتین سواء کان الحق مالا او غیر مال کالنکاح والطلاق۔ (الفتاوی الهندیة ج ۳ ص ۴۵۱ کتاب الشهادات۔ فی الباب الاول)

ومثله فی فتح القدیر ج ۳ ص ۱۵۵ کتاب النکاح۔

؎۲ قال العلامة ابن همامؒ : ولو کتب الصحیح الی امرأته بطلاقها ثم انکر الکتاب وقامت علیه البینة انه کتبه بیده فرق بینهما فی القضاء واما فیما بینه وبین الله تعالیٰ ان کان لم ینو به الطلاق فهی امرأته۔ (فتح القدیر شرح الهدایة ج ۳ ص ۴۰۴ کتاب الطلاق۔ فصل فی الطلاق قبل الدخول)

وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج ۲ ص ۳۷۹ کتاب الطلاق۔ وفی مطلب الطلاق۔

؎۳ قال العلامة ابن عابدینؒ : کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقر انه کتابه۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۵ کتاب الطلاق۔ مطلب فی الطلاق بالکتابة)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج ۴ ص ۴۸ کتاب الطلاق۔ ایقاع الطلاق بالکتاب۔

مرضِ سرسام میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! سرسام ایک ایسی بیماری ہے کہ اس میں مریض پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ اس سے دیوانوں کی سی حرکات سرزد ہوتی ہیں، اگر اس مرض میں مبتلا شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: سرسام زدہ شخص کے افعال و اعمال کا حکم مجنون اور معتوہ جیسا ہے اس کی طلاق باتفاقِ علماء واقع نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کوئی ایسی حالت میں بیوی کو طلاق دے تو بیوی مطلقہ نہ ہوگی۔

قال العلامة الکاسانیؒ: فمنها ان یکون عاقلاً حقیقة او تقدیراً فلا یقع طلاق المجنون والصبی الذی لا یعقل لان العقل شرط اهلیة التصرف لان به یعرف کون التصرف مصلحة۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۹۹ فصل شرائط الرکن) [1]

خواب کی حالت میں دی گئی طلاق لغو ہے

سوال: اگر کوئی شخص خواب (نیند) کی حالت میں اپنی بیوی کا نام لے کر کہے کہ ہندہ کو طلاق طلاق طلاق ہے تو کیا اس سے اُس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: نیند میں انسان کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اُسے کچھ سمجھ نہیں آتا بلکہ اس کو یہ بھی علم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اس لیے یہ شخص شرعاً معذور ہے اور اس کی دی ہوئی طلاق لغو ہے، اس سے بیوی مطلقہ نہیں ہوگی۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: ومنها ان لا یکون معتوهاً ولا مدهوشاً ولا مبرسماً ولا مغمی علیه ولا نائماً فلا یقع طلاق هؤلاء لما قلنا فی المجنون۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۰۰ فصل شرائط الرکن) [2]

---

[1] قال العلامة ابن الهمامؒ: قوله لا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون والنائم والمعتوه کالمجنون ....لکن معلوم من کلیات الشریعة ان التصرفات لا تنفذ الا ممن له اهلیة التصرف وادناها بالعقل والبلوغ۔
(فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۳ فصل ویقع طلاق کل زوج۔ الخ)
ومثله رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۲ کتاب الطلاق مطلب تعریف السکران۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: لا یقع طلاق المولیٰ علیٰ امرأة عبده ..... والصبی والمعتوه من العته وهو اختلال فی العقل والمبرسم من البرسام والمغمی علیه۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۲ کتاب الطلاق)
ومثله فی فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۳ فصل ویقع طلاق کل زوج۔ الخ

طلاق الصّریح والکنایۃ

(طلاقِ صریح وکنایہ کے احکام ومسائل)

"تم طلاق ہو" میں تین طلاق کی نیت کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ "تم طلاق ہو" اور اس میں اس کی نیت تین طلاق کی ہو، تو کیا اس سے تین طلاق واقع ہوں گی یا ایک؟

الجواب:۔ صریح الفاظِ طلاق میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں، اسلئے "تم طلاق ہو" سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی، تین طلاق کی نیّت کرنا اس میں لغو ہے۔

لما فی الهندیة: کانت طالق ومطلقة وطلقتك تقع واحدةً رجعیة وان نوی الاکثر اَوِ الاَ ابانة۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۳۵۴ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق)[1]

سوچ وفکر کے عالم میں طلاق کا لفظ ادا کرنا

سوال:۔ ایک شخص سوچ وفکر میں گم تھا اس کی کوشش تھی کہ زبان سے طلاق کا لفظ ادا نہ کرے لیکن اچانک اس کی زبان سے نکل گیا کہ "چلو میں نے تجھ کو طلاق دے دی" تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگئی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر سوچ وفکر سے مجبور ہوکر ان الفاظ سے مراد بیوی کو طلاق دینا ہو تو صریح طلاق میں واقع ہونے کے لیے اس کا ارادہ اور نیّت ضروری نہیں، تاہم اگر یہ تلفظ کسی واقعہ کی حکایت ہو جو اس کے ذہن میں کسی فرضی واقعہ کا پیش خیمہ ہو یا نفس الامر کے کسی واقعہ کی حکایت ہو تو حکایت کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الهندیة: رجل قال لامرأته انت طالق فقال له رجل ما قلت فقال طلقتها

---

[1] قال ابوالحسن علی المرغینانیؒ: الصریح هو کانت طالق ومطلقة وطلقتك فهذا یقع به الطلاق الرجعی ولا یقع به الا واحدة وان نوی الاکثر۔ ملخصاً۔

(الهدایة ج ۲ ص۳۶۰ کتاب الطلاق۔ باب ایقاع الطلاق۔ مکتبۂ حقانیہ)

ومِثْلُهٗ فی الدرالمختار علیٰ هامش ردّالمحتار ج ۲ ص۴۲۹ کتاب الطلاق، باب الصریح۔

او قال قلت هی طالق فهی واحدة ۔ (الفتاوٰی الہندیہ ج ۱ ص۳۵۵ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق)

وقال العلامة ابن الھمامؒ: ثمّ قولنا لا یتوقف علی النیّة معناه اذا لم ینو شیئًا اصلًا یقع لانه یقع وان نوی شیئًا اٰخر لما ذکر انه اذا نوی الطلاق عن وثاق صدق دیانة لا قضاءً وکذا عن العمل۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۳ ص۳۵۱ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق) [1]

عورت کی عدم موجودگی میں خطاب کے صیغے سے طلاق دینا

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو اس کی عدم موجودگی میں یوں کہے کہ "جاؤ تم طلاق ہو" تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی مرد کا اپنی بیوی کو انت طالق کہنے کے لیے اس کی موجودگی ضروری نہیں، بسا اوقات اس کو حاضر فرض کر کے خطاب کیا جاتا ہے، اس لیے ایسی حالت میں "جاؤ تم طلاق ہو" کہنے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

لما فی الھندیة: ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق، فکلما کتب ھٰذا یقع الطلاق۔ (الفتاوٰی الھندیة ج ۱ ص۳۷۸ کتاب الطلاق، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة) [2]

ایک دو تین کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: "ایک دو تین تم طلاق ہو"، ایسی حالت میں عورت پر کونسی طلاق واقع ہوگی، کیا اس سے منکوحہ مطلقہ مغلظہ بنتی ہے یا طلاق رجعی واقع ہوگی؟

الجواب:۔ اگر اس عدد کے ساتھ نسبت ہو یعنی عورت سے یوں کہے تجھے ایک دو تین

---

[1] وقال العلامة ابن عابدینؒ: ان الصّریح لا یحتاج الی النیّة ولکن لا بد فی وقوعه قضاءً ودیانةً من قصد اضافة لفظ الطلاق الیها عالمًا بمعناه ولم یصرفه الٰی مایحتمله۔ الخ
(ردّ المحتار ج ۲ ص۴۳۰ کتاب الطلاق، باب الصریح)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۲۵۹ کتاب الطلاق، باب الطلاق ای الغلظه۔

[2] قال العلامة ابن الھمامؒ: فان کان علی رسم کتب الرسالة بان کتب اما بعد یا فلانة فانت طالق او انت حر او اذا وصل الیك کتابی فانت طالق فانهٗ یقع الطلاق۔ الخ
(فتح القدیر ج ۳ ص۴۰۳ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق، بحث الکنایات)

وَمِثْلُهٗ فی قاضی خان علیٰ ھامش الھندیة ج ۱ ص۴۷۱ کتاب الطلاق، فصل فی الطلاق بالکتابة۔

تم طلاق ہو، ظاہر ہے کہ اضافت کی موجودگی میں اس سے تین طلاق واقع ہوں گی، لیکن جب اضافت نہ ہو صرف یہ ہو کہ ایک دو تین تم طلاق ہو یا تم طلاق ہو ایک دو تین، ایسی حالت میں "تم طلاق ہو" مستقل جملہ مبتدا، خبر ہو کر عدد سے بظاہر اس کا کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا، اس لیے عدد لغو ہو کر ایک طلاق واقع ہوگی، تاہم اگر یوں کہا کہ تم ایک دو تین طلاق یا تم طلاق ایک دو تین ہو تو اس سے پھر لازمی طور پر تین طلاق واقع ہوں گی۔

والدلیل علیٰ ما قلنا ما قاله العلامة الحصکفیؒ: والطلاق یقع بعدد قرن به لا نفسه عند ذکر العدد وعند عدمه الوقوع بالصیغة۔ الخ (الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج ۲ ص ۴۵۶ کتاب الطلاق، مطلب الطلاق یقع بعدد قرن به) [۱]

بیوی کے نام کی جگہ دوسرا نام لیکر طلاق دینا

سوال:۔ اگر ایک شخص نے کسی مصلحت کے لیے بیوی کے اصل نام کی جگہ دوسرے نام سے یاد کر کے طلاق دی ہو تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بیوی کی طرف اشارہ نہ ہو تو تعارف اور تعین کے لیے نام کا سہارا لیا جاتا ہے یہ تب ہو سکتا ہے کہ نام درست ہو، جب اصل نام کو چھوڑ کر دوسرے نام سے یاد کیا جائے تو بیوی مطلقہ نہیں ہوگی تاہم اگر اس شخص کی نیت اپنی بیوی کو طلاق دینے کی ہو تو طلاق واقع ہو جائیگی۔

وفی الهندیة: ولو قال امرأته الجشبیة طالق ولا نیة له فی طلاق امرأته وامرأته لیست بجشبیة لا یقع علیها وعلیٰ هذا اذا سمی بغیر اسمها ولا نیة له فی طلاق امرأته۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۳۵۸ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق) [۲]

---

[۱] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید الانصاریؒ: رجل قال لامرأته ترا یکی وترا سه اوقال تو یکی سه۔ قال ابوالقاسم الصفارؒ: لا یقع شئ۔ وقال صدر الشهیدؒ: یقع اذا نوی وبه یفتی۔ (خلاصة الفتاویٰ ج ۲ ص ۹۸ کتاب الطلاق، الفصل الثانی فی الکنایات جنس آخر ۴)

وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج ۴ ص ۱۷۹ کتاب الطلاق، مسائل الایقاع بلا قصد واضافة۔

[۲] قال العلامة ابن همامؒ: ولو قال امرأتی فلانة بنت فلان طالق وسماها بغیر اسمها لا تطلق امرأته الا بالنیة۔ (فتح القدیر شرح الهدایة ج ۳ ص ۳۵۳ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فی الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار ج ۲ ص ۴۶ کتاب الطلاق مطلب فیما لو قال امرأته طالق۔ الخ

طلاقِ رجعی کی عدت گذرنے کے بعد طلاق دینا مؤثر نہیں

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو زبانی ایک طلاق دی اور عدت گذرنے کے بعد اس نے پھر دو طلاق تحریری طور پر دیں، تو کیا اس سے طلاقِ مغلظہ واقع ہوگی یا تجدیدِ نکاح ہی کافی ہے؟

الجواب:۔ اگر خاوند نے پہلی زبانی طلاق کی عدت گذرنے کے بعد دو طلاق تحریری طور پر دی ہوں تو تجدیدِ نکاح کافی ہے کیونکہ پہلی زبانی طلاق کی عدت گذرنے کے بعد عورت خاوند سے جدا ہو کر محلِ طلاق نہیں رہی اس لیے پہلی طلاق کی عدت کے بعد دی گئی دو طلاق لغو تصور ہوں گی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: والرجعی لایزیل الملک الا بعد مضی العدۃ۔
(ردّ المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۵۲۶ کتاب الطلاق) [۱]

طلاقِ صریح کے بعد دی گئی طلاق (بائن) کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے دو دفعہ کہا تم طلاق ہو، تم طلاق ہو۔ اور پھر کہا تم میرے گھر سے چلی جاؤ۔ تو اس سے کون سی طلاق واقع ہوگی۔

الجواب:۔ "تم طلاق ہو" دو دفعہ کہنا طلاقِ رجعی ہے لیکن اس کے بعد یہ کہنا کہ "میرے گھر سے چلی جاؤ" طلاق بائن ہے، طلاقِ رجعی میں اس کو رجوع کا حق حاصل تھا، لیکن طلاقِ رجعی کے بعد جب طلاق بائن (یعنی میرے گھر سے چلی جاؤ) سے یہ حق ختم ہو کر منکوحہ مطلقہ بائنہ ہوگی کیونکہ طلاقِ رجعی کے بعد طلاقِ بائن دی جا سکتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ الآیۃ (البقرہ آیت ۲۲۹)

قال الحصکفیؒ: والبائن یلحق الصریح۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۵۰۹ کتاب الطلاق، باب الکنایات) [۲]

---

[۱] وقال العلامۃ الکاسانیؒ: فلا یصح الطلاق الا فی الملک او فی علقۃ من علائق الملک وھی عدۃ الطلاق۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۲۶ کتاب الطلاق (فصل) واما الذی یرجع الی المرأۃ الخ)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر علی الھدایۃ ج۳ ص۳۲۶ کتاب الطلاق فی تفصیل اول کتاب الطلاق لا باب قبلہ۔

[۲] وَفی الھندیۃ: والطلاق البائن یلحق الطلاق الصریح بان قال انت طالق ثم قال لھا انت بائن طلقۃ اخریٰ ولا یلحق البائن البائن۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۳۷۷ کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۲۱۹ باب الکنایات۔ (قولہ: والصریح یلحق الصریح والبائن)

دو دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے

سوال:۔ بیوی کو دو دفعہ طلاق دینے کے بعد خاوند رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صریح طلاق جب تک تین دفعہ استعمال نہ ہو تو ایک یا دو دفعہ لفظ طلاق صریح کے استعمال کرنے کی صورت میں خاوند بیوی کی طرف رجوع کر سکتا ہے، ایسی حالت میں صرف رجوع ہی کافی ہے۔

لما فی الہندیۃ: ولو قال انت طالق الطلاق وقال عنیت بقولی طالق واحدۃ وبقولی الطلاق اخری یصدق فتقع رجعیتان ان کانت مدخولا بہا۔

(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۳۵۵ کتاب الطلاق باب الثانی فی ایقاع الطلاق الفصل الاول فی الطلاق الصریح)[۱]

دو طلاق کے بعد رجوع کر کے دوبارہ طلاق دینا

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی کو دو طلاق دیں اور پھر رجوع کر لیا لیکن کچھ مدت کے بعد میاں بیوی کے درمیان پھر اختلافات پیدا ہو گئے تو خاوند نے چھ طلاقیں دے دیں، تو کیا خاوند اب بھی رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دو طلاق کے بعد رجوع مفید ہے اور اس سے میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں لیکن دو طلاق دینے کے بعد خاوند کے پاس صرف ایک طلاق کا حق باقی رہ جاتا ہے جو وہ کسی وقت بھی انفرادی طور پر استعمال کر سکتا ہے، صورت مسئولہ میں خاوند کا رجوع کرنے کے بعد چھ طلاقیں دینے میں ایک طلاق کے لیے محل کی موجودگی کی وجہ سے یہ طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت مطلقہ مغلظہ ہو کر خاوند کے لیے حلالہ کے بغیر جائز نہیں اور باقی پانچ طلاقیں محل نہ ہونے کی وجہ سے لغو متصور ہونگی۔

قال الحصکفیؒ: ولاینکح مطلقۃ من نکاح صحیح نافذ بہا ای بالثلث حتی یطأھا غیرہ۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۵۸۳ کتاب الطلاق، باب الرجعۃ، مطلب فی العقد علی المبانۃ)[۲]

---

[۱] قال العلامۃ الزیلعیؒ: کقولہ انت طالق انت طالق فیقع رجعیتان اذا کانت مدخولاً بہا۔
(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج۲ ص۱۹۹ کتاب الطلاق)
ومثلہٗ فی الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۶۸ کتاب الطلاق، باب الصریح، مطلب فی قول البحران الصریح یحتاج ۔۔۔ الخ۔

[۲] وفی الہندیۃ: واذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فلہ ان یتزوجہا فی العدۃ وبعد انقضائہا وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ وثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحاً صحیحاً۔
(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۴۷۳ الباب السادس فی الرجعۃ وفیما تحل بہ المطلقۃ الخ، فصل فیما تحل بہ المطلقۃ وما یتصل بہ)

طلاقِ بائن کے اثرات

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی ہے اور اس پر سات آٹھ مہینے گذر گئے ہیں، اب اگر وہ دوبارہ میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنا چاہیں تو ان کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:- طلاقِ بائن میں تجدیدِ نکاح ضروری ہے خواہ عدت کے اندر ہو یا بعد میں ہو، طلاقِ بائن میں رجوع کرنا ناکافی ہے، صورتِ مسئولہ میں یہ مرد وزن دوبارہ نکاح کرکے ازدواجی زندگی گذار سکتے ہیں۔

لمافی الهندیة: واذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجها فی العدة وبعد انقضائها۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۷۲ کتاب الطلاق، باب السادس فی الرجعة وفیما تحل به المطلقة وما یتصل به فصل فیما تحل به المطلقة۔۔۔ الخ)[۱]

لفظ "ہاں" کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال:- میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر کشیدگی پیدا ہوگئی، بیوی نے خاوند سے کہا بے غیرت مجھے طلاق دے دو، خاوند نے زمین سے پتھر اٹھا کر بیوی کی طرف پھینکتے ہوئے کہا "ہاں"۔ کیا اس سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب:- خاوند کے یہ الفاظ "ہاں" یا بیوی کی طرف پتھر پھینکنا نہ طلاقِ صریح ہے اور نہ طلاقِ کنایہ ہے، اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لمافی الهندیة: ولو قالت انا طالق فقال نعم طلقت ولو قال له فی جواب طلقنی لا تطلق وان نوی۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۵۶ مطلب کرر الطلاق بالواو اوبغیرها ونوی بالثانی الاول)[۲]

طلاق کی حکایت کا بیان کرنا

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی پھر اس طلاق کی حکایت کسی مجلس میں اس طرح بیان کیا کہ میں نے اس کو طلاق دی ہے، کیا اس حکایت سے دوسری طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

---

[۱] قال العلامة المرغینانیؒ: واذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجها فی العدة وبعد انقضائها لان الحل المحلیة باق۔ (الهدایة ج۲ ص۳۷۸ کتاب الطلاق۔ باب الرجعة)

ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۵۸۲ کتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب فیما قیل۔۔۔ الخ

[۲] وقال الشیخ ابن البزاز الکردریؒ: ولو قالت طلقنی فقال نعم لا وان نوی۔ (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۱۲۶ کتاب الطلاق، تسعة فصول، الاول فی صریح الطلاق، نوع آخر فی الفاظه)

الجواب:۔ پہلی طلاق کی حکایت سے دوسری طلاق واقع نہیں ہوتی صرف ایک طلاق متصور ہوگی۔

لما فی الھندیۃ: رجل قال لامرأتہ انت طالق فقال لہ رجل ما قلت فقال طلقتھا او قال قلت ھی طالق فھی واحدۃ فی القضاء کذا فی البدائع۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۳۵۵ مطلب اذا کرر الطلاق علی المرأۃ المدخول بھا ونوی الاخبار) [۱]

طلاق کی قسم کھانا

سوال:۔ ایک شخص نے قسم کھا کر کہا کہ اگر میں نے سگریٹ نوشی کی تو میری بیوی کو طلاق ہوگی، تو اس طرح قسم کھانے کے بعد سگریٹ نوشی کرنے سے نکاح پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

الجواب:۔ مذکورہ قسم کھانے کی صورت میں حانث ہونے پر ایک طلاق واقع ہوگی لہٰذا سگریٹ نوشی کے بعد رجوع بالقول یا بالفعل کافی ہے۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: قولہ انت طالق ومطلق وطلقتک فھذا یقع بہ الطلاق الرجعی۔ (الھدایۃ ج ۲ ص ۳۳۸ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق) [۲]

مجھ پر "بیوی ناجائز طلاق ہوگی" سے طلاق کا حکم

سوال:۔ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ میں نے فلاں کام کیا تو میری بیوی مجھ پر ایسی طلاق ہوگی جو ناجائز ہو تو اس سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ حانث ہونے کی صورت میں اس شخص کی بیوی پر طلاق رجعی واقع ہوگی جس میں رجوع بالفعل یا بالقول کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

قال العلامۃ سراج الدینؒ: ولو قال انت طالق ما لا یجوز علیک من الطلاق

---

[۱] قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ:۔ ولو قال لامرأتہ انت طالق فقال لہ رجل ما قلت فقال طلقتھا الخ لان کلامہ انصرف الی الاخبار الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۰۲ فصل ومنھا النیۃ فی احد نوعی الطلاق)

[۲] وفی الھندیۃ: ھو کانت طالق ومطلقۃ وطلقتک وتقع واحدۃ رجعیۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۳۵۴ الباب الثانی فی ایقاع الطلاق، وفیہ سبعۃ فصول)
ومثلہ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۳۹ کتاب الطلاق، باب الصریح۔

طلقت واحدة۔ (الفتاوى السراجية ص۴۳ کتاب الطلاق، باب عدد الطلاق) ؎۱

دو بیویوں میں سے ایک کو مبہم طلاق دینا

سوال:۔ ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، اس نے اُن سے کہا تم میں سے ایک طلاق ہے، تو اس سے کون سی عورت مطلقہ متصور ہوگی؟

الجواب:۔ طلاق کا وقوع یقینی ہے تاہم تعیین کا اختیار خاوند کو حاصل ہے کہ دونوں میں سے جس کو چاہے مطلقہ قرار دے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولو قال امرأتی طالق وله امرأتان او ثلاث تطلق واحدة منهن وله خیار التعیین۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۴۹۷ باب طلاق غیر المدخول بها، مطلب فیما لو قال امرأته طالق وله امرأتان او اکثر تطلق واحدة) ؎۲

معاہدہ کی خلاف ورزی پر مشروط طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر چند افراد کسی معاہدہ پر پابندی کے لیے ایک تحریر لکھیں جس میں یہ ہو کہ ہم میں سے جو بھی اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو اس کی بیوی اس پر تین طلاق سے طلاق ہو گی، بعد ازاں بعض لوگوں کے مشورہ سے طلاق کا لفظ ساقط کر دیا گیا اور دستخط کرتے وقت طلاق کی شرط معاہدہ میں شامل نہیں تھی، تو کیا معاہدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی معاہدہ پر پابندی کے لیے کوئی تحریر لکھنا درحقیقت ایک مشورہ ہے اسلئے

؎۱ وفی الهندیة: ولو قال لامرأته انت طالق ما لا یجوز علیك من الطلاق او ما لا یقع لو علیٰ انی بالخیار ثلاثة ایام تقع واحدة۔ (الفتاوى الهندیة ج۱ ص۳۷۲ الفصل الثالث فی تشبیه الطلاق ووصفه)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۹۰ کتاب الطلاق۔

؎۲ وفی الهندیة: ولو قال امرأته طالق وله امرأتان کلتاهما معروفتان کان له ان یصرف الطلاق الیٰ ایتهما شاء۔ (الفتاوى الهندیة ج۱ ص۳۵۸ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق، فصل الاول فی الطلاق الصریح)۔

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوى ج۲ ص۷۹ کتاب الطلاق، فصل اول، جنس آخر۔

صورتِ مسئولہ میں طلاق اس وقت نافذ العمل ہوگی جب اس پر دستخط ہو کر ثبت ہوں، اندریں صورت جب اصل معاہدہ میں طلاق کا ذکر نہیں تو خلاف ورزی کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال ابن عابدینؒ: وان لم یقرّ انه کتابه ولم تقم بینة لکنه وصف الامر علی وجهه لا تطلق قضاء ولا دیانة وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یملّه بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقر انه کتابه۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۵ کتاب الطلاق۔ مطلب باعتبار عدد الطلاق بالنساء فی الطلاق بالکتابة) [۱]

غیر مدخول بہا کو طلاق دینا

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو نکاح کے بعد قبل الدخول طلاق دیدی ہو، بعد ازاں وہ اُسے پھر نکاح میں لانے کا خواہشمند ہو، تو ایسی صورت میں اسے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ طلاق کے وقوع کے لیے ملک نکاح ضروری ہے اس لیے قبل الدخول بھی طلاق واقع ہونے کے لیے کوئی امر مانع نہیں، تاہم اگر تین طلاق متفرق دی ہوں یا صرف ایک طلاق دی ہو تو ایسی حالت میں ایک طلاق سے منکوحہ جدا ہو کر دوبارہ میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کے لیے صرف تجدیدِ نکاح کافی ہوگی، البتہ اگر بیک وقت تین طلاق دی ہوں تو پھر منکوحہ مطلقہ مغلظہ کے حکم میں رہے گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: قال لزوجته غیر المدخول بها انت طالق ثلاثاً۔ الخ وقعن والا فرق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانیة بخلاف المؤطة۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۹۲ کتاب الطلاق، باب طلاق غیر مدخول بها) [۲]

طلاقِ ثلاثہ کے بیک وقت واقع ہونے کی تحقیق

سوال:۔ زید کی اپنی بیوی سے گھریلو تعلقات میں کشیدگی کی وجہ سے دونوں میں

---

[۱] وفی الهندیة: وکذلك کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یملّه بنفسه لا یقع به الطلاق۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۷۹ کتاب الطلاق، باب الثانی، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة)

[۲] وفی الهندیة: اذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل الدخول بها وقعن علیها فان فرق الطلاق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانیة والثالثة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۷۳ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق، الفصل الرابع فی الطلاق قبل الدخول)

ومثله فی الهدایة علی صدر فتح القدیر ج ۳ ص ۳۹۱ کتاب الطلاق، فصل فی تشبیه الطلاق ووصفه۔

کچھ رنجش تھی، ایک روز ان کا چھوٹا لڑکا گھر آیا اور اپنی والدہ سے باتوں باتوں میں گھر کے حالات پوچھے تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا باپ گھر خرچ نہیں دیتا، اس پر لڑکے نے والدہ سے کہا کہ میری کچھ رقم آپ کے پاس موجود ہے آپ اس میں سے خرچ کیوں نہیں کر لیتیں، تو اس کی والدہ نے کہا کہ میں اس رقم کو ان کی امانت تصور کرتی ہوں، اسی دوران میں زید اور اس کا بڑا لڑکا بھی آ گئے تو بڑے لڑکے نے کہا کہ ان دونوں کی رنجش میں ۱۲ آنے میرے والد کا قصور ہے اور ۴ آنے والدہ کا، زید بیٹے کی اس بات پر مشتعل ہو گیا اور اس نے کہا اگر تم سب ایسا سمجھتے ہو تو یہ میرے تن پر حرام حرام حرام، اور اس سے کہو کہ چار دیواری چھوڑ کر باقی جو چیزیں بھی لے جانا چاہے اجازت ہے اور جو رقم اس کے پاس موجود ہے اس میں سے اپنا حق المہر وصول کر لیوے اور جو باقی بچے وہ میں نے اس کو بخش دیا۔ ان الفاظ کے بعد جب زید کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو وہ پشیمان ہوا کہ یہ میں نے کیا کیا، اب آنجناب قرآن و حدیث کی رو سے صحیح فتویٰ صادر فرمائیں۔

نوٹ:۔ اس استفتاء کے جواب میں ایک عالم صاحب نے درج ذیل جواب دیا ہے:۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: صورتِ مسئولہ میں حرام حرام حرام کے لفظ سے کہنے والے کی نیت مراد ہو گی، چنانچہ ھدایہ میں ہے: قال وبقية الكنايات اذا نوى بها الطلاق كانت واحدة بائنة۔ (ج ۲ ص ۴۸۹) اگر ان الفاظ سے طلاق ہی مراد لی جائے تو بیوی ایک طلاق بائن سے طلاق ہو گی اور وہ اس عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ صورتِ مسئولہ میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین بار طلاق کے لفظ سے یا حرام کے لفظ سے طلاق کہہ دیتا ہے تو یہ طلاق ایک طلاق رجعی شمار ہو گی اور ایسے شخص کو چاہیئے کہ فوری طور پر اپنی بیوی سے رجوع کر لے اور اپنے گھر میں بسائے، کیونکہ تین طلاق ایک بار دینا ویسے علی الاجماع بدعت ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ایسی طلاق کو ایک طلاق شمار کرتے ہیں، مدخولہ کے حق میں حدیث شریف میں وارد ہے کہ: عن محمود بن لبيدؓ قال اخبرني رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلث تطليقات جميعًا فقام غضبان ثم قال ايلعب بكتاب الله تعالى وانا بين اظهركم ـــ سائل کی صورت دوسری حدیث میں اول دلیل موجود ہے: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال طلق ابو ركانة ام ركانة فقال النبي عليه الصلوٰة والسلام ارجع امرأتك فقال انى طلقتها ثلاثا قال

قد علمت ارجعها۔ (رواہ ابوداؤد) اس حدیث میں ہے کہ ابورکانہؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے اس کو (یعنی بیوی کو) تین بار اکٹھی طلاق دے دی ہے، حضورؐ نے فرمایا مجھے معلوم ہے تم رجوع کر لو۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں کچھ زائد الفاظ سے روایت فرمایا ہے کہ:۔

طلق ابورکانة امرأته فی مجلس واحد ثلاثًا فحزن علیها فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم فانها واحدة۔ ابورکانة۔ چنانچہ ابورکانہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر بیوی سے رجوع کر لیا۔ یہ مسئلہ بڑا طویل ہے، اس مسلک پر حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قائم ہیں اور تابعین وتبع تابعین میں سے حافظ قاسم، امام جعفر صادق، امام باقر، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ ہیں۔

سائل پر واضح ہو کہ دین کے معاملہ میں تنگی نہیں، امام اعظمؒ کے مسلک میں یہ بات شامل ہے کہ کوئی شخص نقصان سے بچنے کے لیے دوسرے امام کے مسلک پر فتویٰ حاصل کرکے اس پر عمل کر سکتا ہے، چنانچہ "سبل السلام ص۲۷۳" پر علامہ صنعانیؒ نے طویل بحث فرمائی ہے، اس کی شرح کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے، اس کا اختصار یہ ہے کہ مسئلہ درست ہے کہ اگر تعصب کو بالائے طاق رکھ دیا جائے تو اس شخص پر کوئی امر مانع نہیں ہے کہ ان میں سے کس پر عمل کرے کوئی امر ممنوع نہیں ہے۔ اس لیے ان حالات میں سائل کو فتویٰ دیا جاتا ہے کہ وہ حدیث شریف اور صحابہ کرامؓ وائمہ عظامؒ کے اقوال کے مطابق اپنی بیوی سے دو گواہوں کے سامنے رجوع کر لے اور اپنے گھر میں لے جائے اور اسے بسائے۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہو کہ موجودہ عائلی قوانین کے مطابق ایسی صورت میں سرے سے طلاق واقع ہی نہیں ہوئی اس لیے فوری طور پر رجوع کر لیا جائے اور سائل دل میں ذرہ برابر بھی ملال پیدا نہ کرے۔ والسلام

یہاں تک تو اس عالم صاحب کا جواب تھا لیکن اس کو مدنظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں جو کہ قابل توجہ ہیں:۔

(۱) صورت مسئولہ میں کون سی طلاق واقع ہوگی؟ وقوع طلاق ثلاثہ کے بارہ میں ائمہ اربعہؒ کا کیا مسلک ہے؟

(۲) حدیث شریف: عن محمود بن لبید قال اخبر رسول الله صلی الله علیه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلث تطلیقات جمیعًا۔ (الحدیث) کا محدثین کے نزدیک صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور

کیا اس حدیث سے عدم وقوع طلاقِ ثلاثہ کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟

(۳) مذکورہ جواب میں ابوداؤد شریف کی ابورکانہ والی حدیث تحریر کی گئی ہے تو کیا یہ حدیث قابلِ حجت اور قابلِ عمل ہے یا نہیں؟

(۴) صورتِ مسئولہ کے مذکورہ جواب میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑ کر شہوانی اور نفسانی خواہشات کے لیے دوسرے امام کے مسلک پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) مذکورہ جواب میں مجیب نے موجودہ ملکی عائلی قوانین پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۶) امام نووی رحمہ اللہ کی تحقیق کے خلاف طلاقِ ثلاثہ کو ایک طلاق شمار کرنے سے کیا تضلیل ائمہ اربعہ لازم آتی ہے یا نہیں؟

مذکورہ بالا سوالوں کے بالوضاحت جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب (من دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ) :۔ ان امور کی طرف توجہ دینے سے قبل اصل مسئلہ کے بارے میں اتنا عرض ہے کہ حرام کا لفظ طلاقِ کنائی ہے اور کنائی طلاق سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے، لہٰذا زید کی بیوی پر ایک طلاقِ بائن واقع ہو چکی ہے اگرچہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو، علامہ شامیؒ نے "بحث طلاق کنائی" میں تصریح کی ہے کہ لفظ حرام عرفاً چونکہ طلاق ہی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس لیے مفتی بہ قول یہ ہے کہ اس سے عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو گی اگرچہ اس میں نیت نہ بھی کی گئی ہو، اور دوسرا و تیسرا لفظ حرام لغو ہے کیونکہ بائن طلاق سے نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے، اور جب پہلی دفعہ حرام کہنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے تو پھر حرام حرام کہنا لغو ہے اس سے زائد طلاق واقع نہ ہو گی، لہٰذا اس عورت کو عدت میں یا بعد از عدت دونوں حالتوں میں تجدیدِ نکاح کے ذریعہ سے دوبارہ اپنے نکاح میں لا سکتا ہے اور صرف رجوع ہی کافی نہیں ہے تاوقتیکہ بیوی کی رضامندی سے دوبارہ نکاح نہ کیا جائے، یہ اُس وقت کہ جب زید نے حرام کے لفظ سے تین طلاقوں کی نیت نہ کی ہو، اور اگر اس نے تین طلاقوں کی نیت کر لی ہو تو اس صورت میں بیوی مغلظہ ہو گی جو حلالہ کے بغیر اس کے لیے ہرگز جائز نہ ہو گی۔ آپ نے جو چھ سوالات اٹھائے ہیں ان کے جوابات مختصراً درج ذیل ہیں :۔

(۱) صورتِ مسئولہ میں بائن طلاق واقع ہو گئی ہے نہ کہ رجعی، اور عورت کو دوبارہ نکاح میں لانے کے لیے رجوع کافی نہیں بلکہ تجدیدِ نکاح بالرضا ضروری ہو گی، طلاقِ ثلاثہ کے بارے

ہیں ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ طلاقِ ثلاثہ خواہ دفعۃً واحدۃً دی جائیں یا متفرقاً ایک ہی طُہر میں ہو یا متفرق اطہار میں تمام صورتوں میں تین طلاق ہی واقع ہوں گی نہ کہ ایک، امام نووی نے شرح مسلم میں اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

(۲) حدیث مذکور کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ایک ہی طہر میں تین طلاق دینا خواہ متفرقاً تین دفعہ الفاظِ طلاق کہہ دے یا ایک ہی دفعہ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا کہہ دے یہ سب بدعی طلاق ہیں اور اس طرح طلاق دینا گناہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تین طلاق واقع نہ ہوں گی بلکہ طلاق تو تین واقع ہوں گی، اور چونکہ اس طرح طلاق دینا شرعی طریقۂ طلاق کے خلاف ہے اس لیے اس طرح طلاق دینے والے گنہگار ہوں گے، اس کی نظیر وہ واقعہ ہے جو مسلم وغیرہ کتبِ حدیث میں مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک دفعہ اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس طرح طلاق دینے پر سرزنش کر کے رجوع کا حکم فرمایا لیکن طلاق کو معتبر قرار دیا (مسلم) اسی طرح ایک دوسرے شخص نے اپنی بیوی کو معاً تین طلاق دے دی تو حضور انور نے فرمایا: عصیت ربك و بانت منك امرأتك۔ (دارقطنی بحوالہ مشکوٰۃ) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل اگرچہ معصیت اور گناہ ہے مگر طلاق تین ہی واقع ہوں گی۔ جو لوگ محمود ابن لبیدؓ کی حدیث سے عدمِ وقوعِ طلاق پر استدلال کرتے ہیں ان کا یہ استدلال غلط ہے اور عدمِ وقوعِ طلاق کا ثبوت اس سے نہیں ملتا، اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاً تین طلاق دینا گناہ ضرور ہے لیکن گناہ سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ طلاق واقع نہیں ہوگی، زہر کا پیالہ پینا گناہ ہے مگر موت کا اثر ضرور کرے گا، اسی طرح یہ طلاق اگرچہ بدعی ہے مگر ضرور واقع ہونگی۔

(۳) رکانہؓ والی حدیث میں دو قسم کے الفاظ مروی ہیں، ایک یہ کہ "طلق امرأته ثلاثاً"۔ دوسری قسم کے الفاظ یہ ہیں کہ "انه طلق امرأته البتة فقال له النبی علیه الصلوٰة والسلام آللہ ما اردت الا واحدة فقال آللہ ما اردت الا واحدة"۔ پہلی روایت کو جس میں طلق امرأته ثلاثاً کے الفاظ ہیں محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں: "واما الرواية التی رواها المخالفون ان رکانة طلق ثلاثاً فجعلها النبی علیه الصلوٰة والسلام واحدة فرواية ضعيفة عن قوم مجهولين"

وأمّا الصحیح منها ما قدمناه انه طلقها البتة "(شرح نووی للمسلم ص۴۷۸ ج۱) ابوداؤد نے بھی طلقہا البتۃ والی روایت کو طلقہا ثلاثًا کی روایت سے اصح قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: وھذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانۃ طلق امرأتہ ثلاثًا اھ۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ طلقہا البتۃ والی حدیث کے رواہ رکانہ کے اہلبیت اور اولاد ہیں اور ظاہر ہے کہ اجنبی لوگوں کی بہ نسبت رکانہؓ کے واقعۂ طلاق کا علم ان کے اہلبیت اور اولاد کو زیادہ ہوگا۔ فرماتے ہیں: وحدیث نافع ابن عجیر و عبداللہ ابن علی ابن یزید ابن رکانۃ عن ابیہ عن جدّہ ان رکانۃ طلق امرأتہ البتۃ فردھا النبیّ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اصح من حدیث ابن جریج لانہم ولد الرجل واھل بیتہ وھم اعلم بہ۔ (ابوداؤد ج۱ ص۳۰۰) اس سے معلوم کہ رکانہؓ نے انت طالق البتۃ کے الفاظ سے طلاق دی تھی نہ کہ اَنْتِ طَالِقٌ کے الفاظ سے اور چونکہ البتۃ کنائی طلاق کا لفظ ہے، اس میں تین کی نیت بھی صحیح ہے، تو خطرہ تھا کہ رکانہؓ نے تین کی نیت سے یہ الفاظ کہہ دیئے ہوں اور اس تقدیر پر بیوی اس کے نکاح میں نہیں آسکتی تھی، اس لیے اس کی نیت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنے کے لیے حضور اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا آ اللہ ما اردت الّا واحدۃ، جب آپؐ کو رکانہؓ کے جواب آللہ ما اردت الّا واحدۃ سے اطمینان حاصل ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح جدید سے اس کو بیوی واپس کردی۔ چنانچہ فردھا کے معنی بیان کرتے ہوئے محدثین لکھتے ہیں: "قلت معنیٰ قولہ فردھا الیہ یعنی بالنکاح لانہا مطلقۃ بتطلیقۃ واحدۃ البتۃ اھ (فتح القدیر) لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رکانہؓ نے تین طلاق دی تھیں اور انہی کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ایک رجعی طلاق قرار دیا، یہ غلط محض ہے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

(۴) خواہشاتِ نفسانی کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہو یا کسی دوسرے امام کا، اس کا چھوڑنا گناہِ عظیم اور خطرۂ سلبِ ایمان ہے۔ کما صرح بہ العلماء قاطبۃ فی زبرھم واسفارھم لان ھٰذا ترک الدین لاجل ھوی النفس وھو مذموم جدًّا۔

(۵) عائلی قوانین میں جو دفعات نکاح و طلاق کے بارے میں رکھی گئی ہیں اُن میں سے اکثر دفعات کو ہر مکتبِ فکر کے علماء نے قرآن و حدیث کے صریح خلاف قرار دیا ہے، لہٰذا جو شخص

ایسی دفعات پر مشتمل عائلی قوانین پر لوگوں کو چلنے کی تلقین کر رہا ہے وہ لوگوں کو قرآن وحدیث کے خلاف ورزی کی تلقین کر رہا ہے جو کسی طرح بھی ایک عالم دین بلکہ ایک مؤمن کے شایانِ شان نہیں ہے، ایسے قوانین کے مصنفین اور واضعین کے بارے میں قرآنِ کریم کا فیصلہ یہ ہے:
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ ع ۔) آجکل کے قانون سازوں کی حالت اُن لوگوں کی حالت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں جن کا ذکر اس آیتِ کریمہ میں کیا گیا ہے۔

(۶) طلاقِ ثلاثہ کو واحد شمار کر لینے سے اگر ائمہ اربعہ رحمہا اللہ کی تضلیل لازم نہ بھی آتی ہو مگر تخطیہ تو ضرور لازم آتا ہے اور یہ بھی کچھ کم درجہ کا جرم نہیں ہے، جن حضرات کی امامت اور پیشوائیتِ مذہبی پر اُمت کا سوادِ اعظم متفق ہو اُن کا تخطیہ کرنے والوں کو کس منطق کی رُو سے حق بجانب تصور کیا جائے گا، حالانکہ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: "اتبعوا السواد الاعظم۔ (الحدیث) نیز ان تمام ائمہ اربعہ کا فیصلہ اجماعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خلیفۂ راشد کے فیصلہ پر مبنی ہے جس کے متعلق ارشادِ نبوی ہی میں بصراحت یہ آچکا ہے کہ وہ ملہم او محدث فی هٰذہ الامۃ ہیں۔ یہ خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں جنہوں نے یکجائی طلاقِ ثلاثہ کو تین ہی شمار کیا ہے اور کسی صحابی یا تابعی نے ان کے اس فیصلہ کیخلاف رائے نہیں دی ہے، تو اُن کے اس فیصلہ کی حیثیت تو ایک گونہ اجماع کی ہے جس سے بعد میں آنے والوں کے لیے خلاف کرنے کا کوئی حق معقول سے ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسے فیصلوں کے بارے میں حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ۔

لہٰذا ائمہ اربعہ اور اُمت کے سوادِ اعظم کے اجماعی فیصلہ کے مقابلہ میں ایک یا دو عالم یا امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ کی ذاتی رائے اور اجتہاد میں وہ وزن ہرگز نہیں ہو سکتا ہے جو ائمہ اربعہ رحمہما اللہ تعالےٰ اور اُمت کے سوادِ اعظم کے متفقہ فیصلہ میں ہے اور فیصلہ بھی وہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جیسے ملہم اور محدث خلیفۂ راشد کے فیصلہ پر مبنی ہو۔[1]

---

[1] قد ذکر ھٰذہ المسئلۃ العلامۃ ابن الھمام الحنفیؒ: وقد اثبت انہ یقع ثلاث تطلیقات بلفظ واحد وھو یقول "وذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الیٰ انہ یقع ثلاث"۔ وایضاً قال: "وقد اثبتنا النقل عن اکثرھم صریحاً بایقاع الثلاث ولم یظھر لھم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن ھٰذا قلنا لوحکم حاکم بان الثلاث بفم واحد واحدۃ لم ینفذ حکمہ لانہ لایسوغ الاجتھاد فیہ فھو خلاف لا اختلاف"۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۳ ص ۳۳ کتاب الطلاق)

حضرت ابن ہمامؒ کے مذکورہ بالا اقوال سے ثابت ہوا کہ ایک لفظ سے تین طلاق کے وقوع پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اس سے خلاف کرنا جائز نہیں اور صحابۂ کرامؓ کے اجماع پر عمل نہ کرنا گمراہی ہے۔

اور ملک العلماء امام کاسانی حنفی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ایک لفظ سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں صرف شیعہ نے اختلاف کیا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاق واقع ہونے کا فیصلہ کیا ہے آپ کے ساتھ کسی صحابی نے اس فیصلہ میں اختلاف نہیں کیا ہے بلکہ اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع منعقد ہوا ہے، وہ فرماتے ہیں: واما حکم طلاق البدعۃ فھو انہ واقع عند عامۃ العلماء وقال بعض الناس انہ لایقع وھو مذھب الشیعۃ۔ وقال ھٰکذا۔ وروینا عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان لایؤتی برجل قد طلق امرأتہ ثلاثاً الا اوجعہ ضرباً واجاز ذٰلک علیہ وکانت قضایاہ بمحضر من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین فیکون اجماعاً منھم علیٰ ذٰلک۔

(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۹۶ کتاب الطلاق)

بہرتقدیر یہ مسئلہ امتِ اسلامیہ اور اہل السنۃ والجماعۃ کے سلف اور خلف جن میں جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین بھی ہیں، ان تمام کا اس بات پر اجماع کہ ایک لفظ "طلاق ثلاثہ" سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔ اب اُن کے اس اجماع سے ایک دو یا کچھ زائد افراد کا خلاف اس اجماع پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ قاضی شوکانیؒ نے یہی فرمایا ہے کہ داؤد ظاہریؒ کی مخالفت سے اس مسئلہ میں اجماع پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ (دیکھئے شرح بلوغ المرام ص ۶)

اور علامہ احمد بن محمد القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تین طلاقوں کو ایک سمجھنے والوں کے مذہب کے متعلق فرمایا ہے "بانہ مذھب شاذ فلا یعمل بہ اذھو منکر"۔

(ارشاد الساری ج ۸ ص ۱۵۷ طبع فی المصر)

طلاق دیتے وقت منہ بند کرنے کا حکم

سوال :۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ایک دو تین' ان الفاظ کے کہنے کے بعد فوراً کسی دوسرے شخص نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر منہ بند کر دیا اس کے بعد اس نے کسی چیز پر تلفظ نہیں کیا، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ میں اس شخص کی بیوی کو طلاق نہیں ہوئی کیونکہ اس نے طلاق پر تلفظ نہیں کیا' نہ صریح پر اور نہ کنائی پر' بلکہ اس نے صرف عدد پر تلفظ کیا ہے' اور صرف عدد نہ صریح طلاق ہے اور نہ کنائی، طلاق میں عدد کا وہاں اعتبار ہوگا جب طلاق کے بعد متصلاً ذکر کیا جائے۔

قال العلامة قاضی خانؒ : قالت المرأة لزوجها طلقنی فقال الزوج ان شئت الف مرة لا یقع شیء۔ (الخانیة ج ۲ ص۲۱ کتاب الطلاق) [1]

"میرے گھر سے نکل جاؤ" کے الفاظ کے طلاق پر اثرات

سوال :۔ اگر خاوند بیوی کو لڑائی جھگڑے کے وقت غصہ کی حالت میں یہ کہے کہ میرے گھر سے نکل جاؤ اور یہ الفاظ وہ بار بار دہرائے تو اس سے بیوی پر کون سی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب :۔ یہ الفاظ طلاقِ کنایہ کے ہیں' اس سے نیت یا دلالتِ حال کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی، تاہم جھگڑے کے وقت چونکہ دلالتِ حال موجود ہے اس لیے بیوی پر طلاقِ بائن واقع ہوگی جو تجدیدِ نکاح سے ختم ہو جائے گی۔

قال التمرتاشیؒ : فنحو اخرجی واذھبی وقومی.....ففی حالت الرضا تتوقف الاقسام علیٰ نیتہ.....الخ (تنویر الابصار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص۵۰۰ باب الکنایات) [2]

"ماں باپ کے پاس چلی جاؤ" کہنے سے نکاح پر اثرات کا حکم

سوال :۔ خاوند نے بیوی سے جھگڑے کے وقت غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ "جاؤ! ماں باپ کے پاس چلی جاؤ!" کیا اس سے نکاح متاثر ہوگا یا نہیں؟

---

[1] الجواب :۔ جب تک شوہر الفاظ طلاق نہ کہے ان الفاظ سے کوئی طلاق نہیں ہوگی۔ (امداد المفتین ج ۲ ص۶۲ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامة قاضی خانؒ : قومی اخرجی اذھبی.....لا یقع الطلاق الا بالنیة واذا قال لم انوی الطلاق کان مصدقاً.....الخ (الفتاویٰ قاضی خان علیٰ ھامش الھندیة ج ۱ ص۴۶۸ فصل فی الکنایات والمدلولات) — ومثلہٗ فی الھندیة ج ۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات۔

الجواب:۔ مذکورہ الفاظ کی عربی میں "الحقی باھلك" سے تعبیر کی جاتی ہے، فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں یہ طلاق کنائی ہے جس پر تلفظ کرتے وقت نیّت کرنے سے طلاق واقع ہو گی ورنہ نہیں۔

قال العلامة قاضی خانؒ : وعن ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ فی الاملاء: انه الحق بهذہ الخمسة اربعة اخری لاملك لی علیك لاسبیل لی علیك خلیت سبیلك الحقی باھلك ۔الخ

(الفتاویٰ قاضیخان علیٰ هامش الهندیة ج۱ ص۴۶۷ فصل فی الکنایات والمدلولات) [۱]

"میری بیوی نہیں" کہنے سے طلاق نہیں ہو گی

سوال:۔ ایک شخص نے حاکم کے سامنے یہ کہا کہ "میری بیوی نہیں ہے"، حالانکہ اُس کے گھر میں اُس کی بیوی ہے، کیا ان الفاظ سے اس شخص کا نکاح متاثر ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ یہ الفاظ طلاق کے نہیں اس لیے ان سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال العلامة الحصکفیؒ : ولو سئل الك امرأة فقال لا لاتطلق اتفاقاً وان نوی ۔

(الدرالمختار علیٰ هامش ردّالمحتار ج۲ ص۴۹۱ باب الصریح) [۲]

بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرلے

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا قصد کیا لیکن اب تک زبانی کچھ نہیں کہا ہے لیکن اس نے ارادہ کے بعد یہ کہا کہ میری بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرلے، کیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

---

[۱] قال العلامة صدرالشریعةؒ : وکنایته مالم یوضع له واحتمله وغیرہ فلا تطلق الابنیته اودلالة الحال وفیه ۔ الحقی باھلك تقع واحدة بائنة ان نواھا ۔ ملخصًا ۔

(شرح الوقایة ج۲ ص۷۷ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فی الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار ج۲ ص۵۰۲ تا ص۵۰۴ باب الکنایات ۔

[۲] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ : وقوله لا عند سؤاله یقول الك امرأة وقوله لاحاجة لی فیك، کما فی البدائع ففی هٰذہ الالفاظ لا یقع وان نوی ۔

(البحرالرائق ج۳ ص۳۰۵ باب الکنایات فی الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۴۰۲ باب ایقاع الطلاق، فصل فی الطلاق قبل الدخول ۔

الجواب: صرف ارادۂ طلاق سے طلاق نہیں ہوتی البتہ اس شخص نے جو یہ کہا ہے کہ میری بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرے، اس سے ایک طلاقِ بائن تب واقع ہوگی جب اس سے طلاق کی نیّت ہو۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: اذھبی وتزوجی تقع واحدۃ۔ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت ھذا القول) علیٰ ان تزوجی کنایۃ مثل اذھبی فیحتاج الی النیّۃ۔

(رد المحتار ج ۲ ص۵۱۴ باب الکنایات مطلب المختلفۃ المبانۃ نسبۃ امرأۃ من کل وجہ)[1]

مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں، کا حکم

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو یہ کہہ دیا کہ "مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں" تو ان الفاظ سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: فقہاء کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ یہ الفاظ کنایات میں داخل کرکے اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو تو اس سے طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر طلاق کی نیت نہ کی ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

لما فی الھندیۃ: ولو قال لاحاجۃ لی فیک ینوی الطلاق فلیس بطلاق۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات)[2]

"تو مجھ سے آزاد ہے" سے طلاق کا حکم

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ "آج سے تو مجھ سے آزاد ہے"، تو ان الفاظ سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولو قال لھا اذھبی فتزوجی لا یقع الطلاق الا بالنیّۃ واذا نوی فھی واحدۃ واذا نوی الثلاث فثلاث۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۳ ص۳۱۶ کتاب الطلاق۔ باب الکنایات۔ نوع آخر فی قولہ خلیۃ واشباھھا)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۲ ص۹۸ الفصل الثانی فی الکنایات، جنس آخر فی الامر بالذھاب۔

[2] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وقولہ لاحاجۃ لی فیک لما فی البدائع ففی ھذہ الالفاظ لا یقع وان نوی۔ (البحر الرائق ج۳ ص۳۰۵ باب الکنایات فی الطلاق)

وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج۲ ص۵۱۰ باب الکنایات۔

الجواب: ۔بیوی سے یہ کہنا کہ "تُو مجھ سے آزاد ہے"۔ ان الفاظ کی عربی زبان میں "سرحتك" سے تعبیر کی جاتی ہے جو عرف میں طلاقِ رجعی میں استعمال ہوتے ہیں، اس لیے ان الفاظ سے طلاقِ رجعی واقع ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: فاذا قال سرحتك يقع به الرجعي مع ان اصله كناية ايضًا۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۵۰۳ باب الکنایات) [1]

"تُو مجھ سے جدا ہے" کا حکم

سوال: ۔ایک شخص نے غصہ کی حالت میں بیوی سے یہ کہا کہ "تو مجھ سے جدا ہے جیسا کہ یہ چیز میرے ہاتھ میں ہے" اور اس چیز کو ہاتھ سے پھینک دے، اس سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب: "تو مجھ سے جدا ہے" کے الفاظ عرف میں طلاق کے لیے استعمال ہوتے ہیں اس لیے ان سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

لما فی الهندية: ولو قال لها انت بائن ثم قال لها انت بائن، لا يقع الّا طلقة واحدة بائنة لانه يمكن جعله خبرعن الاوّل وهو صادق فيه فلا حاجة الى جعله انشاء۔ وفيه۔ واَلحق ابويوسف بخلية وبرية، خليت سبيلك فارقتك۔

(الفتاوٰی الهندية ج۱ ص۳۷۵ تا ۳۷۷ الفصل الخامس فی الکنایات) [2]

"تو مجھ پر حرام ہے" کا حکم

سوال: ۔اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے بارے میں تین دفعہ یہ کہہ دیا کہ "وہ مجھ پر حرام ہے"، تو اس سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: ۔منکوحہ کو یہ کہنا کہ "تُو مجھ پر حرام ہے"، طلاقِ کنائی ہے جس سے طلاق کا وقوع

---

[1] وفی الهندية: ولو قال الرجل لامرأته ترا چنگ بازداشتم او بهشتم اوپله کردم ترا۔ فهٰذا كلّه تفسير قوله طلقتك عرفًا حتّٰى يكون رجعيًا ويقع بدون النّيّة۔

(الفتاوٰی الهندية ج۱ ص۳۷۹۔ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسية)

وَمثلُهٗ فی خلاصة الفتاوٰی ج۲ ص۹۹ الفصل الثانی فی الکنایات جنس آخر وقی الفتاوی۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: حتّٰى ان الرجل لواذا قال للمرأة انت بائن ولم يقل منّی يقع الطلاق اذا نوی۔ (الفتاوٰی التاتارخانية ج۳ ص۳۱۱ کتاب الطلاق۔ باب الکنایات، نوع منه فی قوله انت حرام علیّ)

نیت پر موقوف ہے، اس لیے اگر خاوند نے تین طلاق کی نیت کی ہو تو تین طلاق واقع ہوں گی، اور اگر تین کی نیت نہ ہو صرف یہ ارادہ ہو کہ اسے بیوی کو ایک طلاق دیتا ہوں تو پھر طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر متعدد بار یہ لفظ استعمال کئے جائیں اور اس سے طلاق کی نیت ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہوکر دوسری دفعہ اور تیسری دفعہ اس کا ذکر لغو ہے گا کیونکہ عورت ایک دفعہ طلاق بائن سے جدا ہو جاتی ہے، دوسری یا تیسری دفعہ کے الفاظ کے لیے کوئی محل باقی نہیں رہتا۔ بہر حال اس میں نیت یا مذاکرہ طلاق کے بغیر طلاق کا وقوع ممکن نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: لان البائن لایلحق البائن۔ وایضًا قال: قلت لکن عبارۃ البزازیۃ لوقال امرأتیہ انتما علی حرام ونوی الثلاث فی احدٰھما والواحدۃ فی الاخری صحت نیتہ عند الامام وعلیہ الفتوٰی۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۳/۵۱۰ باب الکنایات) لہ

میں نے اسے چھوڑ دیا ہے، کا حکم

سوال:- اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے متعلق یہ کہا کہ میں نے اُسے چھوڑ دیا ہے، ان الفاظ سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:- اپنی بیوی کے متعلق یوں کہنا کہ "میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے" یہ الفاظ طلاقِ کنایہ کے ہیں، نیت کی موجودگی میں ان سے طلاق بائن واقع ہوگی، لیکن ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرف کے حوالہ سے طلاق رجعی میں شمار کیا ہے جس سے نیت کے بغیر بھی طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: فاذا قال سرحتك یقع به الرجعی مع ان اصله کنایة۔ ایضًا الخ
(رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۳ باب الکنایات) ۲ہ

لہ قال العلامۃ ابوالبرکات النسفیؒ: وفی الفتاوٰی اذا قال لامرأته انت علی حرام والحرام عندہٗ طلاق ولکن لم ینوی طلاقًا وقع الطلاق۔ (الکنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج ۳ ص ۲۹۹ باب الکنایات فی الطلاق)

وَمِثْلُہٗ فی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج ۴ ص ۱۸۸ الفصل الثانی فی الکنایات وفیہ اجناس الاوّل۔

۲ہ وفی الھندیۃ: ولوقال الرجل لامرأته تراچنك بازداشتم اوبهشتم اویله کردم ترا، فهٰذا الحلة تفسیر قوله طلقتك عرفًا حتی یکون رجعیًا ویکون بدون النیّة۔
(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص ۳۷۹ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوٰی البزازیۃ علی ھامش الھندیہ ج ۴ ص ۱۸۹ الفصل الثانی فی الکنایات وفیہ اجناس الاوّل۔

وہ مجھے نہیں چاہیئے، کا حکم

سوال :۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو گھر سے نکال کر بعد میں یہ کہا کہ "وہ مجھے نہیں چاہیئے" کیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ طلاق کی نیت سے کہے جائیں ۔

لما فی الهندية : ولو قال لاحاجة لی فيك ينوی الطلاق فليس بطلاق ۔

(الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۳۷۵ الفصل الخامس فی الكنايات) [1]

تم چاروں طرف جاسکتی ہو، سے طلاق کا حکم

سوال :۔ ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا "تیرے لیے چاروں راستے کھلے ہیں جس طرف چاہو جاسکتی ہو" شریعتِ مقدسہ میں ان الفاظ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ یہ الفاظ طلاق کنائیہ کے ہیں نیت کے ہوتے ہوئے اس سے طلاق واقع ہوگی اور بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوگی ۔

لما فی الهندية : رجل قال لامرأته اربعة طرق عليك مفتوحة لايقع بهذا شیء وان نوی الا اذا قال خذی ای طريق شئت وقال نويت الطلاق ۔

(الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۳۷۶ الفصل الخامس فی الكنايات) [2]

---

[1] وقال العلامة الكاسانی رحمه الله : ولو قال لا حاجة لی فيك لا يقع الطلاق وان نوی لان عدم الحاجة لا يدل علی عدم الزوجية ۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۰۷، فصل و اما الكنايات و اما القسم الثالث)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۳۰۳ باب الكنايات فی الطلاق ۔

[2] وقال العلامة الحصكفی رحمه الله : ولا يقع باربعة طرق عليك مفتوحة وان نوی مالم يقل خذی ای طريق شئت ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۱۵، باب الكنايات)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۳۰۴ باب الكنايات فی الطلاق ۔

اِس کُتیا کی بچّی کو طلاق

سوال: اگر کوئی شخص گھریلو تنازعہ میں اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے کہ اس خنزیر کی بچی کو طلاق، اِس کُتیا کی بچی کو طلاق، اِس کتیا کو طلاق، اور ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ بھی کرتا رہا، اس طریقہ سے کتنی طلاق واقع ہوں گی؟

الجواب: طلاق میں بیوی کو متعین کرنے کے لیے نفسِ اشارہ کافی ہے باقی اس کے بعد ذکر شدہ صفات کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں اور عورت بغیر حلالہ شرعی کے شوہر کے لیے حلال نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: قال لامرأته هذه کلبة طالق طلقت۔ قال ابن عابدینؒ، لاتعتبر الصّفة والتسمية مع الاشارة۔ (ردالمحتار ج۳ ص۲۹۳ فی اٰخر باب طلاق غیرالمدخول بها)[1]

بلاقصد وارادہ طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے

سوال: اگر کوئی شخص بلاقصد وارادہ یہ الفاظ کہے کہ میری بیوی کو طلاق، طلاق، طلاق ہو، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب: طلاق کے الفاظِ صریح ایسے الفاظ ہیں کہ ان میں ارادہ اور قصد کی کوئی ضرورت نہیں بلا ارادہ بھی واقع ہو جاتی ہے اگرچہ اس شخص کی نیت طلاق کی ہو یا نہ ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاق قضاءً واقع ہو چکی ہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبدًا او مکرهًا او هازلًا ...... او مخطئًا بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علٰی لسانه الطلاق۔ (الدرالمختار علٰی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۶۱ کتاب الطلاق، قبل مطلب فی طلاق المدهوش)[2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: قال لامرأته هذه الکلبة طالق طلقت۔ قال السید احمد الطحطاویؒ تحته الظاهر انه لو لم يشر واتی بالة هدية يکون [illegible] ولم يکن نيته بال عهد ووجهه انها لا تطلق لکون الکلبة غير محل للطلاق۔ (طحطاوی حاشیه الدرالمختار ج۲ ص۱۳۰ باب طلاق غیر المدخول بها)

[2] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد الانصاری رحمه الله: وطلاق اللاعب والهازل وطلاق الرّجل الّذی اراد ان يتکلّم فسبق لسانه بالطلاق واقع ۔ الخ (خلاصة الفتاوٰی ج۲ ص۵۷ کتاب الطلاق)

ومثله فی الهندية ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع طلاقه۔

طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں کہنے سے طلاقِ ثلاثہ واقع ہونے کا حکم

سوال:۔ جناب محترم مفتی صاحب! میرا سوال یہ ہے کہ میں نے اپنی زوجہ مسماۃ کلثوم جان دختر سراج احمد ساکن آلوی تحصیل وضلع ہری پور کو مؤرخہ ۹۸/۳/۲۱ کو اُس وقت تحریری طلاق روانہ کی جب وہ اپنی ایک عزیزہ کی فوتیدگی پر تعزیت کے لیے کراچی گئی ہوئی تھی۔ معمولی سی بات پر میں نے وہ قدم اٹھایا جس سے متعلق کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ میں نے اپنی تحریر میں یہ الفاظ تحریر کئے کہ "میں کلثوم جان دختر سراج احمد کو طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں" اور ساتھ ہی میں نے حق مہر کا چیک بھی بذریعہ رجسٹری مسماۃ مذکورہ کو ارسال کر دیا۔

جنابِ محترم! بعد ازاں مجھے اس بات کا بے حد افسوس اور صدمہ ہوا کہ میں نے ایسا کیوں کیا، اس دن سے آج تک سخت پریشان ہوں۔ جس وقت میں طلاق نامہ لکھ رہا تھا اُس وقت میں کمرے میں بالکل تنہا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں نے مندرجہ بالا الفاظ کیوں اور کیسے تحریر کئے اور میرا قلم رُک کیوں نہیں گیا۔

جنابِ محترم! میں سمجھتا ہوں کہ طلاق دینا کوئی اچھی بات نہیں ہے، لیکن سمجھنے کے باوجود جانتے ایسے کیوں ہو گیا؟ میں نے اپنی اس غلطی کی معافی اللہ تعالیٰ سے سربسجود ہو کر طلب کی، امید ہے اللہ تعالیٰ ضرور معاف فرمائیں گے۔

جنابِ محترم! میں نے حال ہی میں اپنے علاقہ کے علماء دین سے رابطہ کیا کہ شاید اس مسئلہ کا کوئی مثبت حل قرآن وسنت اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں بلا حلالہ وتجدید نکاح ہو سکے۔ علماء کرام نے میرے اس مسئلہ کا مثبت حل نکالا جس سے مجھے تسلی ہوئی۔ لیکن پھر بھی میں آپ جیسے عظیم مفکر اور عالمِ دین کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ مزید تسلی کے لیے آپ قرآن وسنت اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں جواب سے جس قدر جلد ہو سکے نوازیں۔ شکریہ

علاقہ کے علماء کرام کے جواب اور تصدیق وتائید کی فوٹو کاپی بھی ارسالِ خدمت ہے۔

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں از روئے قرآن وحدیث واجماعِ اُمت تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں، اگرچہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینا خلافِ سنت اور گناہ ہے لیکن جب دے دیں تو تینوں طلاق کے واقع ہونے میں تمام اہلسنت والجماعت کے نزدیک کوئی شبہ نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور تمام امتِ محمدیہ کا یہی مذہب ہے، اب بجز حلالہ شرعی کے کوئی چارہ کار نہیں، ارشاد قرآنی ہے: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ

لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ (الآیۃ)

وقال الامام النووی ؒ فی شرح مسلم : وقد اختلف العلماء فیمن قال لامرءته انت طالق ثلثا فقال الشافعی ومالک وابوحنیفۃ واحمد وجماھیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلث واحتج الجمھور لقولہ تعالیٰ : وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۔ (الآیۃ) لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا قالوا معناہ ان المطلق قد یحدث لہ ندم فلا یمکنہ تدارکہ لوقوع البینونۃ فلو کانت الثلاث لم یقع لم یقع طلاقۃ ھٰذا الا رجعیا فلا یندم ۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸ کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث)

قال الشامی ؒ : وذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الیٰ انہ یقع الثلاث ۔ قال فی الفتح بعد سوق الاحادیث الدالۃ علیہ وھٰذا یعارض ما تقدم واما امضاء عمر الثلث علیھم مع عدم مخالفۃ الصحابۃ لہٗ وعلمہ بانھا کانت واحدۃً فلا یمکن الا وقد ثبت النقل عن اکثرھم صریحًا بایقاع الثلث ولم یظھرلھم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال ومن ھٰذا قلنا لو حکم حاکم بانھا واحدہ لم ینفذ حکمہ الخ ۔ (رد المختار ج ۲ ص ۴۱۹ کتاب الطلاق)

قرآن وحدیث اور فقہاء کرام کی عبارتوں کی رُو سے آپ کی منکوحہ مطلقہ ثلاثہ ہے بدون حلالہ آپ کے لیے حلال نہیں ہے ۔ جن لوگوں نے حکم صحتِ رجعت کا عدت میں کیا یا وہ عدم وقوع طلاق کے قائل ہوئے وہ مخالف ہیں حکم خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۔

حلالہ کی صورت یہ ہے کہ آپ کی مطلقہ بعد گذارنے عدت تین حیض کے کسی اور شخص سے کفو میں نکاح کرے اور وہ شخص اس سے جماع کرنے کے بعد اپنی مرضی سے اُسے طلاق دے دے اور وہ اس کی عدت گذار کر خاوند اوّل کے نکاح میں آسکتی ہے ۔ اور اگر اس بات کا خطرہ ہو کہ دوسرا خاوند طلاق نہ دے گا تو اس کا ایک حیلہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ عورت اس شرط پر اس سے نکاح کرے کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اس کو اختیار ہو، پس جب وہ خاوند ایک مرتبہ اس سے جماع کر چکے تو یہ عورت اپنے اوپر از خود طلاق واقع کر سکتی ہے اور بعد گذارنے عدت کے خاوند اول کے نکاح میں آسکتی ہے ۔

اگر بالفرض حلالہ ساقط کرنے کے لیے آپ غیر مقلد بن جائیں تو بھی حلالہ ساقط نہیں ہو سکتا

اور بدون حلالہ کے شوہر اول مطلقہ ثلاثہ سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔ در مختار میں ہے،
ان الحکم الملفق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقاً وھو المختار فی المذاھب۔ (ج ۱ ص ۵)

اور اس غرض کے لیے غیر مقلد ہونے سے بجائے حلالہ ساقط ہونے کے ایک اور بہت بڑا گناہ سرزد ہو جائے گا جس سے ذہاب ایمان کا بھی اندیشہ ہے۔

کما قال الجوزجانیؒ فی رجل ترک مذھب ابی حنیفۃؒ لنکاح امرأۃ من اھل الحدیث فقال اخاف علیہ ان یذھب ایمانہ وقت النزع لانہ استخف بمذھبہ الذی ھو حق عندہ وترکہ لاجل جیفۃ۔ (شامی ج ۳ ص ۳۹۰، امداد المفتین ج ۱ ص ۱۹۱)

ایک، دو، تین "تم آزاد ہو" کہنے سے طلاق واقع ہونے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ناچاکی کی صورت میں یہ کہے کہ ایک، دو، تین (تم آزاد ہو) ان الفاظ طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ اگر ہو گی تو کتنی؟ جبکہ عرف میں اس کو تین طلاق شمار کیا جاتا ہے، لوگ ان الفاظ "تم مجھ پر تین طلاق سے طلاق ہو" اور مذکورہ بالا الفاظ میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ ایک عالم دین نے بتایا ہے کہ ان الفاظ سے صرف ایک طلاق بائن واقع ہوئی ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں مذکورہ بالا الفاظ کی شرعی حیثیت کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:۔ وقوع طلاق میں عرف کا بہت بڑا دخل ہے، اگر کسی جگہ صورت مسئولہ میں درج شدہ الفاظ عرف میں تین طلاق کیلئے استعمال ہوتے ہوں تو وہاں عرف کے مطابق تین طلاق مغلظہ شمار ہوں گی، اسلئے کہ "تم آزاد ہو" کے الفاظ کو فقہاء نے عرف کی بناء پر طلاق صریح کے معنی میں لیا ہے۔ اگرچہ بظاہر مذکورہ جملہ میں عدد اور معدود کا کوئی تعلق نہیں ہے، دونوں ایک دوسرے سے مغائر ہیں مگر عرف نے دونوں کو ایک کر دیا ہے، اسی طرح آزاد اگرچہ الفاظ کنائی ہے مگر عرف نے ان کو الفاظ صریح میں استعمال کیا ہے اس لیے مذکورہ الفاظ انت طالق ثلاثاً کی طرح ہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وان کان الحرام فی الاصل کنایۃ یقع بھا البائن لانہ لما غلب استعمالہ فی الطلاق لم یبق کنایۃ ولذا لم یتوقف علی النیۃ او دلالۃ الحال ..... ثم فرق بینہ وبین سرحتک فان سرحتک کنایۃ لکنہ فی عرف الفرس غلب استعمالہ فی الصریح ای سرحتک یقع بہ الرجعی مع ان اصلہ کنایۃ ایضاً وما ذاک الا لانہ غلب فی عرف الفرس استعمالہ فی الطلاق وقد مر ان الصریح مالم یستعمل الا فی الطلاق من ای لغۃ کانت۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۳۸ باب الکنایات، کتاب الطلاق)

کئی دفعہ یہ کہنا کہ "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" سے طلاقِ مغلظہ کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب!
میں بہت آس امید لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہوں امید ہے آپ ضرور میری راہنمائی کریں گے۔
میری شادی کو ۱۵ سال ہو چکے ہیں، دو بیٹے ہیں جن کی عمریں بالترتیب چودہ اور تیرہ سال ہیں،
میں یہاں ابوظہبی میں درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوں، میرا مسئلہ کچھ اس طرح ہے کہ:۔
(۱) شادی کے شروع سالوں میں ہی میرے شوہر نے مجھ پر پابندی لگائی کہ "اگر تم نے اپنی ٹانگوں اور بازوؤں سے بال صاف کئے تو میری طرف سے تمہیں طلاق ہے"۔ لیکن اس کے باوجود میں نے بہت دفعہ یہ بال صاف کئے کیونکہ مجھے یہ بال پسند نہیں ہیں۔
(۲) ۱۹۹۲ء میں میرے شوہر نے یہاں ایک فلپائنی عورت سے تعلق قائم کر لیا اور اس کی اکثر راتیں اُس عورت کے ساتھ گذرنے لگیں، مجھے جب پتہ چلا تو میں نے اس بات پر ان سے جھگڑا کیا، بہت زیادہ لڑائی ہوئی تو انہوں نے مجھے منہ پر کہا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔
(۳) ۱۹۹۳ء میں میرے شوہر کی یہاں سے نوکری ختم ہوگئی تو انہوں نے اس فلپائنی عورت کو ہمارے ساتھ ہی فلیٹ میں بلا لیا اور اس کے ساتھ رہنے لگے، میں اور میرے بچے دوسرے کمرے میں ہوتے تھے اور وہ فلپائنی عورت جس کا نام میری وک (MERRY VICK) کیونکہ وہ کرسچن تھی وہ لوگ بیڈروم میں ہوتے تھے، ہر عورت کی طرح یہ بات میرے لیے ناقابلِ برداشت تھی، اگرچہ ہمارے درمیان جسمانی تعلقات ختم ہو چکے تھے پھر بھی ذہن میں یہ بات تھی کہ رشتے کی ایک ڈور تو باقی ہے۔ ایک دن اسی عورت کی وجہ سے ہمارے درمیان پھر لڑائی ہوئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ آپ نے اس عورت کو بغیر نکاح کے رکھا ہوا ہے جو کہ بہت بڑا گناہ ہے، اس انہوں نے کہا کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، میں مرد ہوں جو چاہوں کروں تم کون ہوتی ہو مجھے منع کرنے یا روکنے والی؟ میں نے جواب دیا کہ آخر میں تمہاری بیوی ہوں میرا تم سے رشتہ ہے، اس نے کہا کہ اگر تم اس رشتے پر اکڑتی ہو تو جاؤ میں اس رشتے کو ختم کرتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے کئی لوگوں سے کہا کہ چونکہ میری بیوی میرے ذاتی معاملا میں دخل دیتی ہے اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا ہے، وہ میرے ساتھ لڑائی کرتی ہے وغیرہ۔
(۴) اس لڑائی کے کچھ دنوں بعد میرا بیٹا بیمار ہوگیا تو میں نے اسے کہا کہ بچہ بیمار ہے اور اسے ہسپتال لے کر جانا ہے، تو اس نے جواب دیا کہ میرا تمہارا کوئی رشتہ نہیں میری طرف سے تم

تم آزاد ہو جو چاہے کرو، مجھے بچے کی پرواہ نہیں ہے، میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ بچے میرے لیے زنجیر نہیں ہیں۔

جناب مفتی صاحب! ۱۹۹۳ء کے آخر میں اس کا ویزہ یہاں سے ختم ہو گیا اور وہ واپس پاکستان چلا گیا کیونکہ اس وقت تک فلپائنی عورت میری وک سے بھی اس کا دل بھر چکا تھا، یہاں سے جاتے کے بعد اُس نے ہم لوگوں سے کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھا لیکن ہمیں کہیں نہ کہیں سے خبر ملتی رہی کہ وہ پاکستان جا کر کسی اور عورت کی زلفوں کا اسیر ہو گیا ہے اور شادی کر رہا ہے، پھر شاید ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ واللہ اعلم بالصواب

اب تقریباً چھ سال کے بعد وہ لوٹ آیا ہے کیونکہ اسے کسی نے بھی قبول نہیں کیا، اب وہ یہاں آکر مجھے کہتا ہے کہ میں بچوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، کیونکہ ہمارا رشتہ ختم نہیں ہوا تم میرے بچوں کی ماں ہو، مجھے پاکستان میں ایک مولوی نے کہا ہے کہ تم اسی بیوی سے تجدید نکاح کر سکتے ہو، اس لیے اب تم میرے ساتھ ان بچوں کی خاطر بیوی بن کر رہو، میں تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گا، وغیرہ وغیرہ۔

جناب مفتی صاحب! میں جانتی ہوں کہ یہ زندگی عارضی ہے اور میں اب کوئی غلط کام کر کے اپنی آخرت خراب کرنا نہیں چاہتی۔ اس لیے آپ سے رجوع کر رہی ہوں کہ اس مسئلے میں میری راہنمائی فرمائیں کہ شریعتِ مقدسہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ برائے مہربانی اپنا فیصلہ ایک الگ صفحے پر لکھ کر بھیجیں تاکہ میں اُس کے وکیل کو دکھا سکوں، خدا آپ کو اس کی جزائے خیر دے گا، میں جواب کی شدت سے منتظر رہوں گی۔ (پریشان حال: مسز شہناز چوہدری ابوظہبی)

الجواب: شریعتِ اسلامی میں حلال اور جائز اشیاء میں سے مبغوض ترین شے طلاق ہے اس سے وہ عظیم رشتہ جو میاں بیوی کے مابین ہوتا ہے ختم ہو جاتا ہے۔ اس میں حقیقت و مذاق شرعاً دونوں برابر ہیں بلکہ اِدھر شوہر کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا ہوتا ہے اُدھر بیوی مطلقہ ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ الفاظ صریح (لفظ طلاق) بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اسلیئے شوہر کو ان الفاظ کے استعمال سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیئے۔

صورتِ مسئولہ کے مطالعہ اور غور سے دیکھنے کے بعد دو قسم کی طلاق کا ثبوت ملتا ہے (۱) طلاقِ معلق کا بوعدہ شادی کے شروع سالوں میں..... "کہ اگر تم نے اپنی ٹانگوں اور بازوؤں سے بال صاف کیے تو تمہیں طلاق ہے" سے معلوم ہوتا ہے۔ ایسی طلاق کا حکم یہ ہے کہ

جس شرط کے ساتھ اس طلاق کو معلق کیا گیا ہو اس کے پورا ہونے کے بعد بیوی پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہاں یہ شرط پوری ہو چکی ہے جس پر آپ کے یہ الفاظ "لیکن اس کے باوجود میں نے بہت دفعہ یہ بال صاف کئے" دلالت کرتے ہیں، لہٰذا آپ پر ایک طلاقِ رجعی واقع ہو چکی ہے۔

(۲) دوسری "طلاق مؤجز" ایک طلاق مؤجز تو رقم ۲ کے ان الفاظ "کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" سے معلوم ہوتا ہے اور دوسرے رقم ۳ ۱۹۹۳ء کے الفاظ "میں اس رشتے کو ختم کرتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" سے معلوم ہوتا۔ اس دوسری قسم کی دو طلاق بھی صریح ہیں اس لیے واقع ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اگر صورتِ مسئولہ کے مطابق تمام واقعات درست ہوں اور شوہر نے وہ الفاظ بعینہ اسی طرح کہے ہوں جو آپ کے خط میں تفصیلاً مذکور ہیں تو بناء بریں آپ کا خاوند بیوی کا رشتہ طلاقِ مغلظہ کے ساتھ ختم ہو چکا ہے، اب آپ اس کی بیوی نہیں رہیں اگرچہ بچوں کی ماں ضرور ہیں لیکن ایک بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ اکٹھے رہنا بغیر حلالۂ شرعی کے ناجائز و حرام ہے۔ اور اگر کسی مولوی صاحب نے آپ کے شوہر کو بغیر حلالہ کے تجدید نکاح کا کہا ہو تو یہ شرعاً غلط ہے اُس کے قول پر عمل کرنا آپ کے لیے کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

لقولہٖ تعالیٰ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا۔۔۔۔۔۔ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ۔ (البقرۃ آیت ۔۔۔) [1]

تمہاری بیوی پر طلاق ہو، کے جواب میں "ہاں" کہنے کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! کسی دوست کے ساتھ کسی موضوع پر میری بات چیت ہو رہی تھی، اس نے باتوں کے درمیان مجھ سے کسی بات کے متعلق پوچھا اور کہا کہ آپ پر آپ کی بیوی تین طلاق پر طلاق ہو کہ جھوٹ نہ بولو گے۔ جواب میں میں نے صرف ہاں کہا، اور پھر میں نے وہ جھوٹ بات کہہ دی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح میری بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں؟ تفصیل سے مجھے سمجھائیں تاکہ

---

[1] لما فی الھندیۃ: من قال لامرأتہ ان دخلت الدار فانت طالق یتعلق الطلاق بالدخول۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۴۲۰ کتاب الطلاق)

میرے دل سے شک و شبہ نکل جائے ؟

الجواب:۔ عبارت مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل نے جب اپنے دوست کے خط کشیدہ الفاظ کہنے پر "ہاں" کہا تو سائل ہی حالف بن گیا یعنی اس نے اپنی بیوی پر تین طلاق واقع ہونے کو جھوٹ کہنے سے مشروط کر دیا اور جب اس نے گفتگو میں جھوٹی بات کہی تو اس کی بیوی پر شرط موجود ہونے کی وجہ سے تین طلاق واقع ہو کر مطلقہ مغلظہ ہو چکی ہے اور اب وہ حلالہ شرعی کے بغیر اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔

درمختار میں ہے، ولو قال علیك عهد الله إن فَعَلْتَ كذا فقال نعم فالحالف المجیب۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار جلد۳ ص۱۵۲ کتاب الطلاق)

وفی الشامیة: ولا یمین علی المبتدئ وان نوی الیمین خانیة وفتح اھ ای الاسناده الحلف الی المخاطب فلا یمکن أن یکون الحالف غیره۔ (جلد۳ ص۱۵۲)

وفی الدر المختار: قیل له ان كنت فعلت كذا فامرأتك طالق فقال نعم وقد كان فعل طلقت۔ وفی الاشباه القاعدة الحادية عشر السؤال معاد فی الجواب، قال امراة زید طالق أو عبده حر أو علیه المشی لبیت الله إن فعل كذا وقال زید نعم كان حالفاً۔ الی آخره

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۳ ص۱۵۳ کتاب الطلاق)

باب تعلیق وتفویض الطلاق

(طلاق معلق ومفوض کے مسائل واحکام)

طلاق کوکسی کام سے معلق کرنا

سوال:۔ اگرکسی شخص نے اس طرح قسم کھائی کہ اگر میں گھرجانے سے پہلے مکہ مکرمہ نہ جاؤں تومجھ پر بیوی طلاق ہے، پھر وہ شخص مکہ مکرمہ جانے سے پہلے ہی گھر چلاگیا، تواس سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ میں گھر کو مکہ مکرمہ جانے پر موقوف کرکے قسم اٹھائی گئی ہے لہٰذا جب یہ شخص مکہ جانے سے پہلے گھر چلاجائے تواس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہوگی، چونکہ مکہ مکرمہ جانا امرِممکن ہے اس لیے مالی وسائل کے فقدان کی وجہ سے حنث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لمافی الهندية: واذا اضافه الى الشرط وقع عقيبه اتفاقًا۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۲۰ الفصل الثالث فى تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرها) [1]

کسی کوقتل کرنے پر طلاق معلق کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ اگر میں نے تم کو قتل نہ کیا تومیری بیوی پر طلاق ہوگی، بعد میں اس شخص نے قتل سے اجتناب کیاہے، اندریں صورت اس کی بیوی پر طلاق ہوگی یانہیں؟

الجواب:۔ طلاق کو عدم قتل سے معلق کرنا ممکن الوقوع ہے اس لیے یہ قسم اپنی جگہ میں منعقد ہے تاہم اس شخص پر علی الفور حنث لازم نہیں جس سے اس شخص پر بیوی طلاق ہو، البتہ اگر متعلقہ شخص اپنی موت مرجائے یاقسم کھانے والااس کو قتل کرنے کے بغیر مرجائے توایسی حالت میں اس کی بیوی اس پر طلاق ہوگی، بنظاہر الفاظِ قسم میں طلاق کی تعداد کا ذکر نہیں اس لیے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

قال العلامة الحصكفى رحمه الله: لوحلف ليفعلنه بَرَّ بمرة۔ وقال العلامة ابن عابدينؒ: تحت هذا القول، واذا لم يفعل لايحكم بوقوع الحنث حتى يقع اليأس

---

[1] قال العلامة برهان الدين المرغينانىؒ: واذا اضافه الى شرط وقع عقيب الشرط۔
(الهداية ج۲ ص۳۸۵ باب الايمان فى الطلاق)
ومثله فى بدائع الصنائع ج۳ ص۳۰ كتاب الايمان۔

عن الفعل وذٰلك بموت الحالف او بفوت محل الفعل۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۱۴۸)

باب الیمین فی الضرب والقتل وغیرذٰلک)[1]

جان بچانے کے لیے طلاق پر جھوٹی قسم کھانا

سوال:۔ ایک شخص نے جان کی خلاصی کے لیے طلاق پر جھوٹی قسم اٹھائی اور یوں کہاکہ طلاق پر قسم ہے مَیں سچ کہہ رہاہوں، جبکہ حقیقت میں وہ سچا نہیں، تو کیااس سے طلاق واقع ہوگی یانہیں؟

الجواب:۔ ایسے الفاظ عرف میں طلاق کے لیے استعمال نہیں ہوتے اس لیے ان سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ ان الفاظ سے قسم منعقد ہوتی ہے۔

لما فی الھندیۃ: وفی الفتاوٰی لوقال سوگند خورم بطلاق لیس بتطلیقۃ لان الناس لم یتعارفوہ یمینًا بالطلاق۔ (الفتاوٰی الہندیہ ج ۲ ص ۵۸ الباب الثانی فیمایکون یمینًا ومالایکون یمینًا۔ الفصل الاوّل فی تحلیف الظلمۃ وفیما ینوی الحالف غیرماینوی المستحلف)[2]

نکاح سے قبل طلاق معلق کا حکم

سوال:۔ کسی لڑکے کے لیے اس کے والدین نے ایک گھر میں رشتہ کرنا چاہا لیکن لڑکی والوں کے ناجائز مطالبات کی وجہ سے لڑکے نے کہاکہ اگراس نے اس لڑکی سے نکاح کیاتو یہ مجھ پر طلاق ہوگی۔ تو کیا نکاح ہونے کے بعد یہ لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں رہ سکتی ہے یااس پر طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ میں چونکہ طلاق کو نکاح سے معلق کیاگیاہے اس لیے نکاح ہوجانے کے بعد لڑکی پر طلاق واقع ہوگی لیکن قسم میں طلاق کا چونکہ ایک دفعہ ذکر ہے اس لیے دوسری دفعہ نکاح کرنے کے بعد لڑکی اس کے نکاح میں آسکتی ہے، تاہم اگر ایجاب وقبول دوبارہ یاسہ بارہ ہو تو

---

[1] قال العلامۃ المرغینانیؒ: وان حلف لیفعلن کذا ففعلہ مرّۃ واحدۃ برّفی یمینہ لان الملتزم فعل واحد غیرعین اذ المقام مقام الاثبات فبایّ فعل فعلہ وانما یحنث لوقوع الیأس عنہ وذٰلک بموتہ اوبفوت محل الفعل۔ (الھدایۃ ج ۲ ص ۵۰۶ باب الیمین فی تقاضی الدراھم)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوٰی الھندیۃ ج ۲ ص ۱۲۹ الباب الحادی عشرفی الیمین فی الضرب۔

[2] قال العلامۃ قاضی خانؒ: ولو قال سوگند خورم بطلاق کہ این کارنکنم لا یکون یمینًا۔ (الفتاوٰی قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج ۲ ص ۷ فصل فی الفاظ الیمین بالفارسیۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوٰی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج ۴ ص ۲۶۷ کتاب الایمان۔ نوع الثانی فیمایکون یمینًا۔

پہلی بار ایجاب سے نکاح ہوکر طلاق واقع ہو گی، دوسری یا تیسری بار ایجاب وقبول سے دوبارہ نکاح منعقد ہو گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ : شرطه الملك او الاضافة اليه كان نكحتك فانت طالق ۔
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۵۳۷ باب التعليق) ؎۱

طلاق معلّق سے بچنے کا حیلہ

سوال:۔ ایک شخص نے کسی کام کے کرنے سے تین طلاق معلّق کی ہیں، ابھی تک توحنث کا موقع نہیں آیا ممکن ہے کسی وقت حنث واقع ہو کر عورت مطلقہ مغلظہ بن جائے، ایسی حالت میں اس خطرہ سے بچنے کیلئے اس شخص کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ طلاق معلق کی صورت میں شرط کی موجودگی میں طلاق کا واقع ہونا ایک ضروری امر ہے تاہم اس سے بچنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی جا سکتی ہے کہ یہ شخص بیوی کو طلاق بائن دے کر فارغ کرے، عدت گذارنے کے بعد یہ عورت اس کے نکاح سے نکل جائے تو آزادی کی حالت میں یہ شخص وہ کام کرے جس سے طلاق معلّق کی ہے، چونکہ اس وقت عورت اس کی ملک میں نہ ہونے کی وجہ سے طلاق غیر مؤثر رہے گی، اور ایک دفعہ حانث ہونے سے یمین پورا ہو کر دوبارہ کرنے سے حنث لازم نہیں آتا اس لیے جب دوبارہ نکاح کرے تو ابھی متعلّقہ کام کرنے سے حنث لازم نہیں آئے گا۔

قال ابن عابدینؒ : لوحلف لايخرج امرأته الا باذنه فخرجت بعد الطلاق وانقضاء العدة لم يحنث وبطلت اليمين بالبينونة حتى لو تزوجها ثانيا ثم خرجت بلا اذن لم يحنث ۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۴۴ باب التعليق مطلب زوال الملك ۔۔۔ الخ) ؎۲

؎۱ : قال العلامة المرغينانيؒ : واذا اضاف الطلاق الى النكاح وقع عقيب النكاح مثل ان يقول لامرأة ان تزوجتك فانت طالق او كل امرأة اتزوجها فهي طالق ۔
(الهداية ج۲ ص۳۸۵ باب الايمان فى الطلاق)
وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج۱ ص۴۲۰ الفصل الثالث فى تعليق الطلاق بكلمة ان و اذا وغيرها ۔

؎۲ قال العلامة الحصكفى رحمه الله : فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار ان يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها ۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار جلد ۲ ص۵۴۵ باب التعليق ۔ مطلب اختلاف الزوجين فى وجود الشرط)
وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج۱ ص۴۱۶ الباب الرابع فى الطلاق بالشرط، الفصل الاول فى الفاظ الشرط ۔

طلاق کُلّمَا کی حقیقت

سوال:۔ ایک شخص نے گواہوں کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے طلاق کلما دی ہے، اس سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ طلاق کلما کی حقیقت حروفِ شرط کے ساتھ ذکر ہو کر خاص الفاظ ہیں، ویسے یہ عنوان معنون کے وجود کے لیے لازم نہیں، اس لیے صرف عنوان ذکر کرنے سے اس کی کوئی حقیقت نہیں پائی جاتی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ناقلاً عن البزازیۃ انه قد اشتهر فی رساتیق شروان ان من قال جعلت کلما او علیّ کلما انه طلاق ثلاث معلق وهٰذا باطل من هذیانات العوام۔ (ردّ المحتار حاشیہ الدّر المختار ج۲ ص۴۶۵ باب الصریح) [۱]

کُلّمَا طلاق کے وقوع سے بچنے کی صورت

سوال:۔ ایک شخص نے کسی کام سے اجتناب اور پرہیز کرنے کے لیے بڑی تاکید کرتے ہوئے کہا: "اگر میں نے فلاں کام کیا تو جب بھی میں نکاح کروں وہ بیوی مجھ پر طلاق ہوگی۔" ایسے شخص کو طلاق سے بچانے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جا سکتی ہے؟

الجواب:۔ ایسی طلاق فقہاء کی اصطلاح میں "طلاق کلما" کے عنوان سے معنون ہے جس میں شخص مذکور اگر متعلقہ کام کرنے کے بعد اصالتاً یا وکالتاً نکاح کرے تو بیوی اس پر طلاق ہوگی، کیونکہ نکاح کے وکیل کے تصرفات کی نسبت بھی مؤکل کی طرف ہوتی ہے۔ تاہم فقہاء نے اس سے بچنے کے لیے ایک حیلہ تجویز کیا ہے جس کی وجہ سے اس کی زندگی بن جانے کی توقع کی جا سکتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایسا شخص اپنی حالت کسی ایسے عالم کے سامنے بیان کرے جو اس کی ضروریات کو جان کر اس کے لیے بحیثیت فضولی نکاح کرائے اور شخص مذکور کسی توکیل یا زبان سے ایجاب وقبول کے بجائے عملی طور پر اجازت دے دے جس سے نکاح متصوّر ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ والحیلة فیه ما فی البحر ان یزوجه فضولی ویجیز بالفعل کسوق الواجب الیها۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۵۳۷ باب التعلیق) [۲]

---

[۱] وقال ابن البزازؒ: واشتهر ایضاً انه اذا قال جعلت کلما او علیّ کلما انه طلاق ثلاث معلق وهٰذا ایضاً باطل وهٰذا من هذیانات العوام لانهایة لها۔ (الفتاویٰ البزازیۃ علیٰ ہامش الہندیہ ج۴ ص۳۴۷ نوع فی تعلیقه بالملک)

[۲] وفی الهندیة: واذا قال کل امرأة اتزوجها فهی طالق فزوجه فضولی واجازه بالفعل بان ساق المهر ونحوه لا تطلق۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۴۱۹ الفصل الثانی فی تعلیق الطلاق بکلمة کل وکلما)

وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج۴ ص۲۵۳ نوعٌ فی تعلیقه بالملک۔

میں گھر آیا تو تجھے طلاق ہوگی

سوال: ایک شخص نے بیوی سے کہا اگر میں گھر آیا تو تجھے طلاق ہوگی، اب وہ خود تو گھر نہیں گیا لیکن کسی دوسرے شخص نے اسے اٹھا کر جبراً گھر میں داخل کر دیا، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: شخص مذکور کی مرضی کے بغیر اسے اٹھا کر جبراً گھر میں لانے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الهندیة: فان احتمله غیره فادخله بغیر امره لم یحنث سواء کان راضیاً بذلك بقلبه اوساخطاً وسواء کان قادراً علی الامتناع اولم یکن۔
(الفتاوی الهندیة ج ۲ ص ۶۸ الباب الثالث فی الیمین علی الدخول والسکنی)[۱]

کسی کے گھر جانے سے منع کرنے کیلئے طلاق پر قسم کھانا

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو کسی کے گھر جانے سے منع کرنے کے لیے کہا کہ اگر تُو اس وقت فلاں کے گھر گئی تو تُو مجھ پر طلاق ہے، اب اگر اس کی بیوی اُسی وقت یا اس کے بعد اُس گھر گئی تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زوج کا قول اُسی مجلس سے خاص ہے، اگر بیوی اس مجلس سے اٹھ کر فلاں کے گھر چلی گئی تو طلاق ہے اور اگر اس مجلس کے بعد اس گھر گئی تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال المرغینانیؒ: ولو ارادت المرأة الخروج فقال ان خرجت فانت طالق فجلست ثم خرجت لم یحنث وکذلك ان اراد ضرب عبده فقال له آخر ان ضربته فعبدی حر فترکه ثم ضربه وهذه تسمی یمین فور تفرد ابوحنیفة باظهاره الخ۔ (الهدایة ج ۲ ص ۴۸۶ باب الیمین فی الخروج والاتیان والرکوب وغیر ذلك)[۲]

---

[۱] قال قاضیخانؒ: ولو حلف ان لا یدخل .... وان احتمله انسان وادخله فیها فان کان الحالف لایقدر علی الامتناع لا یحنث فی قولهم وان کان یقدر ولم یمتنع وهو راض بقلبه اختلفوا فیه والصحیح انه لایحنث۔ (فتاوی قاضیخان ج ۲ ص ۳۱۸، فصل فی الدخول، کتاب الایمان) ــــ ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۲ ص ۱۶۵، الفصل السابع عشر فی الیمین فی الدخول۔

[۲] قال ابن نجیمؒ: امرأة تهیأت للخروج فحلف لا تخرج فاذا جلست ساعة ثم خرجت لا یحنث لان قصده ان یمنعها من الخروج الذی تهیأت له فکانه قال ان خرجت ای الساعة ومنه من اراد ان یضرب عبده فحلف علیه لا یضربه فاذا ترکه ساعة بحیث یذهب فورة ذلك ثم ضربه لایحنث۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۴ ص ۳۱۵ باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی والاتیان وغیر ذالك) ــــ ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۲ ص ۱۷۰ کتاب الایمان، الفصل الثالث عشر فی الخروج والاتیان والذهاب۔

طلاق کے ساتھ متصل انشاء اللہ کہنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر ساتھ ہی متصلاً یہ کہے "انشاء اللہ تعالیٰ"۔ کیا اس طرح یہ طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب طلاق دینے کے بعد متصلاً انشاء اللہ تعالیٰ کہا جائے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: واذا قال الرجل لامرأته انت طالق انشاء الله متصلاً لم یقع الطلاق۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۳ ص۴۶ کتاب الایمان فی الطلاق) [1]

اگر فلاں کام کیا تو طلاق ہوں گا

سوال:۔ کسی شخص نے قسم اٹھاتے ہوئے یوں کہا: "اگر اس نے فلاں کام کیا تو طلاقی ہوں گا"، کیا اس کام کے کرنے پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاقی عرف میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے بیوی کو طلاق دیدی ہو، اس لیے مذکورہ الفاظ کہنے کے بارے میں مستقل جزئیہ نہیں ملا لیکن عام قواعد سے اندازہ ہوتا ہے کہ حانث ہونے پر ایک طلاق واقع ہوگی۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: وقد تعورف فی عرفنا فی الحلف الطلاق یلزمنی لا افعل کذا یرید ان فعلته لزم الطلاق ووقع فیجب ان یجری علیهم لانه صار بمنزلة قوله ان فعلت فانت طالق، وکذا تعارف اهل الارياف الحلف بقوله علی الطلاق لا افعل۔ الخ

(رد المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۴۶۹ باب الصریح) [2]

طلاق کے لیے کسی اور کو حق دینا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے والد کو اس طرح دیا کہ میں فلاں ابن فلاں بقائمی ہوش وحواس،

---

[1] قال العلامة التمرتاشیؒ: قال لها انت طالق انشاء الله تعالی متصلاً مسموعاً لا یقع۔

(تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۵۵۲ باب التعلیق)

وَمِثْلُهٗ فی کنز الدقائق ج۱ ص۱۲۳ باب التعلیق۔

[2] وقال العلامة ابن نجیمؒ: وفی فتح القدیر وقد تعورف فی عرفنا فی الحلف الطلاق یلزمنی لا افعل کذا یرید ان فعلته لزم الطلاق ووقع فوجب ان یجری علیهم ---- الخ

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۳ ص۲۵۲ باب الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۴۶ کتاب الایمان فی الطلاق۔

برضا و رغبت، بلا کسی جبر و اکراہ کے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے والد کو تفویض کرتا ہوں، اس پر اُس کے دستخط اور گواہ بھی موجود ہوں، کیا اس کے بعد والد بیٹے کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق میں مطلقاً توکیل درست ہے، اس لیے اگر بیٹے نے باپ کو طلاق دینے کے اختیارات دیئے ہوں تو والد کسی وقت بھی ان اختیارات کو استعمال کرکے اپنے بیٹے کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے، تاہم بیٹا کسی وقت بھی اس سے رجوع کرسکتا ہے جس کے بعد والد کو طلاق دینے کا حق باقی نہیں رہے گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: واما فی طلقی ضرتك او قوله لاجنبی طلق امرأتی فیصح رجوعه منه ولم یقید بالمجلس لانه توکیل محض۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص۳۱۷ باب تفویض الطلاق) [1]

بیوی کو طلاق کا حق دینا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق کا حق سونپتے ہوئے کہا طلقی نفسك، تو کیا اس اختیار سے عورت تین طلاق بھی استعمال کرسکتی ہے، کیا اس سے تین طلاق واقع ہوں گی؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ شوہر کی طرف سے بیوی کو اختیارِ کلی حاصل ہے لہٰذا اگر عورت تین طلاق استعمال کرنی چاہے تو بھی درست ہے بشرطیکہ شوہر نے تین کی نیّت کی ہو ورنہ ایک طلاق کا اختیار تو عورت کو حاصل ہے ہی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: قال لها طلقی نفسك ھذا تفویض بالصریح ولایحتاج الی النیّة والواقع به رجعی وتصح فیه نیة الثلاث۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص۵۱۵ باب تفویض الطلاق) [2]

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ما یدل علی جواز الوکالة فی الطلاق وصحته ما نصه۔ وفی المحیط: سئل شمس الاسلام عمن قال لغیره طلق امرأتك فقال ذلك الغیر الحکم لك فقال ان کان الحکم لی طلقتها ..... الخ

(خلاصة الفتاویٰ ج ۲ ص۸۹ کتاب الطلاق، جنس آخر فی التوکیل ..... الخ)

[2] وفی الهندیة: قال لها طلقی نفسك سواء قال لها ان شئت اولا قال لها ان تطلق نفسها۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۴۰۲ الفصل الاوّل فی المشیئة)

باب تفریق مفقود الخبر ونحوہ

(مفقود الخبر وغیرہ کی تفریق کے مسائل)

مفقود الخبر کی بیوی کا نکاحِ ثانی کرنا

سوال:۔ ایک بالغ لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے کر دیا گیا، ابھی رخصتی عمل میں نہیں آئی کہ اس کا خاوند لاپتہ ہو گیا جس پر آٹھ سال گذر گئے ہیں، تمام ذرائع ابلاغ اور دستیاب وسائل سے اس کی تلاش کی گئی تاہم اس کی موت وحیات کا پتہ نہ چل سکا، لڑکی جوان ہے اور اس کا کوئی سرپرست بھی نہیں، کیا شریعت میں اس کیلئے فسخ نکاح کی کوئی صورت ہے تاکہ وہ کسی دوسری جگہ نکاح کرے۔

الجواب:۔ زوجہ مفقود الخبر کے بارے میں فقہ حنفی کی جزئیات پر عمل کرنا مشکل ہے، کیونکہ مدت دراز تک بیوی کیلئے خاوند کا انتظار کرنا متعدد معاشی اور اخلاقی مسائل کا موجب بن سکتا ہے۔ اس لیے فقہاء کرام نے امام مالکؒ کے مذہب کو مد نظر رکھتے ہوئے کچھ آسانی کی صورت پیدا کی ہے کیونکہ بوقت ضرورت دوسرے فقہاء کے مذہب پر عمل کرنا مرخص ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وقد کان بعض اصحابنا یفتون بقول مالکؒ فی هٰذہ المسئلة للضرورة ثم رأیت ما بحثته بعینه۔ ذکرہ محشی مسکین عن السید الحمویؒ وسیأتی نظیر هٰذہ المسئلة فی زوجة المفقود حیث قیل انه یفتی بقول مالك انها تعتد عدة الوفاة بعد مضی اربع سنین۔ (ردالمحتار علی الدر المختار ج۳ ص۵۰۹ باب العدة)

وقال فی موضع اٰخر: وذکر الفقیه ابو اللیثؒ فی تأسیس النظائر انه اذا لم یوجد فی مذهب الامام قول فی مسئلة یرجع الی مذهب مالکؒ لانه اقرب المذاهب الیه۔
(رد المحتار علی الدر المختار ج۱ ص۵۸۴)

وقال فی مذهب مالك زوجة المفقود: وقال فی الدر المنتقی یأولی لقول القهستانی لو افتی به فی موضع الضرورة لا بأس به علی ما اظن (الی ان قال) وقد قال فی البزازیة الفتوی فی زماننا علی قول مالکؒ۔ (ردالمحتار جلد۴ ص۲۹۵ کتاب المفقود، مطلب فی الافتاء بمذهب مالکؒ فی زوجة المفقود)

اسلئے ایسی حالت میں امام مالکؒ کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے، چونکہ فقہاء احناف

نے اس پر عمل کی گنجائش پیدا کی ہے اس لیے یہ فقہ حنفی ہی کا حکم شمار ہوگا۔

پس جس عورت کا خاوند لا پتہ ہوا اور چار سال اس کے لاپتہ ہونے پر گذر جائیں اور اس کی حیات و ممات کے بارے میں کوئی معلومات نہ ہوں تو اب اگر عورت خاوند کے انتظار میں بیٹھی رہے تو اس کو نان و نفقہ کا مسئلہ درپیش ہو گا، اگر اخراجات کا مسئلہ کہیں سے حل ہو جائے لیکن بغیر خاوند کے بیٹھنے میں کسی بے راہروی کے شکار ہونے کا اندیشہ ہو تو اس حالت میں اپنے آپ کو کسی امتحان میں ڈالنے کے بجائے خلاصی کی صورت تلاش کرنا زیادہ مناسب ہے تاکہ عورت اپنی مرضی سے کسی دوسری جگہ نکاح کر سکے۔

ایسی عورت کو علماء کرام یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ چار سال تک انتظار کرنے کے بعد کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں اپنا معاملہ لے جائے، عدالت ایک سال تک ممکنہ ذرائع سے اس کے خاوند کو تلاش کرے، اگر خاوند کہیں مل جائے یا اس کی موت قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو تو فبہا و نعمت، ورنہ ایک سال کی تحقیق کے بعد متعلقہ عدالت خاوند کی عورت کو فسخ نکاح کی ڈگری صادر کرے گی جو عورت کے حق میں طلاق بائن شمار ہو گی جس کی رو سے عدت گذارنے کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح، اسی حالت میں اگر خاوند کہیں سے آجائے تو عدالت کا فیصلہ اس کے آنے سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ بیوی دوسرے خاوند کے پاس رہے گی۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس مسئلہ کے بارے میں یوں روشنی ڈالتے ہیں: "مفقود کو باتفاق ائمہ مجتہدین اپنے مال کے بارہ میں اُس وقت تک زندہ تسلیم کیا گیا ہے کہ جبتک اسکے ہم عمر وہم قرن لوگ زندہ پائے جائیں، جس وقت بستی میں اُسکے ہم عمر لوگ ختم ہو جائیں اُس وقت اُس کی موت کا حکم کیا جاتا ہے یعنی قاضی اسکی موت کا حکم دیدیتا ہے اور اس کی میراث وغیرہ تقسیم کرنے کی اجازت ہو جاتی ہے، اس پر ائمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا اتفاق ہے۔ کما ھو مصرح فی کتبہم اور امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ اور بہت سے دوسرے مجتہدین نے زوجۂ مفقود میں بھی یہی حکم باقی رکھا کہ جبتک مفقود کے ہم عمر لوگ ختم نہ ہوں اُس وقت تک وہ زندہ ہے اور حسب قاعدہ اُسکی بیوی کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں، البتہ بعض صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک زوجۂ مفقود الخبر کو اسکے ہم عمروں کے ختم ہونے سے بیشتر بھی قاضی نکاح کی اجازت دے سکتا ہے یعنی جبکہ

اس مفقود کے ظاہر حال سے اس کی ہلاکت وموت کا غالب گمان ہو جیسے وہ شخص جو معرکۂ جنگ میں گم ہوگیا یا ایسے مرض کی حالت میں نکل گیا ہو جس میں موت کا گمان غالب ہے یا سمندر میں سفر کیا ہو اور ساحل پر پہنچنے کا پتہ نہ چلا ہو) اس قسم کی صورتوں میں اتنا انتظار کر کے موت کا حکم دے دیا جاوے گا کہ جس میں حاکم کو مفقود کے فوت ہو جانے کا غلبۂ ظن ہو جاوے اور اس حکم بالموت کے بعد اس کی عورت کو عدتِ وفات گذار کر نکاح کر لینا جائز ہوگا۔

کما فی الشامیة تحت قول الدر ـــــ (واختار الزیلعی تفویضه الی الامام) قال فی الفتح فای وقت رأی ـــ المصلحة حکم بموته (الیٰ ان قال) ومقتضاه انه یجتهد ویحکم بالقرائن الظاهرة الدالة علیٰ موته وعلیٰ هٰذا ینبتنی ما فی الجامع الفتاویٰ حیث قال واذا فقد فی المهلکة فموته غالب فیحکم به کما اذا فقد فی وقت الملاقات مع العدو او قطاع الطریق او سافر علی المرض الغالب هلاکه او کان سفره فی البحر وما اشبه ذٰلك حکم بموته لانه الغالب فی هٰذه الحالات وان کان احتمالین واحتمال موته ناشئ عن دلیل لا احتمال حیاته لان هٰذا الاحتمال کاحتمال ما اذا بلغ المفقود مقدار ما لا یعیش علی حسب ما اختلفوا فی مقداره نقل عن الغنیة انتهیٰ ما فی جامع الفتاویٰ وافتی به بعض مشائخنا وقال انه افتی به قاضی زاده صاحب بحر الفتاویٰ لکن لا یخفی انه لا بد من مضی مدة طویلة حتی یغلب علی الظن موته لا بمجرد فقده عند ملاقات العدو او سفر البحر ونحوه۔

(رد المحتار ص ۳۶۳ ج ۳ مطلب فی الافتاء بمذهب مالك فی زوجة المفقود)

اس قسم کی صورتوں کے علاوہ فقہ حنفی میں زوجۂ مفقود کے واسطے اس کے سوا کوئی گنجائش نہیں کہ مفقود کے ہم قرن لوگوں کے ختم ہونے پر قاضی اس کی موت کا حکم کر دے اور بعد ازاں عورت عدتِ وفات گذار کر نکاح کرے۔

لیکن امام مالکؒ نے چند شرائط کے ساتھ (جن کی تفصیل عنقریب آتی ہے) ہر حال میں (یعنی ہلاک مظنون ہو یا نہ ہو) مفقود کی بیوی کو حکمِ حاکم کے بعد چار سال انتظار کر کے عدت گذرنے پر دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دیدی ہے، اور امام احمدؒ نے بھی مفقود کی بعض صورتوں میں چار سال کی مدت کو اختیار فرمایا ہے۔ کما فی المغنی ج ۹ ص ۱۴۳)

اور ہر چند کہ حنفیہ کا مذہب از روئے دلیل نہایت قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے مگر فقہاء حنفیہؒ میں سے بعض متاخرین نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر فرماتے ہوئے اس مسئلہ میں امام مالکؒ

کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ اور منتقیؒ نے قہستانیؒ کا (جو چوتھی صدی ہجری کے مشائخ حنفیہؒ میں ہیں) کا قول نقل کیا ہے : لوافتی بہ فی موضع الضرورۃ جاز ۔ (ج ۳ ص ۳۶۲ مطلب قضاء القاضی علی ثلٰثۃ اقسام) اور ایک عرصہ سے ارباب فتویٰ اہل ہند و بیرونِ ہند تقریباً سب نے اسی قول پر فتویٰ دینا اختیار کر لیا ہے اور یہ مسئلہ اس وقت ایک حیثیت سے فقہ حنفی ہی میں داخل ہو گیا ہے، لیکن جب تک عورت صبر کر سکے اس وقت تک اصل مذہب حنفی پر عمل کرنا لازم ہے، ہاں بوقتِ ضرورتِ شدیدہ کہ مثلاً خرچ کا انتظام نہ ہو سکے یا بوجہ خوف معصیت کے بیٹھنا مناسب نہ ہو سکے تو اس وقت مذہب مالکیہ پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور ایسے ہی مواقع کے لیے یہ فتویٰ مرتب کیا گیا ہے، مگر کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا مذہب لینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں ان سب کی رعایت کی جاوے ۔ لما فی الدرالمختار من ان الحکم الملفق باطل بالاجماع قال الشامیؒ تحتہ مثالہ متوضئ سال من بدنہ دم ولمس امرأۃ ثم صلی فان صحت ھٰذہ الصلوٰۃ ملفقۃ من مذھب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصحتہ منتفیۃ اھ ۔ وایضاً قال الشامیؒ عن الشرنبلالیؒ تحت قول الدر وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقاً وانہ یجوز لہ العمل بما یخالف ما عملہ علیٰ مذھبہ مقلداً فیہ غیر امامہ مستجمعاً شروطہ ۔ (ج ۱ ص ۵۵ مطلب لا یجوز العمل بالضعیف) لہٰذا مسئلہ مفقود الخبر میں مالکیہ کی تمام شرائط کا معلوم کرنا لازم ہوا اور شامی وغیرہ علماء احناف نے اس کے متعلق جو مذہب مالکیہ نقل کیا ہے وہ محض اجمال تھا اور مسئلہ کی پوری تنقیح اور اس کے تمام قیود و شرائط علمائے مالکیہ ہی سے معلوم ہو سکتے تھے اس لیے اس ضرورت کا احساس کر کے مالکی المذہب ارباب فتویٰ کی خدمت میں مدینہ طیبہ (زادھا اللہ شرفاً و نوراً) مفصل استفتاء بھیجا گیا، وہاں کے متعدد علمائے محققین نے نہایت تفصیل و توضیح کے ساتھ جوابات تحریر فرمائے، لیکن پھر ان میں کچھ شبہات باقی رہے اور بعض نئے سوالات پیدا ہوئے اس لیے مکرر ان حضرات کو تکلیف دی گئی، مکرر جوابات کے بعد بھی کچھ اور سوالات کی ضرورت ہوئی تو سہ بارہ ان کی خدمت میں سوالات بھیج کر جوابات حاصل کئے، یہ تمام مراسلت کتب خانہ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں محفوظ ہے اور ان فتاویٰ کا مجموعہ آخر رسالہ میں ملحق کر دیا گیا ہے، ان فتاویٰ کی جس جس عبارت سے ہمارے سوالات کا جواب ملتا ہے ان سب پر الفاظ سے نمبر شمار ڈال دیئے گئے ہیں اور جوابات مندرجہ ذیل ہیں، ان عبارات کے صرف حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہے کیونکہ عوام کو تو عربی عبارات کی ضرورت نہیں اور اہلِ علم اس نمبر کے حوالہ سے آخر رسالہ میں

استدلال کی عبارت خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں، اب سوالات اور جوابات اردو میں یہاں درج کیے جاتے ہیں:۔

سوالات

کیا فرماتے ہیں علمائے مالکیہ مسائل ذیل میں کہ:۔

(اوّل) جو شخص مفقود الخبر (لاپتہ) ہو اور باوجود تحقیق و تفتیش کے اس کا حال معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا کیا اس کی زوجہ کے لیے حق ہے کہ وہ کسی طرح اپنے کو اس کی زوجیت سے نکال کر دوسرا نکاح کر سکے، اگر یہ حق ہے تو کیا اس کو کچھ مدت انتظار کرنے کی ضرورت ہے یا بلا مہلت اس کو اختیار دے دیا جائے گا؟

(دوم) اگر مہلت دی جاوے گی تو اس کی ابتدا کب سے شمار ہو گی؟ مرافعہ اور مخاصمہ کے وقت سے یا گم ہونے کے وقت سے یا حکمِ حاکم کے بعد سے؟

(سوم) کیا زوجہ مفقود فسخ نکاح میں خود مختار ہے یا قضاء قاضی شرط ہے اور صورت فسخ کی کیا ہو گی؟

(چہارم) اگر قضائے قاضی شرط ہے تو کیا قاضی پر بھی یہ بات لازم ہے کہ پہلے مفقود کی خود تفتیش و تلاش کرے جب اس کو مایوسی ہو جائے اس وقت زوجہ کو کوئی مہلت وغیرہ دے یا عورت اور اس کے اولیاء کا تلاش کر لینا کافی ہے؟

(پنجم) جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے ہندوستان وغیرہ تو وہاں اسکی کیا صورت کی جائے؟

(ششم) مفقود کا حکم دارالحرب اور دارالاسلام میں یکساں ہے یا مختلف؟ اگر مختلف ہے تو پھر ہندوستان جیسے ممالک جن میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں وہ دارالاسلام سمجھے جاویں گے یا دارالحرب؟ (اعینونا اعانکم اللّٰہ تعالیٰ)

جوابات

(جواب سوال اوّل) زوجہ مفقود کے لیے مالکیہ کے نزدیک مفقود کی زوجیت سے علیحدہ ہونے کی دارالاسلام میں صورت یہ ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں مرافعہ کرے اور بذریعہ شہادتِ شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا، (اگر نکاح کے عینی گواہ موجود نہ ہوں تو اس معاملہ میں شہادت بالتسامع بھی کافی ہے یعنی شہرتِ عام کی بناء پر بھی شہادت دی جا سکتی ہے۔ کما فی المنتقیٰ للباجی المالکی ص۲۰۳ ج۵ کتاب الاقضیۃ) (فرع) واما النکاح ففی العتبیۃ عن سحنون قال جل اصحابنا یقولون فی النکاح اذا استنشر خبرہ فی الجیران ان فلاناً تزوج فلانۃ

وسمع الزفاف فله ان يشهد ان فلانة زوجة فلان الخ) اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود لاپتہ ہونا ثابت کرے بعدازاں قاضی خود بھی اس مفقود کی تفتیش و تلاش کرے اور جب پتہ ملنے سے مایوسی ہو جائے تو عورت کو چار سال مزید انتظار کا حکم کرے، پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مُردہ تصور کیا جائے گا، اور نیز ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدتِ وفات گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور اب چار سال گذرنے کے بعد دوبارہ قاضی کی عدالت میں درخواست دینا اور عدتِ وفات کے لیے حکم حاصل کرنا مالکیہ کے نزدیک ضروری نہیں بلکہ قضائے قاضی صرف اول بار بوقتِ تاجیل ضروری ہے۔ کما صرح بذٰلک فی شرح الدردر۔ (ص۲۸۲ ج ۱) حیث قال الخلیل فیؤجل الاربع سنین (الیٰ قوله) ثم اعتدت عدت الوفاة وسقطت بها النفقة ولا یحتاج فیها الاذن، وقال الدردیر تحته لاذن من الحاکم لان اذنه حصل بضرب الاجل اولاً ا م۔ ویأتی فی الروایة السابعة من فتوی العلامة محمد طیب بن اسحٰق مفتی المالکیة بالمدینة المنورة۔ مگر احتیاط اس میں ہے کہ جب وہ چار سال جو قاضی نے مقرر کیے تھے ختم ہو چکیں تو دوبارہ درخواست دے کر قاضی سے حکم بالموت بھی حاصل کر لیا جائے تاکہ مذہب حنفیہ کی حتی الوسع[ع] رعایت ہو جائے لیکن جس جگہ قاضی وغیرہ کو دوبارہ مرافعہ دشوار ہو وہاں بغیر مرافعہ دشوار ہو وہاں بغیر مرافعہ ثانی کے ہی عمل کرنے میں مضائقہ نہیں۔

یہ حکم مذکور تو دارالاسلام میں تھا اور دارالحرب میں زوجۂ مفقود کا جمہور مالکیہ کے نزدیک

ع کیونکہ ان کے نزدیک مفقود کے تمام ہم عمروں کے ختم ہو جانے پر بھی حکم بالموت حاصل کرنا شرط ہے۔ کما فی شرح الدر عن القنیة انه انما یحکم بموته بقضاء لانه امر محتمل فما لم ینضم الیه القضاء لا یکون حجة ا ھ اور مقتضائے قواعد و احتیاط ہونے کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے کہ عورت کی دوبارہ درخواست پر موتِ مفقود کا حکم کر کے عدتِ وفات گذارنے کا حکم دیا تھا۔ اور مسئلہ مفقود میں مالکیہ کے مذہب کی اصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا فیصلہ ہے پھر نہ معلوم اس جزو میں کیوں خلاف کرتے ہیں۔ نیز عنین کو قاضی کی طرف سے سال بھر کی مہلت ملنے کے باوجود بھی زوجۂ عنین کو اس سال کے گذر جانے پر دوبارہ درخواست دینی پڑتی ہے اس میں حنفیہ کے ساتھ مالکیہ بھی متفق ہیں پس نہ معلوم انہوں نے عنین اور مفقود میں کیا فرق سمجھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

تو وہی حکم ہے جو حنفیہ کے نزدیک ہے یعنی جب تک اس کے ہم عمر لوگ زندہ ہیں اس وقت تک اس کی بیوی کے لیے اُس کے نکاح سے جدا ہونے اور دوسرا نکاح کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ کما فی الروایۃ الثالثۃ من فتوی العلامۃ سعید بن صدیق مفتی المالکیۃ بالمدینۃ الطاہرۃ زادھا اللہ تعالیٰ شرفا واجلالاً۔ (اور بعض حضرات نے اس کی مدت طبعی عمر کے لحاظ پر متعین بھی کر دی ہے جس میں مختلف اقوال ہیں، بعض کے نزدیک نوّے برس بعض کے نزدیک پچھتّر برس بعض کے نزدیک ستّر برس وغیر ذٰلک۔ (ولکن الاولیٰ ان یفوض الی رأی اھل الخبرۃ واھل العلم بحالہ من صحتہ وسقمہ وقوتہ وضعفہ) مگر اشہب نے (جو کہ امام مالکؒ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں اور فقہاء مالکیہ میں بلند پایہ مقام رکھتے ہیں) دار الحرب میں بھی زوجۂ مفقود الخبر کا وہی حکم رکھا ہے جو دار الاسلام میں گذر چکا ہے۔ کما ذکرہ ابن رشد فی مقدماتہ (مدونۃ ص۱۵۷ ج۲)

حیث قال واما المفقود فی بلاد الحرب فحکمہ حکم الاسیر لا تتزوج امرأتہ ولا تقسم مالہ حتی یعلم موتہ او یأتی علیہ من الزمان ما لا یحییٰ الی مثلہ فی قول اصحابنا کلھم حاشا اشھب فانہ حکم لہ بحکم المفقود فی المال والزوجۃ جمیعًا اھ۔

(جواب سوال دوم) حاکم جو چار سال انتظار کے لیے مقرر کرے گا اس کی ابتداء اس وقت سے کی جاوے گی جس وقت حاکم خود بھی تفتیش کر کے پتہ چلنے سے مایوس ہو جائے اور قاضی کی عدالت میں پہنچنے اور اس کی تفتیش سے قبل خواہ کتنی ہی مدت گذر چکی ہو اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ کما فی اول الفتوی من العلامۃ سعید بن صدیق المالکی ویؤیدہ باوضح وجہ ما فی الروایۃ العشرین من العلامۃ الموصوف۔

(جواب سوال سوم) زوجۂ مفقود کسی صورت میں اس کے نکاح سے خارج ہونے خود مختار نہیں بلکہ ہر حال میں قضائے قاضی شرط ہے۔ کما ھو مصرح فی الروایۃ العشرین من الامام مالک رحمہ اللہ، اور صورتِ مرافعہ اور فسخ کی سوال اوّل کے جواب میں گذر چکی ہے۔

(جواب سوال چہارم) ہاں قاضی پر بھی ضروری ہے کہ صرف عورت اور اسکے اولیائ کی تفتیش اور اُن کے بیان پر اکتفاء نہ کرے بلکہ خود قاضی بھی تلاش کرائے اور تلاش کرنے کی صورت یہ ہے کہ قاضی وحاکم کو جہاں جہاں مفقود کے جانے کا غالب گمان ہو وہاں وہاں آدمی بھیجا جاوے۔ کما فی شرح الدردیر ص۳۹۹ من حین العجز عن خبرہ بالبحث عنہ فی الاماکن التی یظن ذھابہ الیھا من البلد ان بان یرسل الحاکم رسولاً بکتاب لحاکم تلک الاماکن مشتمل علی صفۃ الرجل وحرفتہ

ونسبه لیفتش عنه فیها ا ھ۔ اور جس جگہ جانے کا گمان غالب نہ ہو صرف احتمال ہو وہاں اگر خط کو کافی سمجھے تو وہاں خطوط بھیجکر تحقیق کرے اور اگر اخبار میں شائع کر دینے سے خبر ملنے کی اُمید ہو تو یہ بھی کرلے، الغرض تفتیش میں پوری کوشش اور جہدِ بلیغ کرے کمالایخفی اور جب تلاش کے بعد پتہ ملنے سے مایوس ہو جائے اُس وقت مذکورۃ الصدر طریق پر چار سال مزید انتظار کا حکم کرے۔ کمافی الروایۃ العشرین من فتوی العلامۃ سعید بن صدیق مفتی المالکیۃ بالمدینۃ المنورہ (زادھا اللہ شرفًا) اور تفتیش کے مصارف کی بابت فقہائے مالکیہ میں اختلاف ہے، بعض نے کہاکہ عورت کے ذمہ ہے اور بعض نے کہاکہ بیت المال کے ذمے ہے، اور بعض کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر زوجہ[عہ] کے پاس مال ہو تو مصارفِ تفتیش اس کے ذمہ ہوں گے، کمافی الروایۃ الخامس عشر من فتوی العلامۃ الفاھاشم[عہ] اور جس جگہ بیت المال نہ ہو جیسے ہندوستان وغیرہ، اگر ان مواقع میں حکومت مصارف برداشت کرے تو بہتر ہے ورنہ مسلمانوں سے چندہ کرلیا جائے۔

(جواب سوالِ پنجم) جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے اسلامی ریاستوں کے علاوہ ہندوستان کے تمام شہروں کا حال ہے تو وہاں وہ حکام جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات کے تصفیہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور فیصلہ شریعت کے موافق کریں تو اُن کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کا قائم مقام ہو جاتا ہے جیساکہ اس جُزء (دوم) کے مقدمہ میں مفصل گذر چکا ہے، اور اگر مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت سے فیصلہ شریعت کے مطابق نہ ہوتا ہو تو پھر مذہبِ مالکیہ کے موافق دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچایت کرکے حسبِ بیان مذکور تحقیق کرے اور تحقیقِ کامل کے بعد فیصلہ کردے تو یہ فیصلہ بھی قضائے قاضی کے حکم میں ہو جائے گا لیکن پنچایت کا ان شرائط کے موافق ہونا ضروری ہے جو مقدمہ میں گذر چکی ہیں وہاں دیکھ لیا جاوے۔

تتمہ ھٰذا لجواب | اگر زوجۂ مفقود ایسی جگہ چلی جاوے جہاں قاضی شرعی یا مسلمان حاکم موجود ہو اور وہ اس کے پاس مقدمہ دائر کرے تو اس کا فیصلہ بھی زوجۂ مفقود کے لیے کافی ہے۔ فانہا اذا دخلت فی بلد القاضی دخلت

عہ وھٰذا القول الثالث اعدل الاقاویل عندنا، واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

عہ افسوس ہے کہ علامہ موصوف اس فتوے کی اشاعت سے قبل ہی رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ۱۲ منہ

تحت ولایتہ واما المفقود فالولایۃ علیہ لیس[۱] بشرط کمالا یخفیٰ، لیکن اگر زوجۂ مفقود یا زوجۂ عنین تنہا کسی قاضی کے علاقہ میں چلی جائے تو قاضی کا فیصلہ معتبر نہ ہوگا بلکہ یہ ضروری ہے کہ مجنون وعنین بھی اُس قاضی کے علاقہ میں ہوں۔

---

[۱] اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ مفقود الخبر جس جگہ کا باشندہ ہے وہاں کے قاضی کی ولایت گو اس وقت تو اس پر ثابت نہیں مگر پیشتر اس کے اس پر ولایت تھی اس واسطے ولایتِ اصلیہ کی بناء پر وہاں کے قاضی کی قضاء نافذ ہوسکتی ہے اور جس قاضی کی ولایت میں اول ہی سے نہ تھا اس کی قضاء نافذ نہ ہونا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نفاذِ قضاء کے لیے ولایتِ حال شرط ہے ولایتِ سابقہ معتبر نہیں، پس سب جگہ کے قاضی مفقود کے بارہ میں یکساں شمار ہوں گے۔ وھذا لما فی رد المحتار ج ۲ ص۵۱۵ باب الولی۔ مطلب لا یصح تولید الصغیر شیئا علی الصغیرات ص۳۱۴ المجلد الثانی مطبع دار احیاء تراث العربی) تحت قول الدر صغیرۃ زوجت نفسھا ولا ولی ولا حاکم ثمۃ توقف و نفذ باجازتھا بعد بلوغھا لان لہ مجیزاً وھو السلطان۔ قولہ ولا حاکم ثمۃ ای فی موضع العقد قولہ توقف ھذا مبنی علیٰ کفایۃ ذٰلک المکان تحت ولایت السلطان وان لم یکن تحت ولایۃ قاض وعلیہ فبطلان العقد یتصور فیما اذا کان فی دار الحرب او البحر او المفازۃ ونحو ذٰلک بخلاف القری والامصار ویدل علیہ مافی الفتح فی فصل الوکالۃ بالنکاح حیث قال وما لا مجیز لہٗ ای ما لیس لہ من یقدر علی الاجازۃ یبطل کما اذا کانت تحت حرۃ فزوجہ الفضولی امۃ او اخت امرأتہ او خامسۃ او زوجہ معتدۃ او مجنونۃ او صغیرۃ او یتیمۃ فی دار الحرب او اذا لم یکن سلطان ولا قاض لعدم من یقدر علی الامضاء حالۃ العقد فوقع باطلاً۔ اھ۔ چونکہ اس روایت میں مجنونۃ اوصغیرۃ فی دار الحرب عام ہے اس کو کہ وہ مجنونہ یا صغیرہ اول ہی سے دار الحرب میں ہو یا پیشتر دار الاسلام میں تھی اور اب دار الحرب میں چلی گئی، اس عموم کی وجہ سے ثابت ہوا کہ ولایتِ سابقہ کا اعتبار نہیں ورنہ اس مجنونہ وصغیرہ کا جو دار الاسلام سے گئی ہو اعتبار ہوتا۔ و نیز قول الشامی ای فی موضع العقد اور ذٰلک المکان تحت ولایت السلطان کے لفظ سے واضح ہے کہ ولایت کے لیے سلطان وقاضی کے علاقہ میں ہونا شرط ہے، اور مالکیہ نے تو اس کی صاف تصریح کی ہے، چنانچہ شرح دردیر میں ہے (ولا یزوج) (القاضی) (امرأۃ) ای لا یتولی عقد نکاحھا حیث لا ولی لھا الا الحاکم (لیست بولایتہ) بان کانت خارجۃ عنھا اذ لا ولایت علیھا وان کان اصلھا من اھلھا۔ اھ (ص ۲۹۹ جلد ۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۲ منہ

(ماخوذ از حیلۃ ناجزہ از ص ۵۹ تا ص ۶۶)

(جواب سوال ششم) مفقود کا حکم دار الحرب اور دار الاسلام میں مختلف ہے جیسا کہ سوال اول کے جواب میں مفصل گذر چکا ہے۔

مگر علمائے مالکیہ کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان و مصر و شام وغیرہ ممالک کہ جن میں باوجود حکومت کافر مسلط ہوجانے کے شعائرِ اسلام ہنوز قائم ہیں ان سب میں مفقود کا حکم وہی ہے جو دار الاسلام میں ہے بلکہ جس دار الحرب میں شعائرِ اسلام بھی موجود نہ ہوں مگر وہاں مسلمانوں کو صلح وغیرہ کی وجہ سے آنا جانا اور تفتیش کرنا ممکن ہو تو اس دار الحرب میں بھی مفقود کا وہی حکم ہے جو دار الاسلام میں ہے پس اصل بنا امکانِ تفتیش ہے۔ اس لیے ہندوستان کے دار الحرب ہونے میں جو علماء کا اختلاف ہے اُس کا اِس مسئلہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا اور زوجۂ مفقود کو ان ممالک میں چار سال کی مہلت کے بعد عدتِ وفات گذار کر نکاحِ ثانی کا اختیار دیدیا جاوے گا کما فی الروایۃ الخامسۃ للعلامۃ الفاهاشم اھ. والخامسۃ والعشرین للعلامۃ الطیب رحمہ اللہ۔

نامرد شخص کی بیوی کی علیحدگی کا مسئلہ

سوال:۔ ایک شخص نے کسی عورت سے باقاعدہ نکاح کرلیا، رخصتی کے بعد عورت کو معلوم ہوا کہ خاوند حقوقِ زوجیت کی ادائیگی پر قادر نہیں، اب یہ عورت اگر خاوند سے علیحدگی حاصل کرنا چاہے تو از روئے شرع اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب:۔ جس عورت کا خاوند پیدائشی طور پر یا کسی ضعف و کمزوری یا کسی بیماری کی وجہ سے جماع پر قادر نہ ہو فقہاء کی اصطلاح میں اس شخص کو عنین کہا جاتا ہے ایسے شخص کیلئے بہتر یہی ہے کہ جب اس کو اپنی کمزوری کا یقین ہو جائے، یہاں تک کہ کہیں ایک دفعہ بھی جماع پر اس کو قدرت حاصل نہ رہی ہو، علاج و معالجہ سے بھی اس کو قوت کی بحالی ممکن نظر نہیں آتی ہو تو یہ شخص خود عورت کو طلاق دے کر فارغ کردے تاکہ عورت عدت گذارنے کے بعد باقاعدہ دوسری جگہ نکاح کرکے سکون و اطمینان کی زندگی گذار سکے، اسی حالت میں اگر ایک دفعہ بھی خلوتِ صحیحہ ہوئی ہو تو خاوند کو حق مہر بھی ادا کرنا ہوگا۔

اگر خاوند باعزت طریقہ سے عورت کو آزاد کرنے پر تیار نہ ہو تو پھر عورت مجبور ہوکر اپنا مقدمہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں لے جاسکتی ہے، حاکمِ وقت تحقیق کے بعد اپنے صوابدیدی اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے عورت کو فسخ نکاح کی ڈگری دے سکتا

ہے جو عورت کے حق میں طلاق بائن متصور ہوگی اور وہ عدتِ طلاق گذارنے کے بعد آزاد ہوکر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ لیکن یہ اقدام بھی چند شرائط پر مبنی ہے، چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ان شرائط کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

پہلی شرط یہ ہے کہ نکاح سے پیشتر عورت کو اس شخص کے عنین ہونے کا علم نہ ہو پس اگر اس وقت علم تھا اور باوجود معلوم ہونے کے نکاح کیا ہے تو اب اس کو تفریق کا حق نہیں مل سکتا۔ لما فی الهندیة : ان علمت المرأة وقت النکاح انه عنین لا یصل الی النساء لا یکون لها حق الخصومة۔ وفی الدر المختار: تزوج الاولی او امرأة اخری عالمة بحاله لاخیار لها علی المذهب المفتی به۔ بحر عن المحیط خلافا لتصحیح الخانیة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۲ ص ۵۲۴ الباب الثانی عشر فی العنین)

دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع نہ کیا ہو اور اگر ایک مرتبہ جماع کرچکا ہے اور پھر عنین ہوگیا تو عورت فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔ لما فی الدر المختار، فلو جبّ بعد الوصول الیها۔ (ج ۲ ص ۶۴۴ باب العنین) مرة قال الشامی: قوله مرة ومازاد علیها فهو مستحق دیانة لا قضاء بحر عن جامع قاضیخان ویأثم اذا ترك الدیانة متعنتا مع القدرة علی الوطی۔ (باب العنین ج ۲ ص ۶۴۵ مطلب باب العنین وغیرہ)

تیسری شرط یہ ہے کہ جب سے عورت کو شوہر کے عنین ہونے کی خبر ہوئی ہے اس وقت سے عورت نے اس کے ساتھ رہنے پر رضا کی تصریح عـہ نہ کی ہو مثلاً یہ نہ کہا ہو کہ جیسا بھی ہے اب تو میں اسی کے ساتھ زندگی بسر کروں گی کیونکہ اگر وہ اپنی رضا کی تصریح کرچکی ہو تو پھر اس کو مطالبۂ تفریق کا حق نہیں رہتا ہاں محض سکوت عـہ سے اس جگہ رضا نہ

عـہ یعنی زبان سے کہہ دیا ہو خواہ تنہائی میں یا کسی کے سامنے۔ کما یدل علیه اطلاق مالم تقل فی الروایة الاتیه۔ اور تاجیل سے پیشتر بعد از تاجیل کما هو المصرح فی البدائع ونصه هذا فالنص هو تصریح اسقاط الخیار وما یجری مجراه سواء کان ذلك بعد تخییر القاضی او قبله اھ مختصراً۔ ۱۲ منہ

عـہ بلکہ تقبیل ومضاجعت وغیرہ افعال بھی موجبِ رضا نہیں۔ کما هو المصرح فی الدر عن الخانیة۔ ۱۲ منہ

سمجھی جائے گی۔ لما فی الدر المختار: فلو وجدته عنینا او مجبوبا ولم تخاصم زمانا لم یبطل حقها۔ قال الشامی قوله لم یبطل ای مالم تقل رضیت بالمقام معه کذا قیده فی التاتارخانیة عن المحیط۔ (الدر المختار ورد المحتار ج ۲ ص۶۲۶ باب العنین وغیره۔ مطلب فی طبائع فصول النیة الاربع)

چوتھی شرط یہ ہے کہ جس وقت سال بھر کی مدت گذرنے کے بعد قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اُسی مجلس میں تفریق کا اختیار حاصل کرے، پس اگر اِس مجلس میں اُس نے اپنے خاوند کے ساتھ رہنا پسند کر لیا یا اس قدر سکوت کیا کہ مجلس برخاست ہو گئی خواہ اِس طرح کہ یہ عورت مجلس سے اٹھ گئی یا اِس طرح کہ قاضی مجلس سے کھڑا ہو گیا تو اب اُس کا اختیار باطل ہو گیا اب کسی طرح تفریق نہیں ہو سکتی۔

لما فی الهندیة: فان اختارت زوجها اوقامت عن مجلسها او اقامها اعوان القاضی او قام القاضی قبل ان تختار بطل خیارها وکذا فی المحیط۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۲۴ الباب الثانی عشر فی العنین)۔

ونیز مجلس برخاست ہونے اور عورت کے اٹھ جانے کے علاوہ اور صورتیں بھی ایسی ہیں جن سے مجلس بدل جاتی ہے اور اختیار باطل ہو جاتا ہے، مثلاً عورت کوئی دوسری گفتگو کرنے لگی یا نماز پڑھنے لگی، وغیر ذلك مما یدل علی الاعراض، اور تبدل مجلس شامی باب تفویض الطلاق سے معلوم ہو سکتی ہے۔ والدلیل علیٰ ان بطلان الخیار لایختص بقیامها وقیام القاضی بل کل ما یدل علی الاعراض یبطل الخیار۔ قول الدر حیث قال لو وجد منها دلیل اعراض بان قامت الخ۔ لان هٰذا یدل علیٰ ان القیام ذکر حیث ذکر تمثیلاً والمراد مطلق الاعراض، هٰذا ما عندنا والله اعلم بالصواب۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ عنین کو سال بھر کی مہلت دینا اور سال گذرنے پر عورت کو اختیار دینا اور بعد ازاں اگر خاوند طلاق سے انکار کرے تو تفریق کر دینا وغیرہ یہ سب امور جن کا ذکر اوپر مفصل ہو چکا قضائے قاضی کے محتاج ہیں بدون حکم قاضی کے از خود عورت کو تفریق کا اختیار نہیں۔

کمافی ردّ المحتار تحت قول الدر، ولا عبرة بتأجیل غیر قاضی البلدة لان هٰذا مقدمة امر لایکون الاعند القاضی وهو الفرقة فکذا مقدمة۔ والواجبة۔ (رد المحتار ج ۲ ص۶۲۶ باب العنین وغیره مطلب فی عطف الخاص علی) ۔ (الحیلة الناجزة ص۱۴۷ تا ص۱۴۹)

سزا یافتہ قیدی کی بیوی کا حکم

سوال :- اگر کسی شخص کو کسی جرم کی پاداش میں عدالت کی طرف سے عمر قید کی سزا ہو جائے تو اس کی بیوی کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب : ایسے شخص کی بیوی تاحیات صبر کرے گی، اس لیے کہ اس شخص پر مفقود کی تعریف صادق نہیں آتی اس لیے کہ یہ مفقود کے حکم میں نہیں۔

لما قال الشیخ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ : یہ شخص مفقود نہیں کیونکہ مفقود وہ ہے جس کی موت اور حیات کا علم نہ ہو اور اس شخص کی جگہ بھی معلوم ہے، حیات بھی معلوم ہے، لہٰذا یہ مفقود نہیں بلکہ بحیثیتہ ضار ہے ...... اس صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک بھی وسعت نہیں، لہٰذا زید کی بیوی بدون زید کی طلاق یا موت کے کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی۔ (امداد الاحکام جلد ۲ ص۴۷۱ کتاب الطلاق باب التفریق) [۱]

مرتد کی بیوی کا حکم

سوال :- اگر ایک مسلمان شخص دشمنانِ اسلام کے جال میں پھنس کر مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) تو ایسی حالت میں اس کی بیوی کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب :- خاوند کے مرتد ہو جانے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے لہٰذا عورت عدت گزارنے کے بعد آزاد ہو کر باقاعدہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

لما فی الهندية : ارتد احد الزوجين عن الاسلام وقعت الفرقة بغير طلاق فی الحال۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۳۳۹ الباب العاشر فی نکاح الکفار) [۲]

---

[۱] قال الشیخ المفتی عزیز الرحمنؒ : مفقود الخبر کا حکم دوسرا ہے، اور جس کو سزا دریائے شور دی گئی وہ مفقود الخبر نہیں اور اس کی زوجہ دوسرا عقد شوہر کی زندگی میں نہیں کر سکتی، اور مفقود الخبر وہ ہے جس کا نشان و پتہ اور موت و حیات کچھ معلوم نہ ہو اس کو ایک وقت مقرر پر شرعاً موت کا حکم دے دیا جاتا ہے۔

(فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج ۱۰ ص۲۷۹ کتاب الطلاق)

[۲] قال العلامة الحصكفیؒ : وارتداد احد الزوجين فسخ فلا ينقص عدد عاجل بلا قضاء۔

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص۴۲۵ باب نکاح الکافر۔ مطلب الصبی والمجنون لها باهل لايقاع طلاق بل للوقوع)

وَمِثْلُهٗ فی الهداية ج ۲ ص۳۲۷ باب نکاح اهل الشرك۔

متعنت کی زوجہ کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! میرا نکاح آج سے چھ سال قبل ہوا تھا، دو تین سال گذرنے کے بعد ہمارے گھریلو حالات خراب ہو گئے اور میرے شوہر نے مجھے میرے والدین کے گھر بھیجدیا اور آج تک میری خبر خبر نہیں لی، میں اس مصیبت سے کیسے خلاصی حاصل کر سکتی ہوں؟

الجواب: متقدمین علماء کے ہاں تو اس قسم کے عوارضات کی وجہ سے عدالت یا مسلمان حاکم نکاح فسخ کرنے کا مجاز نہیں لیکن متاخرین علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ عورت شرعی عدالت کی طرف رجوع کرے وہ اس کا حل نکالے گی۔

قال الشیخ مولانا اشرف علی تھانویؒ: صورتِ بالا میں زوج کی حیثیت متعنت کی ہے جس کے بارے میں حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:- **الجواب:-** زوجۂ متعنت کو اوّل تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ حاصل کرے لیکن اگر باوجود کوشش کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے، پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو جائے کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو ورنہ تفریق کر دیں گے، اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعًا جو اسکے قائم مقام ہو طلاق واقع کر دے، اس میں کسی مُدّت کے انتظار و مُہلت کی ضرورت نہیں۔

(الحیلۃ الناجزہ ص۷۳ حکم زوجۃ متعنت فی النفقۃ) [1]

دیوث سے بیوی کی نجات کا طریقہ

سوال:- اگر کوئی شخص دیوث ہو اور وہ اپنی بیوی سے زبردستی زنا کرواتا ہو تو

---

[1] قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ و مفتی ظفر الدینؒ: ایسی صورت میں کہ شوہر حقوقِ زوجیت ادا نہیں کرتا اور نفقہ نہیں دیتا اس کو لازم ہے کہ زوجہ کو طلاق دیدے، پس اس کو مجبور کیا جائے اور کرایا جائے کہ جس طرح ہو وہ طلاق دے دے، بدون طلاق کے عند الحنفیہ نفقہ وغیرہ نہ دینے کی وجہ سے زوجین میں تفریق نہیں ہو سکتی ...... بعد کے علماء نے تفریق کی صورت نکالی ہے جو قاضی شریعت یا شرعی پنچایت کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ (ظفر)۔ (فتاویٰ دار العلوم ج ۱۰ ص۲۲۶ کتاب الطلاق)

اِس عورت کے لیے کیا حکم ہے؟ وہ کس طرح خاوند سے نجات حاصل کرے؟

الجواب: ویسے تو ایک مرتبہ نکاح ہو جانے کے بعد عورت بدون طلاق کے شوہر سے آزاد نہ ہو گی لیکن صورتِ مسئولہ میں یہ عورت شرعی عدالت سے اس بارے میں رجوع کرے یا شرعی پنچایت کے پاس اپنا مقدمہ دائر کرے، عدالت زبردستی شوہر سے طلاق دلوائے گی یا خود نکاح فسخ کرے گی۔

لما قال الشیخ مفتی عزیز الرحمٰنؒ و مفتی ظفر الدینؒ: اِس صورت میں جب تک اس لڑکی کا شوہر طلاق نہ دیوے اور عدت نہ گزر جائے اُس وقت تک اِس لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرنا شرعًا درست نہیں ہے، دار القضاء اور شرعی پنچایت کے ذریعے اس طرح کے مصائب سے عورت کو نکالا جا سکتا ہے۔

(فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج ۱۰ ص۲۳۲ باب التفریق) لہ

مجنون کی بیوی کے فسخِ نکاح کا حکم

سوال:- ایک شخص نکاح کرنے کے چند سال بعد پاگل ہو گیا، علاج و معالجہ سے بھی کوئی فرق نہیں آیا، حالتِ جنون میں وہ بہت کچھ کر جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی بیوی کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، تو کیا یہ عورت اپنے مجنون خاوند سے اپنا نکاح بذریعہ عدالت فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- بشرطِ صدق و صحتِ سوال اگر اس عورت کا شوہر واقعی مجنون (پاگل) ہو اور وہ اچھے بُرے کی تمیز نہیں کر سکتا ہو اور جنون بھی اس حد تک ہو کہ بیوی کا اس کے ساتھ رہنا ممکن نہ ہو اور علاج و معالجہ سے بھی بات نہیں بنتی ہو تو اس عورت کو شرعًا اجازت ہے کہ اگر وہ اپنا نکاح شوہر سے فسخ کروانا چاہتی ہو تو عدالت کی طرف رجوع کرے، عدالت مکمل تحقیقات کے بعد اس کو تنسیخِ نکاح کی ڈگری جاری کر سکتی ہے جو اس کے لیے کار آمد ہو گی۔

لما قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: امام محمدؒ کے نزدیک اس کو حق حاصل ہے کہ قاضی کے یہاں درخواست دے کر تفریق کا مطالبہ کرے اور اپنے آپ کو مجنون کی زوجیت سے علیحدہ کرائے بشرطیکہ جنون اس درجہ کا ہو کہ اس کے ساتھ رہنا قدرت سے خارج ہو مثلاً اس سے قتل کا اندیشہ ہو، الخ۔ (حیلۃ الناجزۃ ص۵۲، ۵ حکم زوجۂ مجنون)

باب الایلاء

(ایلاء کے مسائل و احکام)

بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم کھانا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا خدا کی قسم مَیں تمہارے قریب نہیں آؤں گا لیکن چند دن کے بعد یہ شخص اپنی اس بات پر پشیمان ہُوا، اب اس کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اگر یہ شخص چار ماہ تک اپنی قسم پر قائم رہتے ہوئے بیوی کے قریب نہ جائے تو بیوی خود بخود علیٰحدہ ہو جائے گی جس کی تحلیل کیلئے تجدیدِ نکاح ضروری ہے، لیکن اگر اس مدت کے دوران بیوی کے قریب چلا جائے تو اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہو گا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: فمن الصریح لو قال واللّٰہ لا اقربك۔ قال ابن عابدینؒ: ای بلا بیان مدۃ اشارۃ الی انہ کالموقت بمدۃ الایلاء لان الاطلاق کالتابید)

(ردّ المحتار ج ۲ ص ۵۹۳ باب الایلاء) [1]

بیوی کے قریب نہ جانے کی مشروط قسم کھانا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم نے اپنی سوکن کو راضی نہ کیا تو خدا کی قسم مَیں تیرے قریب نہیں آؤں گا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اسی حالت میں اگر کئی سال گذر جائیں اور وہ شخص عورت کے قریب نہ جائے اور نہ اس کی بیوی اپنی سوکن کو راضی کرے تو اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں یہ قسم ایلاء کے حکم میں ہے، اگر شرط کی موجودگی کے بغیر خاوند بیوی کے قریب گیا تو حانث ہو کر کفارۂ قسم ادا کرنا واجب ہو گا، اور اگر اس قسم پر چار مہینے گذر گئے اور خاوند اپنی قسم پر قائم رہا تو عورت بوجۂ ایلاء طلاق بائن سے جدا ہو جائے گی،

---

[1] وفی الھندیة: الایلاء منع النفس عن قربان المنکوحة منعاً مؤکداً بالیمین باللّٰہ مطلقاً اومؤقتاً باربعة اشھر۔ (الفتاوی الھندیة ج ۱ ص ۴۷۶ الباب السابع فی الایلاء)
ومثلہٗ فی الھدایة ج ۲ ص ۹۶، ۹۷ باب الایلاء۔

جس میں دوبارہ تحلیل اور تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: والمدۃ اقلها للحرۃ اربعۃ اشهر ثم قال ففی الحلف باللہ وجبت الکفارۃ وفی غیرہ وجب الجزاء وسقط الایلاء لانتهاء الیمین والا یقربها بانت بواحدۃ۔ انتهی

وقال العلامۃ ابن عابدینؒ: تحت هذا القول فلو مضت اربعۃ اشهر لا یقع الطلاق لانحلال الیمین بالحنث سواء حلف علی اربعۃ اشهر او اطلق او علی الابد" وقال کذلک "بانت بواحدۃ لاحاجۃ الی انشاء تطلیق او الحکم بالتفریق۔ (ردّ المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۵۹۳ باب الایلاء) [1]

ایلاء میں رجوع کیلئے بیوی کا انکار کرنا

سوال:۔ اگر خاوند ایلاء میں مدت کے اندر رجوع کرنا چاہتا ہو لیکن بیوی اس سے انکار کر رہی ہو تو خاوند کو کیا کرنا چاہیئے تاکہ اس کا نکاح بحال رہے؟

الجواب:۔ ایلاء کی مدّت کے دوران منکوحہ خاوند کے نکاح میں رہتی ہے ایسی حالت میں اگر خاوند رجوع کرنا چاہے اور عورت انکار کر رہی ہو تو منکوحہ ناشزہ (نافرمان) کے حکم میں ہے تاہم اس کے انکار سے نکاح پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، اگر خاوند عملی طور پر رجوع سے قاصر ہو تو زبانی طور پر ہی اس کا رجوع کافی ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکذا حبسها ونشوزها ففیئوہ قوله بلسانه فئت الیها۔

(الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۵۹۹ باب الایلاء) [2]

---

[1] وفی الهندیۃ: فان قربها فی المدۃ حنث وتجب الکفارۃ فی الحلف باللہ ---- وان لم یقربها فی المدۃ بانت بواحدۃ۔ (الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۴۷۶ الباب السابع فی الایلاء)

[2] وفی الهندیۃ: ولو عجز عن جماعها لرتقها او لکونها ممتنعۃ او کانت فی مکان لا یعرفها وهی ناشزۃ ففیئوہ باللسان بان یقول فئت الیها۔

(الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۴۸۵ الباب السابع فی الایلاء۔ ثم الایلاء علی اربعۃ اوجہ)

ومثلہٗ فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج۲ ص۲۵۱ باب الرجعۃ۔

باب اللعان

(لعان کے احکام و مسائل)

لعان کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی پر زنا کا الزام لگاکر والدین کے گھر بھیجدیا، عورت نے فیملی ۔۔۔ سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرلی، کیا اس کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ از روئے شرع بیوی پر زنا کی تہمت لگانے میں خاوند کیلئے چار گواہوں کا پیش کرنا ضروری ہے ورنہ اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی۔ تاہم ایسی حالت میں شریعت میں اس کے لیے خصوصی طور پر جو قانون موجود ہے اس کو لعان کہا جاتا ہے جس میں خاوند قاضی کی عدالت میں چار بار قسم کھا کر اپنی صداقت ثابت کرے گا اور پانچویں بار یوں کہے گا کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ اس کے بعد پھر عورت بھی چار بار قسم کھا کر خاوند کی تکذیب اور اپنی صداقت ثابت کرے گی اور پانچویں بار یوں کہے گی کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر خدا کا قہر و غضب ہو، اس سے لعان مکمل ہو جائے گا اور قاضی ان کے درمیان تفریق کردے گا۔

اگر عدالتی فیصلہ اس حقیقت کا حامل ہو تو اس سے عورت کو آزادی مل سکتی ہے ورنہ صرف زنا کی تہمت لگنے سے عورت اپنی ناراضگی کی وجہ سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے سے آزادی حاصل نہیں کرسکتی ہے۔

لما فی الهندیة: اذا قال لها یا زانیة او انت زنیت او رأیتك تزنی فانه یجب اللعان۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۱۵ کتاب الطلاق۔ الباب الحادی عشر فی اللعان)

وقال الله تعالیٰ: وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝

(پ۱۸، سورۃ النور آیت ۶، ۷، ۸، ۹)

وفی الهندیة: واذا التعنا فرق الحاکم بینهما ولا تقع الفرقة حتی یقضی بالفرقة

على الزوج فيفارقها بالطلاق ۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۵۱۶ كتاب الطلاق۔الباب الحادی عشر فی اللعان) ۱؎

لعان کے بعد دوبارہ نکاح کرنا

سوال:۔ لعان کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ہوجانے کے بعد بغیر حلالہ کے میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلق قائم ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ لعان کی صورت میں چونکہ تفریق قاضی کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے ان دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا، اِلّا یہ کہ خاوند اپنے آپ کو جھوٹا کہے تو اُسے حدِ قذف لگا کر پھر ان دونوں کے درمیان نکاح ہوسکتا ہے۔

قال العلامة المرغينانیؒ : وتكون الفرقة تطليقة بائنة عند ابی حنيفة ومحمد رحمهما الله لان فعل القاضی انتسب اليه كما فی العنين وهو خاطب اذا اكذب نفسه۔ الخ

(الهداية ج ۲ ص۳۹۷ كتاب الطلاق۔ باب اللعان) ۲؎

لعان کے بعد عدالت کا میاں بیوی میں تفریق کرنا

سوال: جب میاں بیوی آپس میں لعان کریں تو کیا دونوں کا نکاح خود بخود ختم ہوجائے گا یا حاکمِ وقت ان میں تفریق کرے گا؟

الجواب:۔ اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو عند المطالبہ دونوں کا آپس میں لعان ضروری ہے، دونوں کا نکاح بسبب لعان تو خود بخود ختم نہیں ہوگا بلکہ حاکمِ وقت، قاضی دونوں میں تفریق کرے گا اگرچہ دونوں اس پر

۱؎ قال العلامة المرغينانیؒ : واذا التعنا لا تقع الفرقة حتى يفرق القاضی بينهما۔
(الهداية ج ۲ ص۳۹۷ كتاب الطلاق۔باب اللعان)
ومثلهٗ فی الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص۶۳۹ باب اللعان۔قبيل مطلب فی الدعاء باللعن على معين۔

۲؎ وفی الهندية : قال ابوحنيفة رحمه الله تعالىٰ الفرقة الواقعة فی اللعان فرقة بتطليقة بائنة فيزول ملك النكاح وتثبت حرمة الاجتماع والتزوج ماداما على حالة اللعان ۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۵۱۶،۵۱۵ كتاب الطلاق۔الباب الحادی عشر فی اللعان)
ومثلهٗ فی الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص۶۳۹ باب اللعان۔قبيل مطلب فی الدعاء باللعن على معين۔

راضی نہ ہوں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وصفته ما نطق النص الشرعی به من کتاب وسنة فان التعنا ولو اکثرہ بانت بتفریق الحاکم فیتوارثان قبل تفریقه الذی وقع اللعان عندہ ویفرق وان لم یرضیا بالفرقة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۴۸۸ باب اللعان) [1]

شوہر کا بیوی پر تہمتِ زنا سے انکار کرنا

سوال:۔ اگر عورت کسی کے کہنے پر اپنے شوہر کے خلاف تہمتِ زنا کا دعویٰ کرے کہ میرا شوہر مجھ پر زنا کی تہمت لگاتا ہے جبکہ شوہر اس بات کا انکار کرتا ہو کہ میں نے کسی کو بھی کوئی ایسی بات نہیں کہی، تو کیا اس صورت میں دونوں کے درمیان لعان ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ شرعاً لعان اُسے کہا جاتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی پر ایسی تہمت لگائے جو کسی غیر منکوحہ میں موجب حدِ زنا ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ میں لعان کی تعریف صادق نہیں آتی اور نہ اس میں شرائطِ لعان موجود ہیں اس لیے اس میں لعان نہیں ہوگا۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: وسببه قذف الرجل زوجته قذفاً یوجب الحد فی الاجنبیة ۔۔۔۔ فمن قذف بصریح الزنا فی دار الاسلام زوجته الحیة بنکاح صحیح۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۸۰۵، ۸۰۶ باب اللعان) [2]

دار الکفر میں بیوی پر تہمتِ زنا سے لعان لازم نہیں آتا

سوال:۔ اگر کوئی شخص دار الکفر مثلاً امریکہ یا لندن میں اپنی بیوی

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: تحت قوله وصفته مانطق به النص فان التعنا بانت بتفریق الحاکم ولا تبین قبله! ای الحاکم الذی وقع اللعان عندہ لو لم یفرق الحاکم حتی عزل او مات فالحاکم الثانی یستقبل اللعان عندهما۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۱۷ باب اللعان)

ومثله فی الاحوال الشخصیة ص۳۴۷ باب اللعان۔

[2] قال المفتی عزیز الرحمنؒ: اس قسم کا ایک سوال آپ سے بھی کیا گیا تو فرمایا: "حکم لعان دریں صورت بحالت موجودہ بلاتحقیق شرائط لعان کردن درست نیست وحکم تفریق نافذ نیست واگر کسے فتویٰ دادہ است آں صحیح نیست بروعمل نباید کرد"۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۱۰ ص۱۹۷ باب یازدہم لعان)

پر زنا کی تہمت لگائے اور عورت بھی شوہر سے جدا ہونا چاہتی ہو تو کیا وہ بذریعہ لعان جدائی اختیار کر سکتی ہے؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ زنا کی تہمت لگانے کا یہ معاملہ دارالاسلام میں ہو، دارالکفر میں ایسا نہ ہوگا، چونکہ صورتِ مسئولہ میں تہمتِ زنا کا معاملہ دارالکفر میں پیش آیا ہے اس لیے یہاں لعان نہ ہوگا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویشترط .... کون القذف بصریح الزنا کونه فی دارالاسلام۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت (قوله دارالاسلام) اخرج دارالحرب۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۵۸۶ باب اللعان) [1]

شبہ زنا موجب لعان نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا شبہ ظاہر کرے پورے یقین سے نہیں کہتا ہو، تو کیا عورت کے مطالبے پر لعان ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ لعان تب ہوگا جب شوہر بیوی پر صریح الفاظ سے زنا کی تہمت لگائے صرف شبہ کی صورت میں لعان نہیں اس لیے صورتِ مسئولہ میں صرف عورت کے مطالبے پر لعان نہیں کرایا جائے گا۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: فمن قذف بصریح الزنا فی دارالاسلام۔ (الدرالمختار علی ہامش ردّ المختار ج ۲ ص۵۸۶ باب اللعان) [2]

---

[1] قال المفتی عزیز الرحمنؒ: (اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا) "لعان کے لیے چونکہ دارالاسلام کا ہونا بھی شرط ہے، کما صرح به فی کتب الفقه۔ لہٰذا اس ملک میں لعان کی کوئی صورت نہیں ہے، اور جبکہ لعان نہیں ہے تو تفریق بھی نہ ہوگی۔"

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱۰ ص۱۹۹ باب یازدہم۔ لعان)

[2] وفی الهندیة: سببه قذف الرجل امرأته قذفاً یوجب الحد فی الاجانب فیجب به اللعان بین الزوجین کذا فی النهایة: واذا قال لها یا زانیة او انت زنیت او رأیتك تزنین فانه یجب اللعان۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۵۱۵ الباب الحادی عشر فی اللعان)

ومثله فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱۰ ص۱۹۸ باب اللعان۔

باب الظہار

(ظہار کے مسائل)

ظہار میں تشبیہ ضروری ہے

سوال:۔ ایک شخص کا کسی بات پر اپنی بیوی سے جھگڑا ہوگیا تو اس نے بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میری ماں خاموش ہوجاؤ۔" تو ان الفاظ سے اس شخص کے نکاح پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟

الجواب: بیوی کو "ماں" جیسے الفاظ سے مخاطب کرنا بذاتِ خود سے بغاوت کے مترادف ہے اس لیے یہ الفاظ فقہاء کے نزدیک مکروہ ہیں، تاہم اداتِ تشبیہ نہ ہونے کی وجہ سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الهندیة: ولو قال لها انت اُمّی لا یکون مظاهراً وینبغی ان یکون مکروهاً۔ الخ
(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۵۰۷ کتاب الطلاق۔ الباب التاسع فی الظهار)[۱]

اپنی منکوحہ کو بہن کہنے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی منکوحہ کو یہ کہہ دیا کہ "تو مجھ پر طلاق ہے" اور پھر متصل یہ بھی کہا کہ "اگر میں نے تیرے ہاتھ کا کھانا کھایا یا چائے پی لی تو تُو میری بہن ہے" کیا ان الفاظ سے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ظہار کے مسئلہ میں اداتِ تشبیہ کا ہونا لازمی ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں کوئی حرفِ تشبیہ نہیں ہے اس لیے "تُو میری بہن ہے" کہنے سے نکاح پر کوئی بُرا اثر مرتب نہیں ہوگا تاہم ایسے الفاظ کہنا کراہت سے خالی نہیں، البتہ یہ کہنا کہ "تو مجھ پر طلاق ہے" سے ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگی جس میں رجوع بالقول یا بالفعل کافی ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: وان نوی بانت علیّ مثل اُمّی برًّا او ظهاراً او طلاقاً صحت نیته ووقع ما نوی وان لم ینو شیئاً او حذف الکاف لغواً (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص۶۲۶ باب الظهار۔ مطلب بلاغات محمد رحمه الله مسنده)[۲]

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: فعلم انه لابد فی کونه ظهاراً من التصریح باداة التشبیه شرعاً (البحر الرائق ج ۴ ص۹۸ باب الظهار۔ کتاب الطلاق)
وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص۶۲۶ باب الظهار۔ مطلب بلاغات محمدؒ۔

[۲] قال المرغینانیؒ: ولو قال انت علیّ حرام کاُمّی ونوی ظهاراً او طلاقاً فهو علیٰ ما نوی۔ (الهدایة ج ۲ ص۴۸۹ کتاب الطلاق باب الظهار)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۵۰۷ کتاب الطلاق۔ الباب التاسع فی الظهار۔

ظہار میں عقل و بلوغ شرط ہے

سوال:۔ کیا طلاق کی طرح ظہار میں بھی مظاہر کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے یا کہ صبی اور مجنون کا ظہار بھی درست ہوگا؟

الجواب:۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر تصرف کیلئے عاقل و بالغ ہونا شرط ہے تو طلاق کی طرح ظہار میں بھی مظاہر کا عاقل بالغ ہونا لازمی ہے۔

وفی الھندیۃ: من الشرائط ان لا یکون معتوھاً ولا مدھوشاً ولا مبرسماً ومغمی علیہ ولا نائماً فلا یصح ظہار ھؤلاء۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۵۰۸ الباب التاسع فی الظہار) [۱]

ظہار میں بطورِ کفارہ کیا واجب ہوتا ہے

سوال: اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ بیوی سے ظہار کرے تو اس پر بطور کفارہ کیا اور کتنا لازم ہوگا؟

الجواب:۔ ظہار کرنے سے بیوی شوہر پر اس وقت تک حرام ہوجاتی ہے جس وقت تک وہ کفارہ ادا نہ کرے، جس کے لیے دو ماہ مسلسل روزے رکھنا یا عدم استطاعت کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، جس کے بعد بیوی اُس کے لیے حلال ہوجائے گی۔

وفی الھندیۃ: وحکم الظہار حرمۃ الوطء والدواعی الی غایۃ الکفارۃ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۵۰۶ باب الظہار) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابو بکر الکاسانیؒ: منہا ان یکون عاقلاً اما حقیقۃ او تقدیراً فلا یصح ظہار المجنون والصبی الذی لا یعقل لان حکم الحرمۃ وخطاب التحریم لا یتناول من لا یعقل۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۲۳۰ فصل الشرائط فانواع بعضہا)

[۲] قال الشیخ الدکتور وھبۃ الزحیلی: تحریم الوطء بالاتفاق قبل التکفیر کذا عند الجمہور غیر الشافعیۃ تحریم جمیع انواع الاستمتاع ...... الکفارۃ کما دل القرآن والسنۃ النبویۃ فیما سبق انواع ثلاثۃ: (۱) عتق رقبۃ سالمۃ من العیوب صغیرۃ او کبیرۃ ذکرا ام انثی (۲) صیام شہرین متتابعین (۳) اطعام ستین مسکیناً یوماً واحداً غداءً وعشاءً عند الحنفیۃ۔

{الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۶۰۱،۶۰۲ المطلب الثالث اثر الظہار۔ المطلب الرابع کفارۃ الظہار}

تیرے قریب آؤں تو اپنی ماں کے قریب آؤں

سوال:۔ ایک شخص نے غصے میں اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں تیرے قریب آیا تو گویا میں اپنی ماں کے قریب آیا، تو کیا ان الفاظ سے ظہار واقع ہوگا یا طلاق؟

الجواب:۔ ظہار میں اداۃِ تشبیہ ضروری ہے اور طلاق مزیل نکاح کے الفاظ کہنا لازمی ہے، صورتِ مسئولہ میں چونکہ یہ الفاظ ان دونوں میں داخل نہیں اس لیے ظہار یا طلاق واقع نہیں ہوگا۔

وفی الھندیۃ: ولو قال ان وطئتُکِ وطئتُ اُمّی فلا شیٔ علیہ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۵۰۷ الباب التاسع فی الظھار) [۱]

اگر میں گھر واپس آؤں تو گویا ماں کے ساتھ زنا کروں

سوال:۔ میاں بیوی کے مابین کسی بات پر تنازعہ ہوا تو شوہر نے چادر اٹھا کر کہا کہ اگر میں اِس گھر میں واپس آؤں تو گویا میں اپنی ماں بہن سے زنا کروں۔ شرعاً ان الفاظ کا کیا حکم ہے؟ یہ شخص مظاہر شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ ظہار میں اداۃِ تشبیہ ہونا ضروری ہے بغیر اس کے ظہار نہیں ہوگا۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں اداۃِ تشبیہ نہیں، لہٰذا اس سے نہ ظہار واقع ہوگا نہ طلاق۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: تعریفہ شرعاً تشبیہ المسلم زوجتہ بمحرم علیہ تابیداً۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۷۹۴ باب الظھار) [۲]

---

[۱] قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ: سوال:۔ زید نے اپنی منکوحہ کو لڑائی اور غصہ کی حالت میں کہہ دیا کہ اگر میں تجھ سے جماع کروں تو گویا اپنی ماں یا بہن سے کروں، ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا ظہار؟

الجواب:۔ عالمگیریہ میں ہے: ولو قال ان وطئتُکِ وطئتُ اُمّی فلا شیٔ علیہ۔ الخ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں طلاق و ظہار کچھ نہیں ہوا۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱۰ ص ۲۱۲ کتاب الطلاق)

[۲] قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ: اگر یہ کہا زوجہ کو کہ اگر میں تیرے گھر میں گھسوں تو اپنی ماں سے بدفعلی کروں تو یہ بھی لغو ہے، نہ ظہار ہے نہ طلاق۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱۰ ص ۲۱۳ باب الظھار)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج ۳ ص ۲۲۹ کتاب الظھار۔

بیوی کا خاوند کو بھائی کہنے سے ظہار لازم نہیں آتا

سوال :- جناب مفتی صاحب ! ایک دن ٹی وی پر ہم نے "دین و دُنیا" پروگرام میں ایک ڈاکٹر صاحب سے یہ سُنا کہ اگر عورت اپنے شوہر سے یہ کہہ دے کہ تُو میرا بھائی ہے تو اس سے ظہار واقع ہو جاتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی شرعاً عورت کے ان الفاظ سے ظہار لازم ہو گا یا نہیں ؟

الجواب :- شریعتِ اسلامی میں ظہار کا تعلق مرد سے ہے، عورت کے ایسے الفاظ کہنے کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، اس سے کچھ نہیں ہوتا۔

قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ : اس صورت میں نکاح قائم ہے عورت کے اس کہنے سے کچھ نہیں ہُوا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۱۰ صـ۲۱۱ باب الظہار) ؎

بار بار ظہار کے الفاظ منہ سے نکلنے کا حکم

سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے ابھی کفارہ ادا نہیں کیا تھا کہ پھر اس قسم کے الفاظ منہ سے نکالے پھر تیسری بار بھی اسی طرح کیا اس شخص پر تین دفعہ کفارہ ادا کرنا لازم ہو گا یا ایک بار ادا کرنے سے ذمہ فارغ ہو جائے گا ؟

الجواب :- اگر کسی نے اپنی بیوی سے کئی بار ظہار کے الفاظ کہے اور اس دوران کوئی کفارہ ادا نہیں کیا ہو تو ایک بار کفارہ ادا کرنے سے ذمہ فارغ ہو جائے گا، اور اگر ایک بار ظہار کر کے کفارہ ادا کر دیا پھر ظہار کیا تو دوبارہ کفارہ ادا کرنا ہو گا اس سے پہلے ادا کیا گیا کفارہ کفایت نہیں کرے گا۔

لما قال الشیخ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدیؒ : واذا کرر الظهار من زوجة واحدة فعليه كفّارة واحدة الا ان ظاهر ثمّ كفر ثم ظاهر بعد الكفّارة فعليه كفّارة اخرى۔ (الفتاویٰ المرأة المسلمة ج ۲ صـ۸۰۲ باب الظّهار)

؎ قال الامام ابوبکر الجصاص الرازیؒ ، قال اصحابنا لا يصح ظهار المرأة من زوجها وهو قول مالك والثوري والليث والشافعي۔ (احكام القرآن للجصاص ج ۵ صـ۳۱۱ في ظهار المرأة من زوجها)

ومثلهٗ فی احکام القرآن للتھانویؒ ج ۵ صـ۱۲۱ المسئلة الرابعة۔

"اگر تجھے رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں" کہنے سے طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر کسی نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ "اگر تجھے رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں" کیا ایسے الفاظ کہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ ان الفاظ میں اداتِ تشبیہ نہیں ہے لہٰذا صورتِ مرقومہ میں ظہار نہیں اور طلاق یا قسم کا ہونا خاوند کی نیّت پر موقوف ہے، اگر اس نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق واقع ہو کر تجدیدِ نکاح کافی ہے، اور اگر قسم کی نیّت تھی تو یہ الفاظ ایلاء میں شمار ہو کر اس میں بھی تجدیدِ نکاح کافی ہے۔

قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله : فعلم انه لابد فی کونه ظهاراً من التصریح باداة التشبیه شرعاً۔ (البحر الرائق ج۴ ص۹۸ باب الظهار) [1]

دس مرتبہ ظہار سے کفّارہ کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تم میرے اوپر میری ماں کی طرح دسؔ مرتبہ ہو تو کیا یہ شخص ایک مرتبہ کفّارہ دے گا یا دسؔ مرتبہ کفّارہ دے گا؟

الجواب:۔ کسی بھی لفظ کی تعداد ذکر کرنا ایسا ہی ہے جیسا اتنی بار اس نے اس لفظ پر تلفظ کیا ہو، جیسے کوئی شخص طلاق دیتے وقت لفظ طلاق عدد کا ذکر کرے تو اتنی طلاق واقع ہو جاتی ہیں، لہٰذا یہاں (صورتِ مسئولہ میں) بھی دسؔ مرتبہ ظہار واقع ہو چکا ہے، اس لیے یہ شخص دسؔ بار کفّارہ دے گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ : لوقال ان تزوجتك فانت علی کظهر ای مائة مرّة فعلیه لکل مرّة کفّارة ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۴۶۷ باب الظهار)

---

[1] وقال العلامة ابن الهمام رحمه الله :۔ فعلم انه لا بد فی کونه ظهاراً من التصریح باداة التشبیه شرعاً ومثله ان یقول لها یا بنتی او یا اختی ونحوه وفی مثل امّی او کامّی ینوی فان کان ینوی الطلاق وقع بائناً۔ (فتح القدیر شرح الهدایة ج۴ ص۹۱ کتاب الطلاق، فصل فیما تحل به المطلقة۔ باب الایلاء)

ومِثْلُهٗ فی الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۲۶ کتاب الطلاق۔ باب الایلاء۔

باب الخلع

(خُلع کے مسائل واحکام)

صرف خُلع کے وعدہ سے عورت آزاد نہیں ہوسکتی

سوال:۔ ایک شخص اگر جرگہ (پنچایت) کے سامنے وعدہ کرے کہ مَیں فلاں تاریخ تک بیوی سے اتنی رقم لے کر اس کو آزاد کردوں گا، لیکن اب وہ شخص وعدہ پورا نہیں کررہا، کیا اس کا وعدۂ خُلع متصوّر ہوکر عورت آزاد ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خلع میں میاں بیوی کے درمیان باقاعدہ ایجاب وقبول کرنا ضروری ہے صرف خُلع کے وعدہ سے عورت کو آزادی نہیں ملتی کیونکہ خُلع ایک عقد اور انشاء کا نام ہے۔

قال ابن عابدینؒ: یقال خالعت المرأۃ زوجها مخالعة اذا افتدت منه فخلعها۔
(ردّ المحتار ج۲ ص۶۰۴ باب الخلع)[1]

اجنبی شخص پر بدلِ خلع کے لزوم کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے ساتھ خلع کرنے پر آمادہ ہو اور اُس کے پاس بدلِ خلع نہ ہو اور کوئی دُوسرا شخص جو اِس عورت کے ساتھ آزادی کے بعد نکاح کا ارادہ رکھتا ہو وہ بدلِ خلع کی ذمہ داری اٹھائے تو کیا اس شخص پر بدلِ خُلع کی ادائیگی لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بدلِ خلع کی ادائیگی کی ذمہ داری اگر کوئی اجنبی شخص اٹھائے تو خُلع واقع ہوکر عورت بائن ہوجاتی ہے اور اجنبی شخص پر بدلِ خُلع کی ادائیگی لازم ہے، تاہم اس کے بعد اس عورت سے نکاح کرنا الگ معاملہ ہے جس کے وجود یا عدم وجود پر خلع کا وجود موقوف نہیں۔

---

[1] وفی الهندیة: وکذا لو قالت طلقتنی بکذا فقال نعم فلیس بشئ لانه وعد۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمه)

وقال ابن نجیمؒ: وشرعاً علیٰ ما اخترناه ازالة ملك النکاح المتوقفة علیٰ قبولها بلفظ الخُلع او ما فی معناه۔ (البحر الرائق ج۴ ص۷۷ باب الخلع)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۳ ص۱۵۲ فصل واما الطلاق علیٰ مال فهو فی احکامه کالخلع۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فان خالعها الاب علیٰ مال ضامنًا له ــــ وقال: کالخلع مع الاجنبی۔

قال ابن عابدینؒ: تحت ھذا القول، وحاصل الامر فیه انه اذا خاطب الزوج فان اضاف البدل الیٰ نفسه یفید ضمانه له او ملکه ایاه کاخلعها بالف علیّ او علیٰ انی ضامن صح والبدل علیه۔ (الدر المختار علیٰ ہامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۱۸ باب الخُلع، مطلب فی خلع الفضولی) [1]

نافرمان عورت سے خُلع کرنا

سوال: اگر کسی شخص کی بیوی نافرمان ہو اور والدین کے گھر مُدّتوں بلا وجہ بیٹھی رہتی ہو، خاوند کے بار بار مطالبہ پر اس کے پاس نہ آتی ہو۔ تو اگر خاوند ایسی نافرمان عورت سے خلع کرکے کچھ رقم وصول کرلے تو کیا خاوند کے لیے اس رقم کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر عورت کی نافرمانی بلاوجہ ہو اور خاوند اس میں قصور وار نہ ہو تو خاوند کے لیے خُلع کرکے رقم لینے میں کوئی حرج نہیں، اس حالت میں حقِ مہر سے زیادہ رقم بھی خُلع میں وصول کی جاسکتی ہے، البتہ اگر خاوند کی کسی کمزوری کی وجہ سے بیوی نافرمان ہو تو خاوند کے لیے حقِ مہر سے زائد رقم لینا اگرچہ قضاءً جائز ہے لیکن کراہت سے خالی نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وکرہ تحریمًا اخذ شیء ویلحق به الابراء عما لها علیه ان نشز وان نشزت لا ولو منه نشوز۔ ایضًا ولو باکثر مما اعطاها علی الاوجه فتح وصحح الشمنی کراھة الزیادة وتعبیر الملتقی لاباس به یفید انها تنزیھیة۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۴۴۵ باب الخلع) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وفی البزازیة الکبیرة اذا خلعها ابوها او اجنبی باذنها جاز والمال علیهما۔ (البحر الرائق ج۴ ص۹۱ باب الخُلع)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۴ ص۷۹ باب الخُلع

[2] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: تحت قوله وکرہ له اخذ شیء ان نشزَ ان نشزت لا ای لایکرہ له الاخذ اذا کانت ھی الکارھة اطلقه فشمل القلیل والکثیر وان کان اکثر مما اعطاها وھو المذکور فی الجامع الصغیر والمذکور فی الاصل کراھة الزیادة علیٰ ما اعطاها ینبغی حمله علیٰ خلاف الاولیٰ۔

(البحر الرائق ج۴ ص۷۶ باب الخلع)

خاوند کی رضامندی کے بغیر قاضی کو خلع کرانے کا حق نہیں

سوال:۔ ایک شخص صحت و مال کے اعتبار سے نیز دیگر اعتبارات سے بھی معیوب نہیں لیکن اس کی بیوی نے عدالت میں اس کے خلاف خلع کا دعویٰ دائر کر رکھا ہے جبکہ خاوند تفریق پر راضی نہیں، تو کیا قاضی خاوند کی رضامندی کے بغیر تفریق یا خلع کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب خاوند بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا ہو تو اس صورت میں خاوند کی رضامندی کے بغیر قاضی کو خلع و تفریق کرانے کا حق نہیں، کیونکہ طلاق اور خلع میں رضاءِ زوج شرط ہے۔

قال العلامة الكاسانيؒ: واما ركنه فهو الايجاب والقبول لانه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔

(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۴۵ كتاب الطلاق۔ فصل في الخلع)

وقال الامام السرخسي رحمه الله: والخلع جائز عند السلطان وغيره لانه عقد يعتمد التراضي كسائر العقود وهو بمنزلة الطلاق بعوض وللزوج ولاية ايقاع الطلاق ولها ولاية الالتزام العوض۔ (المبسوط لشمس الائمة السرخسيؒ ج ۶ ص ۱۷۳ باب الخلع)[1]

بدلِ خلع کی مقدار

سوال:۔ کیا بدلِ خلع کی کوئی حد ہے یا نہیں؟ اگر حقِ مہر سے زائد مال سے خلع کیا جائے تو خاوند کے لیے اس زائد مال کا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بدلِ خلع کے لیے کوئی خاص مقدار متعین نہیں، میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے جس مقدار پر بھی اتفاق ہو تو خلع سے بیوی آزاد ہو جائے گی، تاہم اگر اس طرح سے باہمی جدائی کا سبب خاوند کا معاندانہ رویہ اور انسانیت سوز سلوک ہو تو خاوند کے لیے حقِ مہر سے زائد رقم لینا مکروہ ہے ورنہ بصورتِ دیگر ناشزہ (نافرمان عورت) سے حقِ نکاح کے عوض جو مقدار بھی مقرر ہو خاوند کے لئے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما في الهداية: وان كان النشوز منها كرهنا له ان يأخذ منها اكثر مما

---

[1] وفي الهندية: وشرطه (اي الخلع) شرط الطلاق۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۴۸۸ الباب الثامن في الخلع وما في حكمه۔ الفصل الاول في شرائط الخلع وحكمه وما يتعلق۔

ومثله في الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۰۶ باب الخلع۔

اعطاها...... ولواخذ الزیادة جاز قضاءً۔ (الھدایة ج۲ ص۳۸۳ باب الخلع) [1]

ناچاکی کی صورت میں خُلع بہتر ہے

سوال:۔ اگر میاں بیوی کی طبیعتوں میں ایک دوسرے سے لگاؤ نہ ہو اور ہر وقت ناچاقی رہتی ہو اور حدود اللہ کی رعایت نہ رکھنے کا قوی اندیشہ ہو، اس صورت میں اگر عورت خُلع کرنا چاہے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جب طبائع میں ایک دوسرے سے ہم آہنگی کے بجائے آپس میں نفرت پیدا ہو رہی ہو اور اس سے مختلف معاشرتی اور اخلاقی مسائل پیدا ہو رہے ہوں تو ان حالات میں اکٹھا رہنے کی بجائے بذریعہ خُلع علیحدہ ہو جانا بہتر ہے۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ: فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ (البقرة آیت ۲۲۹) [2]

خلع عورت کے قبول پر موقوف ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو کسی رقم کے عوض طلاق دینے پر آمادہ ہو تو اس کے نافذ ہونے کے لیے کن شرائط کی رعایت ضروری ہے؟

الجواب:۔ کسی نقد رقم یا جائداد خواہ حق مہر ہو یا اس سے زائد پر خاوند بیوی کو طلاق دینا چاہے تو اس صورت میں چونکہ عورت مقررہ مال کی خاوند کو ادائیگی کی پابند ہوتی ہے اس لیے اس کی صحت عورت کی قبول پر موقوف ہے، عورت اگر قبول نہ کرے تو خاوند اس سے جبری طور پر مطالبہ نہیں کر سکتا اور نہ عورت خاوند کو مال کے عوض طلاق دینے پر مجبور کر سکتی ہے، ایسی طلاق بالمال خُلع کے نام سے موسوم ہے جس میں اگر خاوند تین طلاق اکٹھی دے دے تو منکوحہ مُطلّقہ مغلّظہ کے حکم میں ہوگی ورنہ خُلع سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

---

[1] وقال العلامة ابن عابدین رحمه اللہ: نعم یکون اخذ الزیادة خلاف الاولیٰ۔
(ردّ المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۶۰۶ باب الخلع)
وَمِثْلُهُ فی الھندیة ج۱ ص۴۹۵ باب الخُلع۔

[2] قال المرغینانیؒ: واذا تشاق الزوجان وخافا ان لا یقیما حدود اللہ فلا بأس بان تفتدی نفسها منه بمال یخلعها به۔ (الھدایة ج۲ ص۳۸۳ کتاب الطلاق، باب الخلع)
وَمِثْلُهُ فی الدر المختار علی ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۰۶ باب الخلع۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ :- واما رکنه فهو کما فی البدائع اذا کان بعوض الایجاب والقبول۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۰۶، ۶۰۵ باب الخلع) [1]

بیٹے کی طرف سے باپ خلع نہیں کرسکتا

سوال:- ایک نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کا نکاح دونوں کے والدین نے بچپن میں کردیا تھا اب جبکہ لڑکی بالغ ہوگئی ہے اور لڑکا ابھی تک نابالغ ہے، دونوں میں ناچاقی پیدا ہوکر لڑکی باپ کے گھر چلی گئی ہے، بعد میں لڑکے کے والد نے لڑکی والوں سے بدل خلع تین سو روپے لیکر خلع کرلیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا نابالغ لڑکے کی طرف سے باپ کا کیا گیا خُلع درست ہے؟ اور لڑکی دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- نابالغ نہ خود خلع کا اہل ہے اور نہ ہی والد اس کی طرف سے خُلع کرسکتا ہے لڑکی تاحال لڑکے کے نکاح میں ہے اور کسی دوسری جگہ اس کا نکاح جائز نہیں، لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد صحیح صورتحال سامنے آسکتی ہے۔

لما فی الهندیة : اذا خلع الاب علی ابنه الصغیر لا یصح ولا یتوقف علی اجازته. کذا فی فتاوی قاضیخان. خلع السکران والمکرہ جائز وخلع الصبی باطل۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۵۰۴ الفصل الثالث فی الطلاق بالمال) [2]

---

[1] وفی الهندیة : ولو زاد الزوج علی حرف الجواب فقال طلقتك ثلاثاً بالف عند ابی حنیفةؒ یتوقف علی قبولها فان قبلت یقع الثلاث ویلزمها ألف وان لم تقبل بطل وعلی قولهما یقع الثلاث بألف قبلت ام لا کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خانؒ۔

{ الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۴۹۶ الباب الثامن فی الخلع }

[2] وقال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله : وقید بالانثیٰ ای فی متن الکنز) لانه لو خلع ابنه الصغیر لا یصح ولا یتوقف خلع الصغیر علی اجازة الولی۔

(البحر الرائق شرح الکنز الدقائق ج ۴ ص ۹۱ باب الخلع)

ومثلهٗ فی فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۵۳۶ باب الخلع۔

خُلع طلاقِ بائن کے حکم میں ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! خلع فقہاء احناف کے ہاں طلاق ہے یا فسخ نکاح؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، احناف کثر اللہ سوادہم کے نزدیک خُلع طلاقِ بائن کے حکم میں ہے جبکہ شوافع اس کو فسخ نکاح میں شمار کرتے ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وقع طلاق بائن فی الخلع رجعی فی غیرہ وقوعاً۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: تحت قولہ (بائن فی الخلع) لانہ من الکنایات الدالۃ علی قطع الوصلۃ فکان الواقع بہ بائناً۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۹ باب الخُلع) لہ

ایجابِ خُلع کے بعد شوہر کا رجوع صحیح نہیں

سوال:۔ خلع میں شوہر نے ایجاب کیا، ابھی عورت نے قبول نہیں کیا تھا کہ شوہر نے رجوع کے الفاظ کہے مگر اس کے باوجود بھی عورت نے خلع قبول کر لیا تو کیا اس سے خلع لازم ہوگا یا شوہر کا رجوع صحیح ہے؟

الجواب:۔ خلع چونکہ مرد کی جانب سے یمین ہے اور یمین میں شرعاً رجوع نہیں کیا جا سکتا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں شوہر کا رجوع کرنا درست نہیں بلکہ عورت کے قبول کر لینے سے خلع نافذ العمل ہوگا، البتہ اگر ایجاب عورت کی طرف سے ہو تو شوہر کا رجوع کرنا صحیح ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ھو یمین فی جانبہ لانہ تعلیق الطلاق بقبول المال فلا یصح رجوعہ عنہ قبل قبولھا ولا یصح شرط الخیار لہ ولا یقتصر علی المجلس ای مجلسہ ویقتصر قبولھا علی مجلس علمھا وفی جانبھا معاوضۃ بمال فصح رجوعھا قبل قبولہ وصح شرط الخیار لھا۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ باب الخلع ص۶۰۶، ۶۰۷) لہ

لہ قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: یقع بہ طلقۃ بائنۃ ولو بدون عوض او نیۃ فی رأی الحنفیۃ والمالکیۃ والشافعیۃ فی الراجح واحمد فی روایۃ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۵۰۴ المبحث الخامس آثار الخلع)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمہ۔

لہ قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: وذھب ابو حنیفۃؒ الی ان الخلع قبل قبول المرأۃ یمین من جانب الزوج فلا یصح الرجوع عنہ لانہ علق طلاقھا علی قبول المال والتعلیق یمین اصطلاحاً ویعتبر معاوضۃ بمال من جانب الزوجۃ لانھا التزمت بالمال فی مقابل افتداء نفسھا وخلاصھا من الزوج۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۴۸۸ المبحث الثانی، صفۃ الخلع۔

خلع کے بعد تجدیدِ نکاح صحیح ہے

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی کے ساتھ خلع کیا، اب وہ دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو کیا شرعاً تجدیدِ نکاح سے نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں چونکہ خلع سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے اور طلاقِ بائن کے بعد تجدیدِ نکاح سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر صورتِ مسئولہ میں صرف خلع ہوا ہو تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: الواقع ولو بلا مال (وبالطلاق) الصریح علیٰ مال طلاق بائن۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۸ باب الخلع) [1]

صبی و مجنون کا خُلع نافذ العمل نہیں

سوال:۔ کیا صبی و مجنون وغیرہ کا خُلع صحیح ہے جب وہ اپنی بیوی سے بعوض حق مہر یا دیگر اموال کے بدلے خلع کرے؟

الجواب:۔ خلع ایک قسم کی طلاق ہے اس میں ہر اُس شرط کا ہونا ضروری ہے جو طلاق کیلئے ضروری ہو، چونکہ صبی و مجنون اور معتوہ کی طلاق شرعاً صحیح نہیں اسلئے ان کا خلع کرنا بھی درست نہیں۔

وفی الھندیة: وخلع الصبیّ باطل والمعتوۃ والمغمیٰ علیه ومن مرض بمنزلة الصبیّ فی ذٰلك ھٰکذا فی المبسوط۔ (الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۵۰۴ الباب الثامن فی الخلع) [2]

☆☆

---

[1] وفی الھندیة: وحکمه وقوع الطلاق البائن کذا فی التبیین۔
(الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع وماحکمه)
وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۲۶۷ باب الخلع۔

[2] قال الشیخ الدکتور وھبة الزحیلی: یشترط فی الخلع ما یأتی (۱) اھلیة الزوج لایقاع الطلاق بان یکون بالغاً عاقلاً فی رأی الجمھور۔۔۔۔۔۔ فکل من لا یصح خلعه کالصبیّ والمجنون والمعتوہ ومن اختل عقله لمرض او کبر سنٍّ۔
(الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۴۹۰ المبحث الثالث، شروط الخلع)

باب العنین

(نامرد کے مسائل واحکام)

زوجۂ عنین کا حکم

سوال :- ایک لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے کر دیا گیا، شادی کے بعد معلوم ہوا کہ لڑکا تو عنین (نامرد) ہے اور حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکتا، علاج و معالجہ سے بھی کوئی افاقہ نہیں ہوا، لڑکی جوان ہے شرعاً اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب :- اگر خاوند کے عنین ہونے کا علم نکاح سے قبل منکوحہ کو نہ ہو نیز عورت نے اسکے نامرد ہونے پر علم حاصل ہونے کے بعد اسکے نکاح میں رہنے پر رضامندی ظاہر نہ کی ہو اور خاوند نے اسکے ساتھ ایک دفعہ بھی جماع نہ کیا ہو تو پھر قاضی یا مسلمان حاکم کے حکم سے خاوند کو علاج معالجہ کیلئے ایک سال کی مہلت دی جائے گی، ایک سال میں اگر وہ صحتیاب نہ ہو سکا تو عورت کے مطالبہ پر قاضی یا مسلمان حاکم دونوں کے درمیان تفریق کر کے نکاح فسخ کر دے گا، اور اگر قاضی یا حاکم فسخ نکاح کے لیے میسر نہ ہوں تو عورت خود بھی اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے جب وہ اپنے نفس کو اس کے نکاح سے علیحدہ کرنے کے لیے اختیار حاصل کرے۔

لما قال ابن عابدینؒ: ویکفی اختیار نفسہا ولا یحتاج الی القضا کخیار العتق قیل وھو الاصل۔ کما فی غایۃ البیان وفی البدائع عن شرح مختصر الطحاوی ان الثانی ای عدم الاحتیاج الی القضاء ظاھر الروایۃ۔ (ردّ المحتار علی الدّر المختار ج۲ ص۶۴۷ باب العنین، مطلب فی طبائع فصول السنۃ الاربع)۔

یہاں یہ یاد رہے کہ علاج معالجہ کیلئے ایک سال کی مہلت قاضی یا حاکم ہی کے حکم سے جھگڑنے کے وقت سے مقرر کی جائے گی، کسی دوسرے شخص کے کہنے سے قبل از خصومت و تنازع تقرر کا اعتبار نہ ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ: وعیرۃ بتاجیل غیر قاضی البلد الواجبۃ ولا یعتبر بتاجیل غیر الحاکم کائنا من کان۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۴۶ باب العنین، مطلب فی عطف الخاص علی العام) وفی الدر المختار: ویؤجل من وقت الخصومۃ۔ (ج۲ ص۶۴۶ باب العنین) [1]

---

[1] قال المرغینانیؒ: واذا کان الزوج عنینا اجل الحاکم سنۃ فان وصل الیہا فیہا والا فرق بینہما اذا طلبت المرأۃ ذلک۔ (الہدایۃ ج۳ ص۳۹۹ باب العنین وغیرہ)

ومثلہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۵۲۳ الباب الثانی فی العنین۔

ابتداءً رضامندگی سے خیار باطل ہوجاتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی عورت ابتداءً عنین شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادگی ظاہر کرے اور سال دوسال بعد شوہر سے الگ ہونے کا دعویٰ عدالت میں دائر کردے تو کیا اس عورت کو شوہر سے الگ ہونے کا شرعاً حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی عورت شادی کے بعد اپنے شوہر کو عنین پائے تو اس کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے مگر جب وہ ایسے شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادگی ظاہر کردے تو پھر اس کو تفریق یعنی فسخ نکاح کا حق باقی نہیں رہتا۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: اشترط الفقہاء شرطین لثبوت الحق فی طلب التفریق بالعیب وھما ......(۲) الا یرضی بالعیب بعد العقد فان کان طالب التفریق جاھلاً بالعیب ثم علم بہ بعد ابرام العقد ورضی بہ سقط حقہ فی طلب التفریق۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۵۲۱ شروط التفریق بالعیب)[1]

خیار فسخ کے ختم ہونے کی شرائط

سوال:۔ اگر ایک عورت کو کسی طریقہ سے یہ معلوم ہوجائے کہ وہ جماع پر قادر نہیں اس کے باوجود وہ اس کے ظاہری حسن وجمال یا اس کے مال ودولت کے لالچ کی وجہ سے اس سے نکاح کرے اور کچھ عرصہ کے بعد اس بناء پر تفریق کا مطالبہ کرے کہ یہ شخص جماع پر قادر نہیں ہے تو کیا اس عورت کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ علماء احناف کے ہاں شوہر میں عیب کی وجہ سے فسخ نکاح کیلئے چند شرائط ہیں۔ (۱) یہ کہ اس عورت کو شوہر کے اُس عیب کا علم نکاح سے قبل نہ ہو۔ (۲) یہ کہ اس عورت کو شوہر کا یہ عیب نکاح سے پہلے معلوم ہو اور اس کے باوجود وہ اس سے نکاح کرے تو پھر اس کو طلبِ تفریق (یعنی نکاح فسخ کرنے) کا کوئی حق نہیں۔ اسی طرح صورتِ مسئولہ

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وان اختارتہ بطل حقھا..... اشار ببطلانہ باختیارھا الی انہ لوفرق بینھما ثم تزوجھا ثانیاً لم یکن لھا خیارٌ لرضاھا بحالہ کما لو تزوجتہ عالمۃ بحالۃ علی المفتی بہ۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۲۵ باب العنین)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۵۰۰ باب العنین۔

میں بھی اس عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہے۔

لما قال الشیخ ابوزھرۃؒ: ولیشترط للتفریق فی العنۃ والجب والخصاء ثلاثۃ شروط (اولاً) الا تکون عالمۃ بذلك عند العقد فان علمت به عند العقد ورضیت فانہ لیس لھا الحق فی طلب التفریق بسببہ۔

(الاحوال الشخصیۃ ص۳۵۶ التفریق للعیب) [1]

خصّی اور عنین کا حکم ایک ہی ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! جس طرح عنین کے لیے (بغرض علاج معالجہ) ایک سال کی مہلت ہے تو کیا خصّی کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی یا بغیر مہلت کے ہی میاں بیوی میں تفریق کی جائے گی؟

الجواب:۔ عنین اور خصّی دونوں کو قاضی علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دے گا تاکہ وہ اس مدت میں اپنا علاج کرا کے جماع کے قابل ہو سکے، اور اگر اس کے باوجود وہ جماع کے قابل نہ ہو سکے تو ایک سال کے بعد دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔

لما قال الشیخ الامام ابوزھرۃؒ: أما العنۃ والخصاء فلا یحکم القاضی بالتفریق فیھما بمجرد طلبھا وثبوت عدم قبولھا بل لا بد من تاجیلھا سنۃ ویثبت انہ لم یقربھا وذلك لان عمر رضی اللہ عنہ أجل التفریق سنۃ عند ما طلبت امرأۃ التفریق لأن زوجھا لم یقربھا۔ (الاحوال الشخصیۃ ص۳۵۷ التفریق للعیب) [2]

---

[1] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: اشترط الفقھاء شرطین لثبوت الحق فی طلب التفریق بالعیب وھما (۱) الایکون طالب التفریق عالمًا بالعیب وقت العقد فان علم بہ فی العقد و عقد الزواج لم یحق لہ طلب التفریق لأن قبولہ التعاقد مع علمہ بالعیب رضا منہ بالعیب۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۵۲۱ شروط التفریق بالعیب)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۵۰۰ باب العنین۔

[2] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: وأجل سنۃ لو عنینا او خصیا وھو من نزع خصیتاہ وبقی ذکرہ۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۲۴ باب العنین)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۴۹۶ باب العنین۔

مقطوع الذکر کا حکم

سوال :۔ اگر کوئی شخص مجبوب ہو (یعنی جس کا آلۂ تناسل بالکل نہ ہو) تو کیا اسے بھی ایک سال کی مہلت دی جائے گی یا نہیں ؟

الجواب :۔ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد اگر کسی عورت کا شوہر مجبوب یا مقطوع الذکر ہو جائے تو اس کو مہلت دینے میں چونکہ کوئی فائدہ نہیں اور نہ وہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے جو مہلت دینے سے مقصود ہوتا ہے اس لیے مجبوب کو مہلت دیئے بغیر دونوں کے درمیان قاضی یا جج تفریق کر دے گا ۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ : وجدت زوجها مجبوباً فرق فی الحال وهو من استوصل ذکرہ و خصیتاہ ...... وانما لم یؤجل لعدم الفائدۃ ۔

(البحر الرائق ج ۴ ص ۱۲۲ باب العنین وغیرہ) [1]

عقیم مرد سے فسخ نکاح کا حکم

سوال :۔ جناب مفتی صاحب ! ایک شخص جماع پر تو قادر ہے لیکن ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق اس کے مادۂ منویہ میں اولاد پیدا کرنے والے جراثیم ختم ہو چکے ہیں جبکہ اس کی بیوی تندرست اور بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، تو کیا عورت نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ کسی کو اولاد دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے بچے عنایت فرمائے اور جسے چاہے نہ دے، جراثیم کا ختم ہونا کوئی عیب نہیں اور نہ ڈاکٹری رپورٹ حکمِ قطعی ہے، لہٰذا جب کسی عورت کا خاوند نفسِ جماع پر قادر ہو تو اسے یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنا نکاح بذریعہ عدالت فسخ کرائے ۔

لما قال العلامۃ المرغینانیؒ : اذا کان الزوج عنیناً اجل الحاکم سنۃ فان وصل الیها فیها والا فرق بینهما اذا طلبت المرأۃ ذٰلک ۔ (الهدایۃ ج ۲ ص ۳۹۹ باب العنین)

---

[1] قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ : اذا وجدت المرأۃ زوجها مجبوبا او مقطوع الذکر فقط او صغیرہ جداً کالزر ...... فرق الحاکم بطلبها ...... بینهما فی الحال ولو المجبوب صغیرا لعدم فائدۃ التأجیل ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص ۴۹۴ باب العنین)

باب العدّة

(عدّت کے مسائل)

بیوہ عورت کی عدّت

سوال: جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کو دوسرا نکاح کرنے کے لیے کتنی مدت انتظار کرنا پڑے گا؟ کیا حمل کی وجہ سے عدّت میں کمی بیشی ممکن ہے یا نہیں؟

الجواب: جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کے لیے چار ماہ دس دن عدّت گزارنا ضروری ہے، عدّت کے دوران دوسرا نکاح یا اس کی دیگر سرگرمیوں میں وابستہ رہنا ناجائز اور حرام ہے۔ اور جو عورت حاملہ ہو اس کی عدّت وضع حمل پر موقوف ہے، چاہے ایک گھنٹہ بعد ہو یا ۹ نو مہینے لگ جائیں۔

وقال الله تبارك وتعالىٰ: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق ۴)

وایضاً قال عزّوجلّ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۴)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں: لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تحد علیٰ میت فوق ثلاث الا علیٰ زوج اربعۃ اشہر وعشرًا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۷ باب وجوب الاحداد فی عدّۃ الوفات وتحریمہ فی غیر ذلك الا ثلاثۃ ایام)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: تحت قول الحصکفیؒ، وضع جمیع حملھا ای بلا تقدیر بمدۃ سواء ولدت بعد الطلاق او الموت بیوم او اقل۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۵۶ باب العدّۃ)[1]

---

[1] قال العلامۃ قاضی خان رحمہ اللہ: فان کانت المعتدۃ عن الطلاق والموت حاملاً فعدتها بوضع الحمل۔ وفیہ ایضاً وعدّۃ الوفاۃ علی الحرۃ اربعۃ اشہر وعشرًا۔

(الفتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الهندیۃ ج ۱ ص ۵۵ باب العدّۃ)

ومثلہٗ فی الهندیۃ ج ۱ ص ۵۲۸-۵۳۳ الباب الثالث العشر فی العدّۃ۔

مطلقہ قبل الدخول کی عدت

سوال: اگر ایک شخص نے قبل الدخول اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو کیا ایسی حالت میں مطلقہ پر عدت گذارنا ضروری ہے؟

الجواب: ہمبستری یا خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق دینے کی صورت میں مطلقہ کے ذمہ عدت گذارنا واجب نہیں، لہٰذا طلاق سے جدا ہو کر اس کے فوراً بعد یا تاخیر سے بغیر کسی تحدید مدت کے دوسری جگہ نکاح کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال الله عزوجل: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا۔ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۹) [1]

نابالغہ کی عدت

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی نابالغ بیوی کو ہمبستری کے بعد طلاق دی ہو تو اس کی عدت کیا ہوگی؟

الجواب: نابالغ عورت حیض نہ ہونے کی وجہ سے مہینوں کے اعتبار سے عدت گذارے گی لہٰذا تین ماہ گذر جانے کے بعد مطلقہ آزاد ہوگی، تاہم اگر دورانِ عدت حیض کا خون آنا شروع ہو گیا تو پھر عدت مہینوں کے بجائے حیض سے شمار ہوگی۔ قال الله تعالیٰ: وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ (سورۃ الطلاق آیت ۴)

وفی الهندية: والعدة لمن لم تحض لصغر او كبر او بلغت بالسن ولم تحض ثلاثة اشهر كذا فی النقاية، وكذا لو رأت دماً يوماً ثم لم ترفعدتها بالشهور وهو الصحيح ولو رأت ثلاثة دماً ثم انقطع فعدتها بالحيض۔ الخ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۲۶ باب العدة) [2]

---

[1] لما قال العلامة الكاسانی رحمه الله: وشرط وجوبها (ای العدة) ..... الدخول وما يجري مجرا الدخول وهو الخلوة الصحيحة۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۱ باب العدة۔ فصل ومنها ان يكون النكاح الثانی صحيح)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج۱ ص۵۲۶ الباب الثالث عشر فی العدة۔

[2] قال العلامة برهان الدين المرغينانیؒ: وان كانت ممن لاتحيض من صغر او كبر فعدتها ثلاثة اشهر۔ (الهداية ج۲ ص۴۰۱ باب العدة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۳۰ باب العدة۔

معتدۃ عدّت کہاں گذارے گی

سوال :۔ عدت گذارنے والی عورت کیلئے عدّت کے دوران خاوند کے گھر کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ رہائش اختیار کرنا کیسا ہے ؟

الجواب :۔ معتدۃ کے لیے خاوند کے گھر سے نکلنا جائز نہیں، جس گھر میں اس کو طلاق ملی ہو یا خاوند وفات پا گیا ہو عورت وہاں پر ہی عدت گذارے گی، اس لیے کہ جس عورت کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہوں اُس کے لیے خاوند کے گھر سے کسی وقت نکلنا جائز نہیں ہے۔ البتہ متوفیٰ عنہا زوجہا کے لیے دن میں اتنی ضرورت کے لیے نکلنا مرخص ہے کہ جتنے وقت میں اپنی دنیاوی ضرورت پوری کرے لیکن رات کو لازمی طور پر شوہر کے گھر آنا ضروری ہوگا، تاہم اگر مکان کرایہ کا ہو اور بیوہ کے لیے کرایہ کا انتظام مشکل ہو تو پھر اس ضرورت کے تحت والدین کے گھر ایامِ عدت گذار سکتی ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ : وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ الا ان تخرج او ینہدم المنزل او تخاف انہدامہ او تخاف تلف مالہا او لا تجد کراء البیت ونحو ذٰلک من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص۶۲۴ باب العدۃ)[1]

دورانِ عدت خاوند کے گھر رہنا ضروری ہے

سوال :۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں، اب دونوں دوبارہ آبادی کیلئے حلالہ پر راضی ہیں لیکن عورت چونکہ حاملہ ہے جس کے لیے وضع حمل کے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں، اس صورت میں یہ عورت کہاں سکونت اختیار کرے گی؟ کیا خاوند کے ہاں رہ سکتی ہے؟

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق اس عورت کے لیے دورانِ عدت خاوند کے گھر رہنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے، تاہم اگر نکاح سے قبل خاوند کی طرف سے کسی فسق و فجور کا خطرہ ہو تو

---

[1] وفی الھندیۃ : علی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیھا بالسکنی حال وقوع الفرقۃ او الموت، وفیہ ۔ وان اضطرت الی الخروج من بیتھا..... فی عدۃ الوفات فلا بأس عند ذٰلک ان تنتقل .... الخ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۵۳۵ الباب الرابع عشر فی الحداد)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۴ ص۱۵۴ فصل فی الاحداد۔

اس کے انسداد کے لیے خلوت سے اجتناب کرنا یا دیگر احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ زنا وغیرہ کے ارتکاب سے بچا جا سکے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: لهما ان یسکنا بعد الثلث فی بیت واحد، اذا لم یلتقیا التقاء الازواج ولم یکن فیه خوف فتنة وفیه عن المجتبیٰ الافضل الحیلولة بستر ولو فاسقاً فبامرأة ۔الخ

(الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۷۵ باب العدّة) [۱]

زنا کے ارتکاب سے عدت متاثر نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر مطلقہ مغلظہ سے خاوند باوجود اقرارِ حرمت کے دورانِ عدت زنا کرے تو کیا اس سے عدت پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ مطلقہ مغلظہ سے اگر خاوند دورانِ عدت زنا کا ارتکاب کرے تو عدت جاری رہے گی اس سے عدت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الهندیة: واما المطلقة ثلاثاً اذا جامعها زوجها فی العدة مع علمه انها حرام علیه ومع اقراره بالحرمة لا تستأنف العدّة۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۳۲ الباب الثالث عشر فی العدّة) [۲]

عورت کا خاوند کے گھر میں عدت گذارنے کی وجہ

سوال:۔ طلاق ہو جانے کے بعد عورت کو خاوند کے گھر میں عدت گذارنے کا پابند کیوں گیا ہے؟ جبکہ عورت کسی دوسری جگہ بھی عدت گذار سکتی ہے؟

الجواب:۔ اگرچہ عورت پر یہ لازم نہیں کہ وہ طلاق سے معتدۃ ہونے کی صورت میں خاوند کے

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: فلا بأس بان یسکنا فی بیت واحد اذا کان عدلاً سواء کان الطلاق رجعیا او بائناً او ثلاثاً والافضل ان یحال بینهما فی البینونة بستر الا ان یکون الزوج فاسقاً فیحال بامرأة ثقة تقدر علی الحیلولة بینهما۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ باب العدّة فصل فی الاحداد)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۵۳۵ الباب الرابع عشر فی الاحداد۔

[۲] قال العلامة ابن عابدینؒ: لو وطئها بعد الثلاث فی العدّة بلا نکاح عالما بحرمتها لا تجب عدة اخری لانه زنا۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۶۱ باب العدّة)

وَمِثْلُهٗ فی الخانیة علی هامش الهندیة ج۱ ص۵۵۳ فصل فی انتقال العدّة۔

گھر میں رہے، لیکن عدت کے دوران چونکہ اس کا نکاح دوسری جگہ نہیں ہو سکتا، اس لیے شریعت نے اس کے اخراجات کا (متبادل انتظام نہ ہونے تک) خاوند کو ذمہ دار قرار دیا ہے، مزید برآں یہ بھی ممکن ہے کہ عورت حاملہ ہو اور بچہ کی ولادت تک عورت خاوند کے حق میں محبوس رہے گی، اس لیے عورت کے لیے خاوند کے گھر کے علاوہ کوئی اور بہتر جگہ میسر نہیں اور طلاق رجعی کی صورت ممکن ہے کہ عورت کا خاوند کے گھر میں رہنا دوبارہ تعلقات کی بحالی کا ذریعہ ثابت ہو۔

قال العلامة الامام الکاسانیؒ: وانما تجب هٰذه العدّة ای عدة الاقراء لاستبراء الرحم فوجبت العدة لیعلم بها فراغ الرحم وشغلها۔ وایضًا قال: وانها تجب لاظهار الحزن بفوت نعمة النکاح۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۱، ۱۹۲ کتاب الطلاق۔ فصل واما العدة بالاشهر فنوعان وفی الفصل قبلہ)[1]

عدّت کی کم از کم مدّت

سوال:۔ غیر حاملہ عورت طلاق کے بعد دعویٰ کرے کہ میری عدت گذر گئی ہے تو کتنی مدت میں اس کے قول کو اعتبار دیا جائے گا؟

الجواب:۔ صاحبینؒ کے نزدیک ایسے دعویٰ کے لیے کم از کم ۳۹ دن کا ہونا ضروری ہے کیونکہ کم از کم تین حیض کے لیے نو۹ دن اور دو۲ طہر کے لیے تیس۳۰ ایام درکار ہوں گے تاہم عورت کی عادت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ۳۹ سے زائد ایام کے وقت فیصلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: قالت مضت عدّتی والمدّة تحتمله وکذّبها الزوج قبل قولها والا تحتمله المدة لا۔ وقال العلامة ابن عابدینؒ: فی هٰذا المقام وعندهما اقل مدة تصدق فیها الحرة تسعة وثلاثون یومًا ثلاث حیض بتسعة ایّام وطهران بثلاثین۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۶۶۵ باب العدة۔ مطلب فی وطئ المعتدة بشبهة)[2]

---

[1] قال الشیخ الدکتور وهبة الزحیلی: "فی بیان وجه العدّة" براءة الرّحم وصون النسب واعطاء الفرصة الکافیة للزوج بعد الطلاق لیعود لزوجته المطلقة۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۶۲۷ باب العدّة)

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله: واذا قالت المعتدة انقضت عدتی وکذبها الزوج کان القول قولها مع الیمین۔

(الهدایة ج۲ ص۴۲۴ کتاب الطلاق۔ باب العدّة)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۴ ص۱۵۶ باب العدّة۔ کتاب الطّلاق۔

باہمی تعلقات منقطع ہونے کے باوجود مطلقہ کیلئے عدت ضروری ہے

سوال:۔ اگر ایک عورت اپنے خاوند سے بھاگ کر کسی اور شخص کے پاس مدت دراز تک غیر شرعی سرگرمیوں میں ملوث رہی اور کئی سالوں تک اس کا خاوند سے رابطہ نہیں رہا، اسی حالت میں اگر خاوند اس کو طلاق دیدے تو کیا اس عورت پر عدت گذارنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب تک منکوحہ کو خاوند سے طلاق نہ ملے تو میاں بیوی کی عرصہ دراز تک باہمی جدائی سے نکاح متاثر نہیں ہوتا، نکاح کی موجودگی میں عورت کے ہاں جو بچہ پیدا ہو تو بوجہ نکاح خاوند سے اس کا نسب ثابت ہوگا، اس حالت میں نسب کا انتفاء لعان پر موقوف ہے۔ بایں وجہ جب تک نکاح کی بقاء زوال پر منتج نہ ہو تو عورت کے لیے عدت ضروری ہوگی، اگرچہ عرصہ دراز تک میاں بیوی کا رابطہ منقطع رہا ہو۔

قال الله تبارك وتعالى: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ (سورة البقرة آيت)
وقال النبيّ عليه الصّلوٰة والسّلام: "الولد للفراش"۔ (رواه ابوداؤد ج١ ص٣١٧) عن عروة عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها۔ ۱؎

عدت کی ابتداء زوال نکاح سے شمار ہوگی

سوال:۔ ایک عورت اپنے خاوند سے چار سال تک جدا رہی اور ایک دوسرے سے کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی، اب جبکہ خاوند نے خلع کر دیا ہے تو کیا اس عورت پر عدت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ کے مطابق میاں بیوی کے ایک عرصہ تک علیحدہ رہنے کے باوجود ان کا نکاح باقی ہے، زوالِ نکاح چونکہ خلع کرنے یا طلاق دینے سے آتا ہے اس لیے یہ مدت زوال نکاح سے شروع ہو کر عورت پر عدت لازم ہے۔

لما قال علاؤالدين الحصكفيؒ: ومبداء العدة بعد الطلاق وبعد الموت على الفور۔
(الدر المختار على هامش ردالمحتار ج٢ ص٦٦٢ باب العدة۔ مطلب في وطئ المعتدة بشبهة) ۲؎

۱؎ قال المرغينانيؒ: ويثبت نسب ولد المطلقة الرجعية اذا جاءت به لسنتين اواكثر مالم تقر بانقضاء عدتها۔
(الهداية ج٢ ص٤٠٩ كتاب الطلاق۔ باب العدة۔ باب ثبوت النسب) ومثله في ردّالمحتار ج٢ ص٦٢٦ باب العدة۔ فصل في ثبوت النسب۔

۲؎ قال المرغينانيؒ: وابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق۔ (الهداية ج٢ ص٤٢٤ كتاب الطلاق۔ باب العدة)
ومثله في الهندية ج١ ص٥٣١ كتاب الطلاق، في الباب الثالث عشر في العدة۔

عدّت کے اندر اندر رجوع بالقول کافی ہے

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی لیکن بعد ازاں عدت کے آخری ایام میں رجوع کا ارادہ کیا، باہمی تعلقات کا سہارا لینے کی بجائے صرف دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دیا کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا ہے، تو کیا شخص مذکور اب عورت کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عدّت گذرنے سے قبل خاوند کا رجوع معتبر ہے، عدّت کے دوران رجوع کے لیے کسی عملی اقدام کی بجائے رجوع بالقول ہی کافی ہے، اس لیے دو گواہوں کے سامنے اس کے رجوع کو اعتبار دے کر دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گذار سکتے ہیں۔

لما فی الهندیة: فالرجعة ان یراجعها بالقول ویشهد علی رجعتها شاهدین۔ الخ
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۴۶۸ کتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعة وفیما تحل به المطلقة وما یتصل به)[1]

عدت کے دوران عورت کے جملہ اخراجات کا خاوند ذمہ دار ہے

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ ثلاثہ دے کر فارغ کر دیا ہو، اب جبکہ خاوند اور مطلقہ کے باہمی تعلقات مراجعت یا تجدیدِ نکاح سے نہیں بنتے ہوں تو عدت کے دوران مطلقہ کے اخراجات کا کون ذمہ دار ہوگا؟

الجواب:۔ مطلقہ مغلظہ ہو یا بائنہ، عدّت کے دوران اس کی خوراک، پوشاک اور رہائش کے جملہ اخراجات خاوند کے ذمہ ہیں، اگر خاوند باہمی رضامندی سے ان اخراجات کی ادائیگی کیلئے تیار نہ ہو تو عورت حاکمِ وقت یا قاضی کے ذریعہ اس سے ان حقوق کے حاصل کرنے کا حق محفوظ رکھتی ہے۔

قال المرغینانیؒ: واذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسکنی فی عدتها رجعیًا کان او بائنًا۔ (الهدایة ج ۲ ص ۴۲۱ کتاب الطلاق۔ باب النفقة)[2]

---

[1] قال المرغینانیؒ: والرجعة ان یقول راجعتك او راجعت امرأتی۔ (الهدایة ج ۲ ص ۳۷۳ کتاب الطلاق، باب الرجعة)
ومثله فی ردّ المحتار ج ۲ ص ۵۷۳ کتاب الطلاق، باب الرّجعة۔

[2] قال ابن عابدینؒ:۔ تحت قول الحصکفیؒ "وتجب لمطلقة الرجعی والبائن"۔ لان النفقة تابعة للعدة وقید بالرجعی والبائن احترازا عما لو اعتق ام ولده۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۷۲۶ باب النفقة۔ مطلب فی نفقة المطلقة ......)
ومثله فی الهندیة: ج ۱ ص ۵۵۷ کتاب الطلاق، الفصل الثالث فی نفقة المعتدة۔

عدّتِ وفات میں عورت کا نان ونفقہ کس کے ذمّہ ہے

سوال :۔ عدّتِ وفات میں جہاں بیوہ کو عدّت گذارنا لازم ہے اس کے اخراجات کی ادائیگی کس کے ذمّہ ہے؟

الجواب :۔ منکوحہ کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہوتے ہیں لیکن خاوند کی وفات سے باہمی تعلّق منقطع ہونے کی وجہ سے خاوند سے یہ ذمّہ داری ساقط ہو جاتی ہے، چنانچہ ورثاء سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، عورت کو اپنے اخراجات خود برداشت کرنے ہوں گے۔ تاہم جہاں کہیں عورت اخراجات پورا کرنے سے قاصر ہو تو پھر عُصبہ (رشتہ داروں) پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

قال برهان الدّين المرغيناني رحمه الله :ولا نفقة للمتوفّٰى عنها زوجها۔

(الهداية ج۲ ص۴۲۲ كتاب الطلاق۔ باب النفقة)

وقال ايضاً: والنفقة لكل ذي رحم محرم إذا كان صغيراً فقيراً أو كانت امرأة بالغة فقيرة۔ (الهداية ج۲ ص۴۲۵ كتاب الطلاق۔ باب النفقة) [۱]

ایامِ عدّت میں عورت کا پنشن کیلئے جانا

سوال :۔ میرا شوہر فوت ہو گیا ہے اور مجھے ہر ماہ اپنی پنشن کے لیے اپنے متعلقہ دفتر جانا پڑتا ہے جبکہ دفتر والے میرے بغیر کسی اور کو پنشن نہیں دیتے، غربت وافلاس کی یہ حالت ہے کہ اس کے بغیر گذارہ نہیں ہوتا، تو کیا میں دورانِ عدّت پنشن لینے کے لیے گھر سے باہر جاسکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب :۔ اگرچہ عورت کے لیے دورانِ عدّت گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے، مگر ضرورتِ شدیدہ کو شریعتِ مطہرہ نے مستثنیٰ کیا ہے، اس لیے اگر آپ کا بغیر پنشن کے گذارہ نہیں ہوتا ہو تو آپ اس مجبوری کی وجہ سے پنشن لینے کے لیے جاسکتی ہیں

---

[۱] قال الحصكفيؒ: لا نفقة لاحد عشر وعد منها معتدة موت۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۷۰۳، باب النفقة، مطلب لا تجب على الاب نفقة زوجة ابنه الصغير)

ومثلهٗ في الهندية ج۱ ص۵۵۸ كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات وفيه ستة فصول، الفصل الثالث في نفقة المعتدة۔

مگر ضرورت پورا ہوتے ہی فوراً واپس آنا ضروری ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وتعتدان ای معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیه ولا یخرجان منه الا ان تخرج اویتهدم المنزل اوتخاف انهدامه اوتلف مالها اولا تجد کراء البیت ونحو ذٰلك من الضرورات فتخرج لأقرب موضع الیه۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ فصل فی الحداد) [1]

دورانِ عدّت عورت کا ویزہ کے حصول کیلئے نکلنا

سوال:- اگر غریب الوطنی میں کسی عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور دورانِ عدت عورت کو ویزہ لگوانے کی ضرورت پڑ جائے اور عورت کے جائے بغیر ویزہ لگوانا ممکن نہ ہو تو کیا یہ عورت دورانِ عدّت ویزہ لگوانے کیلئے متعلقہ دفتر جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عدّت طلاق کی ہو یا وفات کی دونوں کے دوران عورت کا بلاضرورتِ شرعی کے گھر سے نکلنا جائز نہیں، البتہ اگر ضرورت اتنی شدید ہو کہ اُس کے جائے بغیر مسئلہ حل نہ ہوتا ہو تو اس مجبوری کی خاطر عورت گھر سے نکل سکتی ہے مگر رات کو گھر واپس آنا بہر حال ضروری ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عورت ویزہ کے لیے دورانِ عدّت جاسکتی ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: وتعتدان ای معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیه ولا یخرجان منه الا ان تخرج اویتهدم المنزل اوتخاف انهدامه اوتلف مالها اَوْ لا تجد کراء البیت ونحو ذٰلك من الضرورات فتخرج لأقرب موضع الیه۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ فصل فی الحداد) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: فقالوا لا تخرج المعتدة عن طلاق اوموت الا لضرورة لأن المطلقة تخرج للضرورة بحسبها لیلاً کان اونهاراً والمعتدة عن موت کذٰلك۔
(البحر الرائق ج۴ ص۱۵۳ فصل فی الحداد)

[2] ایضاً (حوالہ مذکورہ بالا)

دارالحرب میں نومسلم عورت کی عدت کا حکم

سوال:- اگر کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت دارالحرب میں مسلمان ہو جائے تو کیا یہ عورت عدت گذار کر کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتی ہے تو عدت گذارنے کا کیا طریقہ ہوگا؟

الجواب:- جب کوئی غیر مسلم عورت دارالحرب میں مسلمان ہو جائے اور وہاں قاضی شرعی نہ ہو تو اولاً تین حیض عدت گذار کر پہلے شوہر سے آزاد ہو جائے گی اور پھر تین حیض عدت گذارنے کے بعد کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح صحیح اور درست ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولو اسلم احدهما ثمه لم تبن حتی تحیض ثلاثاً او تمضی ثلثة اشهر قبل اسلام الآخر۔ قال ابن عابدینؒ: وهل تجب العدة بعد مضی هذه المدة۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۴۱ باب نکاح الکافر)[1]

عدتِ وفات کے دوران حج کے لیے جانا

سوال:- جناب مفتی صاحب! میں نے اپنے بھائی کے ساتھ حج کے لیے داخلہ کیا ہے اور منظوری بھی ہو چکی ہے کہ اس دوران میرے شوہر کا انتقال ہو گیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا میں اس حالت میں (عدت کے دوران) حج کی ادائیگی کے لیے جا سکتی ہوں؟

الجواب:- بیوہ عورت کا عدت کے دوران شرعاً بلا ضرورتِ شدیدہ کے گھر سے نکلنا جائز نہیں، البتہ جہاں جان و مال یا کسی اندام کے تلف ہونے کا خطرہ ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے نکلنا مرخص ہے۔ حج اگرچہ اسلامی فریضہ ہے مگر علی الفور نہیں، لہٰذا اگر داخلہ کرنے اور منظوری ہو جانے کے بعد رقم واپس مل سکتی ہو تو حج یا دیگر کسی بھی سفر کیلئے نکلنا جائز نہیں اور اگر رقم واپس ملنے کا امکان نہ ہو تو پھر مجبوراً سفرِ حج پر جانے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمه الله: لا یخرج من بیتها الا ان

---

[1] قال العلامة المرغینانی رحمه الله: واذا اسلمت المرأة فی دار الحرب وزوجها کافر او اسلم الحربی وتحته مجوسیة لم یقع الفرقة علیها حتی تحیض ثلث حیض ثم تبین من زوجها۔
(الهدایة ج۲ ص۳۴۲ باب نکاح اهل الشرک)
ومثله فی شرح الوقایة ج۲ ص۶۱ باب نکاح الرقیق والکافر۔

تخرج او ینھدم المنزل ...... وتخرج لا قرب موضع الیہ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص۵۳۶ باب الحداد) لہ

حیض نہ آنے کی صورت میں مُطلقہ کی عدت کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت کو شوہر طلاق دیدے اور کئی ماہ سے اس کو حیض بھی نہیں آرہا ہو جبکہ عورت کی عمر بھی تقریباً ۲۵، ۲۶ سال ہے، تو اس عورت کی عدت کا کیا طریقہ ہوگا؟ کیا یہ عورت حیض آنے تک انتظار کرے یا تین ماہ بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہے؟

الجواب:۔ حنفیہ کے نزدیک مطلقہ کی عدت اصلی بالاحیاض ہے، عدت بالاشہر آئیسہ کے اور صغیرہ کے ساتھ خاص ہے، اس لیے یہ عورت مُدتِ ایاس تک انتظار کرے گی۔ مگر آج کل مجبوری کی وجہ سے متأخرین فقہاء نے امام مالکؒ کے قول "ایک سال تک انتظار کرکے دوسرا نکاح کرنے پر فتویٰ دیا ہے، تاہم اس قول پر عمل تب ہوگا جب علاج معالجہ کے بعد بھی حیض نہ آئے، اور یہ دوسرا نکاح بھی باجازتِ قاضی وحاکم ہو۔

قال الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: حنفیہ کے نزدیک تو مُدتِ ایاس تک انتظارِ حیض ضروری ہے اور مالکیہ کے نزدیک نو مہینے اور بقولِ معتمد ایک سال وقتِ طلاق سے عدت ہے اور ضرورت کے وقت اس قول پر عمل جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص۴۹ کتاب الطلاق، فصل فی العدۃ والرجعۃ) ۲ہ

عدتِ طلاق کے دوران شوہر کا انتقال ہوجانا

سوال:۔ کسی عورت کو شوہر نے دو طلاقیں دیں، عدت کے دوران ہی

لہ قال الشیخ صدر الشریعۃ رحمہ اللہ: وتخرج معتدۃ بالموت فی الملکوین (ای اللیل والنھار) وتبیت فی منزلھا اذا لا نفقۃ لھا فتحتاج الی الخروج ...... وتعتد فی منزلھا وقت الفرقۃ والموت والطلاق الا ان تخرج او خافت تلف مالھا او لا نھدام ......

(شرح الوقایۃ ج ۲ ص۱۵۳ باب العدۃ۔ کتاب النکاح)

وَمِثلُہٗ فی الھدایۃ ج ۲ ص۱۲۳ باب العدۃ۔ کتاب النکاح۔

۲ہ قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: سنۃ کاملۃ لممتدۃ الطھر التی لم یجئھا الحیض اوجاءھا ثم انقطع ولم تبلغ سن الیاس۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص۶۴۱ الفصل الرابع فی العدۃ والاستبراد)

اس کا انتقال ہوگیا، تو اب یہ عورت کون سی عدت گذارے گی، عدتِ وفات یا عدتِ طلاق؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں علماء اُمت کا اتفاق ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کی عدت کے دوران انتقال کر جائے کہ اس کی مطلقہ بیوی کی عدت، عدتِ طلاق سے عدتِ وفات میں تبدیل ہوجائے گی، لہٰذا یہ عورت عدتِ طلاق کی بجائے عدتِ وفات (چار ماہ دس دن) گذارے گی بشرطیکہ شوہر نے طلاقِ رجعی دی ہو۔

قال الشیخ وھبة الزحیلی: اذا مات الرّجل فی اثناء عدّة زوجته التی طلّقھا طلاقًا رجعیًا انتقلت بالاجماع من عدتھا بالاقراء او الاشھر الیٰ عدة وفاة وھی اربعة اشھر وعشرة ایّام سواء أکان الطلاق فی حال الصحة ام فی حال مرض الموت لان المطلّقة رجعیًا تعد زوجة مادامت فی العدّة وموت الزوج یوجب علیٰ زوجته عدّة الوفاة۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۷ ص ۶۴۶ الفصل الرابع فی العدّة والاستبراء) [1]

حاملہ من الزّنا عورت کی عدّت

سوال:۔ اگر کوئی عورت زنا کی مرتکب ہو اور وہ اُس زنا سے حاملہ بھی ہو تو کیا ایسی عورت شادی کے لیے وضع حمل کا انتظار کرے گی یا نہیں؟ اور اگر حمل نہ ہو تو کیا اس عورت پر عدت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عدّت کی مشروعیت ایک مقدس رشتے کے انقطاع کی صورت میں ہوتی ہے اس کے علاوہ کسی اور جگہ میں مشروعیت نہیں لہٰذا حاملہ من الزنا کیلئے کوئی عدّت نہیں مگر شوہر جماع کرنے کے لیے ایک حیض تک انتظار کرے کہ کہیں حاملہ نہ ہو، اگر ہو تو وضع حمل تک جماع کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ولا تجب علی الحامل بالزّنا لان الزّنا لایوجب العدّة الّا انّه اذا تزوّج امرأة وھی حامل من الزّنا جاز النکاح عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ لایجوز له ان یطأھا مالم تضع لئلّا یصیر ساقیًا ماءہ زرع غیرہ۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۹۳ فصل وامّا عدّة الحبل) [2]

---

[1] قال المرغینانیؒ: امّا اذا کان رجعیًا فعلیھا عدة الوفاة بالاجماع۔ (الھدایة ج ۲ ص ۴۰۲ باب العدّة)
وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۳ ص ۲۰۰ فصل فی بیان انتقال العدة وتغیّرھا۔

[2] قال ابن نجیمؒ: وقدمنا ان الحامل من الزّنا لاعدة علیھا عندھما ولذا صحّحا نکاحھا لغیر الزانی وان حرما الوطء ولھٰذا الکلام فیما اذا تزوّجت علیٰ قول ابی حنیفةؒ ومحمدؒ وھی حامل من الزّنا ثم طلقھا اومات عنھا فانھا تعتد بوضع الحمل۔ (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۴۳ باب العدّة) ـــ وَمِثْلُهٗ فی امداد الاحکام ج ۲ ص ۸۲۶ باب العدّة۔

عدّتِ وفات شوہر کے گھر گذارنا لازمی ہے

سوال :- اگر کوئی عورت گھریلو ناچاقی کی وجہ سے میکے (والدین کے گھر) چلی جائے اور وہاں وہ کئی سالوں تک ناراض بیٹھی رہے کہ اچانک اس کا شوہر فوت ہوجائے تو اب یہ عورت عدّتِ وفات کہاں گذارے گی؟ والدین کے گھر میں یا شوہر کے گھر میں؟

الجواب :- عدّتِ وفات ایک قسم کا سوگ ہے جو کہ شرعاً شوہر کے گھر میں گذارنا لازمی ہے، شوہر کا گھر عورت کا اپنا گھر ہے، میکے میں جانا اس کا اتفاقی حادثہ ہے لہٰذا یہ عورت عدتِ وفات شوہر کے گھر گذارے گی، تاہم اگر اس کا شوہر کے گھر رہنا باعثِ فتنہ وفساد ہو تو پھر اس مجبوری کی خاطر والدین کے گھر میں بھی عدتِ وفات گذارنا مرخص ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني: تعتد فی المنزل یضاف الیها بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت ولهذا لو زارت اهلها وطلقها زوجها کان علیها ان تعود الی منزلها فتعتد فیه۔ (الهداية علی صدر فتح القدير ج۴ ص۱۶۶ باب العدة) ؂

عدّتِ وفات کے دوران عورت کا بیماری کی وجہ سے والدین کے گھر جانا

سوال :- اگر کوئی عورت عدّتِ وفات کے دوران بیمار ہوجائے اور شوہر کے گھر میں اس کی تیمارداری کے لیے کوئی نہ ہو تو کیا اس مجبوری کی وجہ سے اُس کے والدین علاج معالجہ کے لیے اُسے اپنے گھر لا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- عدّتِ وفات کے دوران اگرچہ عورت کے لیے شرعاً شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہیں مگر اس میں ضروریات مستثنیٰ ہیں، انہی ضروریات میں بیماری بھی داخل ہے، اس لیے اس مجبوری کی وجہ سے بیوہ عورت کے والدین کا اسے علاج کی غرض سے اپنے گھر لانا جائز ہے۔

؂ وفی الهندية: علی المعتدة ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیها بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت.... ولو کانت زائرة اهلها او کانت فی غیر بیتها لامر حین وقوع الطلاق انتقلت الی بیت سکناها بلا تاخیر۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۵۳۵ فصل فی الحداد)

ومثله فی البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ فصل فی الحداد۔

قال العلامة الحصکفیؒ :۔ وتعتدان فی بیت وجبت فیہ الا ان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامہ او تلف مالھا او لا تجد کراء البیت ونحو ذلك من الضرورۃ۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ باب الحداد) [1]

ہر بیوی کے لیے عدتِ وفات اپنے اپنے گھر میں گذارنا لازمی ہے

سوال :۔ اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور ہر ایک کا مکان الگ الگ ہو اور شوہر کسی ایک بیوی کے مکان میں وفات پا جائے تو دوسری بیوی عدتِ وفات کہاں گذارے؟

الجواب :۔ عورت جس گھر میں رہتی ہو وہ اسی گھر میں ہی عدتِ وفات و طلاق گذارے، حتیٰ کہ اگر یہ عورت اپنی سوکن کے ہاں اظہارِ تعزیت کے لیے گئی ہو تو واپس آکر عدت کے ایام اپنے ہی گھر میں گذارے۔

قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ : طلقت او مات وھی زائرۃ فی غیر مسکنھا عادت الیہ فوراً لوجوبہ علیھا وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیتٍ وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ باب العدۃ فصل فی الحداد) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ : (تحت قولہ وتعتدان فی بیت وجبت فیہ الا ان تخرج او ینھدم) ای معتدۃ الطلاق والموت تعتدان فی المنزل المضافات الیھما بالسکنی وقت الطلاق والموت ولا یخرجان منہ الا لضرورۃ لما تلونا من الآیۃ۔

(البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ فصل فی الحداد)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوٰی ج۲ ص۴۸۷ کتاب الطلاق، باب العدۃ۔

[2] قال فی الھندیۃ : علی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیھا بالسکنی حال وقوع الفرقۃ والموت، کذا فی الکافی: لوکانت زائرۃ اھلھا او کانت فی غیر بیتھا لامر حین وقوع الطلاق انتقلت الی بیت سکناھا بلا تاخیر۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۵۳۵ الباب الرابع عشر فی الحداد)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ فصل فی الاحداد۔

حیض والی عورت کی عدت حیض سے ہے

سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی کو حالتِ رضاعت میں طلاق دی ہے جبکہ اس عورت کو رضاعت کی وجہ سے دو یا اس سے زائد ماہ تک حیض منقطع ہوتا ہے، اب اس عورت کے لیے عدت کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا تین ماہ عدت گذار کر نکاحِ ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- جن مستورات کو حیض تو آتا ہو مگر کسی عارضی وجہ سے بند ہو تو ان کے ذمے عدت بالاحیاض ہے اگرچہ تین چار سالوں میں پوری ہوجائے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں رضاعت کی وجہ سے حیض عارضی طور پر بند ہے اس لیے اس عورت کو تین حیض آنے تک انتظار کرنا پڑے گا یہی اس کی شرعی عدت ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وھی فی حق حرة ولو کتابیة تحت مسلم تحیض لطلاق ولو رجعیا او فسخ بجمیع اسبابه بعد الدخول حقیقة او حکما ... ثلاث حیض کوامل الخ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۵۰۴ باب العدة)[1]

شوہر مرزائی یا عیسائی ہوجائے تو عورت پر عدت واجب ہے

سوال :- اگر کسی عورت کا شوہر عیسائی، قادیانی یا یہودی ہوجائے جس کی وجہ سے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، کیا ایسی عورت پر عدت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعتِ اسلامی میں ہر اس جدائی پر عدت واجب ہے جو میاں بیوی کے مابین کسی وجہ سے آجائے، صورتِ مسئولہ میں چونکہ خاوند کے بوجہ غیر مسلم ہوجانے کے دونوں کے درمیان جدائی خود بخود آگئی لہٰذا اس عورت پر عدت لازمی ہے۔

قال فی الهندیة : وان اخبرت المرأة ان زوجها قد ارتد لها ان تتزوج باخر بعد انقضاء العدة فی روایة الاستحسان وفی روایة السیر

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله : وھی حرة ممن تحیض فعدتها ثلاثة اقراء لقوله تعالیٰ : وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ۔ (الهدایة ج۲ ص۱۱ باب العدة)

وَمِثْلُهٗ فی شرح الوقایة ج۲ ص۱۴۴ باب العدة۔

لیس لها ان تتزوج قال شمس الائمۃ السرخسیؒ الاصح روایۃ الاستحسان۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ا ص۳۴ الباب النکاح الکافر) [1]

خلوتِ صحیحہ کے بعد عدتِ طلاق کا حکم

سوال:۔ والدین نے ایک جگہ اپنے بیٹے کی شادی کردی مگر بیٹا وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے قابل نہ تھا صرف ایک رات بیوی کے پاس چلا گیا اور بغیر جماع کیے صبح باہر آکر گواہوں کے سامنے منکوحہ کو طلاق دے دی، کیا اس عورت پر عدت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خلوتِ صحیحہ (یعنی شوہر اور بیوی کا ایک کمرہ میں بلا کسی رکاوٹ وممانعت کے ایک دوسرے کے ساتھ ملنا) ایک قسم کا جماع ہے اس لیے صورتِ مسئولہ میں اس مطلقہ کے ذمے عدتِ طلاق گذارنا لازمی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: والخلوۃ بلا مانع حسی وشرعی کالوطئ ولوکان الزوج مجبوبًا اوعنینًا اوخصیًا وخنثیٰ إن اظہر حالہ فی ثبوت النسب وتاکد المھر والنفقۃ والسکنی والعدّۃ۔ (الدرالمختار علیٰ ہامش ردالمحتار ج ۲ ص۱۱۴ مطلب احکام الخلوۃ) [2]

شادی شدہ حاملہ من الزّنا کی عدّت

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو اس بات پر طلاق دے کہ وہ بدکردار ہے جبکہ یہ عورت زنا سے حاملہ بھی ہو تو اب یہ عورت تین حیض عدّت گذارے گی یا وضعِ حمل تک انتظار کرے گی؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی نے عدت کی دو قسمیں مقرر کی ہیں (۱) جو عورت حاملہ نہ ہو

---

[1] قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ:۔ ثمّ ان کان الزوج ھوالمرتد فلھا کل المھر ان دخل بھا ونصف المھر ان لم یدخل بھا۔

(الہدایۃ ج۲ ص۳۴۳ فی فصل نکاح اھل الشرک)

وَمِثْلُہٗ فی شرح الوقایۃ ج۲ ص۶۲ فی باب نکاح اھل الرقیق۔

[2] قال فخرالدین قاضیخانؒ: المھر یتاکد بثلاث بالوطء وموت احدالزوجین وبالخلوۃ الصحیحۃ والخلوۃ الصحیحۃ ان یجتمعا فی مکان لیس ھناک مانع یمنعہ عن الوطی حسًا اوشرعًا او طبعًا۔ (فتاوی قاضی خان علیٰ ہامش الہندیۃ ج ا ص۳۹۶ فصل فی الخلوۃ وتاکد المھر)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج ا ص۳۰۴ الفصل الثانی فیما یتاکد بہ المھر والمتعۃ۔

تواس کی عدت بالاقراء ہے۔ (۲) جو عورت حاملہ ہو (اس بات سے قطع نظر کہ یہ حمل شوہر سے ہے یا کسی غیر سے) تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں یہ عورت وضع حمل تک انتظار کرے گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: والحامل مطلقاً ولو امة او کتابية اومن زنا تعتد بالوضع۔

قال ابن عابدینؒ: اذا حبلت المعتدة وولدت تنقضی به العدة سواء کان من المطلق اومن زنا۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۸۴۶ باب العدة) [1]

عدتِ وفات میں جوؤں کی تلفی کیلئے شیمپو استعمال کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے شوہر کی وفات کو تقریباً دو ماہ ہو گئے ہیں اور مجھے سر میں جوؤں کی سخت شکایت ہے، کیا از روئے شرع جوؤں کی تلفی کے لیے ملنے والا شیمپو استعمال کر سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ عدتِ وفات کے دوران معتدہ کے لیے زیب و زینت کرنا جائز نہیں مگر بعض حالات ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں جن میں ایک بیماری بھی ہے، اس لیے آپ جوؤں کو ختم کرنے کے لیے ایسی ادویات استعمال کر سکتی ہیں جن میں خوشبو نہ ہو، چونکہ جوؤں کی تلفی کے لیے ملنے والے شیمپو میں خوشبو ہوتی ہے اس لیے اس کا استعمال شرعاً جائز نہیں، تاہم اگر کوئی ایسا شیمپو ہو جو بغیر خوشبو کے ہو تو اس کا استعمال مرخص ہے۔

قال الحصکفیؒ: والدهن ولو بلا طيب کزيت خالص ....الا بعذر راجع للجميع اذ الضرورات تبيح المحظورات۔ قال ابن عابدینؒ: اوتشتکی رأسها فتدهن وتمشط بالاسنان الغليظة المتباعدة من غير ارادة الزينة لان هذا تداوٍ ولا زينة۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۸۶۱ فصل فی الحداد) [2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: قوله وللحامل وضعه ای عدة الحامل وضع الحمل لقوله تعالیٰ: واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن اطلقها فشمل الحرة والامة المسلمة والکتابية مطلقة اومتارکة فی النکاح الفاسد اووطی بشبهة والمتوفی عنها زوجها الاطلاق الآية۔ (البحر الرائق ج ۴ ص۱۳۳ باب العدة)
ومثله فی امداد الاحکام ج ۲ ص۸۲۱ باب العدة۔

[2] قال ابن نجیمؒ: قوله الا بعذر متعلق بالجميع لا بالدهن وحده فلها لبس الحرير للحکة والقمل ولها الاکتحال للضرورة۔ (البحر الرائق ج ۴ ص۱۵۰ فصل فی الاحداد)
ومثله فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص۵۱۱ باب العدة والحداد۔

عدتِ وفات میں چوڑیاں پہننا

سوال:- کیا وہ عورت جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو وہ چوڑیاں پہن سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر چوڑیاں پہلے سے اس کے ہاتھوں میں ہوں تو ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو اُس کے لیے چار ماہ دس دن زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کرنا حرام ہے، اس قسم کے جملہ امور کو ترک کرنا ضروری ہے، چونکہ چوڑیاں پہننا بھی زینت ہی کی ایک قسم ہے اسلئے عدتِ وفات میں ان کو پہننا جائز نہیں اور اگر پہلے سے ہاتھوں میں ہوں تو اُن کا اُتارنا لازمی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: بترك الزينة بحلی . قال ابن عابدینؒ: ای بجمیع انواعه من فضة وذهب وجواهر بحر . قال القهستانیؒ: والزينة ماتتزين به المرأة من حلی او کحل . (رد المحتار ج۲ ص۶۱۷ فصل فی الحداد) [1]

دیور کے خوف سے شوہر کا گھر چھوڑنے کا حکم

سوال:- اگر کوئی معتدة الوفات اور اس کا نوجوان دیور دونوں ایک ہی گھر میں رہتے ہوں اور وہ کئی بار اس کی عصمت دری کی کوشش کر چکا ہو تو کیا یہ معتدة شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے والدین کے گھر جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- اپنی عصمت کی حفاظت کرنا ہر مسلمان عورت پر فرض ہے، اگر کسی جگہ معتدہ کو اپنی عصمت دری کا خوف ہو تو وہ اپنی عزت بچانے کیلئے مجبوراً شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے والدین کے ہاں جا سکتی ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر معتدہ کیلئے دیور سے بچنے کا کوئی طریقہ ممکن نہ ہو تو اس کا اپنے والدین کے گھر جانا مرخص ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: والافضل ان یحال بینهما فی البیتوتة بستر الا ان یکون فاسقاً فیحال بامرأة ثقة وان تعذر فلتخرج هی خروجه . (رد المحتار ج۲ ص۶۷۵ باب العدة)

---

[1] قال العلامه ابن نجیم المصری رحمه الله: وشمل لبس الحرير بجميع انواعه والوانه ولواسود وجميع انواع الحلی من ذهب وفضة وجواهر زاد فی التتارخانية القصب .
(البحر الرائق ج۴ ص۱۵۰ فصل فی الاحداد .
ومثله فی امداد الفتاوی ج۲ ص۵۱۲ کتاب الطلاق .

باب الحلالة

(حلالہ کے احکام ومسائل)

حلالہ کی شرعی حیثیت

سوال:۔ مطلقہ مغلظہ سے دوبارہ صحبت کے لیے حلالہ کا سہارا لیا جاتا ہے، شریعت مطہرہ کی رو سے یہ کہاں تک جائز ہے۔

الجواب:۔ طلاقِ ثلاثہ پر اقدام کرنا کسی ناقابلِ مصالحت حالات کی نشاندہی کرتا ہے اس لیے شریعت نے ایسے خطرناک اقدام پر میاں بیوی کے لیے آپس میں دوبارہ جمع ہونے کی تمام راہیں مسدود رکھیں الا یہ کہ وہ عورت کسی دوسرے خاوند سے جدا ہو کر اپنے رویہ پر نظر ثانی کر کے سابقہ خاوند کے ساتھ رہنے پر راضی ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ (البقرہ آیت ـــ) ایسے حالات میں میاں وبیوی سے حلالہ پر اقدام کرنا مقصود نہیں اور نہ شریعت اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لعن الله المحلل والمحلل له۔

تاہم کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے عورت خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے اس لئے اندریں حالت اگر کوئی راہ تلاش کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ایسی حالت میں حلالہ کے بعد میاں بیوی دوبارہ نکاح کر کے نئی زندگی اختیار کر سکتے ہیں تاہم اس میں صرف نکاح کافی نہیں جب تک دوسرا خاوند بیوی سے ہمبستری نہ کرے۔

لما روی انه قال علیه الصلوٰة والسلام: لا تحل للاول حتی تذوق عسیلة الآخر یذوق عسیلتها۔ (ابوداود ج ۱ ص ۳۲۳ کتاب الطلاق، باب المبتوتة لا یرجع الیها زوجها الخ)[۱]

---

[۱] قال المرغینانی: وان كان الطلاق ثلاثا فی الحرة او ثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها۔
(الهداية ج ۲ ص ۳۶۹ باب الرجعة، كتاب الطلاق)

ومثله فی رد المحتار ج ۳ ص ۴۰۹ باب الرجعة، مطلب فی العقد على المبانة۔

حلالہ کے نکاح میں وطی کے بغیر عورت شوہرِ اوّل کیلئے حلال نہیں ہوسکتی

سوال:۔ اگر مطلقہ عورت کسی مرد کے ساتھ نکاح کرے مگر وطی سے قبل اس کی وفات ہوجائے تو کیا یہ عورت شوہرِ اوّل کے ساتھ تجدیدِ نکاح کرکے اس کے لیے حلال ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حنفیہ کے نزدیک حلالہ کے نکاح میں وطی کرنا ضروری ہے بغیر وطی کے یہ عورت شوہرِ اول کے لیے حلال نہ ہوگی، چونکہ موت قائم مقامِ وطی نہیں اس لیے شوہرِ ثانی کی وفات سے عورت شوہرِ اول کے لیے حلال نہیں ہوسکتی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: لو مات عنہا قبل الوطء لایحلہا للاوّل ..... لان الشرط ھنا الوطء۔ (رد المحتار جلد ۲ ص۵۳۹ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ)[1]

حلالہ کے نکاح میں جماع کے لیے کنڈوم (ساتھی) استعمال کرنا

سوال:۔ اگر حلالہ کے نکاح میں وطی کے دوران کنڈوم استعمال کیا جائے اور اس کے ساتھ مباشرت ہو تو کیا اس طریقے سے عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ حلالہ کے نکاح میں مشتہی مرد کا ادخالِ ذکر ضروری ہے تاکہ دونوں کو کچھ لذت حاصل ہو انزال کرنا ضروری نہیں، لہٰذا اگر کنڈوم کے ساتھ وہی لذت حاصل ہوتی ہو تو یہ وطی (جماع) پہلے شوہر کے لیے محلل بن سکتی ہے ورنہ نہیں۔

وفی الھندیۃ: اذا لف ذکرہ بخرقۃ وادخل فرجہا فان وجد الحرارۃ تحل والافلا۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۴۷۳ الباب السادس فی الرجعۃ، فصل فیما تحل بہ)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: والموت لایقوم مقام الدخول فی حق التحلیل۔ (البحر الرائق ج۴ ص۵۶ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید الانصاری رحمہ اللہ: اذا لف ذَکَرَہ بخرقۃ وادخل فرجہا فان وجد الحرارۃ تحل والافلا۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج۲ ص۱۲۱ الجنس الثانی فی المحلل)

حلالہ کے نکاح میں بوقتِ جماع انزال کرنے یا نہ کرنے کا حکم

سوال :- ایک شخص مثلاً زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہے، اب وہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کے لیے حلالہ شرعی کروانا چاہتا ہے، تو جس شخص سے وہ حلالہ کرواتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جماع کرتے وقت انزال کرے یا بغیر انزال کے بھی حلالہ ہو جائے گا کیونکہ وہ شخص حمل سے ڈرتا ہے؟ لہٰذا اس بارے میں شرعی حکم کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب :- حلالہ شرعی میں ایلاج (دخول حشفہ) ضروری ہے اور وہ بھی منتشر حالت میں ہو تاکہ محلل کو کچھ لذت بھی حاصل ہو جائے، البتہ انزال ضروری نہیں، جس شخص سے بھی حلالہ کرایا جائے اور وہ جماع کرتے وقت نفس دخول حشفہ کر کے بغیر انزال کے جماع ختم کر دے اور عورت کو طلاق دے دے تو اب یہ عورت عدتِ طلاق گذارنے کے بعد پہلے خاوند کے لیے حلال ہو گی۔

لما قال العلامة الحصکفی: وان لم ینزل لان الشرط الزوق لا الشبع قلتُ وفی المجتبیٰ الصواب حلها بدخول الحشفة مطلقاً۔ (الدر المختار علی ہامش ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۵۴۹ کتاب الطلاق۔ باب الرجعة) [1]

نابالغ سے حلالہ کرانے کا شرعی حکم

سوال :- ایک نابالغ لڑکا جس کی عمر ابھی ۱۳، ۱۴ سال ہے لیکن وہ جماع کرنے پر قادر ہے تو کیا اس کے حلالہ سے عورت شوہر اول کے لیے حلال ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- حلالہ کے لیے محلل (حلالہ کرنے والے) کا بالغ ہونا ضروری نہیں صرف جماع کرنے پر قادر ہونا ضروری ہے، اس لیے فقہاء کرام نے مراہق (قریب البلوغ لڑکے) کو جو جماع کرنے پر قادر ہو بالغ کے حکم میں داخل کیا ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر یہ نابالغ جماع پر قادر ہے تو اس کا حلالہ کرنا صحیح ہے۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ: وسواء کان الزوج الثانی بالغاً او

---

[1] وفی الهندیة:- اما الانزال فلیس بشرط للاحلال۔
(الفتاوی الهندیة جلد ۱ صفحہ ۴۷۳ کتاب الطلاق فصل فیما تحل به المطلقة)

صبیاً یجامع فجامعھا او مجنوناً فجامعھا لقولہ تعالیٰ: حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ من غیر فصل بین زوج و زوج ولانہ الصبیّ والمجنون یتعلق بہ احکام النکاح من المھر والتحریم کوطی البالغ العاقل۔

(بدائع الصنائع ج۳ ص۱۸۹ فصل فی ان یکون النکاح الثانی صحیحاً) [1]

دُبر میں جماع کرنے سے حلالہ کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص حلالہ کے نکاح میں بیوی کے ساتھ قومِ لوط والا عمل کرے (یعنی دُبر میں جماع کرے) تو کیا اس سے یہ عورت زوجِ اوّل کے لیے حلال ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ حلالہ شرعی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں جماع فی القُبل ہو، دُبر میں جماع کرنا حلالہ کے لیے کافی نہیں، اور ویسے بھی یہ عمل کبیرہ گناہ ہے۔

کما فی الفتاویٰ القنیۃ: اذا اتاھا فی دُبرھا لا تحل للاوّل۔

(الفتاویٰ القنیۃ ص۲۳ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ)

موت قائم مقام وطی نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک عورت نے زوجِ ثانی سے نکاح کیا جبکہ زوجِ اوّل اس کو طلاقِ مغلظہ دے چکا تھا، نکاح کے بعد زوجِ ثانی حقوقِ زوجیت ادا کئے بغیر فوت ہو گیا ہے، اب یہ عورت زوجِ اوّل سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہے تو کیا اسے یہ حق حاصل ہے اور یہ نکاح صحیح ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ حلالہ کے نکاح میں شوہرِ ثانی کا اپنی منکوحہ سے جماع کرنا ضروری ہے صورتِ مسئولہ کے مطابق بدون جماع کئے موت وطی کا قائم مقام نہیں بن سکتی اسلئے یہ عورت زوجِ اوّل کے لیے حلال نہیں۔

لما قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: والموت لا یقوم مقام الدخول

---

[1] وفی الھندیۃ: وفی الانفع الصبی المراھق فی التحلیل کالبالغ..... فسر المراھق فی الجامع الغیر فقال غلام لم یبلغ ومثلہ یجامع جامع امرأتہ وجب الغسل علیھا واحلھا علی الزوج الاوّل ومعنی ھذا الکلام ان تتحرک آلیہ ولیشتھی۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۴۷۳)

وَمِثْلُہٗ فی مجموعۃ الفتاویٰ (فارسی) ج۲ ص۱۲ کتاب الطلاق)

فی حق التحلیل۔ (البحر الرائق ج ۴ ص۵۶ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ) [۱]

عورت کا قول کہ میں حلالہ کرچکی ہوں....

سوال:۔ طلاق ثلاثہ کے بعد ایک عورت اپنے میکے چلی گئی اور ایک سال کے بعد پہلے شوہر کو پیغام دیا کہ میں حلالہ کرچکی ہوں لہٰذا میں آپ سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہوں، تو کیا عورت کے اس طرح کہنے سے زوجِ اوّل کے لیے اس سے دوبارہ نکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت کا صرف یہ کہنا کہ میں حلالہ کرچکی ہوں زوجِ اوّل سے دوبارہ نکاح کی حلت کے لیے کافی نہیں، بلکہ زوجِ اوّل کو چاہیئے کہ عورت کی بات کی خوب تحقیق کرے اور اُس سے جُملہ کیفیّات اور حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرے، اگر وہ صحیح معلومات مہیا کرے اور وہ حلالہ کے لیے کارآمد بھی ہوں تو پھر اس صورت میں دوبارہ اس عورت سے نکاح کرنا صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔

لما فی القنیۃ، لو قالت حللت لك او قال حلا له کردم لایحل له التزوّج مالم یستفسرها لاختلاف الناس فی کیفیّۃ التحلیل وھو الصواب۔

(القنیۃ ص۸۴ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ)

حلالہ کے نکاح میں دُوسرے خاوند سے ہمبستری ضروری ہے

سوال:۔ کیا حلالہ کیلئے کی گئی شادی میں دوسرے شوہر سے ہمبستری کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ہمبستری نہ کی جائے تو کیا عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ حلالہ کی شادی میں دوسرے شوہر سے ہمبستری کرنا شرط ہے، بغیر ہمبستری کے یہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی۔

ھٰکذا فی الھدایۃ ج ۲ ص۳۹۴ فصل فیما تحل به المطلقۃ۔ کتاب الطلاق۔

---

[۱] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ولو مات عنها قبل الوطء لا یحلّها للاوّل..... لان الشرط هنا الوطء۔ (رد المحتار ج ۲ ص۵۳۹ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ) وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۴۷۳ کتاب الطلاق۔ فصل فیما یتعلق به المطلقۃ۔

باب ثبوت النّسب

(ثبوتِ نسب کے مسائل واحکام)

قبل از وقت پیدا ہونے والے بچے کے ثابت النسب ہونے کا حکم | سوال:۔ اگر کسی کے ہاں شادی کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ شادی کے چھ ماہ یا اس سے زائد عرصہ کے بعد پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب شمار ہوگا البتہ چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب شمار نہیں ہوگا۔

قال فی الهندية: واذا تزوج الرجل فجاءت بالولد لأقل من ستة اشهر منذ تزوجها لم يثبت نسبه وإن جاءت به لستة أشهر فصاعدا يثبت نسبه اعترف به الزوج أو سكت۔ (الفتاوىٰ الہندیہ ج ۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب) [1]

مانع حمل ادویات کے استعمال کا حکم | سوال:۔ مانع حمل ادویات کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن حالات اور صورتوں میں ایسی ادویات استعمال کی جاسکتی ہیں؟

الجواب:۔ نکاح سے مقصد اولاد پیدا کرنا ہے اس لیے مانع حمل ادویات وآلات کا استعمال بعض جزئی صورتوں کے علاوہ شرعاً جائز نہیں اور خصوصاً رزق و وسائلِ معاش کے خوف کی وجہ سے تحدیدِ نسل اسلامی احکامات سے متصادم ہے، تاہم اگر بعض حالات میں عورت کو حمل کی وجہ سے بیماری یا غیر فطری طریقہ ولادت (آپریشن وغیرہ) کی ضرورت پڑتی ہو یا اس کے مثل دیگر ضروریاتِ شدیدہ کی صورت میں مانع حمل ادویات وآلات کا استعمال جائز ہے، یہاں تک کہ

---

[1] قال الحصکفیؒ: اکثر مدة الحمل سنتان لخبر عائشة رضی الله عنها کما مر وعند الائمة الثلاثة اربع سنين وأقلها ستة اشهر اجماعاً۔ (رد المحتار ج ۳ ص۵۴۰ فصل فی ثبوت النسب) ومثله فی البحر الرائق ج ۴ ص۱۵۷ باب النسب۔

بعض مہلک بیماریوں کی صورت میں انقطاعِ رحم بھی مرخص ہے۔

وفی الفتاوی الاسلامیۃ.... :تحدید النسل محرم مطلقاً لما جاء فی الشریعۃ الغراء من النہی عن التبتل والتشدید فی ذٰلک والترغیب فی التزوج بالولود الودود فیکون حبوب منع الحمل محرماً إلا فی حالات فردیۃ نادرۃ لاعموم لہا کما فی حالۃ التی تدعوا الحامل إلی ولادۃ غیر عادیۃ ویضطر معہا إلی إجراء عملیۃ جراحیۃ لإخراج الولد وفی حالۃ ما إذا کان علی المرأۃ خطر من الحمل لمرض ونحوہ وھٰذا لاینطبق علی حالۃ المرأۃ۔ (الفتاوی الاسلامیۃ لکبار العلماء بالعربیۃ السعودیۃ ج۲ ص۳۷۶) [1]

اسقاطِ حمل کے جواز کا حکم

سوال :۔ وہ کون سے اعذار و وجوہات ہیں جن کی بناء پر اسقاطِ حمل جائز ہو جاتا ہے؟

الجواب :۔ حمل کے چار مہینے پورے ہونے سے پہلے پہلے بعض اعذار معتبر فی الشرع کے ہوتے ہوئے اسقاطِ حمل جائز ہے اور اعذار نہ ہونے کے وقت جائز نہیں، اعذار معتبرہ جیسے ظہورِ حمل کے بعد دودھ منقطع ہو جائے اور خاوند دائیہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا عورت پر شدید بیماری کا غلبہ ہو یا غیر عادی طریقہ ولادت پیش آتا ہو، تاہم بعض اشد صورتوں میں جن میں ہلاکت یقینی ہو تو پھر چار ماہ کے بعد بھی اسقاطِ حمل کی گنجائش ہے۔

قال فی الھندیۃ: إمرأۃ مرضعۃ ظھر بھا حبل وانقطع لبنھا وتخاف علی ولدھا الھلاک ولیس لأبی ھٰذا الولد سعۃ حتی یستأجر الظئر یباح لھا ان تعالج فی استنزال الدم مادام نطفۃ أو مضغۃ أو علقۃ لم یخلق لہ عضو۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۵۶ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات) [2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: ویکرہ أن تسقی لإسقاط حملھا وجاز لعذر کالمرضعۃ اذا ظھر بھا الحبل وانقطع لبنھا ولیس لأبی الصبی مایستأجر بہ الظئر ویخاف ھلاک الولد قالوا یباح لھا ان تعالج فی استنزال الدم مادام الحمل مضغۃ أو علقۃ ولم یخلق عضو وقدروا تلک المدۃ بمأۃ و عشرین یوماً وجاز لأنہ لیس بادمی وفیہ صیانۃ الآدمی۔ (ردالمحتار ج۵ ص۳۰۵ کتاب الکراھیۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۵ ص۳۵۶ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات۔

[2] ایضاً (حوالہ مذکورہ بالا)

وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وَاَدِلَّتُہٗ ج۷ ص۱۰۸ کتاب النکاح۔ الاسقاط۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

سوال:۔ آجکل ایک خاص انجکشن کے ذریعے مادۂ منویہ عورت کے رحم میں پہنچایا جاتا ہے جس سے بعض بچہ پیدا ہوتا ہے، اولاد کے حصول کیلئے اس طریقہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ سوال میں ذکر شدہ طریقہ جسے ٹیسٹ ٹیوب بے بی یا تلقیح صناعی بھی کہتے ہیں مفاسد کثیرہ پر مشتمل ہونے اور فحاشی و بے دینی کا ذریعہ بننے کی وجہ سے باتفاق علماء جائز نہیں، تاہم اگر کسی میاں بیوی کے ہاں اولاد پیدا نہ ہوتی ہو اور دونوں میں اولاد کیلئے مطلوبہ صلاحیت موجود ہو لیکن خاوند کسی وجہ سے اپنا مادۂ منویہ بیوی کے رحم میں پہنچانے پر قادر نہ ہو یا عورت کے رحم میں امساک و استقرار کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے بچے کی پیدائش ممکن نہ ہو تو اس صورت میں مصنوعی نسل کشی کا یہ طریقہ جائز رہے گا بشرطیکہ مادۂ منویہ عورت کے اپنے خاوند کا ہی ہو، دونوں کی رضامندی ہو اور دونوں کے سامنے یہ عمل قرار پا رہا ہو اور مستند مسلمان ڈاکٹر یہ طریقہ تجویز کرے۔

قال فی یسئلونك فی الدین والحیاة: وقد قرر الفقهاء أن حمل المرأة بهذه الطریقة الصناعیة یعد جریمة خلقیة واجتماعیة وجنایة شرعیة..... بل هناك من الفقهاء من قرر أن هذه العملیة فی معنی الزنی وتستوجب التعزیر والتأدیب ولولا صورة الجریمة فیها مستورة بعض الشئ لکان حکمها الجلد الذی شرعه الله للزانی أما اذا کانت هناك إمرأة متزوجة برجل وهی صالحة للإنجاب وهو کذلك صالح للإنجاب ولکن هذا الزوج لا یستطیع بسبب ما أن یدخل مادته التناسلیة وتحقن فی رحم زوجته هو ورأی الطب المتقیم أن هذا هو الطریق الوحید والأیسر للحمل فلا مانع شرعاً من ذلك..... وهذه الحالة تکون نظرة الشریعة الی التلقیح الصناعی بین الزوجین تنطبق بها الی علاج الأمراض والعلل ونظرتها الی استبقاء العترة الزوجیة الطیبة بین هذین الزوجین۔ (یسئلونك فی الدین والحیاة ج ۱ ص۲۵)[1]

---

[1] وقال الشیخ الوهبة الزحیلی: التلقیح الصناعی هو استدخال المنی لرحم المرأة بدون الجماع فإن کان بماء الرجل لزوجته جاز شرعاً إذ لا محذور فیه..... وأما ان کان بماء رجل اجنبی عن المرأة لا زواج بینهما فهو حرام لأنه بمعنی الزنا الذی هو إلقاء ماء رجل فی رحم إمرأة لیس بینهما رابطة زوجیة ویعد هذا العمل أیضاً منافیاً للمستوی الإنسانی ومضارعاً للتلقیح فی دائرة النباتات والحیوان۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج ۳ ص۵۵۹ المبحث الرابع۔ التلقیح الصناعی)

جماع کے وقت کنڈوم (ساتھی) کا استعمال کرنا

سوال:۔ کیا شادی شدہ آدمی کیلئے بوقتِ جماع کنڈوم (ساتھی) استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کنڈوم (ساتھی) کا حکم عزل کی طرح ہے اس لیے فی نفسہٖ جماع کے وقت کنڈوم کا استعمال مباح ہے مگر بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے بدون بیوی کی اجازت کے مکروہ ہے، تاہم اگر کوئی شرعی عذر ہو تو بلا اجازت عزل کرنے یا کنڈوم استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویعزل عن الحرۃ باذنها لکن فی الخانیۃ انه یباح فی زماننا لفساده قال الکمال فلیعتبر عذراً مسقطاً لاذنها۔
(الدر المختار علی هامش ردالمختار ج۲ ص۴۱۲ باب نکاح الرقیق) ؎۱

عزل کرنے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک شادی شدہ آدمی کے لیے عزل کرنے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ عزل کرنا اگرچہ شرعاً جائز ہے مگر اس میں آزاد عورت (بیوی) سے اجازت لینا ضروری ہے، بغیر اجازت کے عزل کرنا مکروہ ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویعزل عن الحرۃ باذنها لکن فی الخانیۃ انه یباح فی زماننا لفساده قال الکمال فلیعتبر عذراً مسقطاً لاذنها۔ (الدر المختار علی هامش ردالمختار ج۲ ص۴۱۲ باب نکاح الرقیق) ؎۲

خاوند کے مادۂ تولید کا کسی اجنبیہ کے رحم میں نشوونما پانا

سوال:۔ جدید طریقۂ تولید میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے مادۂ منویہ کو ملا کر ٹیوب کے ذریعہ کسی اجنبیہ کے رحم میں رکھا جاتا ہے اور یہ مادہ اُس کے رحم میں

؎۱ و ؎۲ قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: لان العزل جائز عن امۃ نفسه بغیر اذنها والاذن فی العزل عن الحرۃ لها ولا یباح بغیره لانه حقها، وفی الخانیۃ ذکر فی الکتاب انه لا یباح بغیر اذنها وقالوا فی زماننا یباح سُوءِ الزمان۔ الخ
(البحر الرائق ج۳ ص۲۰۳ کتاب النکاح، باب نکاح الرقیق)
وَمِثْلُهٗ فی الهدایۃ ج۲ ص۳۱۱ باب نکاح الرقیق۔

نشو ونما پاکر بچہ بن کر پیدا ہو جاتا ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ اس بچے کا نسب کس سے ثابت ہو گا اور اس اجنبیہ کی کیا حیثیت ہو گی؟

الجواب:۔ ثبوتِ نسب کے لیے ابتدائی وقت سے میاں بیوی کے نطفوں کا اختلاط ہونا کافی ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں جدید طریقۂ تولید میں ابتداءً میاں بیوی کا نطفہ مختلط ہو جاتا ہے اور اس اختلاط سے وہ ایک عَلَقَة کی صورت اختیار کرتا ہے اور پھر کسی اجنبیہ کے رحم میں رکھا جاتا ہے، تو ثبوتِ نسب کے لیے اختلاط کی صورت تک یعنی عَلَقَة بننے تک کا زمانہ کافی ہے، باقی یہ اجنبیہ ہونے والے بچے کے لیے بمنزلہ مرضعہ کے ہو گی، اُس کے حقیقی ماں باپ وہی میاں بیوی ہیں جن کا یہ نطفہ تھا۔

لما قال العلامة ابو بکر الکاسانی رحمہ اللہ: النسب الثابت بالنکاح لا ینقطع الا باللعان۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص۲۴۶ باب النسب)

جدید نظامِ تولید کا شرعی حکم

سوال:۔ بعض یورپی ممالک میں جدید نظامِ تولید کے لیے اجنبیہ خواتین کے ارحام کو بطورِ اجارہ لیتے ہیں، یعنی میاں بیوی کے نطفوں کے اختلاط کے بعد جب اس کی نشو ونما کا مرحلہ آتا ہے تو بجائے بیوی کے رحم میں رکھنے کے کسی اجنبی عورت کو معاوضہ دے کر نشو ونما کے لیے اس کے رحم کو استعمال کیا جاتا ہے، کیا یہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ اس طریقہ سے ہونے والا بچہ اصحابِ نطفہ سے منسوب ہو گا مگر اس ثبوت سے کسی اجنبیہ کے رحم کو بطورِ اجارہ لینا جائز نہیں ہوتا بلکہ شریعتِ مقدسہ میں اس قسم کی اشیاء صرف اپنے خاوندوں کے استعمال کے لیے جائز ہیں دوسروں کے لیے ان کا استعمال کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

لما قال اللہ تبارك وتعالیٰ: نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۳) [1]

---

[1] روی العلامہ جلال الدین السیوطیؒ: عن ابن سیرینؒ وحسن بن زیاد لا یعار الفرج۔ (الدر المنثور ج ۶ ص۵ سورۃ الشوریٰ)

وَمِثْلُهٗ فی جواھر الفتاویٰ ج ۱ ص۲۰۷ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

طلاقِ رجعی کے دو سال بعد پیدا ہونیوالے بچے کا ثابت النسب ہونا

سوال:۔ زید نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دیدی، طلاق کے دو سال بعد بچہ پیدا ہوا، جب زید کو بچہ پیدا ہونے کی خبر پہنچی تو زید نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ لڑکا میرا نہیں ہے، تو کیا یہ بچہ زید سے ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاقِ رجعی کے بعد اگر عورت نے عدت گذر جانے کا اقرار کیا ہو اور اس کے بعد بچہ پیدا ہو تو اس بچے کا نسب زید سے ثابت نہیں ہوگا، البتہ اگر عورت نے قبل از ولادت عدت گذر جانے کا اقرار نہیں کیا ہو تو بچہ زید سے ثابت النسب تسلیم کیا جائے گا۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ:۔ (ویثبت نسب) ولد (معتدة الرجعی ...... وان ولدت لاکثر من سنتین ...... مالم تقر بمضی العدة والمدة تحتمله وکانت الولادة رجعة لو فی الاکثر۔ (تنویر الابصار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص ۶۲۶ فصل فی ثبوت النسب، مکتبہ رشیدیہ) [1]

باپ کا بچے کے نسب سے انکار کرنا

سوال:۔ کوئی شخص اپنی منکوحہ کی اولاد سے انکار کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس کا انکار کرے تو اولاد کا نسب اس سے ثابت ہوگا یا کسی اور سے؟

الجواب:۔ منکوحہ سے اولاد کا نسب قوی ہے، اس کے ثبوت کے لیے نہ تو کسی دعویٰ کی ضرورت ہے اور نہ خاوند کے انکار سے اس کی نفی ہوسکتی ہے، جو جو بچہ بھی منکوحہ سے پیدا ہو وہ خاوند سے ثابت النسب ہوگا، تاہم اگر خاوند بیوی کے پیدا ہونے والے کسی بچہ سے انکار کرکے لعان کرے تو پھر خاوند سے اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا لیکن بعد ازاں میاں بیوی کی حیثیت سے دونوں کا اکٹھا رہنا مشکل ہے جس کیلئے یا تو خاوند بیوی کو طلاق دے گا یا پھر قاضی کو دونوں کے درمیان تفریق کرنی پڑے گی۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: حیث قسم الفراش الیٰ قوله وقوی وهو فراش

---

[1] قال ابن الهمامؒ: ویثبت نسب ولد المطلقة الرجعة اذا جاءت به لسنتین او اکثر مالم تقر بانقضاء عدتها۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۷۲ باب الحضانة)
ومثلہ فی کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۶ باب ثبوت النسب۔

المنکوحة ومعتدة الرجعی فانه فیہ لاینتفی الا باللعان ۔(ردّ المحتار ج۲ ص۶۳۸ باب الثبوت النسب ، کتاب الطلاق ، مطلب الفراش علی اربع مراتب) ؎۱

ولدالزنا کا نسب

سوال:۔ جو بچہ زنا سے پیدا ہو اُس کا نسب کس سے ثابت ہو گا؟ کیا زانی اس کو اپنا بیٹا کہہ کر پکار سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ زنا سے پیدا ہونے والے بچے کا زانی سے نسب ثابت ہونا ممکن نہیں اور نہ ہی زانی اس کو بیٹا کہہ سکتا ہے ۔ اگر مزنیہ کسی کے نکاح میں ہو تو زنا سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب مزنیہ کے خاوند سے ثابت ہو گا اور اگر کسی غیر شادی شدہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو تو اس کی نسبت والدہ (مزنیہ) کی طرف ہو گی ۔

لقوله علیه الصّلوٰة والسّلام : الولد للفراش وللعاهر الحجر ۔

(مشکوٰة ج۱ ص۲۸۷ باب اللعان ۔کتاب النّکاح ۔فصل الاول) ؎۲

حاملہ من الزنا سے نکاح کے بعد بچہ کا نسب

سوال:۔ ایک شخص نے آزاد عورت سے زنا کیا ، حاملہ ہونے کے بعد اس شخص نے مزنیہ سے نکاح کر کے معاملہ کو دبا دیا ، لیکن زنا سے جو بچہ پیدا ہوا اور شخص مذکور یہ اقرار کرے کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے ہے تو کیا اس سے نسب ثابت ہو گا یا نہیں ؟

الجواب:۔ زنا سے نسب کبھی ثابت نہیں ہوتا ، مذکورہ شخص کا دعوئ نسب نا قابلِ التفات

؎۱ قال فی الھندیة :۔ قال اصحابنا لثبوت النسب ثلاث مراتب الاول النکاح الصحیح وما هو فی معناه من النکاح الفاسد والحکم فیه انه یثبت النسب من غیر دعوة ولا ینتفی بمجرد النفی وانما ینتفی باللعان فان کان ممن لا لعان بینهما لا ینتفی نسب الولد ۔

(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۵۳۶ ، الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب ، کتاب الطلاق)

ومثلهٗ فی الفتاویٰ التاتارخانیة ج۴ ص۸۷ باب الثبوت النسب ، کتاب الطلاق ۔

؎۲ قال فی الهندیة : اذا زنی رجل بامرأة فجاءت بولد فادعاه الزانی لم یثبت نسبه منه واما المرأة فیثبت نسب منها ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۴ ص۱۲۷ فی الفصل الثامن فی دعوة الولد من الزنا وما فی حکمه ۔کتاب الدعوی)

ومثلهٗ فی الهندیة ج۱ ص۵۴۰ فی الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب ، کتاب الطلاق ۔

ہے، تاہم اگر نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو پھر قضاءً ناکح سے نسب ثابت ہوگا اور اگر نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہو تو پھر اگر خاوند یہ اقرار کرے کہ یہ بچہ میرا ہے اگرچہ نسب کے ثبوت کے لیے یہ اقرار مفید نہیں لیکن اس کے اقرارِ نسب سے یہ بچہ میراث لے سکتا ہے، جبکہ زنا کا اقرار کر کے بچے کے نسب کا دعویٰ کرنے سے نہ نسب ثابت ہوتا ہے اور نہ میراث میں حصّہ مل سکتا ہے۔

قال فی الھندیۃ: ولو زنی بامرأۃ فحملت ثم تزوجھا فولدتہ ان جاءت بہ لستۃ أشھر فصاعداً ثبت نسبہ الا ان یدعیہ ولم یقل انہ من الزنا اما ان قال انہ منی من الزنا فلا یثبت نسبہ ولا یرث منہ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۵۴۰ فی الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب۔ کتاب الطلاق) لہ

داشتہ کی اولاد کے نسب کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے کسی کی منکوحہ کو اغوا کر کے مُدتوں سے اپنے پاس رکھا ہوا ہے جس سے اُس کے بچے بھی پیدا ہوئے ہیں جبکہ خاوند نے طلاق بھی نہیں دی ہے، ایسی حالت میں اِس عورت کی اولاد کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟

الجواب:۔ اغوا کنندہ کا منکوحۃ الغیر سے منافع لینا زنا ہے اور زنا سببِ ثبوتِ نسب نہیں، ایسی داشتہ کے بچوں کا نسب خاوند سے ثابت ہوگا جن سے نفی کے لیے خاوند لعان کا ذریعہ اختیار کر سکتا ہے۔ ایسی عورت کو جب تک خاوند سے باقاعدہ آزادی نہ ملے تو مدتوں تک پاس رکھنے سے نہ تو اس سے نکاح جائز ہے اور نہ اس کی اولاد کا نسب ثابت ہوگا۔

لحدیث النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم: الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۲۸۷ باب اللعان۔ کتاب النکاح)

وقال ابن عابدینؒ: اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ ..... لانہ لم یقل احد

لہ قال العلّامۃ ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ: واذا تزوج الرجل امرأۃ فجاءت بولد لاقل من ستۃ اشھر منذ یوم تزوجھا لم یثبت نسبہ۔

(فتح القدیر ج۴ ص۱۶۸ باب ثبوت النسب۔ کتاب الطلاق)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۵۵ باب ثبوت النسب۔ کتاب الطلاق۔

بجوازہ نلم ینعقد اصلاً۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۲۸۰ باب المحرمات۔ کتاب النکاح) ؎۱

گھر سے نکالے جانے کے بعد منکوحہ غیر مطلقہ کے ہاں پیدا ہونے والے بچّہ کا حکم

سوال:- زید نے اپنی بیوی کو کسی وجہ سے بغیر طلاق دیئے اپنے گھر سے نکال دیا، دو سال بعد اس مذکورہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہُوا، خاوند نے اطلاع ملتے ہی انکار کیا کہ یہ بچّہ میرا نہیں ہے، کیا اس کا یہ انکار شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- منکوحہ غیر مطلّقہ کے ہاں نکاح کے چھ ماہ پورے ہونے کے بعد جو بچّہ پیدا ہو خواہ زوج اس کا اعتراف کرے یا خاموشی اختیار کرے ہر حالت میں بچہ اس سے ثابت النسب ہوگا، گویا گھر سے نکالے جانے کے بعد جب تک اس کے نکاح میں رہی اس عرصہ میں پیدا ہونے والا بچّہ خاوند سے ثابت النسب ہوگا تاہم اگر اُس کو واقعی بچے سے انکار کرنا مقصود ہو تو لعان کا طریقہ اختیار کر سکتا ہے جو اس کے لیے نسبت کے انکار کے لیے مفید رہے گا۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشهر منذ يوم تزوجها لم يثبت نسبه ..... وان جاءت به لستة اشهر فصاعداً يثبت منه اعترف الزوج او سكت ..... فان جحد الولادة يثبت بشهادة امرأة واحدة تشهد بالولادة حتى لو نفاه الزوج يلاعن لان نسب يثبت بالفراش القائم۔ (الهداية ج ۲ ص ۴۰۹ باب ثبوت النسب) ؎۲

؎۱ وقال امام فخر الدين حسن بن منصور رحمه الله: الاوزجندی ولا یجوز نکاح منکوحة الغیر عند الکل۔ (فتاویٰ خانیۃ علیٰ هامش الهندیہ ج ۱ ص ۳۶۶ فی باب المحرمات۔ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۹۲ باب المحرمات۔ کتاب النکاح۔

؎۲ قال فی الهندیة: واذا تزوج الرّجل امرأة فجاءت بالولد لاقل من ستة أشهر منذ تزوجها لم یثبت نسبه وان جاءت به لستة أشهر فصاعداً یثبت نسبه منه اعترف به الزوج أو سکت۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۵۳۶ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب)

وَمِثْلُهُ فی ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۲۶ فصل فی ثبوت النسب۔ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب۔

خاوند کی طویل غیر حاضری میں بیوی کا حاملہ ہونا

سوال:۔ اگر ایک شخص چند سالوں سے سفر میں ہو، اُس کی غیر حاضری میں اس کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نسب کے ثبوت کے لیے نکاح اہم سبب ہے، اس لیے نکاح کی موجودگی میں جو بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب ہوگا، صورتِ مرقومہ کے مطابق اگر خاوند کی طویل غیر حاضری میں بچہ پیدا ہوا ہو تو خاوند نفی کے لیے لعان کا طریقہ اپنا سکتا ہے۔

لقوله علیه الصلوٰة والسلام: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔

(مشکوٰة ج۱ ص۲۸۷ باب اللعان۔ کتاب النکاح) [۱]

مدتِ حمل

سوال:۔ بچہ زیادہ سے زیادہ کتنی مدت تک ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے اور کم از کم کتنی مدت ماں کے پیٹ میں رہ کر صحیح و سالم پیدا ہو سکتا ہے؟

الجواب:۔ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اور زیادہ سے زیادہ دو برس، یعنی کم سے کم چھ ماہ بچہ ماں کے پیٹ میں رہ کر صحیح و سالم پیدا ہو سکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ دو برس تک بچہ ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے، فقہ حنفی کی رُو سے مدتِ حمل دو سال سے زائد نہیں ہو سکتی۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: واکثر مدة الحمل سنتان۔ لقول عائشةؓ: الولد لایبقی فی البطن اکثر من سنتین ولو بظل مغزل واقله ستة اشهر۔ لقوله تعالیٰ: وحمله وفصاله ثلٰثون شهرًا ثم قال وفصاله فی عامین فبقی للحمل ستة اشهر۔ (الهدایه ج۲ ص۴۱۰ باب ثبوت النسب) [۲]

کم از کم مدتِ حمل سے پہلے پیدا ہونیوالے بچے کے نسب کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے کسی مطلقہ عورت سے نکاح کیا

---

[۱] وقال ابن عابدینؒ: حیث قسم الفراش علیٰ اربع مراتب وقوی وهو فراش المنکوحة ومعتدة الرجعی فانه فیه لاینتفی الا باللعان۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۸۴ مطلب الفراش علیٰ اربع مراتب)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب۔

[۲] وقال شیخ الاسلام محمد بن عبد الله التمرتاشیؒ: واکثر مدة الحمل سنتان لخبر عائشة رضی الله عنها..... واقلها ستة اشهر اجماعًا۔ (تنویر الابصار علیٰ هامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۲۶ فصل فی ثبوت النسب)

ومثله فی الکنز الدقائق علیٰ هامش البحر الرائق ج۴ ص۱۶۳ باب ثبوت النسب۔

عورت نے نکاح کے وقت اطمینان دلایا تھا کہ میرا حمل نہیں ہے اور میری عدت گذر چکی ہے، اس شخص نے عورت کے قول پر اعتماد کیا، اب صورتحال یہ ہے کہ نکاح کے پانچ ماہ بعد اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا، ایسی حالت میں یہ بچہ پہلے خاوند کا شمار ہوگا یا دُوسرے کا؟

الجواب:۔ نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مُدت میں بچہ کا پیدا ہونا اس شخص سے ممکن نہیں، جب اس عورت کے ہاں اقل مدتِ حمل سے قبل بچہ پیدا ہو تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ عورت نے کذب بیانی کا سہارا لے کر دُوسرے شخص کے ساتھ دھوکہ سے نکاح کیا ہے اسلیے اس نکاح کا کوئی اعتبار نہیں اور بچہ پہلے خاوند سے ثابت النسب ہوگا، اور یہ شخص بچہ پیدا ہونے کے بعد دوبارہ نکاح کرکے اس عورت کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

لما فی الهندیة: واذا تزوجت المعتدة بزوج آخر ثم جاءت بولد ان جاءت به لاقل من سنتین منذ طلقها الاول او مات ولاقل من ستة اشهر منذ تزوجها الثانی فالولد للاول۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۵۳۸ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب) [۱]

حمل کی کم از کم مُدت

سوال:۔ اگر ایک شخص کے ہاں شادی کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو کیا یہ بچہ ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر والد اس کے نسب سے انکاری ہو تو اس سے بچے کے نسب کی نفی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح کے بعد اقل مدتِ حمل یعنی چھ ۶ ماہ کے بعد جو بچہ پیدا ہو اس کا نسب باپ سے ثابت ہوگا اور اس کے لیے انکار کرنے کی گنجائش نہیں، نسب سے اِنکار کیلئے لعان کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ مفید اور بہتر نہیں۔

لما فی الهندیة: واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بالولد لاقل من ستة اشهر منذ تزوجها لم یثبت نسبه وان جاءت به لستة اشهر فصاعداً یثبت نسبه منه اعترف به الزوج او سکت فان جحد الولادة یثبت بشهادة امرأة واحدة تشهد بالولادة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۵۳۶ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب) [۲]

---

[۱] قال العلامة المرغینانیؒ: واذا تزوج امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشهر منذ یوم تزوجها لم یثبت نسبه۔ (الهدایة ج ۲ ص ۴۰۹ باب ثبوت النسب)
وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج ۴ ص ۱۷۸ باب ثبوت النسب۔

[۲] قال التمرتاشیؒ: واقلها ستة اشهر اجماعاً فیثبت نسب۔ (تنویر الابصار علی هامش ردالمحتار ج ۲ ص ۶۲۶ باب ثبوت النسب) — وَمِثْلُهٗ فی کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۴ ص ۱۶۳ باب ثبوت النسب۔

ثبوت النسب کے لیے مدت کا اعتبار وقتِ نکاح سے ہے

سوال:۔ ایک لڑکا جس کا نکاح اپریل ۱۹۸۸ء میں ہوا اور لڑکی کی رخصتی ۸ جولائی ۱۹۸۸ء کو ہوئی، رخصتی کے تقریباً تین ماہ بعد لڑکی کے ہاں سسرال میں بچہ پیدا ہوا، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس بچے کا نسب اس لڑکے سے ثابت ہوگا یا نہیں؟ جبکہ لڑکی اور لڑکا آپس میں خالہ زاد ہیں اور ان کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی تھا۔

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں اگر نکاح واقعی اپریل ۱۹۸۸ء میں ہی ہوا ہو اور رخصتی جولائی ۱۹۸۸ء میں ہوئی ہو اور پھر جولائی سے تین ماہ بعد ستمبر میں بچہ پیدا ہو جائے تو اندریں صورت ثبوت النسب کے لیے مدت کا اعتبار نکاح کے وقت سے ہوگا رخصتی کے وقت سے نہیں۔ لہٰذا اگر نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا ہو تو یہ بچہ اس خاوند سے ثابت النسب ہوگا تاہم اگر خاوند اس سے انکار کرے تو اس کے لیے لعان کا ذریعہ اختیار کرنا ضروری ہے اور چھ ماہ سے کم مدت کی صورت میں بچہ ثابت النسب نہ ہوگا۔

لما فی الھندیۃ: واذا تزوّج الرجل امرأۃ فجاءت بولدٍ لاقل من ستۃ اشھرٍ منذ تزوّجھا لم یثبت نسبہ وان جاءت بہ ستۃ اشھر فصاعداً یثبت نسبہ الخ وفیہ بعد اسطرٍ: ولو جاءت لاقل من ستۃ اشھر من وقت النکاح لا یثبت الخ

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۵۳۶، ۵۳۷ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب) [۱]

---

[۱] قال العلامۃ المرغینانی رحمہ اللہ: واذا تزوّج الرجل امرأۃ فجاءت بولدٍ لاقلّ من ستّۃ اشھرٍ منذ یوم تزوّجھا لم یثبت نسبہ لانّ العلوق سابق علی النکاح فلا یکون منہ وان جاءت بہ لستۃ اشھرٍ فصاعداً یثبت نسبہ منہ .... لانّ الفراش قائم والمدّۃ تامّۃ الخ

(الھدایۃ ج۲ ص۴۱۱ باب ثبوت النسب)

ومِثلُہٗ فی فتاوی قاضیخان علی ھامش الھندیۃ ج۱ ص۵۵۸ فصل فی النسب۔

سادات کا نسب اور سیدہ فاطمہؓ کی فضیلت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کئی دنوں سے ایک سوال ذہن میں ابھر رہا ہے کہ اولاد کی نسبت تو باپ کی طرف ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد نہیں تھی تو سادات کا نسب کیسے باقی رہا؟ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو خود سید نہ تھے؟

الجواب:۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام میں اولاد کا نسب باپ کی طرف ثابت ہوتا ہے، مگر سیدہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کی اولاد کی نسبت آپ کی طرف ہے اور آپ کے واسطہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، آپ کے علاوہ کسی بھی عورت کو یہ شرف حاصل نہیں، اسی لیے آج سادات کا سلسلہ نسب دنیا میں قائم ہے۔

روی الحاکم عن جابر بن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل بنی ام ینتمون الی عصبۃ الا ولد فاطمۃ فانا ولیھم عصبتھم۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷۴ رقم حدیث ۱۵۰۱۳ کتاب المناقب۔ الباب ۱۴)[1]

تین سال بعد پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کے انتقال کے تین سال بعد اس کی بیوہ کے ہاں بچہ ہو جبکہ اس نے دوسری شادی بھی نہ کی ہو تو اس بچے کے نسب کے بارے میں شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ بچہ میت کی طرف منسوب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ مفتی بہ رائے کے مطابق حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال ہے، اس دوران جو بچہ پیدا ہو وہ ثابت النسب ہوگا، لیکن جو بچہ کسی کے انتقال کے دو سال بعد پیدا ہو جبکہ اس کی بیوہ نے دوسری شادی بھی نہ کی ہو تو وہ باپ سے ثابت النسب نہیں ہوگا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں جو بچہ باپ کے مرنے کے تین سال بعد پیدا ہوا ہے وہ باپ سے غیر ثابت النسب ہے اُس کو صرف ماں

---

[1] قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰنؒ: روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گو نسب باپ کی طرف سے ثابت ہوتا ہے لیکن بنی فاطمہ اس سے مستثنیٰ ہیں، امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا نسب حضرت فاطمہؓ کے واسطہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے ..... آئندہ کسی عورت کی جانب سے خواہ وہ سیدہ ہی کیوں نہ ہو نسب ثابت نہ ہوگا۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱۱ ص ۲۵۷ باب ثبوت النسب)

کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

لما فی الهندیة : ولو فات عنها قبل الدخول او بعده ثم جاءت بولد من وقت الوفاة الیٰ سنتین یثبت النسب منه وان جاءت به لاکثر من سنتین من وقت الوفاة لا یثبت النسب ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۔ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب)۔

۱۲ سالہ لڑکے سے ثبوتِ نسب کا مسئلہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں علاقہ غیر میں لوگ اپنے بچوں کی شادیاں بہت کم سنی میں کر دیتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کسی لڑکے کی عمر ۱۲، ۱۲ سال ہو اور اس کی بیوی کو حمل ہو جائے تو کیا حمل کا نسب اس لڑکے سے ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر لڑکا مراہق یعنی قریب البلوغ ہو (جس کی ادنیٰ مدتِ عمر لڑکے کے لیے ۱۲ سال اور لڑکی کے لیے ۹ سال ہے) تو اس سے حمل کا نسب ثابت ہو سکتا ہے ورنہ نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اس حمل کا نسب اس لڑکے سے ہو گا۔

قال الحصکفیؒ: ولا نسب فی حالیه اذ لا ماء للصبی نعم ینبغی ثبوته من المراهق احتیاطاً۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله اذ لا ماء للصبی) ای فلا یتصوّر منه العلوق وانما ثبت نسب ولد المشرقی من مغربیة اقامة للعقد مقام العلوق لتصوّره حقیقة بخلاف الصبی کما فی البحر قوله نعم ینبغی) عبارة الفتح ثم یجب کون ذلک الصبی غیر المراهق اما المراهق فیجب ان یثبت النسب منه۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۸۳۲ باب العدة)

وقال ایضاً: وادنیٰ مدته ای البلوغ له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنین فان راهقا بان بلغا هٰذا السن۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۳۲ فصل فی بلوغ الغلام) [1]

---
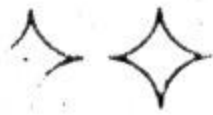
[1] قال الشیخ الامام ابو زهرةؒ: الشرط الاول: ان یکون الزوج یتصوّر منه حمل فان کان صغیراً لا یتصوّر منه الحمل لا یثبت لان هذه قرینة قاطعة علی ان الحمل لیس منه وقد اتفق علی ذلک الائمة۔

(الاحوال الشخصیة ص ۳۸۶ القسم الرابع ثبوت النسب)

بغیر حلالہ کے نکاح ثانی سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں، پھر چند دنوں کے بعد دوبارہ بغیر حلالہ شرعی کے اس سے نکاح کر لیا، اس لیے کہ اس کو ایک غیر مقلد عالمِ دین نے تجدیدِ نکاح کا فتویٰ دیا تھا، جبکہ یہ شخص حنفی مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نکاحِ ثانی سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا ہے اس کے نسب کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ نکاحِ ثانی شرعاً فاسد ہے، بغیر کسی تاخیر کے ان دونوں کو جدا ہو جانا چاہیئے، البتہ بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہے۔

لما فی الهندیة: ولو طلقها ثلاثاً ثم تزوجها قبل ان تنکح زوجاً غیره فجاءت منه بولد ولا یعلمان بفساد النکاح فالنسب ثابت وان کان یعلمان بفساد النکاح یثبت النسب ایضاً عند ابی حنیفةؒ، کذا فی التاتارخانیة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۴۰ الباب الخامس فی ثبوت النسب)[1]

عدت کے دوران سالی سے نکاح کرنا اور اس سے پیدا ہونیوالے بچہ کے نسب کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، طلاق کی وجہ یہ تھی کہ موصوف کی بیوی کو شک تھا کہ اس کے سالی سے ناجائز تعلقات ہیں اور اسی وجہ سے دونوں اکثر اوقات خلوت میں رہتے ہیں۔ اب یہ عورت حاملہ ہے اور اس کا شوہر سالی سے نکاح کر کے فرار ہو گیا ہے اور ان کے ہاں ایک بچہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ تو کیا اس بچے کا نسب اس شخص سے ثابت ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق دورانِ عدت سالی کے ساتھ نکاح جائز نہیں اگر کر لیا جائے تو نکاح فاسد ہو گا جو واجب الفسخ ہے۔ جہاں تک بچے کا تعلق ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نکاح فاسد سے پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب ہوتا ہے اس لیے اس بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہے۔ تاہم ان دونوں کے لیے زوجۂ اول مطلقہ کی عدت ختم ہونے کے بعد دوبارہ نکاح

---

[1] لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ، ولو طلقها ثلاثاً ثم تزوجها قبل ان تنکح زوجاً غیره فجاءت منه بولد ولا یعلمان بفساد النکاح فالنسب ثابت وان کان یعلمان بفساد النکاح یثبت النسب ایضاً عند ابی حنیفةؒ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۴ ص۱۸۰ کتاب الطلاق۔ الفصل التاسع والعشرون باب ثبوت النسب)

کرنا ضروری ہے بدون اس کے دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

لما قال العلامۃ الکاسانیؒ: ان تزوج احداھما بعد الاخریٰ جاز نکاح الاولیٰ وفسد نکاح الثانیۃ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۰ کتاب النکاح)

وقال ایضاً: واما نکاح الفاسد فلا حکم لہٗ قبل الدخول واما بعد الدخول فیتعلق بہ احکام منہا ثبوت النسب۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۳۵ باب ثبوت النسب)[۱]

ساس سے نکاح کے بعد پیدا ہونیوالے بچوں کے نسب کا حکم

سوال:۔ایک شخص نے اپنی منکوحہ کے انتقال کے بعد ساس سے شادی کرلی، کئی سال تک دونوں غائب رہے اس دوران ان کے ہاں چار بچے بھی پیدا ہوئے، اب اس شخص کا انتقال ہوگیا ہے تو کیا وہ بچے ثابت النسب ہوکر موصوف کے ترکہ میں میراث کے حقدار ہیں یا نہیں؟ جبکہ مرحوم کی پہلی بیوی سے ہونیوالے بچے ان بچوں کو اپنے بہن بھائی نہیں مانتے اور باپ کے ترکہ سے ان کے حصۂ میراث کو تسلیم نہیں کرتے۔ مہربانی فرماکر قرآن وسنت کی روشنی میں اس نزاع کو ختم فرمائیں؟

الجواب:۔ساس سے نکاح کرنا شرعاً ناجائز ہے اور اگر کرلیا جائے تو نکاح فاسد ہے جبکہ نکاحِ فاسد سے عدت اور ثبوت النسب کے مسائل ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگرچہ ساس سے نکاح فاسد اور واجب الفسخ تھا مگر پیدا شدہ بچوں کا نسب باپ سے شرعاً ثابت ہے اور یہ بچے باپ کے مرنے کے بعد دیگر بھائی بہنوں کی طرح ترکہ میراث میں برابر کے حقدار ہونگے، کوئی بھی شخص ان کو اپنے حصۂ میراث سے منع نہیں کرسکتا اور نہ ہی منع کرنے کا کسی کو اختیار ہے۔

لما فی الھندیۃ: رجل مسلم تزوج بمحارمہ فجئن باولاد یثبت نسب الاولاد منہ عند ابی حنیفۃؒ خلافاً لھما بناء علیٰ ان النکاح فاسد عند ابی حنیفۃؒ باطل عندھما۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۵۴۰ باب ثبوت النسب)

---

[۱] وفی الھندیۃ: وان تزوجھما فی عقدتین فنکاح الاخیرۃ فاسد یجب علیہ ان یفارقھا۔۔۔۔۔۔۔ یجب الاقل من المسمی ومن مھر المثل وعلیھا العدۃ ویثبت النسب ویعتزل عن امرأتہ حتیٰ تنقضی عدۃ اختھا۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۷۷/۲۷۸ کتاب النکاح، القسم الرابع المحرمات بالجمع)

مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کے بعد پیدا شدہ بچی کے نسب کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی کے کسی عورت سے ناجائز تعلقات تھے جن کو برقرار رکھنے کیلئے موصوف نے اس عورت کی لڑکی سے شادی کرلی، اس کے بعد بھی ان کے تعلقات اسی طرح قائم رہے، دو سال بعد اس لڑکی سے ایک بچی پیدا ہوئی ۔ اب سوال یہ ہے کہ اس بچی کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟ کیونکہ علاقے کے علماء نے موصوف سے کہا تھا کہ اس لڑکی سے تمہارا نکاح صحیح نہیں لیکن پھر بھی اس نے نکاح کرلیا اور یہ بچی پیدا ہوئی؟

الجواب:۔ بشرط صحت سوال نہایت قبیح اور ناجائز تعلقات کے باعث اس عورت کی بیٹی اس مرد پر اپنی بیٹیوں کی طرح حرام ہے ۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر محارم کے ساتھ نکاح کرلیا جائے تو وہ واجب الفسخ ہے مگر فاسد ہونے کے باوجود اولاد کا نسب باپ سے ہی ثابت ہوگا ۔ اور عوام وخواص کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان دونوں کو الگ کردیں۔

لما في الهندية: رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن باولاد يثبت نسب الاولاد منه عند ابي حنيفةؒ خلافاً لهما بناءً على ان النكاح فاسد عند ابي حنيفةؒ باطل عندهما۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۴۰ باب ثبوت النسب) [۱]

اپنی ذات یعنی شجرۂ نسب بدلنا

سوال:۔ ذات (شجرۂ نسب) بدلنا یا کسی دوسری قوم کی طرف اپنی نسبت کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ایک مسلمان کیلئے اپنی ذات (شجرۂ نسب) بدلنا یا کسی دوسری قوم کی طرف اپنی نسبت کرنا شریعت کی رو سے حرام اور گناہ ہے، حدیث شریف میں اس پر بڑی وعید آئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نسب بدلنے والے آدمی پر جنت حرام ہے۔

عن سعدؓ قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول من ادعى الى غير ابيه وهو يعلم انه غير ابيه فالجنة عليه حرام۔ (صحيح البخاري ج۲ ص۱۰۰۱ كتاب الفرائض)

---

[۱] قال العلامة ابن عابدينؒ نكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافاً لهما۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۵۹ باب العدّة۔ مطلب عدّة المنكوحة فاسداً)

وقال ايضاً: قوله لانه نكاح باطل اي فالوطء فيه زنا لا يثبت به النسب بخلاف الفاسد فانه وطء بشبهة فيثبت به النسب ولا تكون بالفاسد فراشاً لا بالباطل۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۸۷ باب ثبوت النسب قبل باب الحضانة)

غیر کی منی کا انجکشن لگوانے سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم

سوال:۔ ہمارے گاؤں گھلوڑ ضلع مظفر آباد آزاد کشمیر میں ایک آدمی ہے جس کی شادی ہوئے پندرہ سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے لیکن وہ خدا کی قدرت سے ابھی تک اولاد جیسی نعمت سے محروم ہے، اس نے اپنی جائیداد کا وارث بنانے کے لیے ایک کھیل کھیلا کہ شاید اس طرح میرے ہاں بیٹا پیدا ہو جائے' اس طرح اس نے اپنی بیوی کو کسی نامعلوم شخص کی منی کا) ٹیکہ لگوایا جس سے وہ حاملہ ہوگئی، مقررہ مدت کے بعد اس کے ہاں بچی پیدا ہوئی جو کہ قدرتی نشوونما سے محروم اور ہر وقت بیمار رہتی ہے، اس کا قد بڑھنے کا عمل بہت سست ہے، بچی کی شکل بھی اس کے خاندان کے کسی فرد سے معمولی مشابہت بھی نہیں رکھتی اس بچی کی پیدائش کے بعد چھ سال تک اس کے ہاں کوئی بچی، بچہ نہیں ہوا، واضح ہو کہ اس شخص کا باپ اپنے آپ کو اسلام کا بہت بڑا دعویدار سمجھتا ہے اور کسی کا حق دبانے میں ذرا برابر فرق نہیں کرتا، بینک کے سودی معاملات میں بڑی گہری دلچسپی رکھتا ہے، اُسے بھی اپنے بیٹے کی اس گھناؤنی حرکت کا بخوبی علم ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کا اسلام میں کوئی مقام ہے؟ اگر ہے تو اس کی وضاحت فرمائیں؟ اور اگر وہ اسلامی حدود و قیود سے تجاوز کا مرتکب ہوا ہے تو قرآن و سنت کا اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ آپ تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب:۔ مذکورہ بالا طریقہ (انجکشن کے ذریعے) سے اولاد حاصل کرنا حرام اور اسلامی اصولوں کے خلاف ہے تاہم اگر اس طرح تولید کا عمل مکمل کر لیا جائے تو نسب ثابت ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: الولد للفراش وللعاهر الحجر (الحدیث) تو اس آدمی سے اس بچے کا نسب ثابت ہوگا اور وراثت اور رضاعت وغیرہ کے احکام جاری ہوں گے۔ ثبوتِ نسب کے لیے وطی کی فطری صورت ضروری نہیں، اس کے بغیر بھی اگر کسی طرح خاوند کا مادۂ منویہ عورت کے رحم میں پہنچ جائے تو نسب ثابت ہو جائے گا، فقہاء کرام کی بعض عبارتوں سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔ خلاصۃ الفتاوی اور فتاوی عالمگیری میں ہے:

البکر اذا جومعت فی مادون الفرج فحملت بان دخل الماء فی فرجها فلما قرب اوان ولادتها تزال عذرتها ببیضة اوبحرف درهم۔ (ج ۴ ص ۱۱۴) "کنواری لڑکی سے شرمگاہ کے باہر ہمبستری کی جائے پھر وہ حاملہ ہو جائے بایں طور کہ (مرد کا) مادۂ منویہ اس کی شرمگاہ میں

داخل ہو جائے اور جب ولادت کا وقت آئے تو انڈے یا درہم کے کونوں کے ذریعے اس کا پردۂ بکارت (کنوارپن) چاک کر دیا جائے گا"۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حرمت نسب کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا یعنی ماں باپ، دادا دادی وغیرہ کا سلسلہ نسب ٹھیک اسی طرح حرام ہو جائے جس طرح فطری توالد و تناسل کی وجہ سے ہوتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ صورت عملاً زنا ہوگی اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد ولدالزنا، البتہ اس پر اسلامی ممالک میں زنا کی شرعی سزا نافذ نہیں کی جاسکتی، اس لیے کہ یہ سزا صرف ناجائز حمل پر ہی نہیں ہے بلکہ باہم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونے پر ہے۔ (جدید فقہی مسائل جلد ص ۱۵۲)

مذکورہ بالا صورت میں اس آدمی کا کیا ہوا عمل جائز نہیں بلکہ حرام ہے، البتہ اس پر نسب وغیرہ کے احکام سب ثابت ہوتے ہیں، خواہ اس بچی کی شکل وصورت اس خاندان کے افراد مشابہ ہو یا نہ ہو۔ واللہ اعلم

چودہ پندرہ سال جدائی کے باوجود بچہ ثابت النسب ہے

سوال:۔ ایک صاحب ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں لاپتہ ہو گیا کئی سال تک اس کی موت وحیات کا کوئی اتہ پتہ نہ چل سکا، اب اس کے لاپتہ ہونے کے تقریباً چودہ پندرہ سال بعد اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس بچے کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟ برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں اس مسئلہ کا جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ اسلام نے ہر ممکن حد تک بچے کا نسب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، صورت مسئولہ میں اگرچہ بظاہر شوہر سے اثبات نسب مشکل نظر آتا ہے، مگر شریعت مطہرہ نے اس بچے کے نسب کو بھی ثابت کر دیا ہے اور اس کے لیے ایک قانونی دفعہ چھوڑی ہے کہ "الولد للفراش وللعاهر الحجر (بخاری شریف) بچہ فراش کا تابع ہوگا اور زانی کے لیے صرف پتھر ہے"۔ اسی قانون کے تحت صورت مسئولہ میں بھی اس بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہے اگرچہ وہ حقیقتاً نہیں ہے، اس کا نسب علاوہ لعان کے ختم نہیں ہوگا۔

لما فی الهندیة: والحکم فیه انه یثبت النسب من غیر دعوة لاینتفی بمجرد النفی وانما ینتفی باللعان۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۳ باب ثبوت النسب)

مسائلِ شتّٰی

(طلاق کے متفرق مسائل)

طلاقِ مغلظہ سے بچنے کے لیے حیلہ

سوال:- جناب مفتی صاحب! میری اور میرے بھائی کے درمیان کچھ ناراضگی تھی، اب ہماری صلح ہو چکی ہے اور صلح کے وقت میں نے بھائی سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں نے فلاں شخص کے ساتھ تعلّقات رکھے تو میری بیوی کو تین طلاق ہو، اب جبرگہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں اُس شخص کے ساتھ بول چال شروع کر دوں کیونکہ یہ شخص میرا قریبی رشتہ دار بھی ہے، اب از روئے شرع مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ مجھے کوئی ایسی ترکیب بتائیں کہ ہماری بول چال بھی شروع ہو جائے اور بیوی پر طلاق بھی نہ پڑے؟

الجواب:- ویسے تو صورتِ مسئولہ میں تین طلاق مشروط بشرط ہیں، جب بھی شرط پوری ہو جائے تو طلاقِ مغلّظہ واقع ہو جائے گی۔ اب اس سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ اوّلاً آپ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر جُدا کر دیں اور جب اس کی عدّت ختم ہو جائے تو آپ اس شخص سے بول چال شروع کر دیں اور پھر دوبارہ عورت سے نکاح کر لیں، صرف اِس صورت میں آپ کی بیوی طلاقِ مغلّظہ کے وقوع سے بچ سکتی ہے ورنہ شخص مذکور کے ساتھ بول چال اور تعلّقات شروع کرتے ہی آپ کی بیوی پر طلاقِ مغلّظہ واقع ہو جائے گی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: فحیلۃ من علق الثلاث بدخول الدار ان یطلقھا واحدۃ ثم بعد العدّۃ تدخلھا فتنحل الیمین فینکحھا۔ (الدّر المختار علی ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۵۴۵ قبل مطلب اختلاف الزّوجین فی وجود الشّرط)

مضارع کے صیغہ سے طلاق کا حکم

سوال:- اگر کسی عورت سے کوئی غلط کام ہو جائے اور اس کا شوہر بطور تنبیہ کے اسے یہ کہے کہ اگر تم نے آئندہ یہ کام کیا تو میں تجھے طلاق دے دوں گا، چند دنوں بعد اُس عورت سے وہی کام سرزد ہو گیا تو کیا اس عورت پر طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:- گرائمر کے اصول کے مطابق مضارع کے صیغے دو طرح کے ہیں، بعض ایسے صیغے ہیں جو حال کے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں اور بعض صیغے مستقبل کے لیے استعمال ہوتے

ہیں، چونکہ صورتِ اولیٰ میں انشاء فی الحال اور انشاء فی الماضی ہے لہٰذا مضارع کے ان صیغوں کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی، اور صورتِ ثانیہ میں چونکہ اظہارِ ارادہ ہوتا ہے لہٰذا اس میں بغیر انشاء طلاق واقع نہ ہو گی۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں فقط اظہارِ ارادہ ہے اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: صیغۃ المضارع لا یقع بھا الطلاق الا اذا غلب فی الحال، کما صرح بہ الکمال ابن الھمام ۔ (تنقیح الحامدیۃ ج۱ ص۳۸ کتاب الطلاق)[1]

بلانیتِ طلاق بیوی کو "دوسرا خاوند تلاش کرلو" کے الفاظ کہنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص بیوی سے لڑائی جھگڑے کے دوران یہ کہدے کہ "جاؤ دوسرا خاوند تلاش کرلو" مگر اس میں اُس کی نیت طلاق کی نہ ہو تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ "جاؤ دوسرا خاوند تلاش کرلو" یہ طلاقِ کنائی کے الفاظ ہیں جو وقوعِ طلاق میں نیت یا دلالتِ حال وقرینہ وقیاس کے محتاج ہیں۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں اس آدمی کی نیت طلاق کی نہیں اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی ورنہ بصورتِ نیت بیوی پر طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی۔

وفی الھندیۃ: و بابتغی الازواج تقع واحدۃ بائنۃ ان نواھا او اثنتین وثلاث ان نواھا۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات)[2]

اور طلاقِ بائن کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر یا عدت گذر جانے کے بعد تجدیدِ نکاح سے بیوی خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی حلالہ کی ضرورت نہیں۔

---

[1] قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: صیغۂ مضارع ہے اور مضارع سے وقوعِ طلاق نہیں ہوتا مگر جب مضارع بمعنی حال غالب ہو جائے تو فقہاء نے اس سے وقوعِ طلاق کی تصریح کی ہے۔ (امداد الاحکام جلد۲ ص۳۸۷ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامۃ ابوالبرکات النسفی رحمہ اللہ: وغیرھا بائنۃ وان نوی ثنتین وتصح نیۃ الثلاث وھی بائن بتۃ بتلۃ حرام...... فوی ابتغی الازواج۔
(کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج۳ ص۳۰۰، ۳۰۲ باب الکنایات)

نافرمان بیوی کو طلاق دینا مستحب ہے

سوال:۔ ایک شخص کی بیوی فاحشہ اور نافرمان ہے، اب اگر یہ شخص اس کو طلاق دیدے تو گنہگار تو نہیں ہوگا؟

الجواب:۔ جو عورت اپنے شوہر کی نافرمان ہو اور اس کے حقوق میں کوتاہی کرتی ہو اور حدودِ شرعی کو بھی پامال کرتی ہو تو اس کو طلاق دینے سے شوہر گنہگار نہ ہوگا بلکہ ایسی عورت سے خلاصی حاصل کرنا مستحب امر ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وایقاعہ مباح وقیل الاصح خطرہ الا لحاجۃ کریبۃ وکبر۔۔۔۔ بل یستحب لو مُوذیۃ او تارکۃ صلوٰۃ غایۃ ومفادہ ان لا اثم بمعاشرۃ من لا تصلی ویجب لو فات الامساك بالمعروف۔ قال ابن عابدینؒ تحت قولہ (و مُوذیۃ) اطلقہ فشمل المُوذیۃ لہ او لغیرہ بقولہا او بفعلہا۔ الخ

(ردّ المحتار ج۲ ص۴۱۵ کتاب الطلاق) [1]

لڑکی پسند نہ آنے کی صورت میں طلاق دینے کا حکم

سوال:۔ والدین نے ایک جگہ میری شادی کردی، رخصتی کے بعد مجھے لڑکی پسند نہیں، تو کیا اب میں اس کو طلاق دے سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق دینا شوہر کی ملکیت ہے وہ جس وقت چاہے طلاق دے سکتا ہے مگر بلا عذر شرعی طلاق دینا کراہت سے خالی نہیں۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ طلاق کی صورت میں والدین کی نافرمانی بھی لازم آتی ہے اس لیے حتی الامکان طلاق دینے سے گریز کیا جائے، اور اگر باوجود کوشش کے نباہ ممکن نہ رہے تو پھر طلاق دینا مباح ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وایقاعہ مباح عند العامۃ لا طلاق الآیات اکمل وقیل قائلہ الکمال الاصح خطرہ ای منعہ الا لحاجۃ کریبۃ وکبرہ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش ردّ المختار ج۲ ص۴۱۵ کتاب الطلاق) [2]

---

[1] و [2] قال الشیخ وھبۃ الزحیلیؒ: ذھب الحنفیۃ علی المذھب الیٰ ان ایقاع الطلاق مباح لاطلاق الآیات۔۔۔۔۔ قال الکمال بن الھمام الاصح خطر الطلاق ای منعہ الا لحاجۃ کریبۃ وکبر وزجر۔ قال ابن عابدینؒ: ھذا الرأی ولیست الحاجۃ مُختصّۃ بالکبر والریبۃ بل ھی اعم۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۳۶۲ المبحث الاول۔۔۔۔ حکم الطلاق)

صرف طلاق کا خیال آنے سے طلاق نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر کسی شخص کے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہو کہ میری بیوی مجھ پر طلاق ہے جبکہ ابھی تک اُس نے زبان سے یہ الفاظ ادا نہیں کیے ہیں، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کے وقوع کے لیے الفاظِ طلاق کا زبان سے ادا کرنا لازمی اور ضروری ہے، نفسِ طلاق کا خیال آنے سے طلاق نہیں ہوتی۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: فقد افاد ان رکنہ ای الطلاق اللفظ الدال علیٰ ازالۃ حل المحلیۃ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۳۵۲ کتاب الطلاق)[۱]

شک کی صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوں گی

سوال:۔ اگر کسی شخص کو طلاق کی تعداد میں شک پڑ جائے کہ اُس نے بیوی کو ایک طلاق دی ہے یا دو یا تین، تو اس صورت میں اس شخص کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

الجواب:۔ تعدادِ طلاق میں شک پڑ جانے سے چونکہ عددِ اقل متیقن ہوتا ہے وہی واقع ہوگا حتیٰ کہ اس کو اکثر کا یقین ہو جائے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بصورتِ شک دو طلاق واقع ہوں گی، تاہم اگر تین طلاق کا گمان زیادہ ہو تو تین ہی واقع ہوں گی۔

قال العلامۃ طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: رجل حلف بالطلاق وشک الرجل انہ طلق واحدۃ او ثلاثاً فھی واحدۃ حتیٰ یستیقن اویکون اکثر ظنہ علیٰ خلافہ۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج۲ ص۱۲ کتاب الطلاق)[۲]

---

[۱] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: یشترط بالاتفاق القصد فی التطلاق وھو ارادۃ التلفظ بہ ولو لم ینوہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۳۶۸ المبحث ما یشترط فی الرکن الثانی للطلاق القصد)

[۲] قال الشیخ الدکتور وھبۃ الزحیلی: ومن شک فی صفۃ الطلاق: انہ طلقھا رجعیۃ اوبائنۃ یحکم بالرجعیۃ لانھا اضعف الطلاقین فکانت متیقناً بھا۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۴۵۷ المبحث السادس الشک فی الطلاق)

مرض الموت کی طلاق سے حق وراثت ختم نہیں ہوتا

سوال:۔ ایک شخص نے مرض الموت کی حالت میں بیوی کو طلاق دی، اسکے چند دن بعد وہ اس بیماری سے فوت ہو گیا تو کیا اس مطلقہ عورت کو خاوند کی میراث سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ مرض الوفات میں طلاق دینے سے خاوند کے بارے میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید اس نے بیوی کو میراث سے محروم کرنے کے لیے یہ قدم اٹھایا ہو، اس لیے از روئے شرع مرض الموت میں طلاق دینے سے عورت کا حق میراث ختم نہیں ہوتا۔

لما فی الھندیۃ: الرجل اذا طلق امرأتہ طلاقاً رجعیاً فی حال صحتہ اوفی حال مرضہ برضاھا او بغیر رضاھا ثم مات وھی فی العدۃ فانھما یتوارثان بالاجماع۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۴۶۲ الباب الخامس فی طلاق المریض) [۱]

فاحشہ عورت کو طلاق واجب نہیں مستحب ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کی بیوی آوارہ پھرتی رہتی ہو اور خاوند کی طرف سے پابندی کو ایک بوجھ سمجھ کر ہمیشہ اس کی خلاف ورزی کرتی ہو یہاں تک کہ اس سے فسق و فجور میں مبتلا ہونے کا خطرہ بھی ہو تو ایسی حالت میں عورت کو طلاق دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ فاحشہ اور فاسقہ عورت کے بارے میں اس کے خاوند کو فکرمند ہونا چاہیئے اوّلین فرصت میں اس کی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیئے، ممکن ہے کہ وہ اپنی اصلاح کر کے فسق و فجور سے باز آجائے، لیکن اگر خاوند تمامتر کوشش کے باوجود اس کی اصلاح سے کُلی طور پر نااُمید ہو جائے تو پھر ایسی عورت کو طلاق دینا مستحب ہے تاہم واجب نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: بل یستحب (ای الطلاق) لومؤذیۃ اوتارکۃ صلوٰۃ۔ قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: اطلقہ فشمل المؤذیۃ لہ او لغیرہ بقولھا۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۴۵۱ کتاب الطلاق) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: الطلاق اذا کان رجعیاً فانھا ترثہ وکذا یرثھا لوماتت فی العدۃ۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۵۶۷ باب طلاق المریض)

ومثلہٗ فی کنزالدقائق علی ھامش البحر الرائق ج ۴ ص۴۲ باب طلاق المریض۔

وفیہ کذلک فی موضع آخر لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص۳۱۸ فصل فی المحرمات، مطلب فیما لو زوج المولیٰ امتہ) لے

طلاق کے لیے خاوند پر جبر کرنے کا حکم

سوال:۔ کن صورتوں میں خاوند پر جبر و اکراہ کر کے طلاق حاصل کی جا سکتی ہے؟

الجواب:۔ طلاق میں خاوند مستقل ہے، طلاق حاصل کرنے کے لیے اس پر جبر کرنا اس کے حقوق میں دخل اندازی کے مترادف ہے، تاہم لعان کی صورت میں جب خاوند طلاق نہ دے تو قاضی میاں بیوی کے درمیان تفریق کر سکتا ہے، ایسے ہی ظہار میں کفارہ کی ادائیگی یا طلاق دینے پر مجبور کر سکتا ہے۔

لما فی الھندیۃ: المظاھر اذا لم یکفر ورفع امرہ الی القاضی یحبسہ القاضی حتی یکفر او یطلق ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۵۰۷ الباب التاسع فی الظہار) ۲ے

والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو طلاق دینا

سوال:۔ ایک شخص کی بیوی میں کوئی شرعی نقص نہیں کہ جس کی وجہ سے اُسے طلاق دیدی جائے لیکن خاوند کے والدین اور بیوی کا آپس میں اکٹھا رہنا مشکل ہے، ایسی حالت میں کیا یہ شخص محض والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو طلاق دے سکتا ہے؟

الجواب:۔ والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو قربان کرنا اگرچہ بیٹے کی فرمانبرداری کا اعلیٰ نمونہ ہے، لیکن ایسی حالت میں جبکہ عورت کا کوئی جرم بھی نہ ہو ایک عورت کی زندگی سے کھیلنا

لے قال ابن نجیم المصریؒ: وفی غایۃ البیان یستحب طلاقھا اذا کانت سلیطۃ مؤذیۃ او تارکۃ للصلوٰۃ۔ الخ (البحر الرائق ج ۳ ص۲۳۷ کتاب الطلاق)

وفیہ ھکذا۔ وفی المجتبیٰ من آخر الحظر والاباحۃ لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ ولا علیھا تسریح الفاجر۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

۲ے وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وعلیھا ان تمنعہ من الاستمتاع حتی یکفر وعلی القاضی الزامہ بہ بالتکفیر دفعًا للضرر عنھا بحبس او ضرب الی ان یکفر او یطلق۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص۶۲۶ باب الظہار)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ ج ۱ ص۵۴۴ باب الظہار۔ مطلب بلاغات محمد مسندۃ)

اوراس کوجدائی کی وادی میں دھکیلنا یا اپنے آپ کو جدائی کے ناقابلِ برداشت بوجھ کے نیچے دبانا کسی بڑے امتحان سے کم نہیں، عام معاشرہ میں حضرت عمرؓ جیسے والد کس کو نصیب ہوتے ہیں کہ جس سے ابن عمرؓ کے کردار کی توقع رکھی جاسکے، اس لیے والدین کی رضامندی کے لیے طلاق دینا اگرچہ جائز ہے لیکن حالات پر نظر رکھنے کے بغیر یہ اقدام کرنا کسی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ط (النساء آیت ۱۲۹)

وایضاً قال: وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا ط۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۱) لہ

مطلّقہ کی میراث کا حکم

سوال:۔ اگر عدت کے دوران مطلّقہ کے خاوند کا انتقال ہو جائے تو کیا مطلّقہ معتدۃ کو خاوند کی جائیداد میں ارث کا حق مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت کے مطالبہ پر خاوند نے طلاق (۱) ہو تو ایسی حالت میں مطلّقہ حقِ وراثت سے محروم رہے گی اسکے علاوہ چونکہ معتدۃ خاوند کے نکاح میں پابند رہتی ہے اس لیے اس کو میراث سے حصہ ملے گا اگرچہ عورت مطلّقہ مغلّظہ ہی کیوں نہ ہو۔

لما فی الهندية: الرجل اذا طلق امرأته طلاق رجعيًا فی حال صحته او فی حال مرضه برضاها او بغیر رضاها ثم مات وهی فی العدة فانهما يتوارثان....ولو طلقها طلاقًا بائنًا او ثلاثًا ثم مات وهی فی العدة فكذلك عندنا ترث، الخ۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۴۶۲ الباب الخامس فی طلاق المريض) ۲ہ

لہ وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه: قال كانت تحتی امرأة احبها وكان عمرؓ يكرهها فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم طلقها۔ رواه الترمذی۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲۱ کتاب الطلاق)

وقال الشيخ عبد الحقؒ فی شرح هذا الحديث: ان كان الحق فی جانب الوالدين فطلاقها واجب للزوم العقوق فی الحقوق وان كان فی جانب المرأة فان طلقها لرضاء الوالدين فهو جائز۔ (اللمعات شرح المشکوٰۃ)

۲ہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: اذا طلق المريض امرأته طلاقًا رجعيًا ورثت مادامت فی العدة۔ وفيه۔ ولو طلقها بائنًا او ثلاثًا ثم مات وهی فی العدة فكذلك عندنا ترث۔

(الفتاوی التاتارخانية ج ۳ ص ۵۷۷ الفصل العشرون فی طلاق المريض كتاب الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فِیْ رد المحتار ج ۲ ص ۵۶۷ باب طلاق المريض۔

بغیر رجوع کیے عدت گذرنے پر عورت جدا ہوگی

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی سے غصہ کی حالت میں کہا کہ ”تو مجھ پر طلاق ہے،، جبکہ اس وقت طلاق دینے کا ارادہ نہ تھا لیکن عورت کو ناچاقی کی وجہ سے کہہ دیا، اس کے بعد عورت والدین کے گھر چلی گئی، پانچ سال تک ان کے باہمی تعلقات نہیں رہے، اب وہ دونوں دوبارہ نکاح بحال کرنا چاہتے ہیں تو انہیں شرعاً کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ ”تو مجھ پر طلاق ہے“ کے الفاظ صریح ہیں، ایسے الفاظ میں نیت وارادہ کی ضرورت نہیں اس کے بغیر بھی طلاق ہو جاتی ہے ، صورت مذکورہ میں چونکہ ایک طلاق واقع ہو کر عدت گذر گئی ہے، اگرچہ عدت کے دوران خاوند کیلئے رجوع بالقول یا بالفعل کافی تھا لیکن رجوع کے بغیر عدت گذرتے سے عورت جدا ہو گئی ہے، اب دونوں باہمی رضامندی سے تجدید نکاح کے ذریعے دوبارہ اپنا گھر آباد کر سکتے ہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: والرجعی لا یزیل الملک الا بعد مضی العدۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۲۶ کتاب الطلاق، باب الرجعۃ) [۱]

مطلقہ مغلظہ کا خاوند کے گھر رہنا

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی کو طلاقِ مغلظہ دے کر فارغ کر دیا ہے، حلالہ کے لیے تیار نہ ہونے کی وجہ سے اگر یہ عورت خاوند کے گھر میں بطور خادمہ کے رہے تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر خاوند فاسق فاجر نہ ہو اور اس سے زنا کا خطرہ نہ ہو تو مطلقہ مغلظہ کا بطور خادمہ خاوند کے گھر میں رہنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم پھر بھی احتیاط ضروری ہے تاکہ کسی قسم کی بے راہروی میں مبتلا نہ ہو۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: سئل شیخ الاسلام عن زوجین افترقا ولکل منہما ستون سنۃ وبینہما اولاد تتعذر علیہما مفارقتہم فیسکنان فی بیتہم ولا یجتمعان

---

[۱] قال العلامۃ اکمل الدین البابرتیؒ: فما دامت العدۃ باقیۃ کانت ولایۃ الرجعۃ باقیۃ واذا انقضت من غیر رجعۃ بانت۔ (العنایۃ شرح الھدایۃ علیٰ ھامش فتح القدیر ج۳ ص۳۵۲ باب ایقاع الطلاق، کتاب الطلاق)

ومثلہ فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۳ ص۲۵۶ باب الطلاق۔

فی فراش ولا یلتقیان التقاء الازواج ھل لہما ذٰلک قال نعم۔
(الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص۶۷۵ باب العدۃ۔ کتاب الطلاق) [۱]

عدت گذرنے میں عورت کے بیان پر اعتماد کرنا

سوال:۔ اگر کسی عورت نے یہ کہا کہ میرا خاوند فوت ہوگیا ہے اور اس کے بعد میری عدت گذر گئی ہے، تو کیا اس کے بیان کو درست تسلیم کرتے ہوئے اس سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت کا بیان غلبۂ ظن کا مفید ہو اور اس کے بیان میں سچائی کی طرف میلان زیادہ ہو تو اس سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ تاہم بہتر یہ ہوگا کہ عورت کے بیان کو معاشرہ کے حالات کے مطابق پرکھا جائے، قرائنِ خارجیہ کا سہارا لیے بغیر شاید صرف اس عورت کا بیان ظن کے لیے مفید نہ بن سکے۔

لما فی الهندیة: ولو ان امرأۃ قالت لرجل ان زوجی طلقنی ثلاثاً وانقضت عدتی فان کانت عادلۃ وسعہ ان یتزوجھا وان کانت فاسقۃ تحری وعمل بما وقع علیہ تحریہ کذا فی الذخیرۃ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۳۱۳ کتاب الطلاق۔ الباب الثالث عشر فی العدۃ) [۲]

نفاسہ کی عدتِ طلاق

سوال:۔ ایک آدمی نے حالتِ نفاس میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اب یہ عورت عدت گذارتے کے بغیر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت حیض کے آنے سے نا امید نہ ہو چکی ہو تو اس صورت میں اُس پر

---

[۱] وفی الهندیة: اذا طلّقها ثلاثاً او واحدۃ بائنۃ ولیس لہ الا بیت واحد فینبغی لہ ان یجعل بینهما حجاباً حتی لا تقع الخلوۃ بینہ وبین الاجنبیّۃ۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۵۳۵ کتاب الطلاق۔ الباب الثالث عشر فی العدۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الخانیۃ علیٰ ھامش الهندیة ج ۱ ص۵۳۵ کتاب الطلاق۔ الباب الرابع عشر فی الحداد)

[۲] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وحل نکاح من قالت طلقنی زوجی وانقضت عدتی او کنت امۃ فلان واعتقنی۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص۶۹۸ کتاب الطلاق۔ باب العدۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی الخانیۃ علیٰ ھامش الهندیة ج ۱ ص۴۲۱ کتاب الطلاق باب العدۃ۔

تین حیض گذارنا لازم ہیں اور اگر سنِ ایاس کو پہنچنے کی وجہ سے حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہو تو اس صورت میں تین ماہ کی عدت گذارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، بہرحال عدت گذارنا ضروری ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: واذا طلق الرجل امرأته وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة اقراء۔ (الهداية ج۲ ص۴۲۲ كتاب الطلاق۔ باب العدة)[1]

نومسلم عورت کی عدت کا حکم

سوال:۔ اگر ایک عورت اسلام سے مشرف ہو جائے اور اس کا خاوند اسلام قبول کرنے پر تیار نہ ہو تو یہ عورت اگر کسی مسلمان سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی عدت کیا ہو گی؟

الجواب:۔ مسلمان عورت کا خاوند اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کر رہا ہو تو یہ عورت کسی غیر مسلم شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتی، اس لیے مسلمان حاکم یا قاضی خاوند کے اسلام لانے سے انکار کے بعد دونوں کے درمیان جدائی کا حکم صادر کرے گا جو عورت کے حق میں طلاق شمار ہو گی، ایک اسلامی ملک اور معاشرہ میں رہائش رکھتے ہوئے عورت کے لیے یہ زیادہ مناسب ہے کہ عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: واذا اسلمت المرأة وزوجها كافر عرض عليه الاسلام فان اسلم فهي امرأته وان ابى فرق القاضي بينهما و كان ذلك طلاقاً عند ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى۔

(الهداية على صدر فتح القدير ج۳ ص۲۸۸ كتاب النكاح۔ باب نكاح اهل الشرك)[2]

---

[1] وفي الهندية: واذا طلق الرجل امرأته ..... وهي ممن تحيض فعدتها ثلاثة اقراء۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۲۶ كتاب الطلاق۔ باب الثالث عشر في العدة)

وَمِثْلُهٗ في الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۶۵۱ كتاب الطلاق، باب العدة۔

[2] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: واذا اسلم احد الزوجين المجوسيين او امرأة الكتابي عرض الاسلام على الآخر فان اسلم فيها والا بان ابى اوسكت فرق بينهما۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۲ باب نكاح الكافر)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج۳ ص۲۱۲ باب نكاح الكافر۔

تجھے طلاق دی، دی، دی، سے تین طلاق کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی، دی، دی، تو کیا اس سے ایک طلاق واقع ہوگی یا تین؟ جبکہ اس کی نیت بھی تین ہی کی ہو؟

الجواب: جب کسی آدمی کی نیت ایسے الفاظ سے تین طلاق کی ہو تو اس سے تین طلاق واقع ہوں گی اور بدون حلالہ شرعی کے میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں ہوسکتے۔

لما فی الھندیۃ: ولو قالت مرا طالق کن، مرا طالق کن، مرا طالق کن۔ فقال کردم، کردم، کردم، تطلق ثلثا وھو الاصح۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۳۸۴ کتاب الطلاق) [1]

بنتِ فلاں کو طلاق ہو" کا شرعی حکم

سوال: ایک شخص نے کئی آدمیوں کے سامنے یہ کہا کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو فلاں کی بیٹی (اپنے سسر کا نام لیا) کو طلاق ہو، چند دنوں بعد ہی اس نے وہی کام کر لیا، اب وہ شخص یہ کہتا ہے کہ ان الفاظ میں میں نے اپنی سالی کی نیت کی تھی بیوی کی نہیں، تو کیا شریعتِ مقدسہ کی رو سے موصوف کی بیوی کو طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ کے مطابق موصوف کا متعلقہ کام سرانجام دینے کے بعد اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی، قضاءً اس کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، دیانتاً اور معاملہ ہے۔

لما قال العلامۃ قاضی خانؒ: ولکذا قال بنت فلان طالق ذکر اسم الاب ولم یذکر اسم المرأۃ وامرأتہ بنت فلان وقال لم اعن بہ امرأتی لا یصدق قضاءً وتطلق امرأتہ۔ (الفتاوی قاضی خان ج۲ ص۲۱۵ کتاب الطلاق)

---

[1] لما قال العلامۃ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: **الجواب:** یہ زبان سے کہا ہے کہ میں نے طلاق دے دی، دے دی، دے دی، اگر دمبرا کیا کرتی ہو الخ دیکھا جائے گا کہ اس کا مطلب کیا تھا، اگر مطلب یہ تھا کہ گو اب تک نہ دی تھی مگر اب دے دی تب تو تین طلاق واقع ہوگئیں، بدون حلالہ تجدیدِ نکاح درست نہیں۔ الخ
(امداد الفتاوی ج۲ ص۴۳۰ کتاب الطلاق)

لفظ تلاق سے طلاق کے وقوع کا حکم

سوال:- ایک عورت نے اپنے شوہر پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھے طلاق دیدی ہے جبکہ اس کے شوہر کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی بلکہ صرف یہ کہا ہے کہ میری بیوی کو تلاق ہو یعنی تا کے لفظ کہا ہے طاء کے ساتھ نہیں، تو کیا لفظ تلاق سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- طلاق کے معاملہ میں اگر فا یا لام کے کلمات کو کچھ تبدیل کر دیا جائے اور لام کا کلمہ اپنی حالت پر رہے تو اس سے قضاءً طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسی طرح صورتِ مسئولہ میں بھی تلاق کے لفظ سے طلاق واقع ہو گئی ہے اور عورت کا دعویٰ صحیح ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ويقع بها اى بهٰذه الالفاظ وما بمعناها من الصريح ويدخل نحو طلاغ وتلاغ وطلاك- قال ابن عابدينؒ، ومنه الالفاظ المصحفة وهى خمسة نزاد على ماهنا تلاق- (الدرالمختار على صدر ردالمحتار ج ۳ ص ۲۴۸ كتاب الطلاق، باب الصريح) لـه

طلاق نامہ میں بیوی کے باپ کا نام غلط لکھنا مانع وقوع طلاق نہیں

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق نامہ ارسال کیا جس کا متن یہ ہے: "کہ من مسمیٰ محمد عمران بن محمد سلطان نے اپنی بیوی سعیدہ بنت سعید الرحمٰن کو تین طلاق دیدی ہے" جبکہ سعیدہ کے والد کا نام عبدالرحمٰن ہے، تو کیا اس طلاق نامہ سے سعیدہ پر طلاق واقع ہو چکی ہے یا نہیں؟

الجواب:- جب طلاق میں کسی اضافت سے اپنی منکوحہ کا قصد و ارادہ ہو تو باپ کا نام غلط لکھا جانا مانع وقوع طلاق نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں محمد عمران کی بیوی سعیدہ سے تین طلاق مطلقہ غلیظہ ہو چکی ہے جو بدون حلالہ شرعی کے موصوف کے لیے حلال نہیں۔

لما فی الهندية: قال امرأته عمرة بنت صبيح طالق وامرأته عمرة بنت حفص

لـه قال العلامة ابن نجيمؒ: ومنه الالفاظ المصحفة وهى خمسة تلاق وتلاغ وطلاغ وطلاك وتلاك فيقع قضاء ولا يصدق الا اذا اشهد على ذٰلك قبل التكلم-
(البحرالرائق ج ۳ ص ۲۵۲ كتاب الطلاق، باب الصريح)

ولا نیة له لا تطلق...... وان نوی امرأته فی هذه الوجوه طلقت امرأته فی القضاء وفیما بینه و بین الله کذا فی خزانة المفتین ۔

(الفتاوی الہندیة ج ۱ ص ۳۶۳ الفصل الاول فی الطلاق الصریح، مطلب اذ شک انہ طلق الخ) [1]

کسی جاہل سے امرأتی طالق کے الفاظ کہلوانے کا حکم

سوال: ایک صاحب نے ایک جاہل آدمی سے کہا کہ تم یہ الفاظ کہو کہ امرأتی طالق، تو اس نے یہ الفاظ کہہ دیئے، حالانکہ یہ الفاظ کہنے والا نہ تو ان کے معانی کو جانتا ہے اور نہ اس کی نیت طلاق کی تھی، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟

الجواب:۔ الفاظ صریح میں اگرچہ نیت کی ضرورت نہیں تاہم وقوع طلاق کیلئے ضروری ہے کہ طلاق کی اضافت میں بیوی کا قصد و ارادہ ہو، اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو طلاق واقع نہ ہو گی، لہٰذا بشرط صحت سوال صورت مذکورہ میں اس شخص کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی ۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: ولکن لابد فی وقوعه قضاء ودیانة من قصد اضافة لفظ الطلاق الیها عالماً بمعناه ولم یصرفه الی ما یحتمله کما افاده فی الفتح وحققه فی النهر احترازاً عما لو کرر مسائل الطلاق بحضرتها او کتب ناقلاً من کتاب امرأتی طالق مع التلفظ او حکی یمین غیره فانه لایقع اصلاً ما لم یقصد زوجته وعما لو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غیر عالم بمعناه فلا یقع اصلاً علی ما افتی به مشائخ ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۳ کتاب الطلاق)

"تیرا میرا معاملہ ختم" کہنے کے نکاح پر اثرات

سوال:۔ میاں بیوی کے ما بین کسی وجہ سے تلخ کلامی پیدا ہو گئی تو شوہر نے بیوی کو مخاطب کر کے کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اسلئے کہ میرا اور تیرا معاملہ ختم

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: وکذا لو قال بنت فلان طالق ذکر اسم الاب ولم یذکر اسم المرأة وامرأته بنت فلان وقال لم اعن امرأتی لایصدق قضاء وتطلق امرأته۔

(البحر الرائق ج ۳ ص ۲۵۳، کتاب الطلاق، باب الصریح)

ہو چکا ہے، تو کیا ان دونوں کا نکاح برقرار ہے۔ یا ختم ہو چکا ہے؟

الجواب:۔ "میرا تیرا معاملہ ختم ہو چکا ہے" یہ الفاظ طلاق کنائی کے ہیں، اگر شوہر نے اس سے طلاق کی نیت کی ہو تو اس کی بیوی مطلقہ بائنہ ہو چکی ہے ورنہ الفاظ لغو ہیں۔

لما فی الهندیة: لم یبق بینی وبینك عمل ونوی یقع۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۶ کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات)

اثباتِ طلاق کے لیے باپ کی گواہی کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک مسئلہ درپیش ہے کہ ایک عورت نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ اس کے خاوند نے اسے تین طلاق دی ہیں جبکہ اس کا خاوند اس بات کا منکر ہے، عورت گواہی میں اپنے باپ، اور ایک ہمسایہ کو پیش کرتی ہے، کیا اس گواہی سے عورت کا دعوٰی طلاق درست ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دعوٰی طلاق کے اثبات کے لیے دیگر مقدمات کی طرح دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے بشرطیکہ گواہوں میں کوئی ایسا گواہ نہ ہو جس کی گواہی سے اقربا پروری کی تہمت لگ سکتی ہو۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں اثباتِ طلاق کا ایک گواہ عورت کا باپ ہے جس کی گواہی اس دعوٰی طلاق کے اثبات کے لیے شرعاً درست نہیں لہٰذا ایک گواہ سے دعوٰی ثابت نہیں ہو سکتا اس لیے عورت پر وقوعِ طلاق کا فیصلہ کرنا مشکل ہے، تاہم اگر واقعتاً ایسا معاملہ ہو چکا ہو تو عورت کسی اور ذریعہ (خلع) سے شوہر سے جدائی اختیار کر سکتی ہے۔

لما فی الهندیة: لا تجوز شهادة الوالدین لولدیهما۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۶۹ باب الشهادة) لہ

تعدادِ طلاق میں شک ہو تو

سوال:۔ اگر کسی شخص کو یہ شک پڑ جائے کہ اس نے بیوی کو دو طلاق دی ہیں یا تین، تو کیا یہ شخص بیوی سے رجوع کر سکتا ہے یا یہ کہ حلالہ شرعی لازمی ہے؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص کو تعدادِ طلاق میں شک پڑ جائے تو اس کو چاہیئے کہ وہ

لہ قال المرغینانیؒ: ولا شهادة الوالد لولده وولد ولده ولا شهادة الولد لابویه واجداده والاصل فیه قوله علیه السلام لا یقبل شهادة الولد لوالده ولا الوالد لولده ولا المرأة لزوجها الخ۔ (الهدایة ج۳ ص۱۶۱ کتاب الشهادة، فصل من یقبل شهادته ومن لا یقبل)

کم عدد پر عمل کرے اس لیے کہ وہ یقینی ہے' اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق عورت پر دو طلاق واقع ہو چکی ہیں اور طلاق رجعی ہونے کی بناء پر آدمی رجوع کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولو شك أطلق واحدة او اکثر بنی علی الاقل۔

(الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۳۸۳ باب الصریح) [1]

رجوع میں بیوی کی رضامندی شرط نہیں

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دے دی' اب وہ اپنے اس اقدام پر نادم اور پشیمان ہے، گواہوں کے سامنے اس نے رجوع کا اعلان کیا ہے لیکن بیوی نہیں مانتی وہ کہتی ہے کہ مجھے رجوع قبول نہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا عورت کی رضامندی کے بغیر خاوند رجوع کر سکتا ہے؟

الجواب: فقہ حنفی کی رُو سے طلاقِ رجعی میں نکاح زائل نہیں ہوتا صرف عدد میں کمی آتی ہے' اس لیے خاوند کے رجوع کرنے کے لیے بیوی کی رضامندی شرط نہیں' منکوحہ راضی ہو یا نہ ہو لیکن جب خاوند باقاعدہ رجوع کرے تو دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔

لما فی الهندیة: واذا طلق الرجل امرأته تطلیقة رجعیة او تطلیقتین فله ان یراجعها فی عدتها رضیت بذلك او لم ترض۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۷۰ کتاب الطلاق۔ الباب السادس فی الرجعة) [2]

○

---

[1] وفی الهندیة: عن محمدؒ اذا شك فی انه طلق واحدة او ثلاثا فهی واحدة لیستیقن او یکون اکبر ظنه الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۶۳ کتاب الطلاق۔ الفصل الثانی فی طلاق الصریح)

[2] قال الحصکفیؒ: وتصح الرجعة بتزوجها فی العدة۔ وفیه: ان لم یطلق بائنا فان ابا بها فلا و ان أبت۔ قال ابن عابدینؒ: ای سواء رضیت بعد علمها او أبت۔

(رد المختار ج۲ ص۵۲۶ کتاب الطلاق۔ باب الرجعة)

ومثله فی فتح القدیر ج۴ ص۱۴ کتاب الطلاق۔ باب الرجعة۔

موجودہ جج قاضی شرعی کے قائم مقام ہے

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! ایک عورت نے کسی مرد سے شادی کی، شادی کے چند ماہ بعد شوہر نے بیوی کو نان ونفقہ دینا چھوڑ دیا، کئی بار علاقائی جرگوں کے ذریعے اُسے سمجھانے کے باوجود وہ لیت ولعل سے کام لیتا رہا، آخر کار عورت نے مجبور ہو کر عدالت میں تنسیخِ نکاح کا دعویٰ کر دیا، عدالتی حکم پر شوہر صرف ایک بار عدالت میں حاضر ہوا، اس کے بعد عدالتی اطلاع اور سمن کے باوجود عدالت میں حاضر نہ ہوا۔ آخر کار عدالت نے عورت کے حق میں تنسیخِ نکاح کی ڈگری جاری کر دی۔ اب دریافت طلب امر یہ کہ:۔

(۱) کیا موجودہ عدالتوں کے جج صاحبان قاضی شرعی کے قائم مقام ہیں یا نہیں؟

(۲) کیا ان عدالتوں کے جج صاحبان بیوی کو نان ونفقہ نہ دینے والے شوہر کی بیوی کی درخواست پر اس کا نکاح فسخ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :۔ پاکستان کے فیملی لاء میں سے بعض کا تعلق قضاء قاضی کے ساتھ ہے بغیر اس کے وہ حکم تمام نہیں ہوتا، مگر قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ گورنمنٹ یعنی حاکمِ وقت کا مقرر کردہ ہو، بغیر حاکم کی اجازت کے کوئی شخص قاضی یا جج نہیں بن سکتا۔

قال الامام ماوردیؒ : والثانی لان التقلید لا یصح الا من جهته وایضاً تقلید القضاء من جهته فرض یتعین علیه ۔ (ادب القاضی ج۱ ص۱۳۷)

اگرچہ حکومت کسی فاسق وفاجر یا کافر کی ہی کیوں نہ ہو۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں : فیه دلیل علیٰ جواز التقلید من الکافر المسلم الجائر بالاولیٰ۔ (اعلاء السنن ج۱۵ ص۵۴ کتاب القضاء، باب صحۃ تقلد القضاء...الخ)

اسی طرح مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ: ''جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قائدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔'' (حیلۂ ناجزہ ص۱۴۸ المرقومات للمظلومات)

اس لیے موجودہ جج ومجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے ان احکامات کے اجراء کیلئے مقرر ہوں قاضی شرعی کے قائم مقام ہیں بشرطیکہ فیصلہ شرعی قواعد کے مطابق ہو۔

اسی طرح جو شخص بیوی کو باوجود وسعت کے نان ونفقہ نہ دیتا ہو اور نہ ہی اُسے طلاق دینے پر آمادہ ہو اور نہ خلع کرنا چاہتا ہو تو اگرچہ حنفیہ کے ہاں عورت کو نکاح کی تنسیخ کی

اجازت نہیں مگر بناء بر مجبوری متاخرین علماء نے مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے بشرطیکہ شوہر طلاق یا خلع سے بھی انکاری ہو اور نان ونفقہ بھی نہ دیتا ہو اور عورت کے نان ونفقہ کا کوئی متبادل انتظام بھی نہ ہو سکتا ہو، جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں مذکور ہے کہ بار بار سمجھانے اور وسعت کے باوجود شوہر بیوی کو نان ونفقہ نہیں دیتا اور طلاق وغیرہ سے کنارہ کشی کر رہا ہے تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے اس مسئلہ کے حل کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے۔

اب اگر عدالت تحقیقِ حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عورت کو تنسیخِ نکاح کی ڈگری جاری کر دے تو یہ عورت شوہر کے نکاح سے آزاد ہو جائے گی اور عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

لما قال الشیخ وھبۃ الزحیلی : لا یجوز فی مذھب الحنفیۃ والامامیۃ التفریق لعدم الانفاق، اجاز الائمۃ الثلاثۃ التفریق لعدم الانفاق .... والراجح لدی رأی الجمھور لقوۃ ادلتھم ودفعاً للضرر عن المرأۃ ولاضرر ولاضرار فی الاسلام۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص۵۱۲ کتاب الطلاق)

(وھکذا فی الحیلۃ الناجزۃ ص۷۳ حکم زوجہ متعنت)

برطانیہ میں شریعت کونسل کی طرف سے فسخ نکاح کے فیصلے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں برطانیہ کی شریعت کونسل نے ایک مقدمہ میں مدعیہ کے حق میں فسخ نکاح کی ڈگری جاری کی ہے، اب آنجناب سے عرض ہے کہ قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ فرمائیں، اس مقدمہ کا پس منظر یہ ہے کہ:۔

مسمی صفدر زمان نے ۱۹۸۳ء دسمبر میں بی بی فاطمہ سے پاکستان میں شادی کی اور کچھ عرصہ بعد انگلینڈ آگئے، پانچ سال تک اچھے تعلقات رہے، اس کے بعد اُس نے ظلماً بی بی فاطمہ کو گھر سے نکال دیا اور وہ اس وقت سے اب تک (تقریباً بارہ سال سے) بہن کے گھر بیٹھی ہوئی ہے، کوئی بھی اسے منانے نہیں آیا، اس دوران صفدر زمان نے دوسری شادی کر لی جس سے اس کی چار بچیاں بھی ہو گئی ہیں، چونکہ صفدر زمان نہ تو بی بی فاطمہ کو طلاق دینے پر تیار تھا اور نہ آباد کرنے کے لیے، مجبوراً بی بی فاطمہ نے شرعی کونسل برطانیہ میں دعویٰ دائر کر دیا، ایک سال تک کیس چلتا رہا، اس کے بعد شریعت کونسل نے بی بی فاطمہ کے حق میں فسخ نکاح کی ڈگری جاری

کر دی اور لکھ دیا کہ بی بی فاطمہ عدت گذار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

شریعت کونسل برطانیہ کے چیئرمین مفتی محمد اسلم صاحب ہیں، دیگر ممبران حضرات بھی علماء کرام ہیں، مفتی صاحب جمعیۃ علماء برطانیہ کے جنرل سیکرٹری بھی ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا محمد امداد اللہ قاسمی صاحب خطیب مسجد حمزہ برمنگھم فاضل بنوری ٹاؤن کراچی، مولانا حافظ محمد نگین صاحب خطیب جامع مسجد ھینیٹ الین شاگرد حضرت غور غشتی رح، مولانا محمد زمان صاحب فاضل جامعہ اشاعت القرآن حضرو ضلع اٹک بھی شریعت کونسل کے ممبر ہیں۔

فسخ نکاح کے فیصلہ نقل حاضر خدمت ہے۔

(بی بی فاطمہ۔ یُوکے۔ انگلینڈ)

الجواب:۔ اسلام نے کسی کو بھی دوسرے پر ظلم و زیادتی کرنے کا کوئی حق نہیں دیا ہے چاہیے وہ اس کا مملوک ہو یا منکوحہ ہو، بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کسی عورت کا شوہر ظالم ہو اور ہر وقت بیوی کو بلا وجہ زدوکوب کرتا رہتا ہو، سب وشتم سے اس کا جینا دُوبھر کر رکھا ہو، نان ونفقہ سے بھی پہلوتہی کرتا ہو، بیوی کو نہ تو اچھے طریقہ سے آباد کرتا ہو اور نہ اس کو چھوڑتا ہو۔ تو مذہب مالکیہ کے مطابق ایسی مجبور عورت اپنی گلوخلاصی کے لیے عدالت میں دعویٰ کرنے کا حق رکھتی ہے اور عدالت پوری تحقیقات اور کوشش کے بعد صلح نہ ہونے کی صورت میں عورت کو تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کرنے کی مجاز ہے تنسیخ نکاح کی ڈگری ملنے کے بعد عورت عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اور اگر کہیں شرعی عدالت نہ ہو یا دار الحرب ہو تو وہاں اس عہدہ کو پنچایت (جو کہ دیندار مسلمان ممبران پر مشتمل ہو) سنبھال سکتی ہے اور اس کی طرف سے جاری کی گئی تنسیخ نکاح کی ڈگری شرعی قواعد کے مطابق مقبول ہوگی اور اس کا بھی وہی مقام ہے جو کسی شرعی عدالت کے فیصلے کا ہوتا ہے۔ فقہ حنفی میں بھی بناء بر ضرورتِ شدیدہ دوسرے مذہب پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق برطانیہ میں شرعی عدالت کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہاں کی شریعت کونسل (جو ایک گونہ پنچایت ہے) اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی حقدار ہے اور اس فیصلہ نافذ العمل ہوگا۔ چونکہ بی بی فاطمہ کے نکاح کی تنسیخ کا فیصلہ بھی اس ضرورتِ شدیدہ کے تحت ہُوا ہے کہ اس کا شوہر مسمّی صفدر زمان نہ تو خلع کے لیے تیار تھا اور نہ طلاق دینے پر آمادہ تھا، اور نہ اس کو اچھی طرح آباد کرنے کے لیے تیار تھا، اس لیے شریعت کونسل کا تنسیخ کا یہ فیصلہ شرعاً

درست اور صحیح ہے، بی بی فاطمہ عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اس کا نکاح شوہر اوّل سے ختم ہو چکا ہے۔

(۱) لما قوله تعالیٰ: وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا۔ (الآیۃ) وقال اللہ تعالیٰ: فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (الآیۃ) وان البقاء مع عدم الانفاق ضرارہ وامساك بغیر معروف وکان حقاً علیه ان یطلق زوجة ولما لم یقم بذلك وقد تعین علیه قام القاضی مقامه فیه۔

قال صلی اللہ علیه وسلم لا ضرر ولا ضرار وان الامساك مع عدم الانفاق ضرار وان الامساك مع عدم الانفاق مضارة وعلی القاضی ان یزیل الضرر بفك تلك العقد الی اصبحت ضررًا لا مصلحة فیها۔ (الاحوال الشخصیة لابی زہرہؒ ص۳۴۹)

(۲) فی مقدمات لابن رشدؒ: ان تبین ان الضرر من قبل الزوج فرق بینهما بغیر غرم تغرمه المرأة۔ (الاحوال الشخصیة ص۳۶۴ التفریق للضرورة)

(۳) واجاز المالکیة التفریق للشقاق او للضرر منعا للنزاع وحتی لا تصبح الحیاة الزوجیة جحیما وبلا۔ ولقوله علیه السلام لا ضرر ولا ضرار و بناء علیه ترفع المرأة امرها للقاضی فان اثبت الضرر او صحة دعواها طلقها۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۵۲۷ البحث الثالث التفریق للشقاق۔ الخ)

(۴) اگر کسی جگہ مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت میں مقدمہ لے جانے کا قانوناً اختیار نہ ہو یا مسلمان حاکم قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو تو اس وقت مذہب امام مالکؒ کے موافق جس کا اختیار کرنا بضرورت شدیدہ حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے، مسلمانوں کی جماعت کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جائے گا اور اس کی صورت یہ ہے کہ محلہ یا بستی کے دیندار اور با اثر مسلمانوں کی ایک جماعت جس کا عدد کم از کم تین ہو، کے سامنے اپنا معاملہ پیش کیا جائے اور وہ جماعت اس معاملے کی تحقیق کر کے شریعت کے مطابق فیصلہ کر دے۔

(حیلۂ ناجزہ ص۳۴-۱۴۸ المرقوم للمظلومات و تفریق بین الزوجین لحکم حاکم)

وھکذا فی اسلام کا مکمل نظام طلاق ص۲۰۹ تا ۲۱۱۔
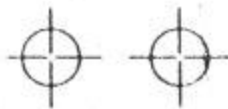
ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

ہر دور میں سائنسی ایجادات نے کوئی نہ کوئی نیا مسئلہ پیدا کیا ہے علماء اُمت اور مفتیانِ کرام نے شرعی نقطہ نظر سے ان ایجادات پر بحث وتحقیق کرتے ہوئے قرآن وسنت کے دلائل وشواہد کی روشنی میں ان مسائل کو حل کرنے کے لئے پُرمغز مقالے، مضامین اور کتابیں تحریر فرمائیں جن کو اپنے اور بیگانے سب نے تسلیم کیا۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی بھی ان ہی سائنسی ایجادات کی کرشمہ سازی ہے جس میں انسانی تولید کے جدید (مگر حیا سوز اور اخلاق باختہ) طریقے وضع کئے گئے ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب نے اس کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے جس کو دارالعلوم کے ترجمان ماہنامہ الحق نے اپنی اشاعت کی زینت بنایا۔ فتاویٰ اور فقہی مباحث کی مناسبت سے افادۂ عام کے لئے فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (از مرتب)

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

نیک اور صالح اولاد انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی اور گراں مایہ سرمایہ ہے، اولاد والدین کے لیے صرف دنیاوی عزت و افتخار کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ اُخروی سعادت اور نجات کیلئے بھی بہترین توشہ ہے، اسلام میں اولاد کی زیادتی پر کوئی پابندی نہیں، افرادی قوت کے اضافہ کے لیے اسلامی تعلیمات میں نکاح کی بار بار ترغیب دلائی گئی ہے، پھر ایسی عورت سے نکاح کرنے کو ترجیح دی گئی ہے جو زیادہ بچے جننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

تزوّجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الاُمم۔ (ابوداؤد، نسائی)

(ترجمہ) "تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو اپنے خاوند سے محبت کرنے والی ہو۔ جو زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو، کیونکہ میں دوسری اُمتوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔"

یہی وجہ ہے کہ جب ضبطِ تولید (FAMILY PLANNING) کی تحریک چلی تو علماء حق نے اس بے مقصد اور بے فائدہ تحریک کی شدید مخالفت کی، بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمارا عقیدہ ہے کہ اولاد کا دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسباب اور وسائل اور ذرائع کا حصول اور استعمال اپنی جگہ ضروری اور مسنون ہے مگر اولاد جیسی نعمتِ عظمیٰ کے حصول کا توقف اور دارومدار مشیّتِ الٰہی پر موقوف ہے، قرآنِ مجید میں اِس حقیقت کو یوں واضح کیا گیا ہے:۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (سورۃ الشوریٰ آیت ۴۹، ۵۰)

(ترجمہ) "اللہ ہی کی ہے سب سلطنت آسمانوں کی اور زمینوں کی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے اور

یا ان کو جمع کر دیتا ہے یعنی بیٹے اور بیٹیاں دونوں دے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے، بیشک وہ بڑا جاننے والا اور بڑی قدرت والا ہے"۔

اس آیتِ کریمہ کے مطابق اولاد کے اعتبار سے افراد انسانی چند اقسام میں منقسم ہیں:۔

(ا) ایسے افراد جن کو اللہ تعالیٰ بیٹیاں دیتا ہے جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی صرف بیٹیاں تھیں، ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی تین یا دو بیٹیاں (زیتا اور زعورا) اور حضرت شعیب علیہ السلام کی دو (لیا، صفوریا) بیٹیاں تھیں۔

(ب) ایسے افراد جن کو بیٹے دے کر بیٹیوں سے محروم کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف بیٹے دیئے تھے آپ کی کوئی بیٹی نہیں تھی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ بیٹے تھے۔ اسماعیل، اسحٰق، مدین، مدائن، نعشان، زمران، نعشیق اور شیوخ۔

(ج) ایسے افراد جن کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں دے کر دونوں نعمتوں سے نوازتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹیاں زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ اور تین یا چار بیٹے بھی عطا فرمائے، قاسمؓ، طاہرؓ و طیبؓ اور ابراہیمؓ۔

(د) آخر الذکر وہ قسم ہے جن کو اللہ تعالیٰ ہر دو نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے انبیاء ہیں جو اولاد سے محروم رہے۔

اگرچہ نوعِ انسانی کی یہ تمام اقسام معاشرہ کے عام افراد میں پائی جاتی ہیں لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرہ سے مقصد یہ ہے کہ نبی ہونے کے باوجود بیٹے یا بیٹی سے محروم ہونے میں یہ سبق ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے بیٹوں کے دائرے میں محبوس کر دیتا ہے تو وہ بیٹی کے لیے ترستا ہے اور کسی کی زندگی بھر میں صرف ایک بیٹی ہوتی ہے اور وہ بیٹے کے حصول کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہوتا ہے لیکن مرتے دم تک اس کی یہ آرزو پوری نہیں ہوتی، عربی میں اسے "عقیم" اور اردو میں "بانجھ" کہتے ہیں۔

بانجھ پن کے اسباب

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لانے کے باوجود اولاد کا نہ ہونا مشیتِ الٰہی

کا نتیجہ ہے، ممکن ہے کہ میاں اور بیوی میں ہر لحاظ سے (بچے کی پیدائش کی) صلاحیت موجود ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ ہی نہ چاہے تو دُنیا بھر میں گھومنے اور بہتر سے بہتر علاج کرانے کے باوجود محروم ہمیشہ کے لیے محروم ہی رہتا ہے۔

اس باطنی اور حقیقی سبب کے علاوہ "اہل طبائع" کے نزدیک کچھ ظاہری اسباب اور عوامل کا بھی اثر رہتا ہے، اگرچہ امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیرِ کبیر میں اس کا سختی سے انکار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ کسی کے نطفہ میں بچے کی پیدائش کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا نتیجہ ہے طبعی اسباب کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں، لیکن زیرِ نظر مسئلہ پر بحث کرنے کے لیے ہمیں ان طبعی اسباب کو مدِ نظر رکھنا ہوگا تاکہ اصل مسئلے کے فہم و ادراک میں کوئی دشواری نہ رہے۔ جملہ ضروری اور موقوف علیہ امور اور وسائل و ذرائع کے اختیار کر لینے کے باوجود اولاد نہ ہونے کے چند عوارض ہو سکتے ہیں، مثلاً:-

(ا) ممکن ہے کہ مرد کے مادۂ تولید یعنی نطفہ میں وہ صلاحیت ہی نہ ہو کہ جس سے بچہ پیدا ہو۔

(ب) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قصور عورت کی طرف سے ہو، عورت میں قصور ہونے کے مختلف اسباب ہیں کبھی مادۂ تولید میں صلاحیت نہیں ہوتی اور بعض اوقات مادۂ تولید میں صلاحیت تو موجود ہوتی ہے لیکن "رحم" میں استقرار کی طاقت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے نطفہ مقررہ مُدت تک "رحم مادر" میں نہیں رہ سکتا۔ انفرادی نقصان کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس جوڑے کے درمیان جدائی ہو جائے تو کسی ایک طرف کے ذی صلاحیت ہونے کی صورت میں کسی دوسرے ذی صلاحیت فرد سے رشتہ ہو جانے کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ موجودہ دور میں یہ پہچان لیبارٹری ٹیسٹ کے ذریعہ آسانی سے ہو سکتی ہے۔

(ج) ممکن ہے کہ دونوں جانب قصور کی وجہ سے یہ جوڑا عمر بھر بچے کی نعمت سے محروم رہے، جوڑے کی تبدیلی کے باوجود کسی ایک طرف سے ثمر آور ہونے کی اُمیدیں بہت کم ہوتی ہیں۔

بانجھ پن کے علاج کی ممکنہ صُورتیں

بانجھ پن کے علاج کی جدید صورت "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ اس سے بانجھ پن کی تمام صورتوں کا علاج ممکن ہے کیونکہ اس طریقۂ علاج کے باوجود کئی محروم جوڑوں کی نا امیدی نے غلط ثابت کر دیا ہے۔ ہمارے ہاں سب سے پہلے یہ تجربہ گیارھویں مرتبہ کامیاب ہُوا ہے۔ گویا متعلقہ ڈاکٹروں کی شبانہ روز کوششوں کے باوجود اگر سَو بیماروں کا علاج کیا گیا ہے تو ان میں صرف دس افراد کے

بارے میں کامیابی ہوئی ہے اور باقی نوّے فیصد کے بارے میں ناکامی ہوئی ۔اس قبیل اندازے میں کامیابی سے یہ نشاندہی ہوتی ہے کہ بانجھ پن کی بعض صورتیں ابھی تک لا علاج ہیں۔ بہرحال مرد یا عورت کی جانب سے قصور کی صورت میں علاج کی چند صورتیں ہیں :۔

(ل) مرد کے مادۂ تولید میں ضعف کا علاج ہو جائے یا متضاد مادہ کی علیحدگی کے لیے علاج کیا جائے تاکہ اصلاح کے بعد اس سے مطلوبہ نتائج برآمد ہوں، از روئے شرع یہ عام علاجوں کی طرح ایک علاج ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

(ب) ایسا ہی عورت کے قصور کی صورت میں اگر مادۂ تولید میں کوئی نقص ہو تو اس کی اصلاح کیلئے کوئی دوائی کھانا یا کھلانا جائز اور مشروع ہے ۔

(ج) لیکن عورت میں نقص کی صورت میں اگر یہ نقص "رحم" میں ہو یعنی "رحم مادر" میں استقرار کی صلاحیت موجود نہ ہو تو اس صورت میں بھی اگر عورت کوئی ایسی دوائی کھائے جس سے رحم میں امساک اور استقرار کی صلاحیت پیدا ہو جائے، بظاہر یہ علاج بھی ممنوع نہیں بلکہ دوسری بیماریوں کے علاج کی طرح یہ بھی مشروع ہے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا طریقۂ علاج

"ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کے ذریعہ آخر الذکر بیماری کا علاج دریافت کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے مادۂ تولید میں بچے پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہو لیکن "رحم مادر" میں امساک اور استقرار کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے بچہ پیدا نہ ہوتا ہو تو جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ طریقۂ علاج ایجاد کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے مادۂ تولید کو ملا کر ایک خاص ترتیب کے بعد عورت کے پیٹ میں ایک خالی جگہ میں معمولی اپریشن کرنے کے بعد رکھ دیا جاتا ہے اور متعلقہ ضروریات پہنچانے کے بعد مقررہ مدت میں یہ مادہ تدریجی ادوار طے کرنے کے بعد مکمل بچہ بن جاتا ہے۔

روزنامہ مشرق کے میگزین ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۷ء کے ایک جائزہ کی "تجرباتی رپورٹ" سے اس طریقۂ علاج کی نشاندہی ہوتی ہے جیسا کہ اخبار لکھتا ہے :۔

"آج سے آٹھ سال قبل نیوزی لینڈ کی ایک ۲۷ سالہ عورت مارگریٹ نے مئی ۱۹۷۹ء میں پانچ پونڈ کی ایک تندرست بچی کو جنم دیا، اس بچی کی پیدائش معمول کے مطابق نہ تھی، چونکہ اس عورت کا جسمانی نظام بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت سے عاری تھا اس لیے

اس کے شوہر کے نطفہ کو لیبارٹری میں "بیبٹری ڈش" تکنیک کے ذریعہ "امبری ٹو" کی شکل دے کر اس کی پرورش اس کے بطن میں کی گئی جہاں اس بچے نے بغیر "یوٹریس" کی مدد کے تمام غذائیت حاصل کی اور پروان چڑھ کر اپنے دن پورے کیے، بچے کی پیدائش اپریشن کے ذریعہ ہوئی تھی۔"

یہ طریقہ علاج دن بدن متعارف ہورہا ہے، ایک اندازے کے مطابق اس وقت دنیا میں تین ہزار بچے ایسے ہیں جو اس جدید طریقہ تولید کی برکت سے پیدا ہوئے ہیں اور اب پاکستان بھی ان ممالک کی صف میں شامل ہوگیا ہے جو اس طریقہ تولید کے مطابق صفِ اوّل میں ہیں۔

بعض سادہ لوح احباب بھی عجلت پسندی میں بغیر کسی تحقیق کے حکم لگانے کے قائل ہیں، چنانچہ ہمارے چند معزز ڈاکٹروں کے حوالے سے چند روز قبل یہ خبر شائع ہوئی کہ:۔

"ٹیسٹ ٹیوب بے بی کسی مرتبان یا ٹیسٹ ٹیوب میں نہیں بلکہ ماں کے جسم میں ہی پروان چڑھتی ہے اور اس کا نام ٹیسٹ ٹیوب نہیں ہونا چاہیئے، یہ ایک جدید طریقہ علاج ہے اس کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگر یوں شتر بے مہار کی طرح علاج کو بھی چھوڑ دیا جائے تو معلوم نہیں فائدے کی جگہ اس کے نقصان کیا ہوں گے"؟

اگرچہ تجربہ کی رو سے اس جدید عملِ تولید میں میاں بیوی کے مادۂ تولید سے کام لیا گیا ہے لیکن کیا اس بات کی کوئی ضمانت موجود ہے کہ آئندہ بھی یہ عمل صرف میاں بیوی تک ہی محدود رہے گا؟ ہرگز نہیں! بلکہ بطور ترقی کے اس تجربہ کو اور بھی وسعت دی گئی ہے جس میں اب میاں بیوی کی تمیز باقی نہیں رہی بلکہ عمدہ اور حسین نسل کے تخم حاصل کئے جارہے ہیں اور معلوم نہیں کہ آئندہ اس کو کہاں تک پہنچانے کا امکان ہے (العیاذ باللہ) اور اگر امکانی صورتوں کو مدنظر رکھ کر اس عمل کو دیکھا جائے تو اس کے بہت سے خطرناک نتائج کی نشاندہی بھی ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ یہ نتائج کسی وقت بھی محض امکان کی جگہ ایک حقیقتِ واقعہ کی صورت اختیار کرلیں۔ اب اصل مسئلہ کا حکم بیان کرنے سے قبل ایک مقدمہ بطور تمہید پیشِ خدمت ہے:۔

سدِّ ذرائع اور اسلام

اسلامی نقطہ نظر سے کسی شے کے حکم میں، اس کے اسباب و عوامل طریقہ کار یا نتائج کا بہت زیادہ اثر رہتا ہے، اسلام کسی شئے کی عارضی اور وقتی مصلحت کو دیکھ کر عجلت پسندی کے فیصلے کا حامی نہیں۔ اسلام چونکہ ابدی اور دائمی دین ہے اسلئے

اس میں موجودہ اور آئندہ ہر دور میں ہر حالت کی امکانی صورتوں کو مدِنظر رکھ کر حکم دیا جاتا ہے، ممکن ہے کہ بہت سے امور بظاہر اچھے اور خوبصورت ہوں، ان میں کوئی قصور اور نقص نہ ہو لیکن اس ظاہری حُسن کے باوجود اگر کوئی شے کسی دوسرے ناجائز کام کے لیے مقدمہ اور پیش خیمہ ہو تو شریعت میں ناجائز کام کے لیے ذریعہ ہونے کی حیثیت سے اس کام کا درجہ بھی ناجائز کام کا ہو جاتا ہے، اُس دوسرے ناجائز فعل کی وجہ سے اِس ذریعہ اور مقدمہ کو بھی حرام کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے فقہاء کرام کے ہاں یہ حکم "سدّ الذرائع" کے نام سے متعارف ہے، علماء کرام کے ہاں یہ معتبر ہے، خاص کر حنابلہ اور مالکیہ اس کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، قرآن وحدیث کی رُو سے اس قاعدہ کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔

قرآنِ کریم کی رُو سے قاعدہ کی وضاحت

مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ شفقت اور توجہ دلانے وقت "رَاعِنَا" کا لفظ استعمال کرتے تھے جس کا مقصد واضح تھا کہ یا رسول اللہ ہماری مصلحت کی رعایت فرمایئے، اس میں کوئی بے ادبی نہیں تھی، لیکن یہود اور منافقین اس لفظ کو بول کر اس سے ایسا معنیٰ مراد لیتے تھے جو منصبِ نبوت کے مناسب نہیں تھا اور اس سے یہودیوں کو شرارت کے لیے ایک موقع ملتا تھا، اللہ تعالیٰ نے شرارت اور فساد کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے اس جائز لفظ کے کہنے پر پابندی لگا کر متبادل لفظ تجویز فرمایا:

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا ۔ (سورۃ البقرۃ ۱۰۴)

(ترجمہ) "اے ایمان والو تم رَاعِنَا کا لفظ مت کہا کرو اور اسکی جگہ لفظ اُنْظُرْنَا کہہ دیا کرو"

حدیث سے قاعدہ کی وضاحت

ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو قریش مکہ کے تعمیر کردہ بیت اللہ میں متعدد نقائص نظر آئے، آپؐ کو محسوس ہوا کہ بیت اللہ کی تعمیر میں قریشِ مکہ نے اختیاری یا غیر اختیاری اسباب کی وجہ سے ایسے تصرفات کئے ہیں جو بناءِ ابراہیمی کے خلاف ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:۔

"میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ تعمیر کو منہدم کر کے اسے بالکل بناءِ ابراہیمی کے مطابق بنا دوں لیکن اس سے ناواقف عوام کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے اِس لیے سرِدست اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں۔"

ظاہر ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر ایک اہم اور ضروری مسئلہ تھا لیکن ناجائز امور یعنی فتنہ و فساد کے لیے پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے آپؐ نے قریشِ مکہ کی تعمیر کو اُسی حالت پر چھوڑ دیا۔

اِس قاعدہ کے ذہن نشین ہونے کے بعد اب ہم "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کے طریقۂ علاج کے نتائج پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس طریقۂ علاج کے معاشرہ پر مذہبی، اقتصادی اور معاشرتی لحاظ سے کیا اثرات پڑتے ہیں؟ اس سے معاشرہ کس حد تک متاثر ہوتا ہے؟ تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ نسب محفوظ نہیں رہتا

اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو انسانیت کے لیے سب سے اہم مسئلہ تحفظ نسب کا ہے، دنیا باوجود ترقی کے آج اس میدان میں حیران ہے اور غیر ثابت النسب بچوں کی تعلیم و تربیت موجودہ دنیا کے لیے ایک عظیم مسئلہ ہے۔ اسلام ہی وہ واحد دین اور مذہب ہے جس میں تحفظ نسب کی مکمل ضمانت موجود ہے۔ زنا اور دواعی زنا کی حرمت اور ممانعت سے وہ تمام راستے مسدود ہو گئے ہیں جس سے نسب متاثر ہوتا ہو، لیکن مذکورہ طریقہ علاج کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں انسان کا نسب محفوظ نہیں رہ سکتا، کیونکہ اس عمل کا تجربہ اگرچہ ایک میاں بیوی کے مادۂ تولید سے کیا گیا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس کو صرف میاں بیوی تک محدود رکھا جائے گا۔ کیونکہ ایک خاوند کے نطفہ میں جب خود صلاحیت موجود نہ ہو اور مذکورہ طریقہ علاج میسر ہو تو اس میں مانع کیا چیز ہے؟ کہ ایک غیر شخص کے ذی استعداد نطفہ سے یہ کام لیا جائے اور یا ایک عورت کو یہ معلوم ہو کہ میرا خاوند ناقابل اور نالائق ہے تو ممکن ہے کہ اس کے نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ بھی باپ کی طرح نالائق اور ناقابل ہو اور عورت بہ نفسِ نفیس یا خاوند کے مشورہ سے حسین، قابل اور ماہر شخص کے نطفہ سے یہ مسئلہ حل کر سکتی ہے تاکہ اس سے پیدا ہونے والا بچہ قابل اور ذہین ثابت ہو۔ چنانچہ اس اس تجربہ سے کامیابی کے بعد ایک اخباری اطلاع ملاحظہ فرمائیے:۔

"آجکل امریکین کیلی فورنیا کے علاقہ "رسکو ڈیڈو" میں رویرٹ گراہم نے عالی ظرف نطفوں کا ایک بینک قائم کیا ہے جس میں بڑے بڑے فنکار، سائنسدان، موسیقار، فلسفی، اور بیشمار اعلیٰ صلاحیت کے حامل لوگوں کو نخ بستہ کر کے محفوظ رکھ لیا گیا ہے اور ان نطفوں کی تفصیل کیٹلاگ شائع کی جاتی ہے اور وہ ایسی ماؤں کی تلاش میں رہتے ہیں جو نطفوں کے لیے مختلف خصوصیات کی حامل ہوں جو "امبری ڈ" سے اولاد پیدا کر کے اعلیٰ عقل و خرد کے لوگوں کی آبادی میں اضافہ کر سکیں"۔

ظاہر ہے کہ غیر کے نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ اگرچہ قضاءً (الولد للفراش وللعاھر حجر) سے باپ کا بیٹا کہلائے گا لیکن خود جب اس بچے کو یہ معلوم ہوجائے گا کہ میں اس شخص کے نطفہ سے نہیں ہوں میری پیدائش کے لیے مادۂ تولید کسی غیر شخص سے حاصل کیا گیا ہے، تو یہ بچہ کبھی بھی اس کو باپ تسلیم نہیں کرے گا اور نہ دیانتہً یہ شخص باپ کہلانے کا مستحق ہے۔

مادۂ تولید کا مذموم کاروبار روزمرہ کا معمول بن جائے گا

اگر اس عمل کو جاری رکھا گیا اور ان عالی ظرف نطفوں سے بچوں کی پیدائش کے اس طریقہ کو آگے بڑھا دیا گیا تو ظاہر ہے کہ عوام الناس کے رجحان کو دیکھ کر نطفوں کا باقاعدہ کاروبار شروع ہوجائے گا، کیونکہ بغیر قیمت کے میسر نہ ہونے کی صورت میں خواہ نخواہ خریدنے کی ضرورت ہوگی، شریعت میں مال نہ ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہے، لیکن عام انسان بھی طبعی طور پر اس مذموم کاروبار سے متنفر ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ خون کی خرید و فروخت کی طرح اس کو بھی بعض لوگ آمدنی کا ذریعہ بنالیں۔

معاشرہ میں نکاح کی اہمیت ختم ہوجائے گی

موجودہ دور میں ہر ایک معاشرہ کے اندر نکاح کے لیے خاص صورتیں موجود ہیں، زنا سے نفرت کے لیے مذہب، قانون یا فطرت ایک اہم سبب ہے۔ اگرچہ یورپی درندوں کے ہاں اخلاق سوز رابطوں کو قانونی تحفظ حاصل ہے لیکن پھر بھی زنا سے کچھ ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہوں گے۔ لیکن زیرِ نظر طریقۂ علاج اپنانے سے نکاح کی یہ وقعت بھی ختم ہوجائے گی اور ایک نوجوان عورت کیلئے اس میں کون سی رکاوٹ ہے کہ وہ بغیر خاوند کے کسی غیر شخص کے نطفہ سے حاملہ ہو کر ماں بن جائے، بغیر خاوند کے حاصل ہونے والے بچے کو کنواری ماں اپنا بچہ سمجھے گی، اور یہ بچہ کل بڑا ہو کر اپنی پہچان کے لیے صرف ماں کی طرف نسبت پر اکتفاء کرے گا، یوں اس کی بچے کی خواہش تو پوری ہو جائے گی جبکہ طبعی خواہشات کی تکمیل کے لیے غیر شرعی اور غیر فطری طریقے اپنائے جائیں گے اور نکاح کو زائد از ضرورت چیز سمجھا جائے گا۔

افزائش نسلِ انسانی کے فارم

جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ ایک مرد کے نطفہ سے متعدد عورتیں حاملہ ہوسکتی ہوں تو پھر جس ملک کو افرادی قوت کی ضرورت ہوگی اور جہاں افزائش نسل پر متعلقہ جوڑوں کو انعام دیا جاتا ہے وہاں اس ضرورت کی تکمیل کے لیے ایک آسان نسخہ ہاتھ آجائے گا کہ اعلیٰ ظرف اشخاص کے نطفوں کو اکٹھا کر کے

ذی استعداد عورتوں کے مرغیوں، گائے اور بھیڑ بکریوں کی طرح فارم بنا کر بچے پیدا کرلئے جائیں گے، ایک ہی انجکشن سے نامعلوم کتنے بچے پیدا ہوں گے ؟لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان فارمی نوزائیدہ بچوں سے قوم وملک اور معاشرہ کی اصلاح کے لیے کیا اُمید کی جاسکتی ہے؟ جبکہ ایسے بچوں کا مستقبل تو درکنار خود افزائش نسل کا یہ طریقہ ایک قبیح حرکت ہے۔

ممکن ہے کہ اس سفر کی انتہا یہ نہ ہو بلکہ اس کے بعد ان فارموں کے لیے ذی استعداد عورتوں کی ضرورت ہوگی اور اس مقصد کے لیے رضاکار عورتوں کے میسّر نہ ہونے کی صورت میں مطلوبہ عورتوں کو قیمتاً خریدنا پڑے گا۔ چنانچہ عورتوں کی خرید وفروخت کا ایک مذموم کاروبار شروع ہوکر زمانہ جاہلیت کی یاد تازہ ہوگی۔

مرد بھی بچے پیدا کرسکیں گے

جب ایک نطفہ بغیر رحم مادر کے تولیدی ادوار طے کر کے بچہ بن جانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور عورت کے پیٹ کے ایک خالی حصہ سے یہ مقصد پورا ہوتا ہو تو پھر ممکن ہے کہ آئندہ اس عمل کا عورت کے پیٹ سے کوئی تعلق نہ رہے بلکہ مرد کے پیٹ میں بھی اس عمل کو جاری رکھ کر بچہ پیدا کیا جاسکے گا جیسا کہ اس کا تجربہ ہوچکا ہے، تو مرد کے ماں بن جانے کی صورت میں دوسرے مسائل تو درکنار خود مرد کیلئے بھی یہ ذلت اور رسوائی کا مقام ہے۔ مزید برآں عورت طبعی طور پر بچے کی تربیت اور پرورش کی صلاحیت رکھتی ہے، ایک عورت بچے کی جو تربیت کرسکتی ہے مرد میں اس ذمہ داری اور بوجھ کو اٹھانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ہوجائے یا نکاح قائم رہے حق حضانت یعنی بچوں کی تربیت کا حق عورت کو ہی حاصل رہے گا۔

فتاویٰ عالمگیری جلد ا ص میں ہے کہ میاں بیوی میں جدائی کے بعد بھی لڑکے کے لیے سات یا نو سال تک اور لڑکی کیلئے تا بلوغ حق حضانت والدہ کو حاصل ہے۔ جبکہ مرد کے ماں بن جانے کے بعد دوسرے مسائل کے علاوہ ماں کی شفقت اور اس کے حق تربیت سے محروم رہ جائیں گے۔

زناکاری کا بند نہ ہونے والا دروازہ کھل جائے گا

جب مرد خود بچے پیدا کرنے کا بوجھ اپنے کندھوں پر ڈال دے تو اس کو عورت کی ضرورت ہی کیا رہے گی، ایسے ہی جب ایک عورت خاوند کے بغیر بچے کو جنم دے سکتی ہے تو ایسی حالت میں وہ شادی کی ضرورت محسوس نہیں کرے گی، مرد اور عورت الگ الگ بچے پیدا کرلیں گے تو طبعی اور فطری خواہشات کی تکمیل کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کریں گے اور پھر زنا اور لواطت کا ایک بند نہ ہونے والا دروازہ

کھل جائے گا جس سے پوری انسانیت کی ہلاکت اور بربادی یقینی ہے۔

انسان کا رشتہ بندروں اور کتوں سے جُڑ جائے گا

جب اس جدید طریقہ تولید کو جاری رکھا گیا اور تحقیق و ریسرچ کسی خاص حد تک منتہی نہ ہوئی تو عین ممکن ہے کہ انسانی مادۂ تولید کسی بندریہ یا کُتیا کے پیٹ کی خالی جگہ میں رکھ کر اس عمل کو پورا کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ انسانی نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ انسان ہی شمار ہوگا لیکن مامتا کا یہ پیار رشتہ پھر بندروں اور کُتوں کی نوع سے منسلک ہو جائے گا۔

سوچنے کا مقام ہے کہ یہ ترقی ہے یا تنزّلی! کہ اشرف المخلوقات اور مخدوم عالم کسی کُتیا یا بندریہ کا بچہ کہلائے۔

ان متعدد ناجائز اور غیر شرعی امور کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ تولیدی عمل از روئے شرع ناجائز ہے۔ اگرچہ موجودہ دور میں لوگ اسے علمی اور سائنسی ترقی سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں رسوائی اور تباہی کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے آئندہ اس پر کنٹرول کرنا ایک مشکل مسئلہ ہوگا۔

خاندانی منصوبہ بندی

عالم کفر مسلمانوں کی ایمانی قوت کے ساتھ ساتھ ان کی افرادی قوت سے بھی خائف ہے، ان دونوں کو ختم کرنے کے لیے یورپ نے خاندانی منصوبہ بندی کا غیر فطری طریقہ ایجاد کیا، اور اپنے اس منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لیے اس نے سبز باغ کے طور پر وسائل کی کمی، رزق کی تنگی، صحیح تعلیم وتربیت خصوصاً عورتوں کی صحت وغیرہ کا نعرہ لگایا، جبکہ اس دلفریب نعرہ کی آڑ میں یہود وہنود کا اصل مقصد مسلمانوں میں جنسی اختلاط کے ساتھ ساتھ ان کی ایمانی وافرادی قوت کو ختم کرنا ہے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے خاندانی منصوبہ بندی کے خطرات اور نتائج پر انوکھے انداز میں روشنی ڈالی ہے، مولانا صاحب کے اس مضمون کو افادۂ عام کے لیے فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

خاندانی منصوبہ بندی

خطرات و نتائج

ایک خبر ہے کہ کمشنر ملتان نے (خاندانی منصوبہ بندی) کے بہبود آبادی میں اپنے ضلعی افسروں کے ایک اجلاس میں ہدایت پر زور دیا ہے کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی تحریک کو عوام میں پوری طرح مقبول کرائیں۔ ہم بقول ایک معاصر اس "بانگ بے ہنگام" پر خاموش نہیں رہ سکتے۔ ضبط ولادت کی تحریک پر ملک کے سنجیدہ علمی و دینی حلقے ابتدا ہی سے اظہار ناراضگی کر رہے ہیں اور برابر اس تحریک کی مضرتوں پر معاشی، اخلاقی، شرعی و عقلی ہر پہلو سے روشنی ڈالی جا چکی ہے اور اب تک ڈالی جا رہی ہے۔ طویل مشاہدات و تجربات کی روشنی میں مرتب کردہ اس تحریک کے عقلی و شرعی تجزیہ سے ہمیں کلی اتفاق ہے کہ اس مہم کا براہ راست اثر ہماری معاشرتی زندگی کی قدروں پر ہوگا لذت پرستی اور جنسی بے راہ روی کی ساری رکاوٹیں ختم ہو کر ایک اسلامی ملک میں اخلاقی انار کی فحاشی بے حیائی اور زنا کاری کا شجرہ خبیثہ خوب پروان چڑھے گا۔ ضبط ولادت کی غیر فطری کوششوں سے عورت و مرد کی جسمانی اور نفسیاتی صحت پر برا اثر پڑے گا۔ خانگی ذمہ داریوں اور اولاد کی تعلیم و تربیت سے سبکدوشی کے احساس سے نہ صرف شہوانی جذبات میں اضافہ ہوگا بلکہ پورا معاشرہ جو خاندان کے مضبوط و مستحکم رشتوں پر استوار ہوتا ہے بگڑ جائے گا۔ گھریلو فرائض جن کے نباہنے پر اولاد ہی ایک فرد کو مجبور کر سکتی ہے اس سے فرار بہت آسان ہو کر معاشرہ باہمی حقوق سے گریز طلاق اور نا چاقی کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔

قومی خودکشی

ان لازمی نتائج و خطرات کے علاوہ ایک ایسا منصوبہ جو ہمارے مسلم معاشرہ کے شرعی و معاشی اور اخلاقی اقدار کے کسی پہلو سے بھی جوڑ نہیں کھاتا موجودہ سنگین حالات میں جو بھارت جیسے عیار سامراج کے مقابلہ کی شکل ہمارے سامنے ہے ضروری ہے کہ اس منصوبہ کے اس مہلک پہلو پر بھی توجہ کی جائے جس کا خمیازہ ساری قوم و ملت کو بھگتنے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت جب کہ ظاہری اسباب میں ہماری کامیابی کا تمام تر دارومدار اس ملک کی عددی قوت اور افرادی اضافہ پر ہے ایسی سکیموں کو زیر بحث لانا بھی قومی خودکشی کے مترادف ہے جن سے تحدید نسل یا نسل کشی کی حوصلہ افزائی ہو۔

افرادی قوت اور یورپ یورپ نے جو اس لعنت کا اولین سرچشمہ اور داعی ہے انیسویں صدی کے آغاز سے اس تحریک کو اپنایا مگر بالآخر اس زوال پذیر تہذیب پر عیاں ہوا کہ قلت آبادی کی اس تحریک نے اگر ایک طرف اسے اخلاق و شرافت سے عاری بنا دیا تو دوسری طرف اس پر واضح ہوا کہ قلت آبادی کے یہی مساعی اس کی اجتماعی قوت کے اضمحلال اور سیاسی طاقت کے انحطاط کا باعث بن رہے ہیں۔ چنانچہ بعد از خرابی بسیار مغربی اقوام نے اپنا رویہ تبدیل کر لی فرانس کے مارشل پیٹن نے اسے اپنے ملک کے زوال کا بنیادی سبب قرار دیا۔ برطانیہ کے ایک مشہور مدبر اور ممبر اسمبلی رینڈالف چرچل نے شرح پیدائش کے گرنے کے خطرات سے ملک کو آگاہ کیا یہی حال یورپ کی دیگر اقوام کا ہے۔ فرانس، جرمنی اور اٹلی نے اسقاط حمل اور تحدید نسل کے تمام اقدامات کو سخت ترین جرم قرار دیا بلکہ ملک کی معاشی ترقیات کے متبادل انتظامات کے ساتھ ساتھ افزائش نسل کی سرپرستی کی اور کر رہے ہیں۔ چنانچہ سویڈن وغیرہ میں بچوں کی تعداد بڑھانے والوں پر ٹیکس کی شرح میں تخفیف کی گئی۔ اس وقت یہی پالیسی امریکہ اور یورپ کی تمام اقوام کی ہے۔ ان پر بالآخر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ اس ایٹمی دور میں کسی ملک کے استحکام، سیاسی برتری اور بین الاقوامی اہمیت

کے اسباب میں کثرت آبادی کا بھی کافی دخل ہے۔ کوریا کی جنگ میں چین نے اور جنگ عظیم نے جاپان میں محض اپنی عددی قوت سے دشمن کے منصوبوں کو بے اثر بنایا۔ آج ہمارے پڑوس میں چین اور روس کو جو سیاسی اقتدار اور تفوق حاصل ہے بالخصوص چین جو اپنی عظیم قوم ہی کے بل بوتے پر مغربی استبداد کے غرور و گھمنڈ کو چیلنج کر رہا ہے۔ اس میں کثرت آبادی کا بھی بڑا دخل ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ممالک اگر ایک طرف ملکی معیشت کی خوشحالی کے لیئے قدرت کے عطا کردہ تمام وسائل اور ذرائع کو کام میں لا رہے ہیں تو دوسری طرف آبادی کے لحاظ سے اپنی تفوق اور برتری کو بھی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہی حال ہمارے عظیم مسلم ملک انڈونیشیا کا ہے۔

سیاسی اور دفاعی ضرورت مغربی ممالک میں تکثیر آبادی کے مساعی کے باوجود مشرقی اقوام اور عالم اسلام کی شرح آبادی کی رفتار کی وجہ سے مغربی اقوام کو اپنی سیاسی قیادت خطرہ میں نظر آرہی ہے اور مغرب کی کوشش ہے کہ اپنی بین الاقوامی پوزیشن برقرار رکھنے کے لیئے اسلامی اور مشرقی ممالک کی شرح اضافۂ آبادی کو روکا جا سکے اور ان ممالک میں تحدید نسل اور ضبط ولادت کی تحریک پروان چڑھا کر انہیں اپنی موت آپ مار دیا جائے۔ ادھر ہماری فریب خوردگی کا یہ عالم کہ ؎

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں دام کا۔
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

ان وجوہات سے تحدید نسل کا مسئلہ صرف اخلاقی اور معاشی یا مذہبی مسئلہ نہیں رہا بلکہ بین الاقوامی حالات نے اسے پاکستان اور عالم اسلام کے لیئے سیاسی اور فالحقۃً ایک دفاعی مسئلہ بنا دیا ہے پھر ہمارا ملک جغرافیائی لحاظ سے ایسی پوزیشن میں ہے کہ ہماری چاروں طرف کی آبادی ہم سے تین گنا بلکہ آٹھ گنا تک زیادہ ہے۔ خود بھارت جس کے سامراجی عزائم کو جب تک خاک میں نہ ملا دیا جائے ہم لحظہ بھر اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتے وہاں کی آبادی ساڑھے چار گنا زیادہ ہے۔

ایسے حالات میں عواقب و نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس تحریک کے ڈھنڈورے پیٹنا ربوبیت عامہ اور شان رزاقیت کے لیئے چیلنج اور قومی و ملی موت کے مترادف ہے اور اسلامی و قومی تقاضوں

کو بالائے طاق رکھ کر اس تحریک کی سرپرستی اور اسے قوم میں مقبول بنانے کی دعوت دینا قومی ناعاقبت اندیشی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

تعمیر و ترقی کا صحیح راستہ

ہماری دلی خواہش ہے کہ ملک کے حقیقی مفادات کی بنا پر آئندہ ہر اس تحریک، منصوبہ اور تکمیل سے اجتناب کیا جائے جو ہمارے ملی اور قومی مزاج اور تقاضوں سے جوڑ نہ کھائے اور اگر مغربی تہذیب و تمدن کی تقلید میں ہم سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہوں تو حالیہ واقعات سے سبق لے کر انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے اور ہر اس علمی و عملی اقدام کو سختی سے روک دیا جائے جو ملت مسلمہ کے لئے دینی اور اخلاقی فتنوں کا سامان مہیا کرے جو اسلامی جمہوریہ اور اس کے غیور مسلمانوں کو دینی اقدار اور مجاہدانہ کردار سے دور ہٹائے اور جس سے اس عظیم قوم کی مومنانہ اور مجاہدانہ روح مجروح ہو۔ خواہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک ہو یا عائلی قوانین کی یہ فریب شکل یا تجدد، ترقی اور فیشن کے فکر انگیز نام اور یا اسلامی ریسرچ و تحقیق کے نام پر تحریف دین کی تحریکیں ——— ہمارے خیال میں یہی وہ طرز عمل ہے جو ہمارے مستقبل کی تعمیر اور خوشحالی اور ملک کی بقا و سلامتی کا ضامن ہو سکتا ہے اور یہی وہ طرز حیات ہے جسے حالیہ واقعات کے نتیجہ میں ہمارے لائق اور قابل احترام صدر مملکت محمد ایوب خان نے حسب ذیل الفاظ میں اشارہ فرمایا کہ:-

> یہ تجربات گہرے اور ہمہ گیر ہیں کسی عارضی جوش و خروش کا نتیجہ نہیں اور نہ وقتی اور نہ گزرنے والی باتیں ہیں۔ ان واقعات نے ہمیں زندگی کے ہر میدان کے لئے ایک مستقل طریق عمل بخشا ہے اور یہی دراصل اسلام کا ضابطہ حیات ہے۔ انشاء اللہ اب یہی طریق عمل ہمارے آئندہ طرز فکر و عمل کے لئے مشعل راہ ہوگا۔ (نومبر ۶۵ء)

منصوبہ بندی کا اخلاقی اور سماجی پہلو

تحریک خاندانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی ترویج میں ہمارے ملک کی پوری

مشینری مصروف عمل ہے۔ اقتصادی فوائد کے علاوہ اس کی اخلاقی اور سماجی خوبیوں کا پرچار بھی ہو رہا ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ نئے اسلام کی تخلیق کرنے والی ایک فیکٹری "ادارہ تحقیقات اسلامیہ" اور اس کے نام نہاد محققین کی ایک پوری کھیپ بھی قتل اولاد کی اس انسانیت کش تحریک کے ڈانڈے قرآن و سنت اور فقہاء اسلام کے اقوال سے ملانے میں مصروف ہے۔ اخبارات کے پورے ایڈیشن اور ضمیمے اس نسخۂ شفا کے پرچار کے لئے نکل رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نقار خانہ میں اہل حق کی صدائے عزت پر کوئی توجہ دے بھی تو کیسے؟ پھر بھی اہل حق علماء اپنے فریضہ احتساب کی بنا پر علماء بلا خوف و خشیت اس تحریک کے روحانی، سماجی اور سیاسی عواقب اور تباہ کن نتائج سے قوم کو آگاہ کر رہے ہیں۔ وہ قوم جو بلا جھجک یورپ کی بہیمانہ کھیتی میں کودتی چلی جا رہی ہے۔ آج کی فرصت میں ہم اس ماہ کی دو ایک خبریں اخلاقی قدریں اور تحریک نسل کشی کے پرچار کرنے والوں کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس تحریک کے طبی پہلو پر اس خبر سے روشنی پڑتی ہے۔

"لندن کے ایک فزیشن نے کہا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اور برتھ کنٹرول کے لئے جو انسدادی گولیاں استعمال کی جاتی ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ بعد از اں مرد کی صحت پر اثر انداز ہوں اور مثانے کی بیماری پیدا ہو جائے۔ ایسے کئی واقعات ہوئے ہیں"

(روزنامہ جنگ راولپنڈی ۷؍ اکتوبر ۱۹۶۶ء)

"عورتوں کیلئے اس عمل کے بے شمار بیماریوں کا باعث ہونے کی خبریں بھی روزمرہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ برتھ کنٹرول کے سیاسی مضرات کا اندازہ اس خبر سے ہوتا ہے کہ اس ماہ رومانیہ (ایک اشتراکی ملک) میں اسقاط حمل کو ممنوع قرار دینے کے لئے قانون نافذ کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں نافذ کئے جانے والے قانون کے تحت صرف شدید طبی ضرورت کے علاوہ اسقاط حمل کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

(روزنامہ جنگ راولپنڈی ۲۵؍ اکتوبر ۱۹۶۶ء)

اس سے قبل افرادی قلت اور قومی خودکشی کا تلخ تجربہ فرانس اور کئی دیگر ممالک کو ہو چکا ہے اور اس حماقت نے ان ممالک کی عظمت کو خاک میں ملا کے رکھ دیا ہے۔ رہا اس تحریک کا اخلاقی اور سماجی پہلو تو اس کا اندازہ آج یورپ کے ہر اس ملک سے لگایا جا سکتا ہے جہاں اخلاق و شرافت کے تمام بندھن ٹوٹ گئے ہیں اور جنسی ہیجان کے طوفان میں انسان محض ایک "انسان نما بھیڑیا" بن کر رہ گیا ہے۔ ذیل کے چند تازہ اعداد و شمار سے اس حیوانیت کا اندازہ لگائیے اور اس آئینہ میں اپنے ملک اور معاشرہ کے سیاہ مستقبل کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے۔ امریکہ میں صرف پچھلے ایک سال میں ۲ لاکھ ۵۰ ہزار طالبات کا اسقاط حمل کرایا گیا۔ (مجلۃ العربی ستمبر کویت)

خاندانی منصوبہ بندی کے آلات و ادویات نے جن لوگوں کو اس دھندہ سے چھٹکارہ دیا ہوگا۔ اس کا اندازہ آپ خود لگائیے۔ پھر مذکورہ تعداد بھی صرف طالبات کی ہے۔ انگلستان میں پچھلے ایک سال کے اندر ایک لاکھ ۲۷ ہزار ناجائز (حرامی) بچے پیدا ہوئے (العربی کویت) اور اس طرح حرامیوں کے اس لشکر نے "قلال پیداوار" کا کوٹہ پورا کر دیا ــــــ اب ایک ایسے ملک کا حال سنیئے جو یورپ کا نہیں مشرق وسطیٰ کا ملک ہے اور جہاں کی تقریباً "نصف آبادی مسلمانوں کی ہے۔ کویت کا مشہور رسالہ "العربی" رقمطراز ہے:۔

بیروت میں ۸۰ فیصد طالبات شادی سے پہلے ہی جنسی تعلقات قائم کر لیتی ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ہمارے ہاں کے سرکاری حلقوں میں بھی اس تحریک کے ناجائز استعمال پر تشویش ظاہر کی گئی ہے جس کی خبریں اخبارات میں آچکی ہیں۔ انسان کے حقیقی رشد و ہدایت کی سچی اور لاجواب کتاب قرآن مجید نے بہت پہلے "قتل اولاد" سے منع کرنے کے فوراً بعد زنا اور اس کے محرکات روک کر اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے کہ قتل اولاد کی ہر شکل اور زنا و فحاشی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں آیات کے باہمی تعاون سے عیاں ہے کہ پہلا جرم "قتل اولاد" دوسرے جرم (زنا اور فحاشی) کا محرک ہے ــــــ پڑھیئے اور قربان جائیے اس لافانی کتاب کے اعجاز سے ارشاد ربانی ہے۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقہم وایاکم ان قتلھم کان خطأً کبیرا۔

بنی اسرائیل ۳۱

اور مت کرو قتل اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے۔ ہم ان کو بھی روزی دیں گے اور تم کو بھی دیتے ہیں۔ بیشک اولاد کو قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے

اس آیت کے فوراً بعد ارشاد ہے۔

ولا تقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃ ط وساءَ سبیلاً ۔ ۳۲

اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو کیونکہ زنا بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بہت بری راہ ہے۔

نہ صرف اس مقام پر بلکہ دوسری جگہ انعام میں بھی قتل اولاد سے منع کرنے کے معاً بعد فحاشی اور بے حیائی کی نمایاں اور خفیہ تمام صورتوں سے روک دیا۔ اس انداز بیان سے بھی صاف نمایاں ہے کہ دوسرا جرم (بے حیائی اور فحاشی) پہلے جرم (قتل اولاد) برتھ کنٹرول کا لازمی اور طبعی رد عمل ہے۔ ارشاد ہے :-

ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاھم ولا تقربوا الفواحش ما ظہر منہا وما بطن ج

آیت ۱۵۱ ۔ انعام

اور مت قتل کرو اپنی اولاد کو غربت کے سبب۔ ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ خواہ وہ اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ۔

(نومبر ۶۶ء)